المکتبۃ الشرعیہ
شمع کالونی، جی۔ٹی روڈ
گوجرانوالہ فون۔۲۵۹۱۸۳

bestudubooks.wordpress.com
مُعَرَّب
کاشفہ
شرح
کافیہ
تصنیفِ لطیف
مفتی عطاء الرحمٰن مُلتانی
المکتبۃ الشرعیۃ
شمع کالونی، جی ٹی روڈ
گوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۳

التقريظ الانيق المشتمل بالتّبيان العميق للشيخ العلّام أُسوةُ السّلف وقُدوةُ الخلف امام النّحو والصّرف شَيْخنا

مَوْلَانا نصرُالله خان صَاحبؒ

صدر المدرسين فى المدرسة بحر العلوم صادق آباد

قال: سبحان الذى ليس كنحوه شئٌ والّذى علّمنا من احوال الكلمة والكلام۔

وصلوٰة الله على رسوله المبعوث الى الانس والجانّ وعلىٰ اٰله وصحبه الّذين صعدوا من حضيض القال الىٰ اَوجِ الكمال۔

امّابعد! فانّ الكافية للعلامة الشيخ ابن حاجب من اشهر الكتب فى النحو وقد كتبت عليها شروح كثيرة فى العربية والفارسية۔

لكن ليس فى الاردية شرحٌ تظهر به خباياه وتكشف به عماياهٗ من زواياهٗ۔

فجهد العالم الفاضل عطاء الرحمٰن الملتانى سلمه المنّان وكتب عليه شرحًا انيقًا وعلّق عليه تعليقًا وثيقًا سمّاه الكاشفة للكافية ۔ والحق ان الكاشفة تسر الخواطر وتقر النواظر وتعين المعلم والمتعلم وتزين السامع والمتعلم۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔

وجعله للمصنّف فرطاً و زخرًا واجرًا فى الدّارين يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

محمد نصرالله عفى الله عنه

شیخ المعقول والمنقول، غزالیٔ زمانؒ، رازیٔ دورانؒ
حضرت العلام قاضی حمیدُ اللہ خانؒ مدظلہ

مدیر مدرسہ مظاہر العلوم گوجرانوالا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا عطاءُ الرحمٰن ملتانی کی یہ تصنیف اور دیگر تصنیفات توصیف و تعریف سے بالاتر ہیں، جو کہ علم و عرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ اور دلوں کو منوّر کرنے والا جگمگاتا ہوا سورج ہے۔ مولانا موصوف کی صرف و نحو پر تحقیق و تدقیق قابلِ رشک اور قابلِ ستائش ہے۔ بالخصوص اس شرح کاشفہ میں کہاں کہاں سے نکاتِ عجیبہ اور نوادراتِ غریبہ مع جرح و قدح جمع کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مُتقدّمین کی کتب اور شروحات سے مُنتخب شدہ جواہرات ہیں۔ جو کہ معلمین اور مُتعلّمین کے لیے مطلُوبات و مقصُودات ہیں، جن سے ملکہ و استعداد پیدا ہوگا۔ اور علوم کی گہرائیوں میں اُترنے کا ذوق و شوق پیدا ہوگا۔ اور علمی دُنیا میں آگے سے آگے بڑھنے کی ہمت ہوگی۔ اور متون و شروح کی فہم و تفہیم کی صلاحیت حاصل ہوگی۔ باری تعالیٰ شانہٗ ان تصانیف کو صدقۂ جاریہ بنائے۔

والسّلام

حمیدُ اللہ خانؒ

التقريظ الاجلیٰ للمفتی الاعلیٰ النحریر الاتقیٰ

الفقیہ الانقیٰ

مُحَمَّد عیسیٰ

دَامَتْ بَرکَاتُہُمُ العلیا

الحمد للّٰہ الّذی خلق الانسان بتشریفہ وعلمہ القراٰن بتعلیمہ وجعل علوم العربیۃ الاٰلیۃ من التصریف والنحو وغیرھا وسیلتہ وموصلتہ فبفضل اللّٰہ وبرحمتہ یکاد الانسان یفھم القراٰن بلغۃ القراٰن ویبین و یوضح معانیہ ومقاصد مما علمہ البیان۔

امابعد فان اخانا فی اللّٰہ الفاضل الادیب الاریب البارع فی علوم الصرف والنحو مولٰنا عطاء الرّحمٰن الملتانی کثر اللّٰہ أمثالہ وأدام اللّٰہ انفاسہ شرح الکافیۃ فی النحو لعلامۃ ابن الحاجب المسمّٰی بالکاشفۃ شرحًا قویًا فی مقاصدہ وبلیغًا فی معارفہ فی الاردیۃ متضما للسوال والجواب ومشتملا علی تفاصیل المناسبۃ بقدر الحساب بحیث یسھل المرام تسھیلاً شافیًا وبحال الراغبین وافیًا فجعلہ اللّٰہ نافعًا وذخرًا لہ ولاساتذتہ۔ اٰمین۔

محمد عیسیٰ عفی عنہ

خادم لجامعۃ المفتی

فتاح العلوم نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۷ جولائی ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التقدیم

سبحان من برھانہ اجلیٰ و اعلیٰ شانہ
اعلیٰ العلی سلطانہ سبحانہ سبحانہ

پہلی بات: علمِ نحو کی ضرورت اور اہمیت۔ لغتِ عربیہ کو جو اولیت اور اولویت حاصل ہے وہ مُضمر نہیں۔ جس پر قرآن و حدیث (جو کہ اسلام کا مبدأ و منتہیٰ ہے) کا ورود دلیلِ قاطع ہے۔ جس کی حفاظت اور بقاء اشاعت و احیاء کے لیے اسلاف و اخلاف رضی اللہ عنہم وارضاہم کی جد و جہد قابلِ تقلید اور قابلِ رشک مثال ہے۔ جس کے لیے انھوں نے علوم کو ایجاد کیا۔ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور تصنیف و تالیف کا دروازہ کھولا۔ ورنہ تو آج لغتِ عربیہ کے اسرار و رموز، فصاحت و بلاغت، حقائق و دقائق کا معلوم ہونا تو درکنار، اس کے تلفظ کی بھی کسی میں استطاعت و قدرت نہ ہوتی۔ بلکہ پہلے بھی نہیں تھی۔ تب ہی تو صرف و نحو کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایجاد فرمایا۔

چند امثلہ: پہلی مثال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک اعرابی نے لوگوں سے کہا: مَنْ یُّقْرِءُنِیْ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ قرآن مجید میں سے کچھ حصہ مجھے کون پڑھائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں پڑھاؤں گا۔ تو اس معلم نے سورتِ براءت کی آیتِ کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھائی۔ جس میں لفظ (رَسُوْلِهٖ) کے لام پر کسرہ پڑھائی۔ جس کا معنیٰ بنتا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین اور اپنے رسول ﷺ سے بیزار ہے"۔ (معاذاللہ) تو اس متعلم اعرابی نے کہا کہ میں بھی رسول ﷺ سے بیزار ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ ﷺ سے بیزار ہونے کا اعلان کر دیا ہے؟ اعرابی نے عرض کیا کہ میں قرآن مجید پڑھنے کے ارادے سے مدینہ منورہ آیا تھا۔ ایک شخص نے مجھے یہ آیت پڑھائی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے۔ تو میں بیزاری کا اعلان کیوں نہ کروں؟ میرا کیا قصور ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ (رسولہ)

کے لام پر کسرہ نہیں ضمہ ہے جس کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ مشرکین سے بیزار ہے۔ اور اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمادیا کہ جو لغت کا عالم ہو وہی تعلیم دے۔ اور ابوالاسود دؤلیؒ کو علمِ نحو کی تدوین کا حکم فرمایا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ نحو کے موجدِ اوّل حضرت عمرؓ ہیں)

دوسری مثال: ایک روایت میں ہے کہ ابوالاسود دؤلیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ بڑے مُتفکر بیٹھے تھے۔ اور مجھے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو غلط بولتے ہوئے سُنا تو خیال آیا کہ میں اصولِ عربیت پر ایک کتاب لکھوں۔ پھر چند دن کے بعد میں حاضر ہوا تو آپؓ نے مجھے ایک کتاب دی، جس کے اندر نحو کے چند قواعد تحریر تھے۔ اَلْکَلَامُ کُلُّہٗ ثَلٰثٌ اِسْمٌ وَ فِعْلٌ وَ حَرْفٌ۔ فَالْاِسْمُ مَا اَنْبَأَ عَنِ الْمُسَمّٰی وَ الْفِعْلُ مَا اَنْبَأَ عَنْ حَرَکَۃِ الْمُسَمّٰی وَ الْحَرْفُ مَا اَنْبَأَ عَنْ مَعْنًی لَیْسَ بِاِسْمٍ وَ لَا فِعْلٍ۔ کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ کُلُّ مَفْعُوْلٍ مَنْصُوْبٌ کُلُّ مَضَافٍ اِلَیْہِ مَجْرُوْرٌ۔

تیسری مثال: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بنتِ خویلد اسدی نے کہا: اِنَّ اَبِیْ قَدْ مَاتَ وَ تَرَکَ لِیْ مَالًا۔ اس نے (مالًا) کو امالہ سے پڑھا، حالانکہ امالہ کا کوئی مقام نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تلفظ کو ناپسند فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو باب اِنَّ اور باب اضافت اور باب امالہ تحریر فرمایا۔

چوتھی مثال: عبدالملک خلیفہ مروانی کے پاس ایک شخص آیا، جس نے اپنے داماد کی شکایت کی۔ تو اس نے پوچھنا تو مَا شَانُکَ تھا۔ تیرا کیا معاملہ ہے؟ لیکن کہدیا: مَا شَاْنَکَ تجھے کس نے عیب دار بنایا؟۔ اور اسی طرح پوچھنا تو تھا: مَنْ خَتَنُکَ تیرا داماد کون ہے؟ لیکن کہدیا: مَنْ خَتَنَکَ؟ تیرا ختنہ کس نے کیا؟

پانچویں مثال: حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جنازے کے پیچھے جارہے تھے، کسی نے پوچھا: مَنِ الْمُتَوَفِّیْ (بصیغہ اسم فاعل) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ھُوَ اللہُ موت دینے والا اللہ ہے۔ حالانکہ اس نے پوچھنا تھا: مَنِ الْمُتَوَفّٰی (بصیغہ اسم مفعول) کہ فوت شد کون ہے؟۔

ان امثلہ سے ہمارا مدعیٰ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علوم بالخصوص نحو کے بغیر لغتِ عربیہ کا تلفظ بہت مُشکل ہے۔ اسی لیے تو کئی ارشاداتِ مبارکہ اور اقوالِ طیبہ سے اہمیت بتائی گئی ہے۔

① قَالَ النَّبِیُّ ﷺ رَحِمَ اللہُ اِمْرَءً اَصْلَحَ مِنْ لِّسَانِہٖ

② قَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ رضی اللہ عنہما تَعَلُّمُ اِعْرَابِ الْقُرْاٰنِ اَحَبُّ اِلَیْنَا مِنْ تَعَلُّمِ حُرُوْفِہٖ

③ قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ لَاَنْ اَقْرَءَ فَاُخْطِئَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْرَءَ فَاَلْحَنَ لِاَنِّیْ اِذَا اَخْطَأْتُ رَجَعْتُ وَاِذَا لَحَنْتُ اِفْتَرَیْتُ

④ قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ لِقَوْمٍ رَمَوْا فَاَسَاؤُا بِئْسَ مَا رَمَیْتُمْ فَقَالُوْا اِنَّا قَوْمٌ مُتَعَلِّمُوْنَ، فَقَالَ وَاللّٰہِ لَخَطَئُکُمْ فِیْ کَلَامِکُمْ اَشَدُّ مِنْ خَطَئِکُمْ فِیْ رَمْیِکُمْ۔

⑤ قَالَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ قِیْمَتُ کُلِّ امْرِءٍ مَا یُحْسِنُ۔

⑥ قَالَ بَعْضُ السَّلَفِ رُبَمَا دَعَوْتُ فَلَحَنْتُ فَاَخَافُ اَنْ لَّا یُسْتَجَابَ لِیْ۔

دوسری بات : مدونِ اول کون ہے۔ جس میں چند اقوال ہیں۔ ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدونِ اول ہیں۔ ② حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ③ ابوالاسود دؤلی تابعی ہیں۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: نَحَوْتُ اَنْ اَصْنَعَ مِیْزَانًا لِلْعَرَبِ لِیَقُوْمُوْا بِہٖ لِسَانَھُمْ

تیسری بات : نحو کے معانی لغویہ۔ ① قصد ② مقدار ③ قبیلہ ④ طرف ⑤ صرف ⑥ نوع ⑦ مثل ⑧ طریق ⑨ صیانت ⑩ فصاحت ⑪ میلان کرنا ⑫ پیروی کرنا ⑬ اعتماد کرنا ⑭ دور ہونا۔

اصطلاحی معانی : یعنی تعریفات اور موضوع اور غرض و غایت۔

تعریف : ① اَلنَّحْوُ ھُوَ عِلْمُ الْاِعْرَابِ۔

② اَلنَّحْوُ ھُوَ عِلْمٌ بَاحِثٌ عَنْ مَعْرِفَۃِ اَحْوَالِ الْمُرَکَّبَاتِ اِعْرَابًا اَوْ بِنَاءً وَاِفْرَادًا اَوْ تَرْکِیْبًا

③ اَلنَّحْوُ عِلْمٌ مُسْتَخْرَجٌ بِالْمَقَایِیْسِ الْمُسْتَنْبَطَۃِ مِنْ اِسْتِقْرَاءِ کَلَامِ الْعَرَبِ الْمُوْصَلَۃِ اِلٰی مَعْرِفَۃِ اَحْکَامِ اَجْزَاءِہِ الَّتِیْ اُئْتُلِفَ مِنْھَا۔

نحو کا موضوع : اَللَّفْظُ الْمَوْضُوْعُ مِنْ حَیْثُ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ۔ عند البعض کلمہ ہے، اور عند البعض کلمہ اور کلام ہے۔

غرض و غایت : ھُوَ تَحْصِیْلُ الْمَلَکَۃِ الَّتِیْ یَقْتَدِرُ بِھَا عَلٰی اِیْرَادِ تَرْکِیْبٍ وُضِعَ لِمَا اَرَادَہُ الْمُتَکَلِّمُ مِنَ الْمَعْنٰی

صِیَانَۃُ الذِّھْنِ عَنِ الْخَطَاءِ اللَّفْظِیِّ فِی الْکَلَامِ

پانچویں بات : وجہ تسمیہ علمِ نحو : جب ابوالاسود دؤلیؒ نے ان قوانین کے ساتھ چند ابواب کا اضافہ کیا، باب عطف، باب نعت، باب تعجب، باب اِنَّ، اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : لٰکِنَّ کو بھی باب اِنَّ میں داخل کر دے۔ پھر

اس پر فرمایا : مَآ اَحۡسَنَ هٰذَا النَّحۡوَ الَّذِیۡ نَحَوۡتَ اس لیے اس فن کا نام نحو ہو گیا۔

چھٹی بات : طبقاتِ نحو : پہلا طبقہ : اس طبقہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابوالاسود دوئلی متوفی ۶۹ھ قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے علمِ نحو کی تدوین کی۔ جس سے علمِ نحو کا مبارک آغاز ہوا۔ اور جس سے قرآن و سنت کا ہر لفظ محفوظ ہوا۔

دوسرا طبقہ : اس کے بعد ابوالاسود رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگردوں کا دور شروع ہوا۔ جو اپنے زمانہ میں علمِ نحو کے ستون تھے۔ جن میں سے پانچ شاگرد عنبۃ الفیل، میمون الاقران، نصر بن عاصم، عبدالرحمٰن بن ہرمز، یحییٰ بن یعمر مشہور ترین ہیں۔ ان حضرات کی نحوی خدمت اور کوشش سے اس وقت علمِ نحو کی عمارت کھڑی ہو گئی۔ یعنی علمِ نحو نے مستقل مقام حاصل کیا۔

تیسرا طبقہ : اس کے بعد ابوالاسود کے دو صاحبزادوں اور ان کے شاگردوں کا دور شروع ہوا۔ آپ کے صاحبزادے ابوالحرب، عطاء ہیں۔ ان کے شاگرد عبداللہ بن ابی اسحٰقؒ، عیسیٰ بن عمر والثقفیؒ، اور ابوعمرو بن العلاءؒ۔ یہ بھی نحو کے شیخ تھے۔ اور اسی دور میں علمِ نحو کی تصانیف شروع ہوئیں۔

چوتھا طبقہ : اس کے بعد علامہ خلیلؒ نحوی پھر علامہ سیبویہؒ اور کسائیؒ کا زمانہ شروع ہوا۔ جس میں نحو کے مسائل پر مناظرے شروع ہوئے۔ حتیٰ کہ بال کی کھال اتاری جاتی۔ جس کی وجہ سے اس علم میں خوب ترقی ہوئی۔ اور محقق علم بن گیا۔

پانچواں طبقہ : ان کے بعد امام اخفش رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام فراء رحمۃ اللہ تعالیٰ تشریف لائے۔ جن کے زمانہ میں علمائے نحو کے دو فریق ہو گئے۔ ایک بصری دوسرا کوفی۔ ان کا شدید اختلاف رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے تصانیف کا عام رواج ہوا۔ اور نحوی مذاہب کی بنیاد پڑ گئی۔

چھٹا طبقہ : اس کے بعد علامہ صالح بن اسحٰق جرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ، بکر بن عثمان مازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا دور شروع ہوا۔ اس میں ایسی نحوی ترقی ہوئی کہ عورتیں بھی مسائلِ نحو خوب جانتی تھیں۔ اور اشعار کی تصحیح کیا کرتی تھیں۔

ساتواں طبقہ : اس کے بعد نحو کے مشہور عالم امام مبردؒ، امام ثعلبؒ تشریف لائے۔ انھوں نے اپنے وقت میں علمِ نحو کو خوب عروج دیا۔

آٹھواں طبقہ : ان کے بعد جناب ابواسحٰق زجاجؒ، محمد بن سراج، ابن درستویہؒ، مہرانؒ کا دور شروع ہوا۔ یہ علم کا زریں دور تھا۔

نواں طبقہ : اس درجہ بدرجہ نحوی ترقی کے بعد ابو علی فارسیؒ، حسن سیرافیؒ، علی بن عیسیٰ کا دور شروع ہوا۔ جس میں نحو کا اتنا زور تھا کہ شہر شہر گھر گھر نحوی عالم ملتا تھا۔ پھر علماء کی نحوی مہارت اور علمی شوق کی بنا پر جگہ جگہ نحوی مذاکرات اور مناظرہ کی مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ جس سے ایسا شوق پیدا ہوا کہ نحوی نوک جھونک کے سوا علماء کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اور نشست و برخواست کی زینت نحوی تذکرہ بن گیا۔ یہاں تک کہ نحوی حکایات شروع ہو گئیں۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انداز سے حکایت لکھی :

آں یکے نحوی بہ کشتی در نشست | روبہ کشتی بان نہاد آنخود پرست
گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا | گفت نیمے عمر تو شد در فنا
دل شکستہ گشت کشتیبان ز تاب | لیک آندم گشت خامش از جواب
باد کشتی را بگردابے فگند | گفت کشتیبان بدان نحوی بلند
ہیچ دانی آشنا کردن بگوے | گفت نہ از من تو سیاحی مجوے
گفت کل عمرت ای نحوی فناست | زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست

دسواں طبقہ : اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جرجانیؒ، علامہ ابنِ حاجبؒ، اور علامہ ابن ہشامؒ کا زرین دور شروع ہوا۔ ان کے علمی کمال اور نحوی خدمات سے لغتِ عربیہ کی سالمیت کا نحوی آفتاب طلوع ہوا۔ جو قیامت تک عربیت کی صحت کا ایک قانونی معیار بن گیا۔ اور اس نحوی قانون سے عربی لغت کی فصاحت و بلاغت کے اسرار و رموز سے لطف اندوز ہو کر قرآن و سنت کے حقائق معلوم ہوتے چلے آرہے ہیں۔

ہندوستان میں علمِ نحو : ۸۲۷ھ میں علمِ نحو کے ماہر استاذ علامہ بدرالدین محمد بن محمد دمامینی رحمۃ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ ایک سال کے بعد وہیں وفات پاگئے۔ اس قلیل عرصہ میں باوجودے کہ علمِ نحو کی خاص خدمت نہ کرسکے، لیکن آپ کا ہند میں تشریف لانا اشاعتِ نحو کا موجب ہوا۔ ہند میں دوسرے نحوی قاری شہاب الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ جو قاضی عبدالغفار دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خاص شاگرد تھے۔ انھوں نے ہند میں علمِ نحو کو خوب رواج دیا۔ اور ہند میں علمِ نحو کا آغاز ہوا۔

ساتویں بات : کافیہ کو جو شرفِ مقبولیت حاصل ہوا وہ کسی اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ جس کی تقریباً ایک سو باون (152) شروح عربی فارسی میں ہیں۔ جن کا تعارف طارق نجم عبداللہ نے حاشیہ کافیہ

میں کرایا ہے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ اس کی شروح تین سو ساٹھ ہیں۔ اور بعض حضرات نے تو اس کافیہ کو تصوف کی کتاب قرار دیا۔ جیسا کہ میر عبدالواحد بلگرامی نے رسالہ سنابل میں غیر منصرف تک تصوف کے انداز میں شرح لکھی۔ اور علامہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ میں نے کافیہ کی اور شروح تصوف کے انداز میں دیکھی ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس کو علمِ کلام کا رسالہ مان کر اس کی شرح بطرزِ متکلمین لکھی ہے۔ اس سے کافیہ کی مقبولیت اور محبوبیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آٹھویں بات : حالاتِ صاحبِ کافیہ : اسم گرامی : عثمان بن عمر بن ابی بکر کما فی طبقات النحاۃ۔ عثمان بن ابی بکر بن یونس کما فی حاشیۃ الامیر۔ کنیت : ابو عمرو۔ لقب : جمال الدین۔ ان کے والد سُلطان عزالدین موشک صلاحی کے دربان تھے۔ اس لیے ابنِ حاجب سے مشہور ہوئے۔ اور ۵۷۰ھ (قصبہ اسنا) جو ملک مصر میں واقعہ ہے اور اسکندریہ مقام میں بتاریخ ۲۶ شوال ۶۴۶ ہجری میں وفات ہوئی کل عمر ۷۲ سال ہوئی جوانی میں انتقال کی خبر غلط ہے۔ تبحرِ علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

نویں بات شرح کاشفہ احقر کی چوتھی تصنیف ہے جس سے پہلے تنویر شرح نحو میر، املاء الصّرف، شرح ارشاد الصّرف، قدۃ العامل اردو شرح مائۃ عامل چھپ چکی ہیں اور دیگر کتب زیرِ ترتیب اور زیرِ تصنیف ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اصل فضل اور رحمت خلاق و علام جَلّ شانُہٗ کی ہے جس نے علوم اور عقل عطا فرمائی پھر محنت اور کمال ان اسلاف اور اکابر کا ہے جنھوں نے علوم کے فوائد و فرائد حقائق و دقائق نکات و لطائف کو کتابوں کے سمندر میں ڈالتے ہوئے تدبروا و تفکروا جیسے کلمات کے ساتھ مخاطب کر کے ان جواہرات اور موتیوں کو چننے اور پرونے کا حکم فرما گئے بحمد اللہ اخلاف اور اصاغر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق غوطہ لگاتے رہے اور یاقوت و مرجان سے پروئی ہوئی لڑیوں کو تصنیف کی صورت میں پیش کرتے رہے جب کہ احقر نہ تو اکابر اور نہ ہی اصاغر (کہاں پدی اور کہاں پدی کا شوربہ) بلکہ ان کی جوتیوں کو سر کا تاج سمجھنے والا ہے تو پھر کہاں تصنیف کا اہل ہے، البتہ خواہش یہ ہے کہ ان کے خدام میں سے میرا نام بھی شمار ہو جائے۔

احب الصالحین و لست منهم   لعل الله یرزقنی صلاحا

اس لیے قارئین حضرات اچھی بات کو ان کی طرف منسوب فرمائیں اور غلطی کو میری طرف نسبت کریں اور مطلع فرمائیں تاکہ اصلاح کی جاسکے۔

ایک ضروری عرض : احقر نے پہلے کچھ مسودہ تیار کیا تھا جس پر بعض مشفق اور محقق اساتذہ نے مشورہ دیا کہ شرح ایسی ہونی چاہیے جس سے شرح جامی سہل ہو جائے' اس لیے احقر نے عموماً مولانا جامیؒ کا طرز اختیار کیا ہے تاکہ جامی کا پڑھنا آسان ہو جائے۔ نیز بعض حضرات یہ ضرور اعتراض کریں گے کہ یہ شرح لمبی ہے (جب کہ اس کو مختصر کیا گیا ہے) اور نفسِ کتاب سمجھنا چاہیے۔ یاد رکھیں یہ دشمنی باندازِ دوستی ہے اور اسلاف کے طرزِ تدریس سے بالکل بے خبری اور ناواقفیت ہے ورنہ مفصل کے مقابلے میں کافیہ اور شرح ابن عقیل کے مقابلہ میں شرح جامی کو کیوں اور سلم العلوم کیوں اور مُسلم الثبوت کیوں تفسیر بیضاوی کیوں۔ یہ بات مُسلم ہے کہ تحقیق و تدقیق سے ذہانت و فطانت استعداد اور ملکہ بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا اور کثرتِ الفاظ کثرتِ مضامین سے اور کثرتِ معانی یہ دلیلِ زکاوت ہیں۔ احقر تو اپنے استاذ محترم شیخ النحو مولانا عبد الستار صاحب (قادر پور صالح) کے لیے دعا گو ہے جنھوں نے مجھے ہدایۃ النحو جامی کے انداز میں پڑھایا۔

دسویں بات : جب کوئی کام بغیر محنت اور یکسوئی کے نہیں ہو سکتا تو پھر علم جو کہ اللہ رب العزت کی صفت ہے اور پیغمبر کا میراث ہے وہ بغیر یکسوئی اور محنت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب اسلاف کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

① امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کو مطالعہ میں اس قدر انہماک ہوتا کہ سلام کے جواب میں بے خبری کی وجہ سے دعا دینے لگتے۔ اور کپڑوں کے میلے ہو جانے کا احساس بھی نہ ہوتا اور مرغ کو اس لیے ذبح کرادیا تاکہ مطالعہ میں خلل نہ ہو اور رات کو بہت کم سوتے اکثر حصہ درس و تدریس اور مطالعہ میں گذار دیتے اور فرماتے کیف انام وقد نامت عیون المُسلمین توکلا علی اللّٰہ فاذا نمت ففیہ تضییع الدین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں ساری رات امام محمدؒ کے پاس رہا اور رات مطالعہ میں گذار دی اور اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔

② امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بیٹا فوت ہو گیا مگر تجہیز و تکفین و جنازہ میں اس لیے حاضر نہیں ہوئے کہ امام اعظمؒ کے درس کا کچھ حصہ مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔

③ امام زہریؒ کے مطالعہ سے تنگ آکر بیوی بگڑ کر کہنے لگی واللہ ھذہ الکتب اشد علیّ من ثلث ضرائر قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سو سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

④ امام رازیؒ کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں مشاغلِ علمی سے خالی جاتا ہے۔

⑤ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتیؒ کا سبق کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی تعطیل

کے علاوہ نہ کبھی گھر جاتے اور نہ خطوط پڑھتے اور نہ جواب دیتے۔ سچ کہا شاعر نے

بقدر الکد تکتسب المعالی من طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا یخوض البحر من طلب الالی

یاد رکھیں کند ذہن ہونا علم پڑھنے سے اور ترقی سے مانع نہیں خود امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کو فرمایا کہ تم بہت کند ذہن تھے مگر تمھاری کوشش نے تمھیں آگے بڑھا دیا اسی طرح امام طحاویؒ کو ان کے ماموں نے کند ذہن ہونے کا طعنہ دیا اور کہا خدا کی قسم تجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا لیکن ان کی محنت نے ان کو امام تسلیم کروا دیا۔ البتہ ترک معصیت اول شرط ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی بترک المعاصی

طلبۂ کرام سے آخری گذارش، اس شعر پر غور فرمائیں:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوں گے کفن اپنا

تلك عشرة كاملة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَبِيَدِكَ الْعِلْمُ كُلُّهٗ وَعَلٰى رَسُوْلِكَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ رِضْوَانُكَ كُلُّهٗ اَلَّذِيْنَ اَحْيَوْا كَلِمَتَهٗ وَكَلَامَهٗ كُلَّهٗ اَمَّا بَعْدُ فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ اِلَى الْمَنَّانِ عَطَاءُ الرَّحْمٰنِ بن العلام شبير احمد الملتانی غفرلهما الرحمٰن لَمَّا كَانَ الْكَافِيَةُ مَتْنًا بَيْنَ الْمُتُوْنِ كَالشَّمْسِ بَيْنَ النُّجُوْمِ وَبَحْرًا عَمِيْقًا وَبَحْثًا لَطِيْفًا بِعِبَارَةٍ دَقِيْقَةٍ نَفِيْسَةٍ عَجِيْبَةٍ حَتّٰى لَا يَسْتَطِيْعُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُحَصِّلِيْنَ اَنْ يَجِدَ مَطَالِبَهٗ وَمَقَاصِدَهٗ وَكَانَ شُرُوْحُهٗ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ مِائَةً وَخَمْسِيْنَ اَوْ ثَلَاثَ مِائَةٍ وَسِتِّيْنَ وَكَانَ يَلْتَمِسُ مِنِّيْ بَعْضٌ مِنَ الْمُتَعَلِّمِيْنَ الْعَالِيْنَ وَمِنَ الْمُعَاصِرِيْنَ الْمُحِبِّيْنَ اَنْ اَشْرَحَهٗ فِي اللُّغَةِ الْاُرْدُوِيَّةِ شَرْحًا شَافِيًا كَافِيًا صَافِيًا فَنَحَوْتُ نَحْوَ مَرَامِهِمْ وَجَمَعْتُ فِيْهِ فَوَائِدَهٗ وَفَرَائِدَهٗ وَحَقَائِقَهٗ وَدَقَائِقَهٗ مِمَّا وَجَدْتُهٗ فِي الْكُتُبِ الْمُعْتَبَرَةِ وَسَمِعْتُ مِنَ الْمَشَائِخِ الْبَرَرَةِ لَا مِنْ فِكْرِي الْقَاصِرِ وَذِهْنِي الْفَاتِرِ فَسَمَّيْتُهٗ اَلْكَاشِفَةَ مُحْتَاجًا اِلٰى نِعَمِ اللّٰهِ الْكَافِيَةِ وَمِنَنِهِ الشَّافِيَةِ فَقَالَ صَاحِبُ الْكَافِيَةِ **اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ**

اَلتَّحْقِيْقَاتُ الْاَرْبَعَةُ فِيْ لَفْظِ الْكَافِيَةِ

❶ **تحقیق صیغوی :** لفظ کافیہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اگر تاء نقل کی یا مبالغہ کی ہو تو واحد مذکر کا صیغہ ہوگا' اور اگر تاء تانیث کی ہو تو واحدہ مؤنثہ کا صیغہ ہوگا۔

❷ **تحقیق معنوی :** لفظ کافیہ کَفٰی یَکْفِیْ (ض) سے ہے۔ جس کے تین معنی آتے ہیں۔

① بمعنی اِکْتَفٰی اس صورت میں یہ باب لازمی ہوگا اور فاعل پر باء زائدہ ہوگی۔ جیسے : كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔

② بمعنی اَغْنٰی اس صورت میں متعدی بیک مفعول ہوگا' اور فاعل پر باء زائدہ نہیں ہوگی۔ جیسے : اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔

③ بمعنی وَقٰی اس صورت میں متعدی بدو مفعول ہوگا اور باء نہیں ہوگی۔ جیسے : كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔ پہلی صورت میں کافیہ بمعنی مُكْتَفِيَةٌ اور دوسری صورت میں معنی مُغْنِيَةٌ لِلطَّلَبَةِ مِنْ غَيْرِهٖ اور تیسری صورت میں بمعنی وَاقِيَةُ الطَّلَبَةِ الْخَطَأَ اللَّفْظِيَّ۔

❸ **تحقیق ترکیبی** : اولاً دو احتمال ہیں :

پہلا احتمال : لفظِ کافیہ مبنی بر سکون لا محل لہا من الاعراب ہو۔

دوسرا احتمال : معرب ہو۔ پھر معرب میں چند احتمال ہیں۔

① مرفوع مُبتدا، محذوف الخبر۔ جیسے : کَافِیَۃٌ ھٰذَا، کَافِیَۃٌ ھٰذِہٖ۔

② یا خبر محذوف المبتدا۔ جیسے : ھٰذَا کَافِیَۃٌ۔ ھٰذِہٖ کَافِیَۃٌ۔

③ منصوب ہو کر مفعول بہ فعل محذوف کے لیے : اِقْرَأْ کَافِیَۃً۔

④ مجرور ہو۔ جس کا فعل اور حرف جار محذوف ہو۔ جیسے : خُذْ بِالْکَافِیَۃِ۔

❹ **تحقیق علمی** : عَلَم کی تعریف : مَا وُضِعَ لِشَیْئٍ مُعَیَّنٍ بِحَیْثُ لَا یَتَنَاوَلُ بِذٰلِكَ الْوَضْعِ غَیْرَہٗ۔

فائدہ اگر موضوع لہ خارج میں معین ہو تو علَم شخصی ہوتا ہے۔ جیسے : زَیْدٌ۔ اور اگر ذہن میں ہو تو عَلَم جنسی ہوتا ہے۔ جیسے : اسامہ۔ اور اگر ماھیۃ کلیہ ہو تو اسم جنس۔ جیسے : اَسَدٌ۔ کتابوں کے نام از قبیل اعلام جنسیہ ہیں۔ جیسے : کافیہ نحو میر وغیرہ۔

فائدہ لفظ ① متن، ② شرح، ③ حاشیہ، ④ منہیہ، ⑤ تعلیق کی تحقیق۔

مَتْن : کا لغوی معنیٰ پشت اور اصطلاحی معنیٰ مَا یَکُوْنُ صَعْبًا وَمُحْتَاجًا اِلَی الشَّرْحِ۔

شَرح ۔ کا لغوی معنیٰ کھولنا اور تعریف : مَا یُوَضِّحُ الْمَتْنَ کُلَّہٗ۔

حَاشِیَہ : کا لغوی معنی کنارہ اور اصطلاحی معنیٰ، جو متن کے بعض مقامات کو حل کرے خواہ مصنف لکھے یا کوئی اور۔

تَعْلِیْق کا لغوی معنی ہے "لٹکانا" اور اصطلاحی معنیٰ میں حاشیہ کے مترادف ہے۔

مِنْہِیَّہ : لُغَۃً بمعنی اس سے ہونے والا اور اصطلاح میں، وہ عبارت جو متن کی تشریح کے لیے مصنف خود لکھے۔

فوائد برائے ذِکر تسمیہ وترکِ تحمید

سوال صاحبِ کافیہ نے کتاب کو تسمیہ سے کیوں شروع کیا؟ احقر نے اس کا

جواب یعنی تسمیہ کے فوائد تنویر شرح نحو میر میں ذکر کر دیا ہے وہاں سے دیکھ لیں۔

سوال تسمیہ کے بعد تحمید کو کیوں ذکر نہیں کیا جس سے قرآن و حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے؟

جواب حدیث شریف میں ہے کہ لَمْ یُبْدَأْ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی شروع کرو اللہ کی حمد کے ساتھ خواہ

پڑھ کر یا لکھ کر۔ کیونکہ حدیث شریف میں لَمْ یَکْتُبْ کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا۔ اور ظُنُّوْا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا کے تحت ہمیں یقین ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھ کر کتاب کو شروع کیا ہے۔

جواب بِسْمِ اللّٰہِ میں بھی حمد موجود ہے اس لیے حدیث پر عمل ہو گیا ہے۔

جواب حدیث تسمیہ اور حدیث تحمید دونوں سے مقصود ذکر خداوندی ہے جو کہ بسم اللہ میں موجود ہے۔ اعتراض اگر مقصود ذکر خداوندی تھا تو اس کے برعکس کر لیتے۔ جواب تسمیہ کے بارے میں زیادہ تاکید ہے بلکہ اس کی ابتداء بالکتابۃ کے لیے مستقل حکم ہے۔ جیسے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان ہے: اَلَا مَنْ کَتَبَ مِنْکُمْ کِتَابًا فَلْیَکْتُبْ فِیْ اَوَّلِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جواب بعض نے جواب دیا کہ کافیہ' شافیہ کا جز ہے۔ اور شافیہ کو مصنفؒ نے تسمیہ اور تحمید دونوں سے شروع کیا۔ کافیہ جو کہ جز ہے اس کو فقط بسم اللہ سے شروع کیا۔ لیکن یہ جواب مردود ہے۔ کیونکہ مصنفؒ نے شافیہ کے شروع میں لکھا ہے کافیہ میں نے پہلے سے لکھ دی ہے۔

جواب مصنفؒ نے کسرِ نفسی کی ہے۔ **لیکن** یہ جواب بھی مخدوش ہے کیونکہ کسرِ نفسی سے ترکِ عمل بالحدیث جائز نہیں۔

جواب بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں تحمید موجود ہے۔

مخالفت قرآن کا جواب: علامہ ابنِ حاجب نے قرآن کی مخالفت نہیں کی بلکہ عین موافقت کی ہے۔ کیونکہ قرآن کی دو ترتیبیں ہیں:

❶ ترتیبِ نزولی، ❷ ترتیبِ جمعی۔

ترتیبِ نزولی میں قرآن کی ابتداء فقط بسم اللہ سے ہے۔ کیونکہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ سب سے پہلے نازل ہوئی اور یہ مصنف کی پہلی تصنیف ہے اس لیے مصنفؒ نے ترتیب نزولی کی موافقت کی ہے۔

سوال ماتن نے کلمہ اور کلام کی تعریف کو کیوں ذکر کیا؟

جواب یہ کلمہ اور کلام علم النحو کا موضوع ہیں اور علم میں موضوع سے ہی بحث کی جاتی ہے۔

سوال یہ ضابطہ مسلم ہے: اَلْمَوْضُوْعُ مَفْرُوْغٌ مِنْ هٰذَا الْفَنِّ وَمَبْحُوْثٌ فِیْ الْفَنِّ الْاٰخَرِ موضع کی ذات سے بحث نہیں کی جاتی۔ بلکہ موضوع کے عوارض ذاتیہ سے بحث ہوتی ہے۔

جواب آپ کی بات تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ذات کی معرفت کے بغیر احوال اور عوارض ذاتیہ کی معرفت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے مجبوراً پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف کرنی پڑی۔

سوال کلمہ کو کلام پر کیوں مقدم کیا؟ حالانکہ دونوں موضوع ہیں۔ جب کہ کلام میں بنسبت کلمہ کے فائدہ زیادہ تھا اسی وجہ سے تو صاحب الفیہ نے کلام کو کلمہ پر مقدم کیا ہے۔

جواب تقدم کی پانچ قسمیں ہیں :

۱ **تقدم زمانی**، جو بلحاظ زمانہ کے مؤخر سے مقدم ہو۔ کَتَقَدُّمِ اٰدَمَ علیہ السلام علینا۔

۲ **تقدم رتبی**، جو بلحاظ مرتبہ کے مؤخر سے مقدم ہو۔ جیسے : بعض صحابہؓ کا مرتبہ بعض پر۔

۳ **تقدم وضعی**، واضع وضع میں ایک چیز کو دوسرے پر مقدم کیا ہو۔ کَتَقَدُّمِ الْاَوَّلِ عَلَی الثَّانِیْ۔

۴ **تقدم علی**، کَتَقَدُّمِ الْعِلَلِ الْاَرْبَعَۃِ عَلَی الْمَعْلُوْلِ۔ عِلّت فاعلی، عِلّت مادی، عِلّت صوری، عِلّت غائی

۵ **تقدم طبعی**، طبع کے لحاظ سے مقدم ہو۔

فائدہ مقدم کے موجود ہونے سے مؤخر کا موجود ہونا لازم نہیں آتا جیسے مکان کی اینٹوں کی طرف احتیاج ہے مگر یہ ضروری نہیں جب بھی اینٹیں ہوں مکان ضرور ہو اور یہی فرق تقدم علّی اور تقدم طبعی میں ہے۔ وہ عِلّت تام ہوتا ہے۔ اور یہ عِلّت ناقصہ ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ کلمہ کو کلام سے تقدم طبعی حاصل تھا تو وضع میں مقدم کر دیا تا کہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔

بعنوان دیگر : کلمہ مفرد ہے اور کلام مرکب ہے۔ لہٰذا مصنف نے کلمہ کو کلام پر مقدم کر دیا۔ اس لیے کہ کلمہ جزء ہے اور کلام کل۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مفرد مرکب پر اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے۔

بحث الکلمۃ

"کلمہ" کافیہ کا پہلا لفظ ہے اس کی تشریح الکلمۃ کی تین جزئیں ہیں :

❶ اَلْ یعنی الف لام ❷ کلمہ ❸ تاء

بحث الف لام الف لام کی دو قسمیں ہیں : ❶ اسمی، ❷ حرفی۔

الف لام اسمی بمعنی الذی کی دو صورتیں ہیں :

① کثیر الاستعمال، یہ اسم فاعل، اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے : اَلضَّارِبُ، اَلْمَضْرُوْبُ

② قلیل الاستعمال یہ ظرف، جملہ اسمیہ، فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ اشعار میں۔ جیسے :

مَنْ لَا یَزَالُ شَاکِرًا عَلَی الْمَعَہْ
فَھُوَ حَرٍ بِعِیْشَۃٍ ذَاتِ سَعَہْ
مِنَ الْقَوْمِ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْھُمْ
لَھُمْ دَانَتْ رِقَابُ بَنِیْ مَعَدٍ

وَ اِذْ يُخْرِجُ الْيَرْبُوْعَ مِنْ نَافِقَائِهٖ
وَ مِنْ جُحْرِهٖ بِالشَّيْحَةِ الْيَتَقَصَّعُ

الف لام حرفی کی دو قسمیں ہیں :

❶ الف لام زائدہ، ❷ الف لام غیر زائدہ۔

الف لام زائدہ وہ ہے جس کے حذف سے معنی میں فرق نہ آئے۔ پھر زائدہ کی چار قسمیں ہیں :

❶ عوضی لازم۔ جیسے : لفظ اللہ،

❷ عوضی غیر لازم۔ جیسے : النّاس

❸ غیر عوضی لازم۔ یہ داخل ہوتا ہے اسماءِ منقولہ پر۔ جیسے : اللات و العزیٰ اور اسمائے غیر منقولہ پر۔ جیسے : السموئل اور اعلام غالب الاطلاق پر۔ اعلام غالب الاطلاق ان کلمات کو کہا جاتا ہے جو قبل العلمیۃ عام ہوں اور بعدہ خاص ہو جائیں۔ جیسے : القاسم، الحارث، الفضل، النجم، البیت، المدینہ۔

❹ غیر عوضی غیر لازم۔ جیسے : فیا الغلامان الذان فرا

غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں : ❶ جنسی، ❷ استغراقی، ❸ عہد خارجی، ❹ عہد ذہنی۔

وجہ حصر الف لام کے مدخول سے مراد ماہیت ہوگی یا افراد۔ اگر ماہیت ہو تو الف لام جنسی ہوگا۔ جیسے : وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَرْاَةِ۔ اور اگر افراد مراد ہوں تو کل افراد مراد ہوں گے یا بعض، اگر کل افراد مراد ہوں تو الف لام استغراقی ہوگا۔ جیسے : وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔

اور اگر بعض افراد مراد ہوں تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ بعض معین افراد مراد ہوں گے یا غیر معین۔ اگر بعض معین افراد ہوں تو الف لام عہد خارجی ہوگا۔ جیسے : فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ۔ اور اگر بعض افراد غیر معین مراد ہوں تو الف لام عہدِ ذہنی ہوگا۔ جیسے : فاخاف ان یاکلہ الذئب

فائدہ الف لام عہد خارجی کی تین صورتیں ہیں :

❶ عہد ذکری یعنی جس کا معہود مذکور ہو صراحۃً۔ جیسے : فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ یا کنایۃً جیسے : لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى الذکر کا معہود مَا فِيْ بَطْنِيْ میں کنایۃً مذکور ہے۔

❷ عہد علمی یعنی جس کا معہود مخاطب کے علم میں ہو۔ جیسے : اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

❸ عہد حضوری یعنی جس کا معہود متکلم اور مخاطب کے سامنے ہو۔ جیسے : اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ ھذا الرجل عالم،

فائدہ اسم تفضیل پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ بالاتفاق اسمی نہیں ہوتا اور صفت مشبہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ صفت مشبہ پر الف لام حرفی ہوتا ہے۔ اسمی بمعنی الذی نہیں ہوتا۔

فائدہ اسم فاعل، اسم مفعول پر الف لام اسمی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہر اسم فاعل اور اسم مفعول کا الف لام اسمی ہو۔

سوال الکلمۃ پر الف لام کونسا ہے؟ جو بناؤ گے وہی غلط ہوگا۔ الف لام اسمی کا نہ ہونا تو واضح ہے۔ مگر حرفی ہو کر زائدہ بھی نہیں بن سکتا۔ ورنہ مُبتدا کا نکرہ ہونا لازم آئے گا۔ اور غیر زائدہ ہو کر جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی بھی نہیں بن سکتا۔ اور جنسی اور استغراقی تو اس لیے نہیں بن سکتا کہ تائے وحدت اِن کے منافی ہے۔ اور عہد خارجی اس لیے نہیں بن سکتا کہ معہود کا معین ہونا ضروری ہے اور کلمہ غیر معین ہے کیونکہ کلمہ نحوی بھی ہے۔ اور منطقی بھی ہے اور لغوی بھی اور شرعی بھی۔ اور عہد ذہنی کا بناؤ گے تو نکارتِ مُبتدا لازم آئے گی۔

جوابؔ مُعترض صاحب الف لام جنسی ہے باقی رہا آپ کا سوال کہ آپ نے کہا کہ الف لام جنسی میں عموم ہوتا ہے اور تائے وحدت میں خصوص اور عموم، خصوص میں منافات ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قطعاً یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جنس اور واحد میں منافات ہے ورنہ جنس اور وحدت کا ایک دوسرے پر حمل صحیح نہ ہوتا حالانکہ حمل صحیح ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: هٰذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ وَهٰذَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں:

1. وحدت جنسیہ، جیسے: اَلْحَيْوَانَ وَاحِدٌ اَیْ جِنْسٌ وَّاحِدٌ۔
2. وحدت نوعیہ، جیسے: اَلْاِنْسَانُ وَاحِدٌ اَیْ نَوْعٌ وَّاحِدٌ۔
3. وحدت شخصیہ۔ جیسے: زَيْدٌ وَاحِدٌ اَیْ شَخْصٌ وَّاحِدٌ۔

وحدت شخصیہ فقط جنس کے منافی ہے اور یہاں وہ مراد نہیں۔

جوابؔ عہد خارجی کا بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ معہود مُتعیّن اور معلوم ہے جو کہ کلمہ نحوی ہے۔ کیونکہ علم نحو میں کلمہ نحوی کا ہی ذکر ہوگا نہ کہ غیر کا۔

دوسری جزء یعنی بحث کَلِمٌ۔ جس کی دو تحقیق ہیں:

1. تحقیق اشتقاقی،
2. تحقیق صیغوی۔

تحقیق اشتقاقی: کَلِمٌ، کلمہ، کلام مُشتَق ہیں یا غیر مُشتَق۔ جس میں اختلاف ہے۔ اور اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب (عند الجمہور) کَلِمٌ، کلمہ، کلام۔ یہ کلمات مُستقلہ ہیں نہ مُشتق ہیں نہ مُشتق منہ ہیں۔
دوسرا مذہب (عند البعض) مُشتق ہے کَلْمٌ سے۔

سوال مُشتق اور مُشتق منہ میں مناسبت لفظی اور معنوی کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں پر لفظی مناسبت تو ہے کہ مادہ ایک ہے لیکن یہاں معنوی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ کَلْمٌ بمعنی زخم کرنا اور کَلِمٌ، کلمہ، کلام بمعنی مَایَتَکَلَّمُ بِہٖ ہیں۔

جواب مناسبت کی تین قسمیں ہیں:

❶ مطابقی، ❷ تضمنی، ❸ التزامی۔

یہاں پر معنی التزامی کے اعتبار سے مناسبت موجود ہے۔ جس طرح کَلْمٌ کا معنی زخم کرنا ہے اس طرح بعض کلمات سے بھی زخم ہو جاتے ہیں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

جس کا ترجمہ شاعر نے اردو میں یہ کیا ہے۔

چھری کا تیر تلوار کا گھاؤ بھرا
لگا جو زخم زبان کا، رہا ہمیشہ ہرا

لیکن جمہور اسے چند وجوہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

وجہ اول: ان کو مُشتق ماننے کی صورت میں مناسبت بعیدہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

وجہ دوم: یہ مناسبت بعیدہ بھی کلام میں تو ثابت ہے لیکن کلمہ میں نہیں۔ کیونکہ کلمہ غیر مفیدہ ہوتا ہے۔

وجہ سوم: مُطلق کلام میں بھی یہ مناسبت ثابت نہیں ہوتی بلکہ فقط کلام خبیثہ میں نہ کہ کلام طیب میں۔

وجہ چہارم: کَلْمٌ کے زخم سے درد ہوتا ہے اور کلام کے زخم سے غم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مولانا جامیؒ نے اس مذہب کو قِیْلَ سے نقل کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔

تحقیق صیغوی جس سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ جمع، اسم جمع، اسم جنس۔ **جمع** وہ ہے جو دو سے زیادہ پر دلالت کرے اور اسی مادہ سے اس کا مفرد ہو۔ جیسے: رجالٌ۔

اسم جمع وہ ہے جس کا واحد تو نہ ہو لیکن صیغہ جمع والا ہو۔ جیسے: قَوْمٌ، رَھْطٌ۔

جنس وہ ہے جو قلیل وکثیر پر صادق آئے۔ ماءٌ عَسَلٌ۔

اسم جنس وہ ہے علی سبیل البدلیۃ قلیل وکثیر پر صادق آئے۔ جیسے : رجلٌ۔

تحقیق صیغوی جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ کَلِمٌ جنس ہے۔

اور صاحب اللباب۔ صاحب الصحاح، علامہ جوہری اور بعض کے نزدیک جمع ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے :

دلیل : اگر جنس ہوتا تو اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر جائز ہوتا۔ حالانکہ اس کا استعمال مافوق الاثنین کے ساتھ مختص ہے۔

جواب ایک ہے وضع اور ایک ہے استعمال وضع کے اعتبار سے اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر جائز تھا۔ مگر استعمال میں یہ مافوق الاثنین کے ساتھ مختص ہو گیا۔ اور **ضابطہ** ہے کہ : اَلْاِعْتِبَارُ لِلْوَضْعِ لَا لِلْاِسْتِعْمَالِ۔

دلائل جمہور : جس میں سے ایک دلیل نقلی ہے اور تین عقلی۔

دلیل نقلی : جس سے پہلے ضابطہ جان لیں جمع مذکر لَا یَعْقِلُ کی صفت جمع یا واحد مؤنثہ آتی ہے واحد مذکر نہیں آسکتی اب دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں : اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ کے اندر الکلم کی صفت الطیب واحد مذکر ہے۔ اگر الکلم جمع ہوتا تو اس کی صفت الطیبۃ یا الطیبات آتی۔ لہذا صفت واحد مذکر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ کلم جنس ہے جمع نہیں۔

جواب بعض نے جواب دیا ہے کہ اَلْکَلِمُ سے پہلے بعض کا لفظ مقدر ہے۔ لہذا الطیب الکلم کی صفت نہیں بلکہ لفظ بعض کی ہے۔

جواب الجواب : لفظ بعض کا مقدر ماننا غلط ہے۔ کیونکہ بعضیت والا معنی پہلے سے موجود ہے۔ اس کا معنی ہے کہ باری تعالیٰ کی طرف کلمات طیبہ جاتے ہیں نہ کے تمام کلمات لہذا لفظ بعض کو مقدر ماننا مُستدرک ہے جس سے قرآن مجید پاک ہے۔

دلیل ثانی : قَرَاْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَلِماً یہ کَلِمٌ ہے عدد اوسط کی تمیز ہے اور ضابطہ ہے کہ عدد اوسط کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے۔ جمع نہیں ہوتی لہذا عدد اوسط کی تمیز واقع ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ لفظ کلم جنس ہے جمع نہیں۔

جواب ہم اس کی تمیز کُلَیْمَۃٌ لاتے ہیں۔

جواب الجواب : یہ بھی تحکم ہے۔ یعنی دعوی بلا دلیل ہے۔

دلیل ثالث : اس کی تصغیر کُلَیْمٌ آتی ہے۔ اگر جمع ہوتا تو اس کی تصغیر نہ آتی بلکہ کَلِمَۃٌ

کی کُلَیْمَۃٌ آتی۔

جواب ہم اس کی تصغیر کُلَیْمٌ نہیں مانتے بلکہ کُلَیْمَۃٌ آتی ہے۔

جواب الجواب : یہ بھی تحکم ہے۔

دلیل رابع : کَلِمٌ اوزان جمع میں سے نہیں ہے۔ **تیسری جزء تاء** ہے۔ جس کی تحقیق گذر چکی ہے۔

الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد اس عبارت میں کلمہ کی تعریف ہے۔

تنبیہ تعریفات میں عموماً پانچ درجے بیان کیے جائیں گے۔ درجہ اولیٰ میں مشکل الفاظ کی تشریح کی جائے گی۔ دوسرے درجہ میں فوائد قیود کو بیان کیا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں تعریف کا مختصر مفہوم بیان کیا جائے گا۔ چوتھے درجہ میں ترکیب کو بیان کیا جائے گا۔ پانچویں درجہ میں تعریفات پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات بیان کیے جائیں گے۔

پہلا درجہ : مشکل الفاظ کی تشریح

لفظ یہ مصدر ہے جس کا لغوی معنی ہے "پھینکنا"۔ خواہ منہ سے ہو یا غیر منہ سے۔ جیسے : اَکَلْتُ التَّمْرَۃَ وَ لَفَظْتُ النَّوَاۃَ۔ لَفَظَتِ الرَّحیٰ الدَّقِیْقَ۔ اور اصطلاحی معنی : مَا یَتَلَفَّظُ بِہٖ الْاِنْسَانُ۔ اصطلاح میں لفظ اس کو کہتے ہیں جس کا انسان تلفظ کرے۔

سوال لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ہوتی ہے۔ یہاں کیا مناسبت ہے؟

جواب عموم و خصوص والی نسبت ہے لغوی معنی عام ہے اور اصطلاحی معنی خاص ہے۔

سوال یہ تعریف جامع للافراد نہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ اور جنات اور ملائکہ کے کلمات کو شامل نہیں۔ کیونکہ وہ انسان تک پہنچے ہی نہیں تو انسان اس کا تلفظ کیسے کر سکتا ہے؟ حالانکہ آپکی تعریف کے مطابق لفظ وہی ہے جس کا انسان تلفظ کرے۔

جواب ہماری تعریف میں بِالْقُوَّۃِ کی قید محذوف ہے اب تلفظ بالقوہ تمام کلمات کو شامل ہو جائے گی۔

وضع یہ الوضع سے ہے جس کا لغوی معنی ہے "رکھنا"۔ اصطلاحی معنی : تَخْصِیْصُ الشَّیْئِ بِالشَّیْئِ بِحَیْثُ مَتیٰ اُطْلِقَ اَوْ اُحِسَّ الشَّیْئُ الْاَوَّلُ فُہِمَ مِنْہُ الشَّیْئُ الثَّانِیْ اطلاق کی مثال زید کہ اس کا نام لیتے ہی اس کی ذات ذہن میں آجاتی ہے۔ احساس کی مثال سبز و سرخ اشاروں سے راستہ کھلنے اور بند ہونے کا علم آجاتا ہے لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت واضح ہے۔

سوال وضع کی تعریف جامع نہیں کیونکہ حروف تہجی خارج ہو جاتے۔ اس لیے کہ حروف ہجا موضوع تو ہیں مگر ان کو بغیر ضم ضمیمہ کے بولا جائے تو معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اُطْلِقَ بمعنی اُسْتُعْمِلَ ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ حرف کی استعمال ضمِّ ضمیمہ کے ساتھ ہوتی ہے لہذا تعریف جامع ہو گئی۔

لِمَعْنیً لغوی معنی میں تین احتمال ہیں۔ ❶ ظرف مکان ہو۔ بمعنی جائے قصد۔ ❷ مصدر میمی ہو۔ بمعنی قصد کردن۔ ❸ اسم مفعول بمعنی قصد کردہ شدہ۔

سوال یہ تینوں احتمال باطل ہیں۔

احتمال اول : اس لیے باطل ہے کہ جائے قصد تو خود لفظ ہے نہ کہ معنی۔

احتمال دوم : یہ اس لیے باطل ہے کہ اس صورت میں معنی ہوگا : کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا جائے قصد کرنے کے لیے۔ حالانکہ کلمہ کی وضع قصد کے لیے نہیں بلکہ مقصودِ متکلم کے لیے ہے۔

تیسرا احتمال : یہ اس لیے باطل ہے کہ لفظ مَعْنًی اسم مفعول کے وزن پر نہیں

جواب یہ تینوں احتمال درست ہیں۔ ❶ اسم مفعول کا صیغہ ہے باقی وزن اسم مفعول کا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر تعلیل ہو چکی ہے کہ مَعْنًی اصل میں مَعْنُوْیٌ تھا۔ قُوَیْلٌ والے قانون سے واو کو یاء کر کے یاء کو یاء میں ادغام کیا۔ مَعْنُیٌّ ہوا پھر دِعِیٌّ کے قانون سے یاء کے ضمہ ماقبل کو کسرہ سے بدل دیا۔ مَعْنِیٌّ پھر رَضِیٌّ سَیِّدٌ والے قانون سے ایک یاء کو حذف کیا تو مَعْنِیٌ ہو گیا۔ پھر دُعِیَ والے قانون سے یاء کے کسرہ ماقبل کو فتحہ سے تبدیل کر دیا' مَعْنَیٌ ہوا۔ پھر قَالَ والے قانون سے یاء کو الف سے بدل دیا' معنان ہوا۔ پھر التقاء ساکنین ہوا پہلا مدہ تھا اس کو حذف کیا مَعْنًی ہو گیا۔

❷ ظرف ❸ مصدر میمی۔ ان دونوں احتمالوں میں بھی اسم مفعول کا معنی مراد ہوگا۔ بمعنی المقصود۔ کیونکہ جب ظرف اور مصدر میمی کا معنی حقیقی مراد لینا صحیح نہ ہو تو اسم مفعول کی تاویل میں کر دیا جاتا ہے۔ جیسے : هٰذَا ضَرْبُ الْاَمِیْرِ بمعنی مَضْرُوْبُ الْاَمِیْرِ، شَرْبٌ عَذْبٌ بمعنی مَشْرُوْبٌ، مَرْکَبٌ فَارِہٌ اَیْ مَرْکُوْبٌ، اور :

اصطلاحی معنی : مَا یُقْصَدُ بِشَیْئٍ معنی وہ ہے جس کا ارادہ کیا جائے عام ہے کہ لفظ سے ہو یا غیر لفظ سے ہو۔ جس کی مزید تفصیل غرض جامی فی شرح جامی میں دیکھیے۔

مُفْرَدٌ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے جو کہ افراد سے ماخوذ ہے۔

فائدہ مفرد چھ چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے۔

❶ تثنیہ و جمع کے مقابلہ میں۔

❷ مضاف کے مقابلہ میں۔

❸ شبہ مضاف کے مقابلہ میں۔
❹ نسبت کے مقابلہ میں جیسے تمیز کی بحث میں۔
❺ مرکب کے مقابلہ میں۔
❻ ایسے کلام کے مقابلہ میں جو اصل مراد سے کسی زائد امر پر مشتمل نہ ہو جیسے فن بلاغت میں۔

فائدہ مفرد لفظ اور معنی دونوں کی صفت بن سکتی ہے جس طرح کلیت و جزئیت لفظ اور معنی دونوں کی صفت ہے۔ البتہ افراد و ترکیب اولاً لفظ کی صفت ہے اور ثانیاً معنی کی۔ اور کلیت و جزئیت برعکس ہے۔ یہاں تک الفاظ کی تشریح تھی۔

دوسرا درجہ فوائدِ قیود۔

فائدہ تعریف کی تعریف: هُوَ الْاِطِّلَاعُ عَلَى الذَّاتِيَاتِ اَوْ بِهِ الْاِمْتِيَازُ عَنْ جَمِيْعِ الْمُشَارِكَاتِ پہلی صورت میں تعریف کو حد کہتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں تعریف کو رسم کہتے ہیں۔ کافیہ میں جو تعریف آئے گی وہ از قبیلِ رسم ہوگی۔

فائدہ تعریف کی شرائط میں سے ایک شرط تساوی کی ہے۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق کے ساتھ کی جاتی ہے، اسی شرط کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تعریف کے لیے جامع و مانع ہونا ضروری ہے۔ بعنوان دیگر مطرد و منعکس ہونا ضروری ہے۔

"جامع" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تعریف ایسی ہونی چاہیے جو مُعَرَّف کے جمیع افراد کو شامل ہو اور: "مانع" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مُعَرَّف کے افراد کے علاوہ کسی فرد کو داخل نہ ہونے دے۔ یہی جامع و مانع تعریف عمدہ ہوتی ہے۔

فائدہ تعریف میں جنس اور فصل کو ذکر کیا جاتا ہے اور یہ تعریفات تو غیر ذی روح چیزوں کی ہے جن کی نہ جنس ہوتی ہے نہ فصل۔ مگر ایسے الفاظ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں سے ایک بمنزلہ جنس اور باقی بمنزل فصل اور قیود کے ہوتے ہیں یہ فوائد جن کا تعلق منطق سے ہے احقر کی تصنیف اصطلاحات منطق ملاحظہ فرمائیں۔

فوائدِ قیود: اس تعریف میں چار الفاظ ہیں: ① لَفْظٌ، ② وُضِعَ، ③ لِمَعْنًى، ④ مُفْرَدًا۔

"لفظ" یہ جنس ہے جو کہ مفرد، مرکب اور موضوع، مہمل سب کو شامل ہے۔

"وضع" پہلی فصل اور قید ہے اس سے الفاظ مُہملہ خارج ہو گئے۔ **"لمعنی"** دوسری قید ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حروف ہجاء اور حروف مبانی نکل جاتے ہیں۔ مگر حروف معانی نہیں نکلتے کیونکہ وہ موضوع للمعنی ہوتے ہیں۔

"**مفرد**" یہ تیسری فصل اور قید ہے۔ جس سے الفاظ مرکبہ خارج ہوگئے۔ فوائد قیود، پر اعتراضات وجوابات۔

سوال شیخ رضی نے اعتراض کیا کہ مُصنّفؒ کو چاہیے تھا کہ تعریف میں ایسی قید ذکر کرتے جس سے دوال اربعہ خارج ہوجاتے کیونکہ یہ موضوع للمعنی ہیں۔ حالانکہ کلمہ نہیں۔

جواب فاضلِ ہندی نے جواب دیا کہ دوال اربعہ لَفظٌ کہنے سے خارج ہوگئے۔ لہذا مزید کسی قید کی ضرورت نہیں۔

تردیدِ جواب: بعض شارحین نے اس جواب کو رد کردیا کہ لفظ تو جنس ہے جو کہ مُخرِج نہیں بن سکتی ورنہ یہ فصل بن جائے گی۔ جس سے کلمہ کی تعریف جنس سے خالی ہوکر ناقص ہوجائے گی۔

جواب الجواب: فاضل ہندی نے اس کا جواب دیا کہ جب کسی تعریف میں جنس، فصل میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہو وہاں پر ہر ایک کو جنس اور فصل بنایا جاسکتا ہے یہاں بھی لفظ اور وضع میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ وضع کو جنس مان لیں جو کہ دوال اربعہ کو بھی شامل ہے۔ اور لَفظٌ کو فصل مان کر ان کو خارج کردیا جائے۔ پھر لفظ کو جنس مان کر مُھملات کو داخل کرکے وضع کو فصل مان کر خارج کردیا جائے۔

اصح الجواب: مولانا جامیؒ نے رضی کا اور فاضل ہندی دونوں کا رد کردیا۔ اے رضی صاحب خروج فرع ہے دخول کی جب دوال اربعہ تعریف کلمہ میں داخل ہی نہیں ہوا تو خارج کیا کریں۔ اے فاضل ہندی صاحب جب رضی کا سوال وارد ہی نہیں ہوتا جواب کی کیا ضرورت ہے۔

سوال لَفظٌ یہ وُضِعَ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وضع کی تعریف میں شئ اول سے مراد "لفظ" ہے۔ لہذا لفظ ذکر کرنا لغو اور بے فائدہ ہے۔

جواب ماقبل کی تقریر پر غور فرمائیں۔

سوال مَعنًی کا ذکر بھی عبث اور لغو ہے۔ کیونکہ وہ بھی وضع سے سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شئ ثانی سے مراد معنی ہے۔

جواب یہ تصریح بما عُلِمَ ضمنا کے قبیل سے ہے۔

جواب جس سے پہلے صنعت تجرید سمجھ لیں۔ تجرید کہتے ہیں معنی کی ایک جزء کو حذف کردینا۔

جیسے: سُبحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا۔

اَسۡرٰی کا معنی رات کی سیر اور آگے پھر لیلا کا ذکر آیا ہے اس لیے اسریٰ میں تجرید کی جاتی ہے کہ رات والے معنی کو حذف کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تجرید کریں گے۔

مفرداً کا عامل وُضِعَ اور لمعنی کا عامل حرفِ جار لام ہے۔

جواب سوال اول : آپنے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ نامکمل ہے۔ اس قاعدہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اگر ذوالحال نکرہ مجرور ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب نہیں ہوتا' یہاں پر بھی ذوالحال مجرور ہے۔

جواب سوال ثانی : لمعنی ذوالحال بالواسطہ مفعول ہے

جواب سوال ثالث : ذوالحال کا عامل وُضِعَ ہے بواسطہ لام کے۔

تیسری ترکیب مجرور پر اعتراض : مُفْرَدٍ کو مجرور پڑھنا بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں صفت بنتی ہے معنی کی۔ جس سے وہم ہوتا ہے کہ معنی کو پہلے صفت مفرد مرکب کی لگتی ہے' بعد میں وضع کی۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ جب کسی موصوف بالصفۃ پر حکم لگایا جائے' تو صفت پہلے سے موصوف میں موجود ہوتی ہے اور حکم بعد میں لگتا ہے۔ جیسے : قَامَ رَجُلٌ عَالِمٌ یہاں پر بھی ایسے ہی معنی میں مفرد والی صفت پہلے سے پائی جائے گی اور وضع والا حکم بعد میں لگے گا۔ حالانکہ ہر شی پہلے وضع ہوتی ہے بعد میں مفرد مرکب بنتی ہے۔

جواب یہاں مجاز بالمشارفت ہے۔ یعنی جو صفت اور حکم بعد میں لگنے والا تھا اس کو پہلے لگا دیا جائے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے : اَعْصِرُ خَمْراً۔ اور حدیث میں ہے : مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ۔ اور طالب علم کو مولوی کہہ دیا جائے باعتبار مایئول الیہ کے۔ یہاں پر بھی ایسے ہی ہے۔ یعنی مَعْنًى کو جو بعد الوضع مفرد مرکب کی صفت لگنی تھی مجازاً قبل الوضع لگا دی۔

سوال اَلْكَلِمَةُ مُبتدا مؤنث ہے اور لَفْظٌ خبر مذکر ہے۔ حالانکہ مُبتدا اور خبر کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔

جواب اس مطابقت کے لیے آٹھ شرائط ہیں :

پہلی شرط : مُبتدا و خبر دونوں اسم ظاہر ہوں۔ احترازی مثال : هِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔

دوسری شرط : خبر مُشتق ہو۔ اگر مُشتق نہ ہوگی تو مطابقت بھی ضروری نہ ہوگی۔ جیسے : اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ۔

تیسری شرط : خبر حامل لضمیر المبتداء ہو۔ احترازی مثال : زَيْنَبُ وَ سَقَرُ مَاءٌ وَجُوْرٌ مُمْتَنِعٌ۔

چوتھی شرط : خبر اسم تفضیل مُستعمل بِمِنْ نہ ہو۔ احترازی مثال : اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔

پانچویں شرط : خبر الفاظ مشترکہ بین المذکر و المؤنث بھی نہ ہو۔ احترازی مثال : اَلْاِمْرَأَةُ جَرِيْحٌ صَبُوْرٌ **چھٹی شرط :** خبر الفاظ مختصہ بالمؤنث سے بھی نہ ہو۔ احترازی مثال : اَنْتِ طَالِقٌ

حَائِضٌ **ساتویں شرط** : خبر اسماء متوغلہ فی الابہام میں سے نہ ہو۔ اسمائے متوغلہ فی لابہام ان اسماء کو کہا جاتا ہے جو باوجود اضافۃ الی المعرفۃ ہونے کے معرفہ نہیں ہوسکتے۔ وہ الفاظ یہ ہیں : مثل، غیر، شبہ، قبل، بعد، فوق، تحت، یمین، شمال

آٹھویں شرط : خبر مبالغہ کا صیغہ بھی نہ ہو۔ اب جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہاں پر دوسری اور تیسری شرط نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ خبر لَفْظٌ مصدر ہے، اور اَلْمَصْدَرُ کَالْخُنْثٰی قَدْ یُذَکَّرُ وَقَدْ یُؤَنَّثُ۔

سوال چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ مطابقت ضروری نہیں لیکن ممتنع بھی تو نہیں اگر لَفْظَۃٌ کہدیتے تو مطابقت ہو جاتی نیز مأخذ اور مأخوذ میں بھی مطابقت ہو جاتی۔ کیونکہ کافیہ مأخوذ ہے مفصل سے اور مفصل میں کلمہ کی تعریف کے اندر لَفْظَۃٌ ہے۔

جواب دراصل یہاں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ کے لیے وحدت شرط ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنا مذہب بیان کرنے کے لیے اللفظۃ کہا۔ اور چونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کلمہ میں وحدت کی شرط نہیں تھی، اس لیے تاء نہیں لائے۔ اور لفظ کہا۔

ثمرہ اختلاف : اس اختلاف کا نتیجہ اور ثمرہ عبداللہ و عبدالرحمان میں ظاہر ہوگا۔ جب کہ عَلَمْ ہوں۔ علامہ جاراللہ زمخشری کے نزدیک یہ کلمہ نہیں۔ کیونکہ لفظ واحد نہیں۔ اور علامہ ابنِ حاجب کے نزدیک یہ کلمہ ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک کلمہ کے لیے لفظ واحد ہونا ضروری نہیں۔

تردید جواب : یہ جواب مولانا جامیؒ کا تھا۔ جس کو بعض شارحین نے رد کردیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحبِ مفصل کے نزدیک بھی کلمہ کے لیے وحدت کی شرط نہیں۔ کیونکہ کلمہ کی تقسیم میں اسم کی مثال عبداللہ دی ہے۔ جو کہ لفظ واحد نہیں۔ حالانکہ اسم کلمہ کا قسم ہے جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو لفظوں کو ایک کلمہ مانتے ہیں۔ باقی رہا سوال کا جواب وہ یہ ہے کہ مُصنِّف نے اختصار کی وجہ سے لَفْظٌ کے ساتھ تاء کو ذکر نہیں کیا۔ ورنہ دو اور تاؤں کو بھی ذکر کرنا پڑتا ہے۔ عبارت یہ ہوتی ہے کہ : اَلْکَلِمَۃُ لَفْظَۃٌ وُضِعَتْ لِمَعْنًی مُفْرَدَۃٍ جو کہ خلاف اختصار ہے۔

چوتھا درجہ مُختصر مطلب : اس عبارت میں مُصنِّفؒ کلمہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ "مُفْرَدٌ" اگر "لَفْظٌ" کی صفت ہو تو تعریف یہ ہوگی : کلمہ وہ لفظ مفرد ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی کے لیے اگر "مُفْرَدٌ" صفت ہو مَعْنًی کی تو تعریف یہ ہوگی : کلمہ وہ لفظ ہے جو معنی مفرد کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

پانچواں درجہ سوالات و جوابات سابقہ درجوں میں ہو چکے ہیں چند سوال ملاحظہ فرمائیں۔

سوال کلمہ کی تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ اسم کی وضع زید، عمرو وغیرہ کے لیے اور فعل کی

ضَرَبَ، یَضرِبُ حرف کی مِن، اِلیٰ وغیرہ کے لیے۔ حالانکہ یہ الفاظ ہیں معنی نہیں۔ جب کہ تعریف کلمہ میں موضوع للمعنی کا ذکر ہے۔

جواب معنی کس کو کہتے ہیں؟ معنی اسی کو تو کہتے ہیں جو مَقصُود مِنَ الشَّیِٔ ہو۔ عام ہے لفظ ہو یا غیر لفظ۔ اور آپ زَیدٌ، ضَرَبَ، مِنْ کو الفاظ کہہ رہے ہیں۔ یہ بھی مقصود ہیں اسم فعل حرف سے لہٰذا تعریف جامع ہوئی۔

سوال بعض الفاظ کی وَضعَ سے معانی مرکبہ کے لیے۔ مثلاً: جملۃ، کلام، خبر، اِن کی وضع زید قائم، قام زید کے لیے ہے۔ حالانکہ تعریف میں کہا گیا ہے کہ معنی مفرد کے لیے موضوع ہے۔ لہٰذا پھر بھی تعریف جامع نہ ہوئی۔

جواب زَیدٌ قَائِمٌ، قَامَ زَیدٌ میں دو اعتبار ہیں، معنی کے اعتبار سے مرکب ہیں، لیکن الفاظ کے اعتبار سے مفرد ہیں۔ کیونکہ ان کی وضع الفاظ مفردہ کے مقابلہ میں ہوئی ہے۔

سوال پھر بھی تعریف جامع نہیں کیونکہ اَلرَّجُلُ، قَائِمَۃٌ، بِصرِیٌّ نکل جاتے ہیں اس لیے کہ ان کا معنی مرکب ہے۔ مثلاً: الرجل میں الف لام دلالت کرتا ہے تعین پر اور رجل شخص پر۔ تو ان الفاظ میں لفظ کی جزء معنی کی جزء پر دلالت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ مفرد ہیں۔ کیونکہ ان کا اعراب ایک ہے۔

جواب الرجل وغیرہ اگر تعریف کلمہ سے نکلتے ہیں تو نکلنے دو کیونکہ مرکب ہیں باقی رہا۔ اعراب واحد یہ شدۃ اتصال، کی وجہ سے ہے۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ کیونکہ عبداللہ حالتِ علمیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لیے لفظ کی جز معنی کی جزء پر دلالت نہیں کرتی۔ حالانکہ مرکب ہے۔ کیونکہ اس کو دو اعراب دیے گئے ہیں۔

جواب اگر یہ کلمہ کی تعریف میں داخل ہوتا ہے تو ہونے دو۔ کیونکہ یہ حالتِ علمیت میں مفرد ہے۔ باقی رہا دو اعراب کا ہونا" یہ وضعِ اول کے اعتبار سے ہے۔

سوال علم نحو میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے نہ کے معانی سے لہٰذا الرجل وغیرہ لفظاً مفرد تھے، ان کو داخل کرنا چاہیے تھا اور عبداللہ وغیرہ لفظاً مرکب تھے، ان کو خارج کرتے۔ حالانکہ یہاں پر معنی کا اعتبار کیا گیا جو کہ خلاف مقصود ہے۔

جواب علم نحو میں مطلقاً الفاظ سے بحث نہیں ہوتی بلکہ الفاظ موضوعہ للمعانی سے بحث ہوتی ہے۔ لہٰذا لفظ کے ساتھ ساتھ معنی کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔

فائدہ مولانا جامیؒ صاحبِ مفصل اور صاحب کافیہ کی بیان کردہ تعریف پر تبصرہ کرتے ہیں کہ

صاحب مفصل کی تعریف : اَلْکَلِمَۃُ اللَّفْظَۃُ الدَّالَّۃُ عَلٰی مَعْنًی مُفْرَدٍ۔ میں ایک خوبی ہے اور ایک نقصان ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اللفظ کے ساتھ تاء لگا کر جو الفاظ خارج ہونے کے مستحق تھے، ان کو خارج کر دیا۔ مثلاً : عبد اللہ حالت علمیت کو خارج کر دیا اور نقصان یہ ہے کہ جو الفاظ داخل ہونے کے مستحق تھے ان کو معنی کے ساتھ مفرد کی قید لگا کر خارج کر دیا۔ جیسے : اَلرَّجُلُ، قَائِمَۃٌ اگر صاحب مفصل معنی کے ساتھ مفرد کی قید نہ لگاتے، تو اچھا ہوتا۔

اور صاحب کافیہ کی تعریف میں دو خرابیاں ہیں۔

① جو الفاظ لائق الخروج تھے، ان کو لفظ کے ساتھ تاء کی قید نہ لگا کر داخل کر دیا۔ جیسے : عبد اللہ حالتِ علمیت میں اور

② جو لائق الدخول تھے، ان کو معنی کے ساتھ مفرد کی قید لگا کر خارج کر دیا۔ جیسے : الرجل، قائمۃ۔

جوابِ تبصرہ : اس تبصرہ اور اعتراض کا منشا یہ ہے کہ مولانا جامی نے سمجھا کہ نحویوں کا کام لفظ اور اعراب کا لحاظ کرنا ہے، نہ کہ معنی کا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر صرف لفظ اور اعراب کا اعتبار کیا جائے، یعنی اعراب ایک ہو تو مفرد اگر دو ہوں تو مرکب۔ اس اعتبار سے چونکہ الرجل قائمۃ کا اعراب ایک ہے اور عبد اللہ، عبد الرحمان کے اعراب دو ہیں۔ لہذا الرجل کا اخراج اور عبد اللہ کا ادخال درست نہیں۔ لیکن مولانا جامی کا یہ تبصرہ اور صاحبِ کافیہ پر اعتراض درست نہیں۔ کیونکہ نحوی حضرات الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ لہذا مصنفؒ کی یہ دو خرابیاں نہیں بلکہ خوبیاں ہیں۔

وَ ہِیَ اِسْمٌ وَ فِعْلٌ وَ حَرْفٌ پہلا درجہ تشریح الفاظ۔ **وَ** واو کی دس قسمیں ہیں : ① استینافیہ، ② عاطفہ، ③ حالیہ، ④ اعتراضیہ، ⑤ زائدہ، ⑥ قسمیہ، ⑦ علامت جمع، ⑧ بمعنی مع، ⑨ بمعنی او، ⑩ واؤ بمعنی رُبَّ۔

ہِیَ یہ ضمیر برائے واحدہ مؤنثہ غائبہ وَہِیَ کو بقانون عَضُدٌ وَہْیَ پڑھنا جائز ہے۔

اِسْمٌ اسم کے مادہ اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بصریین کا مذہب : اسم مشتق ہے سِمْوٌ سے واو کو حذف کر دیا سین کا اعراب میم کو دے دیا گیا پھر ابتدا بالسکون کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا تو اِسْمٌ ہو گیا۔

دلیل بصریین : اسم کی تصغیر سُمَیٌّ آتی ہے اور جمع تکسیر اَسْمَاءٌ۔ اور قاعدہ ہے، اَلتَّصَاغِیْرُ وَالتَّکَاسِیْرُ تَرُدَّانِ الشَّیْئَ اِلٰی اَصْلِھَا اگر اصل وِسْمٌ ہوتا تو تصغیر وُسَیْمٌ اور جمع تکسیر اَوْسَامٌ آتی۔

وجہ تسمیہ : علیٰ مذہب البصریین سِمُوٌّ کا معنی ہے "بلند ہونا" اور اسم بھی اپنے دونوں قسموں پر بلند ہوتا ہے اس لیے اس کا نام اسم رکھ دیا گیا ہے۔

کوفیین کا مذہب : اسم دراصل وِسْمٌ تھا واو کو حذف کر کے اس کے عوض ہمزہ وصلی لایا گیا تو اسم ہو گیا۔

وجہ تسمیہ : ان کے نزدیک وجہ تسمیہ یہ ہے اسم ماخوذ ہے وِسْمٌ سے۔ اور وِسْمٌ کا معنی ہے علامت اور نشانی۔ اور یہ بھی چونکہ اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے اس لیے اس کو اسم کہا جاتا ہے۔

لیکن راجح مذہب بصریین کا ہے۔ اور کوفیین کا مرجوح ہے۔ اسی وجہ سے مولانا جامیؒ نے ان کے مذہب کو بصیغۂ تمریض قیل سے نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل اسرار العربیہ میں دیکھیے۔

فعل کی وجہ تسمیہ : فعل کا لغوی معنی "کردن" یعنی حدث۔ اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے فعل تینؔ چیزوں سے مرکب ہے۔ ① حدث، ② زمانہ، ③ نسبت الیٰ الفاعل۔

اور اصل میں فعل نام تھا فعل لغوی یعنی فقط حدث کا۔ اور یہ فعل لغوی یعنی حدث چونکہ فعل اصطلاحی میں موجود تھا اس لیے اس کا نام بھی فعل رکھ دیا گیا۔ تو یہ تَسْمِیَةُ الْکُلِّ بِاِسْمِ الْجُزْءِ اور تَسْمِیَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاِسْمِ الْمُتَضَمَّنِ کے قبیل سے ہو۔ یا تَسْمِیَةُ الْفَرْعِ بِاِسْمِ الْاَصْلِ کے قبیل سے ہے۔

حرف کی وجہ تسمیہ : حرف کا لغوی معنی ہے : "طرف" جو ماخوذ ہے من حرف الوادی ای طرفہٗ۔

دوسرا درجہ مفہوم و مطلب : مُصنفؒ کلمہ کی تعریف کے بعد تقسیم کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

فائدہ تعریف کے بعد تقسیم سے تینؔ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

① تعریف سے شئ کا وجودِ ذہنی معلوم ہوتا ہے اور تقسیم سے وجود خارجی۔

② تعریف سے شئ کا مفہوم معلوم ہوتا اور تقسیم سے مصداق۔

③ تعریف سے شئ کا اجمالاً علم حاصل ہوتا ہے اور تقسیم سے تفصیلاً۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں :

① اسم، ② فعل، ③ حرف۔

سوال ھِیَ ضمیر مُبتدا ہے اور اِسْمٌ اِلیٰ اٰخِرِہٖ خبر ہے اور یہاں مُبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں۔

جواب مطابقت کی مُتعدد شرطیں مفقود ہیں۔

سوال ضابطہ اَلضَّمِیْرُ اِذَا دَارَ بَیْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ فَرِعَایَۃُ الْخَبَرِ اَوْلٰی مِنَ الْمَرْجِعِ۔ یعنی ضمیر میں مرجع کے بجائے خبر کا لحاظ رکھنا اولیٰ ہوتا ہے۔ لہذا مُصَنِّفٌ کو خبر کی رعایت کر کے هُوَ اِسْمٌ کہنا چاہیے تھا۔

فائدہ یہی حکم اسم اشارہ کا ہے کہ اسم اشارہ میں مشارالیہ کا نہیں بلکہ خبر کا اعتبار ہوتا ہے۔
جیسے : فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ۔

جواب فاضل ہندی نے جواب دیا کہ ھِیَ کی خبر مُنْقَسِمَۃٌ محذوف ہے۔ اور اِسْمٌ خبر ہے مُبتدا محذوف کی، جو کہ احدھا ہے۔ اور اسی طرح فعل کے لیے ثانیھا اور حرف کے لیے ثالثھا محذوف ہے۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے۔ کیونکہ اس جواب میں ارکانِ کلام کا حذف لازم آتا ہے۔ باقی رہا اس سوال کا جواب کیا ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو قاعدہ آپ نے پیش کیا ہے وہ قاعدہ مُعتبر ہی نہیں۔

سوال ھِیَ ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ لفظِ کلمہ ہے یا مفہومِ کلمہ۔ اور یہ دونوں باطل ہیں۔
اس لیکہ اگر لفظ اَلْکَلِمَۃُ بنائیں گے تو چونکہ الکلمہ اسم ہے۔ اس سے تو یہ تقسیم اسم کی ہوجائے گی کہ اسم کی تین قسمیں ہیں۔ اسم و فعل و حرف اور یہ اِنْقِسَامُ الشَّیِ اِلٰی نَفْسِهٖ وَاِلٰی غَیْرِهٖ۔ لازم آئے گی جو کہ باطل ہے۔ اور اگر مفہوم کلمہ بناؤ گے تو راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہتی۔ کیونکہ راجع جو ضمیر ہے وہ مؤنث کی ہے۔ اور مرجع مفہومِ کلمہ مذکر ہے۔

جواب ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ، اور تقسیم مفہوم کلمہ کی ہے۔ جیسے : جَاءَنِیْ زَیْدٌ۔ اب راجع مرجع میں مطابقت بھی ہوجائے گی اور اِنْقِسَامُ الشَّیْءِ والی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی۔

جواب مرجع مفہومِ کلمہ ہے اور مفہومِ کلمہ ہمیشہ مذکر نہیں ہوتا بلکہ لفظ کے تابع ہوتا ہے۔ اگر لفظ مذکر ہے تو مفہوم بھی مذکر ہوگا۔ اور اگر لفظ مؤنث ہو تو مفہوم بھی مؤنث ہوگا۔

سوال مُصنف کا اقسامِ کلمہ کو واو عاطفہ کے ساتھ ذکر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ واو عاطفہ جمعیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا : کلمہ اسم، فعل اور حرف تینوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ہر ایک علیحدہ کلمہ نہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک علیحدٰہ علیحدہ کلمہ ہیں۔

جواب یہاں پر واو بمعنی اَوْ کے ہے۔ اب عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ کلمہ اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے۔

جواب جس سے پہلے دو فائدے جان لیں۔

فائدہ کل اور کلی میں تین فرق ہیں۔

فرق ۱ کل کے افراد کو اجزاء اور کلی کے افراد کو جزئیات کہا جاتا ہے
فرق ۲ کل کا اطلاق تمام افراد پر کیا جاتا ہے ہر ہر فرد پر نہیں کیا جاتا۔ اور کلی کا اپنی جزئیات میں سے ہر ہر جزئی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔
فرق ۳ جزء کے منتفی ہونے سے کل منتفی ہو جاتا ہے۔ لیکن جزئی کے انتفاء سے کلی منتفی نہیں ہوتی۔

کلی کی مثال: اَلسَّکَنْجَبِیْنُ مَاءٌ وَخَلٌّ وَعَسَلٌ اور کلی کی مثال انسان ہے۔ جس کے افراد زید عمرو بکر۔

فائدہ جہاں عطف ہو وہاں ربط ہوتا ہے۔ کبھی عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر اور کبھی ربط مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ جس کے لیے ضابطہ یاد رکھیں کہ جہاں تقسیم الکل الی الاجزاء ہو وہاں عطف مقدم ہوتا ہے۔ اور جہاں تقسیم الکلی الی الجزئیات ہو وہاں ربط مقدم ہوتا ہے۔ اور یہاں پر تقسیم الکلی الی الجزئیات ہے۔ جیسے: اَلْاِنْسَانُ زَیْدٌ وَعَمْرٌو وَبَکْرٌ تو معنی یہ ہوگا انسان زید ہے اور عمرو ہے۔ جب کہ تقسیم الکل الی الاجزاء میں عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر۔ کیونکہ کل کا ایک فرد پر اطلاق صحیح نہیں ہوتا مثال گذر چکی ہے۔ اور آپ کا سوال تب وارد ہوتا جب تقسیم الکل الی الاجزاء ہوتی۔

حاصل جواب یہ ہے کہ یہ تقسیم الکلی الی الجزئیات ہے اس میں ربط مقدم ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کلمہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔

سوال مصنف صاحبؒ کی یہ تقسیم منطقی اصول سے باطل ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک قیاس تیار کرتے ہیں لیکن نتیجہ غلط نکلتا ہے۔ اَلْکَلِمَةُ صَادِقَةٌ عَلَی الْفِعْلِ۔ وَلَا شَیْئَ مِنَ الْفِعْلِ بِصَادِقٍ عَلَی الْاِسْمِ۔ نتیجہ لَا شَیَ مِنَ الْکَلِمَةِ بِصَادِقَةٍ عَلَی الْاِسْمِ۔

جواب آپ کے قیاس کا صغریٰ مہمل ہے جس کی وجہ سے نتیجہ غلط ہوا۔ لہٰذا آپ کا قیاس غلط ہے۔ ہماری تقسیم بالکل صحیح ہے

سوال مصنفؒ نے اسم کو فعل پر اور فعل کو حرف پر کیوں مقدم کیا؟

جواب اسم اشرف تھا کیونکہ یہ مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ جس کی وجہ سے یہ اسم کلام بننے میں غیر کا محتاج نہیں اس لیے اس کو فعل اور حرف پر مقدم کر دیا۔ اور فعل چونکہ حرف سے اعلیٰ تھا۔ کیونکہ مسند ہوتا ہے اور کلام کی جزء بنتا ہے اس لیے فعل کو حرف پر مقدم کر دیا۔

<u>لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ تَدُلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهَا اَوْلَا الثَّانِی الْحَرْفُ وَالْاَوَّلُ اِمَّا اَنْ یَقْتَرِنَ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اَوْلَا الثَّانِیْ اَلْاِسْمُ وَالْاَوَّلُ الْفِعْلُ</u> اس عبارت میں دو تردیدیں اور چار شقیں ہیں۔ پہلی

تردید کی دوسری شق میں حرف کی تعریف اور دوسری تردید کی پہلی شق میں فعل اور دوسری میں اسم کی تعریف ہے۔

مختصر مطلب مصنفؒ تقسیم کلمہ کے بعد اقسام کلمہ کے لیے دلیل حصر بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ معنی مستقل پر دلالت کریگا یا نہیں۔ اگر دلالت نہ کرے تو حرف ہے۔ اگر دلالت کرے تو پھر دو حال سے خالی نہیں تین زمانوں میں سے کسی زمانہ کے ساتھ اقتران ہوگا یا نہیں اگر اقتران نہ ہو تو اسم اگر ہو تو فعل۔ (احقر نے دو اور وجہ حصر تنویر اور سعایۃ النحو میں ذکر کر دی ہیں۔)

سوال یہاں دعویٰ حصر تو ہے ہی نہیں دلیل کا ہے کی؟

جواب یہاں اگر چہ دعویٰ صراحۃً مذکور نہیں۔ لیکن ضمناً مذکور ہے۔ وہ اس طرح کہ لِاَنَّھَا اِلیٰ اٰخِرِہٖ یہ جار مجرور متعلق ہے مُنْحَصِرَۃٌ کے لہٰذا دعویٰ حصر کا ذکر بھی ہو گیا۔

جواب اَلسُّکُوْتُ فِی مَعْرِضِ الْبَیَانِ بَیَانٌ یعنی مصنفؒ کا اقسام ثلاثہ کے بعد سکوت فرمانا بھی دعویٰ حصر ہے۔

سوال حصر کی کتنی اقسام ہیں اور یہاں پر کونسی قسم ہے؟

جواب حصر کی چار قسمیں ہیں: ① حصر عقلی، ② حصر قطعی، ③ حصر استقرائی، ④ حصر جعلی۔

وجہ حصر فقط اقسام کے مفہوم کا ملاحظہ کرنا جزم بالانحصار کے لیے کافی ہوگا یا نہیں اگر کافی ہو تو یہ حصر عقلی ہوگا۔ جس کی علامت کہ وہ اقسام اثبات و نفی کے درمیان دائر ہوں گے۔ اور اگر کافی نہ ہو تو تین حال سے خالی نہیں۔ یا دلیل کی طرف احتیاجی ہوگی۔ یا تتبع و تلاش کی۔ یا قاسم کی طرف۔ اگر دلیل کی طرف احتیاجی ہو تو یہ حصر قطعی ہوگا۔ اور اگر تتبع و تلاش کی طرف احتیاجی ہو تو یہ حصر استقرائی ہوگا اور اگر قاسم یعنی تقسیم کنندہ کی طرف احتیاجی ہو تو یہ حصر جعلی ہوگا اور یہاں پر حصر عقلی بھی ہے اور حصر قطعی بھی۔

سوال دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں۔ کیونکہ دلیل میں دلالت کا ذکر ہے حالانکہ کلمہ کی تعریف میں دلالت کا ذکر نہیں۔

جواب مطابقت موجود ہے۔ کیونکہ کلمہ کی تعریف میں وضع کا ذکر ہے۔ اور وضع دلالت کو مستلزم ہے۔ لہٰذا کلمہ کی تعریف یعنی دعویٰ میں دلالت کا ذکر ضمناً موجود ہے۔

مشہور اعتراض لِاَنَّھَا میں ھَا ضمیر جو اِنَّ کا اسم ہے جو کلمہ کی طرف راجع ہونے کی وجہ سے ذات ہے۔ اور اَنْ تَدُلَّ بتاویل مصدر ہو کر خبر ہے۔ اور خبر کا حمل اِنَّ کے اسم پر حالانکہ مصدر

وصف ہے اور وصف کا حمل ذات پر جائز نہیں ہوتا۔ جس کے چند جوابات دیے جاتے ہیں

جواب مولانا جامی کا جواب اَنْ تَدُلَّ خبر نہیں بلکہ یہ مُبتدا، موخر ہے جس کے لیے خبر مِنْ صِفَتِهَا مقدر ہے۔ یہ مُبتدا، خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی۔ یاد رکھیں جملہ من حَيثُ الجملہ دال برذات مع الوصف ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہوتا ہے۔

فاضل ھندی کا جواب ہم بجائے خبر میں تاویل کے اَنَّ کے اسم میں تاویل کرتے ہیں۔ کہ ھا ضمیر سے پہلے مضاف محذوف ہے لفظ صفة یا حال ہے عبارت یوں ہوگی: لان حال الکلمۃ ےاصفۃ الکلمۃ اب یہ حمل المصدر علی المصدر ہوگا۔ لیکن یہ جواب مرجوح ہے، کیونکہ کلمہ کے حصر ہو جائے گا ان احوال مذکورہ میں۔ کہ کلمہ کا حال دلالت یا عدم دلالت ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ کلمہ کے اور احوال بھی ہیں۔۔

صاحب غایۃ التحقیق کا جواب یہ تاویل کی جائے کہ خبر مصدر دلالۃ کو بمعنی اسم فاعل دال کیا جائے اب عبارت یہ ہو جائے گی: لان الکلمۃ اما دالۃ علی معنی۔ یہ جواب بھی مرجوح ہے۔ کیونکہ اس میں مجاز در مجاز لازم آتا ہے۔ اولاً اَنْ کیوجہ سے تدل مصدر کی تاویل میں کیا گیا ہے۔ پھر ثانیاً مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں کیا جائے یہ نامناسب ہے۔

شیخ رضی کا جواب کہ دلالتھا خبر سے پہلے ذو مضاف محذوف ہے۔ اور ذو مصدر کو ذات کی تاویل میں کر دیتا ہے تو ذات کا ذت پر حمل ہوگا جو کہ جائز ہے'

یہ جواب بھی مرجوح ہے۔ کیونکہ خبر محض ذات بن جائے گی حالانکہ خبر میں وصف بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ نیز ذُوْ، اَنْ کے مُقتضی کے بھی خلاف ہے۔

میر سید شریف کا جواب مصدر دو قسم پر ہے۔ ① صریح، ② تاویلی۔ اور ضابطہ ہے کہ حمل المصدر علی الذات ناجائز ہے۔ یہ مصدر صریح کے لیے ہے نہ کے تاویلی کے لیے۔ یہاں بھی خبر اَنْ تدل مصدر تاویلی ہے۔

یہ جواب بھی مرجوح ہے۔ اس لیے کہ محققین نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک جس طرح مصدر حقیقی کا حمل ذات پر جائز نہیں اسی طرح مصدر تاویلی کا بھی جائز نہیں۔

سوال فی نفسھا کا کیا مطلب ہے؟

جواب فی بمعنی اعتبار ہے۔ جیسے: الدار فی نفسھا حکمھا کذا۔ یعنی دار کی اپنی ذات کے اعتبار سے یہ قیمت ہے۔ قطع نظر خارجی امور سے کہ یہ شہر میں ہے۔ بجلی، سوئی گیس، ٹیلیفون کی سہولت ہے یا نہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ کلمہ ایسے معنی پر دال ہو جو معتبر فی ذاتہ اور ملحوظ بذاتہ یعنی

معنی مستقل ہو امر خارج ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو۔

سوال میری سمجھ میں فی نفسھا کی قید بے فائدہ ہے۔ کیونکہ فی نفسھا کا مطلب یہ بتانا ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہے۔ حالانکہ اَنْ تَدُلَّ کا مقصد بھی یہی ہے۔

جواب فی نفسھا کا مطلب بتا چکے ہیں کہ کلمہ باعتبار ذات کے اپنے معنی پر دلالت کرنے میں کسی غیر ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو۔ اور اَنْ تَدُلَّ میں فقط یہ ہے کہ کلمہ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہو۔ خواہ دلالت باعتبار ذات کے ہو یا باعتبار غیر کے۔

الحاصل اَنْ تَدُلَّ میں دلالت مُطلقہ ہے اور فی نفسھا میں دلالت مُقیّدہ ہے۔ لہذا فی نفسھا کی قید مُستدرک نہیں بلکہ بافائدہ اور ضروری ہے۔

اَوْلا اس پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔

سوال۱ آپ نے حرف کی تعریف میں دلالت کی نفی کی ہے۔ جس سے وضع کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دلالت عام ہے اور وضع خاص' اور ضابطہ ہے کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا جب وضع کی بھی نفی ہو گئی تو حرف مُہمل بن گیا اور کلمہ کی قسم نہ رہا۔ حالانکہ حرف موضوع ہے اور کلمہ کی قسم ہے۔

جواب ضابطہ یہ ہے کہ جب نفی مُقیّد بالقید پر داخل ہو تو عموماً نفی قید کی ہوتی ہے۔ مُقیّد کی نہیں۔ یہاں عبارت اَوْلَا تدل علیٰ معنی فی نفسھا۔ میں بھی نفی قید یعنی فی نفسھا کی ہے۔ اور مُقیّد جو دلالت ہے' اس کی نفی نہیں ہے۔ لہذا جب حرف کی تعریف میں دلالت کی نفی نہ ہوئی تو وضع کی نفی بھی نہ ہوئی۔

سوال۲ اَوْلَا کے بعد پورا جملہ معطوف حذف ہے۔ حالانکہ حرفِ عطف موجود ہو تو معطوف کا حذف ناجائز ہوتا ہے۔

جواب معطوف کا حذف اس وقت ناجائز ہوتا ہے جب کہ معطوف کا مُتعلق بھی موجود نہ ہو۔ حالانکہ یہاں پر مُتعلق یعنی لَا موجود ہے۔

الثانی اس پر چار اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

سوال۱ لفظ الثانی صفت ہے الکلمۃ موصوف محذوف کی' جس سے موصوف صفت میں مطابقت نہیں رہتی۔

جواب الثانی کا موصوف اَلْقِسْمُ ہے نہ کہ الکلمۃ۔

سوال۲ آپ نے کہا لفظ الثانی حرف ہے۔ حالانکہ یہ اسم ہے۔

جواب یہ لفظ الثانی حرف نہیں بلکہ اس کا مصداق حرف ہے۔

سوال الثانی مُبتدا اور الحرف خبر ہے۔ ضابطہ ہے کہ جب مُبتدا اور خبر دونوں معرف بلام ہوں تو ضمیر فصل لائی جاتی ہے یہاں کیوں نہیں لائی گئی؟

جواب ضمیر فصل اس وقت لاتے ہیں جب کہ موصوف صفت کے ساتھ التباس کا خطرہ ہو اور یہاں پر یہ خطرہ نہیں ہے۔

سوال تقسیم میں حرف کو مؤخر اور وجہ حصر میں مقدم کرنے کی کیا حکمت ہے۔

جواب حکمت یہ ہے کہ تقسیم میں حرف کو مؤخر کر کے مرتبہ بیان کر دیا کہ اس کا مرتبہ اسم اور فعل سے کم ہے اور تقسیم میں آخر کنارہ میں اور وجہ حصر میں اول کنارہ میں ذکر کر کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کر دیا کہ حرف کا معنی کنارہ ہے۔

جواب حرف کی تعریف عدمی تھی اور عدم وجود سے مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے مقدم کر دیا۔

جواب اختصار بھی اسی میں تھا۔

سوال آپ نے کہا حرف کی تعریف عدمی ہے۔ حالانکہ عدمی چیز تعریف نہیں بن سکتی؟

والاول اما ان یقترن پر وہی اعتراض و جواب ہوتا ہے جو کہ لانہا اما ان تدل پر ہوا۔

سوال یقترن اس پر سوال ہوگا کہ یقترن کی ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ لفظ اول ہے یا معنی۔ اور یہ دونوں باطل ہیں۔ اگر راجع ہو لفظ الاول کی طرف تو معنی درست نہیں۔ کیونکہ معنی ہوگا کہ لفظ اول مقترن ہوگا۔ تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ حالانکہ لفظ الاول تو اسم ہے۔ وہ کیسے مقترن ہو سکتا ہے زمانہ کے ساتھ۔ اور اگر راجع ہو المعنی کی طرف تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب ضمیر راجع ہے المعنی کی طرف، اور معنی اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں مگر الاول کے ضمن میں مذکور ہے۔ کیونکہ الاول دال ہے اور معنی مدلول ہے۔

سوال الازمنۃ موصوف ہے اور الثلاثۃ صفت ہے۔ اور ضابطہ ہے کہ اسم عدد کا موصوف بھی حقیقتاً تمییز ہوتا ہے۔ لیکن الازمنۃ کا تمییز ہونا غلط ہے۔ کیونکہ الثلاثۃ اسم عدد کے لیے تمییز مذکر آتی ہے اور یہ مؤنث ہے۔

جواب الازمنۃ بھی مذکر ہے۔ کیونکہ یہ جمع ہے زمان کی۔

جواب یہ ضابطہ تمییز کے لیے ہے۔ موصوف کے لیے نہیں۔

فائدہ خبر سے تین اغراض میں سے کوئی غرض مقصود ہوتی ہے۔

① مُبتداء کی تعریف مقصود ہوتی ہے۔ جیسے : الکلمۃ لفظ۔
② مُبتدا کی صفت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جیسے : زید عالم
③ مُبتداء کی تقسیم مقصود ہوتی ہے۔ جیسے : وھی اسم الخ

فائدہ بصریین کے نزدیک فعل تین ہیں۔ ① ماضی، ② مضارع، ③ امر کیونکہ زمانے تین ہیں۔

وجہ حصر معنی تین حالتوں سے خالی نہیں۔ زمانۂ اخبار سے مقدم ہوگا یا مؤخر ہوگا یا مقارن، اول ہو تو ماضی، ثانی ہو تو استقبال، اور ثالث ہو تو حال۔

تینوں زمانوں پر دلیل فرمان باری تعالیٰ : یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَابَیْنَ ذٰلِکَ۔

عندالکوفیین فعل دو ہیں۔ فعل ماضی، فعل مضارع، اور امر کو فعل مضارع میں داخل مانتے ہیں۔

فائدہ ابو جعفر بن صابر کے ہاں کلمہ کی چوتھی قسم اسم فعل ہے۔ جس کا نام خالفہ ہے۔ لیکن یہ مردود ہے۔ کیونکہ اسماء افعال پر اسم کی تعریف صادق آتی ہے۔ لہذا یہ اسم ہی میں داخل ہوں گے۔

وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا مُصنّفؒ کی اس عبارت سے دو غرضیں ہیں۔

① اپنی عبارت اور کتاب کی خوبی بیان کرنا کہ باوجود مختصر ہونے کے وجہ حصر سے اقسام ثلاثہ کی تعریف معلوم ہوگئی۔ یعنی میری کتاب اداء المطالب الکثیرۃ بالفاظ قلیلۃ کا حقیقتاً مصداق ہے۔

② طلباء کو مُتنبّہ کرنا ہے کہ وجہ حصر سے اقسام ثلاثہ کی تعریفیں یاد کرلیں کہ وجہ حصر میں دو تردیدیں ہیں اور چار شقیں ہیں۔ تردید اول کی شق ثانی میں حرف کی تعریف اور تردید ثانی کی شق اول میں فعل اور شق ثانی میں اسم کی تعریف ہے۔

سوال واوَ کونسی ہے؟

جواب واوَ عاطفہ، استینافیہ، مُعترضہ، اور حالیہ بھی بن سکتی ہے۔ اگر واوَ عاطفہ ہو تو معطوف علیہ مقدر ماننا پڑے گا۔ انحصرت الکلمۃ۔ اور اگر استینافیہ ہو تو سوال مقدر کا جواب ہوگا کہ اقسام ثلاثہ کی تعریف کیوں نہیں کی؟۔ جواب دیا و قد علم اور واو اعتراضیہ اس مذہب پر بن سکتی ہے جن کے نزدیک جملہ مُعترضہ آخر میں بھی واقع ہوسکتا ہے۔ جیسے : انا سید ولد آدم و لا فخر (الحدیث) اس میں لا فخر جملہ مُعترضہ آخر میں واقع ہے۔ اور واوَ حالیہ کی صورت میں جملہ معطوف علیہ محذوف ماننا پڑیگا اور اس کی ضمیر سے حال واقع ہوگا۔ مثلاً : انحصرت کی ضمیر سے۔

قَدْ عُلِمَ

سوال مُصنّفؒ نے عُلِمَ کہا عُرِفَ کیوں نہیں کہا؟

جواب علم کا اطلاق ادراک کلیات پر ہوتا ہے اور معرفت کا اطلاق ادراک جزئیات پر یہاں بھی

کلیات کا ذکر تھا۔ اس لیے عَلِمَ کہا۔

بِذٰلِكَ

سوال با سببیہ کا یہاں پر ذکر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ دلیل از قبیل تصدیقات ہے اور حدود و تعریفات از قبیل تصورات تو لازم آئے گا تصورات کا مُستفاد ہونا تصدیقات سے۔ حالانکہ ضابطہ یہ ہے لَا یُعْلَمُ التَّصَوُّرُ مِنَ التَّصْدِیْقِ۔

جواب یہ با استعانت کی ہے۔ یعنی دلیل حصر ممد و معاون ہے اقسام ثلاثہ کی حدود کو پہچاننے کے لیے اور تصدیقات کا تصورات کے معلوم کرنے کے لیے ممد و معاون ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

ذٰلِكَ

سوال ذلك کی بجائے ھذہٖ مناسب تھا۔ کیونکہ مشار الیہ دلیلِ حصر ہے جو کہ قریب ہے اور ذلك بُعد کے لیے ہے۔

جواب بعد کی دو قسمیں ہیں: ① بُعد رتبی ② بُعد زمانی، یہاں پر بُعد رتبی مراد ہے۔ مُصَنِّفؒ نے ذلك لا کر دلیلِ حصر کے عظیم الشان ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جیسے قرآن مجید میں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں بعد رتبی مراد ہے۔

سوال مشار الیہ کے لیے مُبصَر محسوس ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ دلیل حصر غیر مُبصَر و غیر محسوس ہے۔ لہذا اسم اشارہ ذکر کرنا ہی غلط ہے۔

جواب گاہے گاہے شدۃ وضوح کی وجہ سے غیر مُبصَر غیر محسوس کو مُبصَر و محسوس کا درجہ دے کر اسم اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے: ذلکم اللّٰہ یہاں پر مُصنف اسم اشارہ لا کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دلیلِ حصر اتنی واضح ہے گویا کہ محسوسات کے قبیل سے ہے۔

حَدٌّ

سوال اقسام ثلاثہ کی تعریف پر حد کا اطلاق درست نہیں۔ کیونکہ حد اس تعریف کو کہتے ہیں جو ذاتیات سے کی جائے۔ حالانکہ یہ تعریف عرضیات میں سے ہے۔ کیونکہ مفہومات اعتباریہ از قبیل عرضیات ہوتے ہیں۔

جواب یہ منطقی اصطلاح ہے نحویوں کے نزدیک جامع مانع تعریف کو حد کہا جاتا ہے۔ یہاں پر حد سے بھی یہی مراد ہے۔

كُلّ

سوال یہ کل کونسا ہے؟ کیونکہ کل کی چار قسمیں ہیں۔

① کل افرادی، جس میں کل کے مضاف الیہ کا ہر فرد مراد ہوتا ہے۔ جیسے : كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ،

② کل مجموعی، جس میں کل کے مضاف الیہ کا ہر فرد مراد نہیں ہوتا، بلکہ جمیع افراد مراد ہوتے ہیں۔ جیسے : وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

③ کل اطرادی، جو تعریف کے جامع مانع کرنے کے لیے لایا جائے۔

④ کل بمعنی کلی۔

جواب یہاں کل افرادی اور کل مجموعی دونوں بن سکتے ہیں۔

سوال مُصنف کی عبارت میں تکرار ہے۔ اقسامِ ثلاثہ کی تعریفات کو تین مرتبہ بیان کیا اولا دلیل حصر میں، ثانیاً قَدْ عُلِمَ میں، ثالثاً صراحةً ہر ایک کی تعریف کی جو کہ اختصار کے خلاف ہے۔

جواب طلبہ باعتبار طبائع کے تین قسم پر ہیں : ① ذکی، ② متوسط، ③ غبی۔

ذکی وہ ہے جو مقصود کلام صرف اشارہ سے سمجھ جائے اور متوسط وہ ہے جو تنبیہ سے اور غبی اسے کہا جاتا ہے جو نہ اشارہ سے سمجھے اور نہ تنبیہ سے۔ بلکہ تصریح سے سمجھے۔ تو مُصنف نے تینوں طبائع کی رعائت رکھی ہے۔ ذکی کے لیے تو دلیل حصر میں اشارہ کردیا اور متوسط کو قَدْ عُلِمَ سے تنبیہ کردی۔ اور غبی کے لیے آگے صراحةً اسم و فعل و حرف کی تعریف کردی۔

الصلاح یہ مُصنف کی ذہانت و فطانت کی دلیل ہے جس پر مولانا جامیؒ نے لِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ کہہ کر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْاِسْنَادِ

مُصنفؒ نے کلمہ کی تعریف و تقسیم کے بعد کلام کی تعریف و تقسیم کی ہے۔ یہاں پر بھی تعریف ہے اس لیے پانچ درجات بیان کیے جائیں گے۔

پہلا درجہ : مُشکل الفاظ کی تشریح، الکلامُ، الف لام جنس کا ہے۔ بلکہ جہاں بھی معرف ہو وہاں الف لام جنس کا ہوتا ہے۔ کلام اسم مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے بولنا۔ تضمن، ضمن سے ہے۔ جس کا معنی کسی شی کو بغل میں پکڑنا۔ کلمتین یہ تثنیہ ہے کلمہ کا۔ بالاسناد، باسببیہ ہے۔ اسناد مصدر ہے جس کا معنی ہے : نسبة احد الكلمتين الى الاخرى بحيث تفيد المخاطب فائدة تامة يصح السكوت عليها۔

دوسرا درجہ : مختصر مطلب، کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ۔ یعنی ایک کلمہ مسند الیہ ہو اور دوسرا مسند۔

فائدہ کلام میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ① تلفظ ② افادہ
اگر تلفظ ہو اور افادہ نہ ہو تو کلام نہیں اور اگر افادہ ہو تلفظ نہ ہو تو بھی کلام نہیں کہیں گے۔

تیسرا درجہ : فوائدِ قیود' الکلام معرف ہے مَـا جنس ہے۔ بمعنی لفظ۔ یہ تمام الفاظ کو شامل ہے، خواہ موضوع ہوں یا مہمل، مفرد ہوں یا مرکب، تضمن کلمتین یہ من وجہ جنس ہے اور من وجہ فصل اول۔ جس سے تمام الفاظ مہملہ اور مفردہ خارج ہوگئے' اور بالاسناد یہ فصل ثانی قیدِ ثانی ہے جس سے مرکبات ناقصہ خارج ہوگئے۔ باقی کلام کی تعریف میں مرکبات تامہ رہ گئے۔

چوتھا درجہ : ترکیب' یہ سہل ہے۔

پانچواں درجہ : سوالات و جوابات۔

سوال مصنف کو چاہیے تھا حرفِ عطف لا کر و الکلام کہتے۔ تا کہ نحو کے دونوں موضوع کلمہ اور کلام میں مناسبت ہو جاتی۔

جواب کلام کی بحث بالکل علیحدہ بحث ہے جس کو مصنف باب بعد الباب فصل بعد الفصل کا درجہ دیتے ہوئے حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا۔

جواب اگر حرف عطف ذکر کرتے تو کلمہ معطوف علیہ متبوع ہوتا اور الکلام معطوف تابع۔ جس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ کلمہ نحو کا موضوع بالاصالت' اور کلمہ بالتبع ہے۔ حالانکہ دونوں مستقل اور بالاصالۃ موضوع ہیں۔

سوال لفظ مَا میں چار احتمال ہیں اور چاروں باطل ہیں۔

① ما سے مراد لفظ ہو تو یہ تعریف نَعَمْ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ نَعَمْ بھی زیدٌ قَائِمٌ دو کلموں کو شامل ہے۔ حالانکہ نَعَمْ کلام نہیں۔

② اگر ما سے مراد شَیْئٌ ہو تو یہ تعریف دیوار اور کاغذ پر صادق آئے گی۔ جب کہ اس پر زیدٌ قَائِمٌ لکھ دیا جائے۔ کیونکہ دیوار اور کاغذ بھی شَیْئٌ ہے اور دو کلموں کو متضمن ہے۔

③ اگر ما سے مراد کلمہ ہو تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ایک کلمہ دو کلموں کو کس طرح متضمن ہو سکتا ہے۔ نیز حمل الجزء علی الکل۔ کی خرابی لازم آئے گی۔

④ اگر ما سے مراد کلام ہو تو اخذ المحدود فی الحد کی خرابی لازم آئے گی جو کہ دور ہے۔ اور باطل ہے۔ کیونکہ معرف بھی کلام ہے اور تعریف میں بھی کلام کا ذکر آ گیا۔

جواب ما سے مراد لفظ ہے۔ باقی رہا اشکال کہ یہ تعریف نَعَمْ پر صادق آتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نَعَمْ دو کلموں کو متضمن نہیں بلکہ اس کے بعد دو کلمے محذوف ہوتے ہیں۔

فائدہ ما کبھی مُبتدا کے قائم مقام ہوتی ہے اور کبھی خبر کے۔ اس لیے نحویوں نے ضابطہ بنادیا ہے کہ جب لفظ ما مُبتدا واقع ہو تو ما موصولہ ہوگی۔ کیونکہ وہ معرفہ ہوتی ہے اور مُبتدا بھی تعریف کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور جب خبر ہو تو ما موصوفہ ہوگی کیونکہ وہ نکرہ ہوتی ہے اور خبر میں تنکیر اصل ہے۔

سوال آپ کی تعریف میں اتحاد المتضمن و المتضمن کی خرابی لازم آتی ہے۔ مثلاً: زید قائم کلام ہے جو کہ متضمِّن ہے اور زید قائم ہی **کلمتین** ہیں جو کہ متضمَّن ہے۔ حالانکہ متضمِّن اور متضمَّن میں مغایرت ہوتی ہے۔ جیسے گلاس میں پانی ہو تو گلاس متضمِّن اور پانی متضمَّن ہے۔ جن میں مغایرت موجود ہے۔

جواب زید قائم کلام متضمِّن ہے اجتماعی حَیثیت سے اور **کلمتین** متضمَّن ہے انفراد کی حَیثیت سے جب حَیثیت بدل جائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔ لولا اعتبار الحیثیات لبطلت الحکمۃ۔

سوال جَسَقٌ مُہمَلٌ یہ کلام تو ہے لیکن دو کلمے نہیں کیونکہ جَسَقٌ مُہمل لفظ ہے جو کلمہ نہیں لہذا تعریف جامع نہیں۔

جواب ہماری مراد دو کلموں سے عام ہے حقیقی ہوں یا حکمی اور جَسَقٌ بھی کلمہ حکمی ہے۔

سوال اِضرِبْ تو ایک کلمہ ہے پھر بھی کلام ہے۔

جواب اس میں دوسرا کلمہ ضمیر مُستتِر ہے۔

سوال زیدٌ قائِمٌ اَبُوہُ اس میں تو تین کلمے ہیں۔ حالانکہ آپ نے کہا کہ دو کلموں کو متضمِّن ہو۔

جواب ہم نے اقل درجہ بیان کیا ہے کم از کم دو کلمے ہوں زیادہ کی نفی نہیں کی۔

تحقیق اول: نحویوں کا اختلاف ہے مسند اور مسند الیہ کے مُتعلقات کا کلام میں دخل ہے یا نہیں۔ صاحبِ مفصل نے ھوالمرکب مُبتدا خبر معرفہ لا کر تصریح کر دی کہ مُتعلقات اور مُلحقات کو کلام میں قطعًا کوئی دخل نہیں مثلاً: ضَرَبْتُ زَیْدًا قَائِمًا کلام فقط ضَرَبْتُ ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسند اور مسند الیہ کے مُتعلقات کو کلام میں دخل ہے۔ یعنی ضربت زیدا یہ مجموعہ کلام ہے۔ مولانا جامیؒ نے لفظ ظاھراً لا کر اشارہ کر دیا کہ ہو سکتا ہے فقط کی قید ملحوظ ہو۔

تحقیق ثانی: جملہ اور کلام میں فرق ہے یا نہیں اس میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذھب: صاحب مفصل اور صاحب اللباب کے نزدیک کوئی فرق نہیں، جملہ اور کلام میں ترادف ہے۔

دوسرا مذھب: صاحبِ تسہیل علامہ تاج الدین فاضل اسفرائنی اور شیخ رضی کا ہے۔ ان کے

نزدیک جملہ اور کلام میں فرق ہے۔ جملہ عام ہے اور کلام خاص ہے۔ کیونکہ کلام میں نسبت مقصودی کا ہونا شرط ہے اور جملہ میں نہیں مثلاً جاءنی رجل قام ابوہ میں جاءنی رجل کلام ہے۔ کیونکہ اسناد مقصود لذاتہ ہے۔ اور جملہ بھی ہے۔ اور قَامَ اَبُوْہُ جملہ تو ہے لیکن کلام نہیں۔ کیونکہ نسبت مقصودی نہیں۔ الحاصل ان میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔

تیسرا مذهب : بعض نحاۃ کے نزدیک بھی ان میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ لیکن بر عکس یعنی جملہ خاص ہے۔ اور کلام عام ہے۔ کیونکہ کلام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی کلام پر بھی ہوتا ہے اور انسانوں کی کلام پر بھی مگر جملہ کا اطلاق کلام اللہ پر نہیں ہوسکتا۔ کلام اللہ تو کہہ سکتے ہیں جملۃ اللہ نہیں کہہ سکتے اور مصنفؒ کی کلام کو پہلے دونوں مذہبوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر الاسناد پر الف لام جنسی مانا جائے تو مطلق اسناد مراد ہوگا جس سے پہلے مذہب کی تائید ہوگی اور اگر الف لام عہد خارجی مانا جائے تو نسبت مقصودی مراد ہوگی جس سے دوسرے مذہب کی تائید ہوجائے گی۔ مصنف کی یہ عبارت بھی بہت عمدہ ہے۔

فائدہ اسناد غیر مقصود لذاتہ سات مقامات پر ہوتی ہے۔ ① جملہ جو خبر واقع ہو، ② جملہ صفت، ③ جملہ حالیہ، ④ جملہ صلہ، ⑤ جملہ شرط مگر جزا، ⑥ قسم مگر جواب قسم، ⑦ جملہ منادی مگر مقصود بالنداء۔

وَلَا یَتَأَتّٰی ذٰلِكَ اِلَّا فِی اسْمَیْنِ اَوْ اِسْمٍ وَفِعْلٍ

مصنفؒ کلام کی تعریف کرنے کے بعد اس عبارت میں کلام کی تقسیم بیان کررہے ہیں کہ کلام کی فقط دو قسمیں ہیں۔

وجه حصر : کلام دو اسموں سے بنے گی۔ جیسے : زید قائم اس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں یا ایک فعل اور اسم سے بنے گی جیسے : قام زید اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔ عقلاً چھ احتمال ہیں جو کہ اس شعر میں مذکور ہیں :

اسم و اسم فعل و فعل حرف و حرف
اسم و فعل و فعل و حرف و اسم و حرف

لیکن معتبر ان میں سے صرف دو احتمال ہیں کہ دو اسموں سے مرکب ہو یا ایک فعل اور اسم سے۔

دلیل : کلام کی تعریف میں اسناد شرط ہے۔ یعنی ایک کلمہ مسند ہو، اور دوسرا مسند الیہ۔ اور مسند و مسند الیہ صرف ان دو احتمالوں میں پائے جاتے ہیں اور کسی میں نہیں۔ لہٰذا صرف یہی دو احتمال درست ہیں۔

سوال یَا زَیْدُ کلام ہے جو کہ اسم اور حرف سے مرکب ہے۔ لہذا آپ کی تقسیم ٹوٹ گئی۔

جواب ہم تسلیم کرتے ہیں یا زید کلام ہے۔ لیکن یہ نہیں مانتے کہ حرف اور اسم سے مرکب ہے۔ بلکہ یہ فعل اور اسم سے مرکب ہے۔ کیونکہ یَا قائم مقام اَدْعُوْ اَطْلُبُ کے ہے۔ لہذا کلام اسم و فعل سے ہی مرکب ہوئی۔

سوال کلمہ کی تقسیم میں کلمہ حصر کا ذکر نہیں کیا اور یہاں کلام کی تقسیم میں کلمہ حصر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب کلمہ کا انحصار اقسام ثلاثہ میں حصر عقلی تھا۔ یعنی کوئی اور احتمال نہیں تھا اور کلام کا حصر عقلی نہیں بلکہ چار اور احتمال تھے۔ لہذا وہاں ضرورت ہی نہ تھی جب کہ یہاں ضرورت تھی اس لیے کلمہ حصر کو ذکر کیا۔

سوال لَا یَتَاَتّیٰ اِتْیَان سے ہے۔ بمعنی آمدن اور یہ ذی روح کی صفت ہے۔ جب کہ کلام غیر ذی روح ہے۔

جواب اِتْیَانْ کے دو معنی ہیں: ① آمدن جو حقیقی معنی ہے، ② حصول جو مجازی معنی ہے، یہاں پر دوسرا معنی حصول مراد ہے۔ لا یتأتی بمعنی لا یَحْصُلُ

سوال اسم و فعل سے مراد جملہ فِعلیَہ ہے تو فعل کو مقدم کرتے اسم کو مؤخر مُصنف نے اسم کو کیوں مقدم کیا؟

جواب اسم کو بوجہ شرافت کے مقدم کیا۔

سوال جب مُصنف اختصار کے درپے تھا تو پھر اتنی لمبی عبارت کیوں ذکر کی؟ حالانکہ اس کو یوں مختصر کیا جا سکتا تھا: الکلام ما تضمن اسمین او اسماً و فعلاً۔

جواب موجودہ عبارت سے تین نکات حال ہوتے ہیں۔ جو کہ آپ کی پیش کردہ عبارت میں نہیں۔ **نکتہ اول** کلام کی تعریف و تقسیم کلمہ کی تعریف و تقسیم کے موافق ہو گئی کیونکہ کلمہ کی تعریف و تقسیم علیٰحدہ علیٰحدہ تھی یہاں پر کلام کی تقسیم و تعریف بھی علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گئی۔ **نکتہ دوم** ہماری عبارت اجمال و تفصیل کی حامل ہے اور اجمال فن فصاحت و بلاغت کا اہم باب ہے۔ جب کہ آپ کی عبارت اجمال و تفصیل کی حامل نہ تھی۔ **نکتہ سوم** ہماری عبارت لَا اور اِلَّا کی وجہ سے حصر پر مشتمل ہے جو کہ ضروری تھا۔ جب کہ آپ کی عبارت ایسی نہیں۔

اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهٖ غَیْرِ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ

پہلا درجہ: مشکل الفاظ کی تشریح، اس میں مشکل الفاظ نہیں۔

دوسرا درجہ : مختصر مطلب، مُصنّفؒ کلام کی تعریف وتقسیم سے فراغت کے بعد۔ غبی طالب علم کی رعایت کرتے ہوئے اسم کی صراحۃً تعریف کرتے ہیں، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو حاصل ہونے والا ہے۔ اس کی ذات میں نہ ملا ہوا ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ۔

تیسرا درجہ : فوائد قیود، ہر تعریف میں جنس اور فصل ہوتی ہے۔ اس میں ما سے مراد کلمہ ہے جو جنس ہے اور کلمہ کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔ فی نفسہ پہلی فصل ہے جس سے حرف خارج ہوگا۔ غیر مقترن یہ فصل ثانی ہے جس سے فعل خارج ہو گیا۔

چوتھا درجہ ترکیب : الاسم مُبتدا، مَــا موصوفہ دَلَّ فعل اور ضمیر مُستَتِر فاعل علیٰ حرف جار معنی مجرور تقدیراً موصوف فِیْ نَفْسِہٖ مُتعلّق حاصل کے ہو کر صفت غیر مقترن کی۔ اگر غَیْرِ کو مجرور پڑھیں تو معنًی کی صفت ثانی ہوگی۔ اور اگر منصوب پڑھیں تو معنًی سے حال ہوگا۔ اور اگر مرفوع پڑھیں تو خبر ثانی ہوگی الاسم کی۔

؟؟؟؟؟؟؟؟

پانچواں درجہ سوالات وجوابات :

سوال لفظ مَا میں چار احتمال کلها باطل ① ما سے مراد شَیْ ہو تو تعریف دوال اربعہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک شَیْ ہیں جو مستقل معنی پر دلالت کرتے ہیں اور اقترانِ زمانہ بھی نہیں۔ ② اگر ما سے مراد لفظ ہو تو یہ تعریف کلام (زَیْدٌ قَائِمٌ) کے مجموعہ پر صادق آتی ہے ③ اگر ما اسم مراد ہو تو دور کی خرابی لازم آتی ہے۔ ④ اگر کلمہ مراد ہو تو راجع اور مرجع میں مطابقت نہیں رہتی کیونکہ دَلَّ کی ضمیر مذکر ہے اور اس کا مرجع کلمہ مونث ہے حالانکہ راجع مرجع میں بیک وقت پانچ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ ① تذکیر و تانیث، ② افراد و تثنیہ و جمع

جواب ما سے مراد کلمہ ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ مقسم اپنی اقسام میں مُعتبر ہوتا ہے اور ما چونکہ لفظ کے اعتبار سے مذکر اور معنی کے لحاظ سے مؤنث ہے اور ضابطہ ہے کہ اگر کوئی لفظ ایسا ہو جس میں دونوں اعتبار ہو تو اس کی طرف مذکر کی ضمیر راجع کرنا بھی صحیح اور مؤنث کی بھی اور یہاں پر بھی ما میں لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر کی ضمیر راجع کی گئی ہے۔

فائدہ تذکیر کی تین قسمیں ہیں : ① تذکیر لفظاً و معناً ہو۔ جیسے : زَیْدٌ ② تذکیر معناً فقط ہو۔ جیسے : طلحہ ③ تذکیر لفظاً فقط ہو۔ جیسے : کَلِمَۃٌ اسی طرح تانیث کی بھی تین قسمیں ہیں : ① تانیث لفظاً و معناً ہو۔ جیسے : عائشۃٌ ② تانیث معناً فقط۔ جیسے : ھِنْدٌ ③ تانیث لفظاً فقط۔ جیسے : غُرْفَۃٌ

سوال فی نفسہ کی قید سے فعل بھی خارج ہو جاتا ہے کیونکہ فعل کا معنی بھی غیر مستقل ہے۔ بایں طور کہ فعل تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ (۱) حدث (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل۔ دو چیزیں یعنی حدث اور زمانہ مستقل ہیں لیکن نسبت غیر مستقل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مستقل اور غیر مستقل سے مرکب ہو وہ غیر مستقل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ منطقی ضابطہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ اخص، ارذل کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر مقترن کی قید لغو اور مُستدرک جواب معنی سے مراد معنی مطابقی اور تضمنی ہے اور فعل کا معنی مستقل ہے باعتبار معنی تضمنی کے لہٰذا فی نفسہ کی قید میں فعل داخل رہا۔ جس کو غیر مقترن سے خارج کیا گیا ہے۔

سوال اسم کی تعریف جامع نہیں آپ نے کہا اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے۔ اور ضم ضمیمہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہم دکھاتے ہیں کہ اسم ہے لیکن ضم ضمیمہ کا محتاج ہے جیسے: کلا کلتا اذا ذو، متی۔

جواب ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اعتبار وضع کا ہوتا ہے نہ کہ استعمال کا۔ ان اسما کا اصل کے اعتبار سے معنی مستقل ہے۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں افعال منسلخہ افعال مقاربہ پہ یہ تعریف صادق آتی کیونکہ ان میں اقتران زمانہ نہیں۔

جواب وہی ہے کہ وضع اولی کے اعتبار سے اقترانِ زمانہ تھا اب نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

سوال آپ کی تعریف ایک اور لحاظ سے بھی جامع نہیں مصادر پر صادق نہیں آتی مثلاً ضرب بمعنی مارنا۔ یہ مارنا تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ہوگا۔ لہٰذا مصدر کا معنی بھی مقترن باحد الازمنۃ ہوا۔

جواب اقتران کی دو قسمیں ہیں: اقتران فی الفہم، اقتران فی الوجود۔

ہم نے اقتران فی الفہم کی نفی کی ہے اور مصادر میں جو اقتران ہے وہ اقتران بالزمان بحسب الوجود ہے جو کہ مضر نہیں۔

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں غدا، امس الیوم، الآن ان اسماء میں اقتران بالزمان بحسب الفہم ہے۔

جواب آپ سمجھے ہی نہیں۔ ہم نے کہا معنی علیحدہ ہو، پھر اس معنی کا زمانے کے ساتھ عدم اقتران ہو۔ ان اسماء میں جو تمہیں زمانہ نظر آ رہا ہے یہ تو ان اسماء کا معنی ہے۔ یعنی واضع نے ان اسماء کو انہی معانی کے لیے وضع کیا نہ یہ کہ معنی کا زمانے سے اقتران ہے۔

سوال آپ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں فعل مضارع پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں اور تم نے صرف ایک زمانہ کی نفی کی ہے۔

جواب (انکاری) : ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جائیں کیونکہ استعمال میں بیک وقت ایک زمانہ پایا جاتا ہے۔

جواب (تسلیمی) : جب ایک زمانہ کے پائے جانے سے کلمہ اسم کی تعریف سے نکل جاتا ہے تو وہ کلمہ جس میں دو زمانے پائے جائیں گے وہ تو بطریق اولیٰ نکل جائے گا اور عہد خارجی ہوگا۔

فائدہ الاسم پر الف لام جنسی ہوگا جب کہ معرف ہونے کا لحاظ کیا جائے۔ اگر ایک اور قاعدہ کا لحاظ کیا جائے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ایک اسم کا اعادہ کیا جائے تو چار صورتیں بنتی ہیں۔ ① دونوں معرفہ ہوں۔ ② دونوں نکرہ ہوں۔ ③ پہلا معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ۔ یا ④ پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو۔ اگر دونوں معرفہ ہوں، یا پہلا نکرہ ہو اور دوسرا معرفہ تو ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ ثانی اول کا عین ہوگا۔ اور دوسری دونوں صورتوں میں ثانی اول کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے : اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا یہاں پر باری تعالیٰ نے ایک عسر کے مقابلے میں دو یسر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور وَاَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ،

سوال وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ یہاں پر ثانی اول کا غیر نہیں بلکہ عین ہے۔

جواب یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔

وَمِنْ خَوَاصِّهٖ دُخُوْلُ اللَّامِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِیْنِ وَالْاِسْنَادُ اِلَیْهِ وَالْاِضَافَةِ

پہلا درجہ : مشکل الفاظ کی تشریح، مِنْ تبعیضتیہ ہے اور من تبعیضتیہ کی دو طرح کی ترکیب ہوسکتی ہے۔ ① جار مجرور بنایا جائے۔ ② مِنْ کو بمعنی بعض مضاف، مضاف الیہ بنایا جائے۔

خواص خواص جمع ہے خاصۃ کی تعریف خاصۃ الشئ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ ① شاملہ ② غیر شاملہ خاصہ شاملہ وہ ہے جو اپنے تمام افراد میں پایا جائے۔ جیسے : صحک بالقوۃ غیر شاملہ جو بعض افراد میں پایا جائے جیسے : ضحک بالفعل پھر خاصہ کی دو قسمیں ہیں ① حقیقیہ، جیسے ناطق انسان کے لیے ② اضافیہ، جیسے حساس انسان کے لیے۔

دخول تین لفظ ہیں ① دخول، ② طوق، ③ اتصال۔ کسی شی کے شروع میں آنے کو دخول اور آخر میں آنے کو لحوق کہتے ہیں۔ اور اتصال عام ہے، دونوں کو شامل ہے۔ الف لام کی بحث گزر چکی ہے۔

التنوین تنوین کی تعریف : اَلتَّنْوِیْنُ نُوْنٌ سَاکِنَةٌ تَتْبَعُ حَرَکَةَ اٰخِرِ الْکَلِمَةِ لَا لِتَاکِیْدِ الْفِعْلِ۔

تنوین کا لغوی معنی جَعَلُ الْاِسْمِ مُنَوَّنًا۔ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شعر ہے:

تنوین پنج قسم است اے یار من بگیر
اول تمکن است ثانی عوض ثالث تنکیر
دیگر مقابلہ است ترنم برادرم
این پنج یاد کن کہ شوی شاہِ بےنظیر

① **تنوین تمکن**: وہ ہے جو مدخول کے متمکن ہونے پر دلالت کرے۔

② **تنوین تنکیر**: وہ ہے جو مدخول کے نکرہ ہونے پر دلالت کرے۔

③ **تنوین عوض**: وہ ہے جو کسی کے عوض ہو، جس کی تین صورتیں ہیں۔ ① عوض عن الجملہ۔ جیسے: يَوْمَئِذٍ حِينَئِذٍ ② عوض عن المضاف الیہ۔ جیسے: كُلٌّ فِي فَلَكٍ ای كُلُّهُمَا ③ عوض عن الحرف۔ جیسے: دَوَاعٍ

④ **تنوین تقابل**: یہ تنوین جمع مؤنث سالم میں ہوتی ہے جو کہ جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں آتی ہے۔

⑤ **تنوین ترنم**: جو تحسینِ صوت کے لیے اشعار کے آخر میں آتی ہے۔

الْاِسْنَادُ جس کا لغوی اور اصطلاحی معنی گزر چکا ہے۔ الاسناد کی استعمال تین طرح ہوتی ہے۔ ① بِہٖ کے ساتھ۔ یعنی الاسناد بہ اس وقت اس سے مراد مسند بہ ہوتا ہے۔ ② اور اگر اِلَيْهِ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مسند الیہ ہوتا ہے۔ ③ اگر ان دونوں کے بغیر ہو یعنی فقط الاسناد ہو تو دونوں میں سے کوئی مراد ہو سکتا ہے۔

الاضافۃ اس کی استعمال بھی الاسناد کی طرح ہے۔

دوسرا درجہ ترکیب: مِنْ تبعیضیّہ ہے کہ خواصہ مجرور۔ یہ جار مجرور مل کر خبر مقدم۔ اور مابعد دخول اللام مُبتداء۔ یا بمعنی بعض ہو کر مُبتداء اور مابعد دخولُ اللام خبر ہے۔ الجر اور التنوین میں دو اعراب ہیں۔ ① جر ② رفع۔ اگر مجرور ہو تو عطف ہو گا اللام پر۔ اس پر سوال ہو گا کہ:

سوال اس ترکیب میں لفظ دخول داخل ہو گا جر اور تنوین پر۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ جر اور تنوین شروع میں آتی ہیں۔ حالانکہ یہ آخر میں آتے ہیں۔

جواب دخول سے مراد اتصال ہے جو کہ عام ہے۔ دخول اور لحوق دونوں کو شامل ہے۔

اور اگر مرفوع پڑھیں تو عطف ہو گا دخول پر۔ مگر یاد رکھیں مرفوع ہونے کی حالت میں جر اور تنوین

مصدر مجہول ہوں گے۔ بمعنی مجرور ہونا' اور منون ہونا۔ الاضافۃ والاسناد صرف مرفوع ہیں اوران کا عطف دخول پر ہے کیونکہ یہ نہ شروع میں آتی ہیں اور نہ آخر میں بلکہ درمیان میں ہوتی ہیں۔

تیسرا درجہ مختصر مطلب' مصنف اسم کی تعریف کے بعد اس کے خاصے بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے وہی تین فوائد حاصل ہونگے جو کہ تعریف کے بعد تقسیم سے حاصل ہوتے ہیں۔ مصنف نے یہاں پر صرف پانچ خاصے بیان کیے ہیں جن میں تین لام' جر' تنوین خاصے لفظی ہیں اور دو خاصے اضافۃ اور اسنادالیہ معنوی ہیں۔

وجہ حصر: خاصہ لفظی دو حال سے خالی نہیں۔ اول میں ہوگا یا آخر میں۔ اگر اول میں ہو تو لام تعریف ہے۔ اور اگر آخر میں ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ متبوع ہوگا یا تابع۔ اگر متبوع ہو تو جر ہے۔ اور اگر تابع ہو تو تنوین ہے۔

خاصہ معنوی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ مرکبِ ناقص ہوگا یا مرکبِ تام۔ اگر مرکب ناقص ہو تو یہ اضافت ہے۔ اور اگر مرکب تام ہو تو اسنادالیہ۔

چوتھا درجہ: سوالات وجوابات۔

سوال خاصہ لفظی کو معنوی پر کیوں مقدم کیا۔

جواب چونکہ خاصہ لفظی جو لفظوں سے معلوم ہوتا ہے اور خاصہ معنوی سے سمجھا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ معنی پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے مقدم کیا۔

سوال خاصہ لفظی میں یہ ترکیب کیوں رکھی کہ لام کو جر پر اور جر کو تنوین پر مقدم کیا۔

جواب لام تعریف چونکہ اول میں آتا ہے جر اور تنوین آخر میں۔ اس لیے لام کو مقدم کیا۔ اور چونکہ جر متبوع ہے اور تنوین تابع ہے۔ اور متبوع مقدم ہوتا ہے تابع سے۔ اس لیے جر کو تنوین پر مقدم کیا۔

سوال خاصہ معنوی میں اضافۃ کو اسناد پر کیوں مقدم کیا۔

جواب اضافت مرکب ناقص ہونے کی وجہ سے قلیل اور خفیف ہے۔ اور اسناد مرکب تام ہونے کی وجہ سے کثیر اور ثقیل ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قلیل خفیف مقدم ہوتا ہے کثیر ثقیل پر۔ اس لیے اضافت کو اسناد پر مقدم کیا۔

سوال مِنْ خَوَاصِہٖ۔ اس عبارت میں تعارض اور منافات ہے۔ کیونکہ من تبعیضیہ قلت پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ خواص جمع کثرۃ ہے' جو کثرۃ پر دلالت کرتا ہے۔ هَلْ هٰذَا اِلَّا اِجْتِمَاعُ الضِّدَّیْنِ'

فائدہ جمع قلت اور کثرت میں دو مذہب ہیں :

پہلا مذہب : اول جمع قلت اور جمع کثرت دونوں کا مبدا ثَین ہے اور قلت کا منتہی دس ہے اور جمع کثرۃ کی انتہا نہیں۔

دوسرا مذہب : جمع قلت ثَین سے شروع ہو کر دس پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جمع کثرۃ من العشرۃ اَوْمِنْ فَوْقِ العَشْرَۃِ اِلٰی غَیْرِ النہایہ۔

سوال جب اسم کے خواص بہت سے ہیں مُصنّف نے فقط پانچ کیوں بیان کیے؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے۔

جواب اصل مقصود تو مسائل اور فوائد بتانا ہے اور چونکہ ان پانچ خواص کے متعلق مسائل اور فوائد بہت زیادہ تھے۔ مثلاً لام کے متعلق یہ بحث ہوگی کہ لام کی کتنی قسمیں ہیں۔ کونسی مراد ہے۔ پھر تعریف کے لیے کوئی اور آلہ بھی ہے یا نہیں۔ پھر فقط لام تعریف کا ہوتا ہے یا الف لام۔ چنانچہ عِلمِ معانی میں ان خواص کے بارے میں بہت فوائد و مسائل لکھے ہوئے ہیں۔ لہذا یہ ترجیح مع المرجح ہے۔

دُخُولُ اللَّامِ اسم کا پہلا خاصہ لام ہے۔ جیسے : اَلرَّجُل۔

سوال لام تو فعل پر بھی داخل ہوتا ہے۔ جیسے : لِیَضْرِبْ اور حرف پر بھی۔ جیسے : لَقَدْ پھر کیسے اسم کا خاصہ ہوا؟ حالانکہ خاصہ اس کو کہتے ہیں جو اسی شَیْ میں پایا جائے اور غیر میں نہ ہو۔

جواب ہماری مراد مُطلق لام نہیں بلکہ لامِ تعریف ہے۔ اسی لیے تو ہم نے لام کو معرف بلام عہد خارجی لایا ہے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ مُطلق لام اسم کا خاصہ نہیں بلکہ صرف لامِ تعریف اسم کا خاصہ ہے۔

سوال لام تعریف کا نہیں ہوتا بلکہ الف لام ہوتا ہے۔ آپ نے الف کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب یہاں پر تین مذہب ہیں : ① سیبویہ کا ② خلیل کا ③ ابو العباس مبرد کا۔

خلیل بن احمد کے نزدیک اَلْ جیسے : ھل یعنی الف لام دونوں کا مجموعہ حرف تعریف ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ تعریف ضد ہے تشکیک کی اور حرف تشکیک ھَلْ ہے' جو دو حرف کا مجموعہ ہے۔ لہذا یہ حرف تعریف بھی دو حرف کا مجموعہ ہونا چاہیے۔ جیسے : اَلْ یہ مذہب ضعیف ہے۔ کیونکہ اگر الف بھی تعریف کا ہوتا تو لام کی طرح درمیانِ کلام میں حذف نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ حذف ہو جاتا ہے۔

ابو العباس مبرد کے نزدیک کہ ہمزہ تعریف کا ہے لام تو ہمزہ استفہام اور ہمزہ تعریف میں فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمزہ اصل ہے اور لام فرع ہے۔

یہ مذہب ضعیف نہیں بلکہ اضعف ہے۔ اس لیے کہ اس مذہب میں ہمزہ جو اصل ہے وہ حذف ہو جاتا ہے اور جو لام فرع ہے وہ باقی رہتا ہے۔

سیبویہ کے نزدیک لام تعریف کا ہے ہمزہ وصلی ہے جو ابتداء بالسکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔

دلائل سیبویہ دلیل اول : تعریف ضد ہے تنکیر کی اور تنکیر کے لیے نون تنوین ہے جو حرف واحد ساکن ہے تو تعریف کے لیے بھی حرف واحد ساکن ہونا چاہیے جو کہ لام ساکن ہے۔

دلیل ثانی : حرف تعریف یہ علامت ہوتا ہے تعریف کی اور ضابطہ ہے : وَالْعَلَامَةُ لَا تُحْذَفُ۔ لہذا لام ہی علامت تعریف بن سکتا ہے کیونکہ حذف نہیں ہوتا بخلاف ہمزہ کے کہ وہ حذف ہونے کی وجہ سے علامت نہیں بن سکتا۔ یہی مذہب قوی اور راجح ہے۔ مصنف نے اس کو اختیار کر کے دخول اللام کہا الف کو ترک کر دیا۔

سوال لام تعریف ساکن ہوتا ہے مفتوح، مکسور، مضموم کیوں نہیں ہوتا؟

جواب اگر لام تعریف مفتوح ہوتا تو لام تاکید کے ساتھ التباس آتا۔ کیونکہ لام تاکید مفتوح ہوتا ہے' اور اگر لام تعریف مکسور ہوتا تو لام امر کے ساتھ التباس آتا۔ کیونکہ لام امر مکسور ہوتا ہے۔ اور لام تعریف کو مضموم اس لیے نہیں بنایا کہ ضمہ ثقیل ہے جس سے یہ ثقیل بن جاتا۔ لہٰذا ساکن بنا دیا گیا۔

سوال لام تعریف ساکن تھا تو ابتداء بالسکون کے لیے الف کیوں لایا گیا' حالانکہ اور حرف بھی تو تھے۔

جواب الف لام میں خاص تعلق ہے کہ الف دل ہے لام کا' اور لام دل ہے الف کا۔ کیونکہ جب الف لکھا جاتا ہے تو لام درمیان میں آتا ہے اور لام لکھا جاتا ہے تو الف درمیان میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے الف لایا گیا ہے۔

سوال لام تعریف اسم کا خاصہ ہے دخول اللام تو نہیں۔ پھر لفظ دخول کو کیوں لایا گیا ہے

جواب لفظ دخول یہ بتانے کے لیے لائے ہیں کہ لام کلمہ کے شروع میں آتا ہے۔ نیز لام بغیر دخول علی الکلمۃ اسم کا خاصہ کیسے بن سکتا ہے۔

سوال لام تعریف اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب لام تعریف کی وضع ہے معنی مستقل مطابقی پر دلالت کرنے کے لیے۔ اور فعل کا معنی مستقل تو ہوتا ہے مگر تضمنی ہوتا ہے۔ اور حرف کا معنی مستقل ہوتا ہی نہیں۔ لہذا معنی مستقل مطابقی نہیں تھا مگر اسم میں اس لیے اسم کا خاصہ بنا دیا۔

سوال اگر مصنف لام کے بجائے حرف تعریف کا ذکر کرتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ میم بھی حرف تعریف تھی وہ بھی داخل ہو جاتی۔ قبیلہ حمیری کے ایک آدمی نے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے سوال

کیا: اَلَیْسَ مِنِ امْبِرِ امْصِیَامِ فِی امْسَفَرِ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: لَیْسَ مِنِ امْبِرِ امْصِیَامِ فِی امْسَفَرِ۔ یہاں میم تعریف کی ہے۔

جوابؔ (تسلیمی) میم کا تعریف کے لیے ہونا غیر مشہور اور نادر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ: اَلنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ۔

جوابؔ (انکاری) میم مُستقلاً حرف تعریف نہیں بلکہ لام تعریف سے مُتبدل ہے اور قبیلہ حمیری کی لغت ہے: وصرح بہ الرضی۔

جوابؔ یہ لغت غیر فصیح ہے باقی رہا آپ ﷺ کا جواباً تکلم فرمانا حالانکہ آپ ﷺ افصح العرب تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے اخلاق عظیمہ سے تھا سوال کے مطابق جواب دیتے تھے۔ جیسے کسی نے سوال کیا: کَمْ فِیْ کَمْ مِنْ کَمْ عَلٰی کَمْ آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: اِثْنَیْنِ فِیْ اِثْنَیْنِ مِنْ اِثْنَیْنِ عَلٰی اثْنَیْنِ ای فَرْضٌ وَّوَاجِبٌ فِیْ لَیْلٍ وَّنَہَارٍ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ عَلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔

والجر دوسرا خاصہ لفظ جر ہے۔

سوال جر کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا؟

جواب جر اثر ہے حرف جار کا۔ اور حرف جار اسم کے ساتھ خاص تھا۔ اس لیے ان کو اثر جر کو بھی اسم کا خاصہ بنادیا تاکہ تَخَلُّفُ الْاَثَرِ عَنِ الْمُؤَثِّرِ لازم نہ آئے۔

سوال ہم دکھاتے ہیں کہ تَخَلُّفُ الاثر عن المؤثر جیسے سورج، چاند مؤثر ہیں جو کہ آسمان میں ہیں ان کا اثر روشنی زمین پر ہے تو اثر پایا جارہا ہے بغیر مؤثر کے۔

جواب مؤثر کی دو قسمیں ہیں۔ ① مؤثر طبعی ② مؤثر کسبی۔
اول قوی ہے اور ثانی ضعیف ہے۔ اور چونکہ شمس اور قمر مؤثر طبعی ہیں، جن میں تخلف ہوسکتا ہے۔ اور یہ عوامل مؤثر کسبی ہیں جن میں تخلف نہیں ہوسکتا۔

سوال مجیب صاحب آپ نے کہا کہ مؤثر جس کے ساتھ خاص ہوگا اثر بھی اسی کے ساتھ خاص ہوگا یہ غلط ہے۔ مثلاً: لَنْ یہ فعل کے ساتھ خاص ہے۔ مگر اس کا اثر جو کہ نصب ہے وہ فعل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم پر بھی آتی ہے۔ جیسے: اِنَّ زیداً۔

جواب اثر کی دو قسمیں ہیں۔ ① جس کا مؤثر اور عامل ایک نوع ہو، جیسے جر کے لیے حروفِ جارہ ہیں۔ اور ان میں تخلف نہیں ہوگا۔ یعنی جس کے ساتھ مؤثر مختص ہوگا، اثر بھی اس کے ساتھ مختص ہوگا۔ ② وہ اثر جس کا عامل اور مؤثر مُتعدد نوع ہوں جیسے نصب کہ اس کا عامل فعل بھی ہے اور حروف ناصبہ بھی، اور مُشبّہ بالفعل وغیرہ بھی۔ یہاں پر اختصاص نہیں۔ کیونکہ اگر کسی مقام میں فعل

نہیں پایا جاتا تو ہوسکتا ہے کہ حرف مُشبّہ بالفعل ہو۔ جن کی وجہ سے نصب ہو۔

سوال حضرت جی غلامُ زیدٍ میں جر ہے بغیر حرف جار کے تو اختصاص کہاں گیا؟

جواب یہ اضافت معنوی ہے۔ اور اس میں حرف جار مقدر ہوتا ہے۔ لہٰذا اختصاص باقی رہا۔ البتہ یاد رکھیں اضافت لفظیہ میں دو مذہب ہیں: ① حرف جار مقدر ہوتا ہے ② مقدر نہیں ہوتا۔ یہ جواب پہلے مذہب پر مبنی ہے۔ اور ثانی مذہب پر اشکال باقی رہتا ہے۔ جس کے لیے دوسری دلیل دی جاتی ہے کہ اضافت لفظیہ فرع ہے اضافت معنویہ کی۔ اور اضافۃ معنویہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہ تعریف و تخصیص نہیں پائی جاتی مگر اسم میں۔ لہٰذا جب اضافت معنویہ اسم کے ساتھ مختص تھی تو اضافت لفظیہ جو فرع ہے اس کو بھی اسم کے ساتھ مختص کردیا۔ لِاَنَّ الْفَرْعَ لَا یُخَالِفُ الْاَصْلَ۔

التنوین تیسرا خاصہ تنوین ہے۔

سوال تنوین کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا ہے؟

جواب تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ جن میں سے چار اسم کا خاصہ ہیں اور ایک قسم تنوین ترنم عام ہے۔ ان چار کی وجہِ تخصیص یہ ہیں۔ ① تنوینِ تمکن یہ مُنصرف اور غیر مُنصرف میں فرق کرتی ہے اور مُنصرف غیر مُنصرف ہونا اسم کا خاصہ تھا۔ اس کو بھی اسم کے ساتھ خاص کردیا۔ ② تنوینِ تنکیر یہ تعریف و تنکیر میں فرق کرتی ہے اور چونکہ تعریف و تنکیر اسم کے ساتھ مختص تھی تو اس کو بھی اسم کے ساتھ مختص کردیا۔ ③ تنوینِ عوض یہ مضاف الیہ کے عوض ہوتی ہے اور اضافت اسم کے ساتھ خاص تھی تو اس کو بھی خاص کردیا۔ ④ تنوینِ تقابل یہ نون جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں تھی اور وہ نونِ جمع اسم کے ساتھ مختص تھا، اس کو بھی اسم کے ساتھ خاص کردیا۔

الاِضَافَۃُ چوتھا خاصہ اضافت ہے۔ میں نے تشریح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اگر اَلْاِضَافَۃُ ہو بغیر بِہٖ اور اَلَیْہِ کے تو دونوں مراد ہوسکتے ہیں لیکن مضاف بالاتفاق اسم کا خاصہ ہے اور مضاف الیہ میں اختلاف ہے عند البعض مضاف الیہ اسم کا خاصہ نہیں۔ کیونکہ فعل بھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے۔ جیسے: یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ میں یَنْفَعُ مضاف الیہ ہے یَوْمَ کے لیے۔ اور بعض نحویوں کے ہاں مضاف الیہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔ اور یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ کا جواب دیتے ہیں۔ جو فعل بھی مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں وہ سب اسم تاویلی ہیں۔ مُصنّفؒ کی عبارت سے دونوں کی تائید ہوسکتی ہے۔ فَتَدَبَّرْ۔

والاسناد الیہ پانچویں خاصہ کا بیان ہے۔

سوال اسناد سے کیا مراد ہے مسند یا مسند الیہ۔ ہر دونوں باطل ہیں۔ اگر مسند مراد ہو تو فعل بھی مسند ہوتا ہے اور اگر مسند الیہ ہو تو وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا میں اٰمنوا فعل ہے اور مسند الیہ ہے۔

جواب مسند الیہ مراد ہے۔ اس لیے کہ مُصنف نے الیہ کا ذکر ہے۔ باقی رہا آپ کا اشکال اٰمنوا یہ فعل ہو کر مسند الیہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسم تاویلی ہے۔

سوال ضَرَبَ فِعْلٌ۔ اور مِنْ حَرْفٌ اس میں ضَرَبَ فعل ہے۔ اور من حرف ہے۔ پھر بھی مسند الیہ مُبتدا واقع ہیں۔

جواب اُن جیسی مثالوں میں لفظ مراد ہوتے ہیں نہ کہ معنی اور قاعدہ ہے کہ جب فعل اور حرف اور جملہ سے مراد لفظ ہو تو حکماً اسم ہوتے ہیں۔

سوال مسند الیہ از قبیل ذات ہے اور خواص از قبیل اعراض ہیں۔ تو یہ مسند الیہ کیسے خاص بن سکتا ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا اسناد کا معنی کون الشئ مسنداً الیہ اب یہ معنی مصدری ہے جو کہ از قبیل اعراض ہے۔

سوال الاسناد الیہ مُبتدا مؤخر ہے۔ من خواصہ خبر مقدم۔ اور ضابطہ ہے کہ: اَلْخَبَرُ يُفِيْدُ مَا لَا يُفِيْدُ الْمُبْتَدَاءَ خبر ایسا فائدہ دے جو مُبتدا سے حاصل نہ ہو۔ یہاں پر خبر سے خاصہ والا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کہ خود مُبتدا الاسناد سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ بایں طور کہ الاسناد الیہ کی ضمیر راجع ہے اسم کی طرف۔ عبارت یہ ہوگی: الاسناد القائم بالاسم یہ بات ظاہر ہے کہ جو اسناد اسم کے ساتھ قائم ہوگی وہ اسم ہی کا خاصہ ہوگی۔ کیونکہ اسناد عرض ہے اور عرض ایک محل کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے۔

جواب مختلف اعتبار ہوتے ہیں بسا اوقات ایک اعتبار سے حکم غلط ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے درست ہے۔ مثلاً اگر انسان میں حیوان ناطق ہونے کا اعتبار کیا جائے تو یوں کہنا غلط ہوگا: الانسان حیوان ناطق۔ اور اگر انسان میں فقط جسم کا اعتبار کیا جائے تو پھر حیوان ناطق کا حکم لگانا درست ہے۔ یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگر الیہ کی ضمیر کے مرجع اسم میں شَئ کا اعتبار کیا جائے تو من خواصہ کا حکم لگانا درست ہے۔ اور اسم کا اعتبار کیا جائے تو غلط ہے۔ اور ہم یہاں پر اسم میں مُطلق شَئ کا اعتبار کریں گے۔

فائدہ من خواصہ خبر مقدم ہے۔ اور خبر کی تقدیم پانچ وجوہ سے ہوتی ہے۔

① تخصیص کے لیے۔ جیسے: فی الدار رجل۔

نہیں پایا جاتا تو ہوسکتا ہے کہ حرف مُشبّہ بالفعل ہو۔ جن کی وجہ سے نصب ہو۔

سوال حضرت جی غلام زیدٍ میں جر ہے بغیر حرف جار کے تو اختصاص کہاں گیا؟

جواب یہ اضافت معنوی ہے۔ اور اس میں حرف جار مقدر ہوتا ہے۔ لہٰذا اختصاص باقی رہا۔ البتہ یاد رکھیں اضافت لفظیہ میں دو مذہب ہیں: ① حرف جار مقدر ہوتا ہے ② مقدر نہیں ہوتا۔ یہ جواب پہلے مذہب پر مبنی ہے۔ اور ثانی مذہب پر اشکال باقی رہتا ہے۔ جس کے لیے دوسری دلیل دی جاتی ہے کہ اضافت لفظیہ فرع ہے اضافت معنویہ کی۔ اور اضافۃ معنویہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہ تعریف و تخصیص نہیں پائی جاتی مگر اسم میں۔ لہٰذا جب اضافت معنویہ اسم کے ساتھ مختص تھی تو اضافت لفظیہ جو فرع ہے اس کو بھی اسم کے ساتھ مختص کر دیا۔ لِاَنَّ الْفَرْعُ لَا یُخَالِفُ الْاَصْلَ۔

التنوین تیسرا خاصہ تنوین ہے۔

سوال تنوین کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا ہے؟

جواب تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ جن میں سے چار اسم کا خاصہ ہیں اور ایک قسم تنوین ترنم عام ہے۔ ان چار کی وجوہِ تخصیص یہ ہیں۔ ① تنوینِ تمکن یہ مُنصرف اور غیر مُنصرف میں فرق کرتی ہے اور مُنصرف غیر مُنصرف ہونا اسم کا خاصہ تھا۔ اس کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا۔ ② تنوینِ تنکیر یہ تعریف و تنکیر میں فرق کرتی ہے اور چونکہ تعریف و تنکیر اسم کے ساتھ مختص تھی تو اس کو بھی اسم کے ساتھ مختص کر دیا۔ ③ تنوینِ عوض یہ مضاف الیہ کے عوض ہوتی ہے اور اضافت اسم کے ساتھ خاص تھی تو اس کو بھی خاص کر دیا۔ ④ تنوینِ تقابل یہ نون جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں تھی اور وہ نونِ جمع اسم کے ساتھ مختص تھا، اس کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا۔

الاضافۃ چوتھا خاصہ اضافت ہے۔ میں نے تشریح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اگر اَلْاِضَافَۃُ ہو بغیر بِہٖ اور اَلَیْہِ کے تو دونوں مراد ہوسکتے ہیں لیکن مضاف بالاتفاق اسم کا خاصہ ہے اور مضاف الیہ میں اختلاف ہے عند البعض مضاف الیہ اسم کا خاصہ نہیں۔ کیونکہ فعل بھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے۔ جیسے: یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ میں یَنْفَعُ مضاف الیہ ہے یَوْمَ کے لیے۔ اور بعض نحویوں کے ہاں مضاف الیہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔ اور یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ کا جواب دیتے ہیں۔ جو فعل بھی مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں وہ سب اسم تاویلی ہیں۔ مُصنفؒ کی عبارت سے دونوں کی تائید ہوسکتی ہے۔ فَتَدَبَّرْ۔

والاسناد الیہ پانچویں خاصہ کا بیان ہے۔

سوال اسناد سے کیا مراد ہے مسند یا مسند الیہ۔ ہر دونوں باطل ہیں۔ اگر مسند مراد ہو تو فعل بھی مسند ہوتا ہے اور اگر مسند الیہ ہو تو وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا میں اٰمنوا فعل ہے اور مسند الیہ ہے۔

جواب مسند الیہ مراد ہے۔ اس لیے کہ مصنف نے الیہ کا ذکر ہے۔ باقی رہا آپ کا اشکال اٰمنوا یہ فعل ہو کر مسند الیہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسم تاویلی ہے۔

سوال ضَرَبَ فِعْلٌ۔ اور مِنْ حَرْفٌ اس میں ضَرَبَ فعل ہے۔ اور من حرف ہے۔ پھر بھی مسند الیہ مُبتدا واقع ہیں۔

جواب اُن جیسی مثالوں میں لفظ مراد ہوتے ہیں نہ کہ معنی اور قاعدہ ہے کہ جب فعل اور حرف اور جملہ سے مراد لفظ ہو تو حکماً اسم ہوتے ہیں۔

سوال مسند الیہ از قبیل ذات ہے اور خواص از قبیل اعراض ہیں۔ تو یہ مسند الیہ کیسے خاص بن سکتا ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا اسناد کا معنی کون الشئ مسنداً الیہ اب یہ معنی مصدری ہے جو کہ از قبیل اعراض ہے۔

سوال الاسناد الیہ مُبتدا مؤخر ہے۔ من خواصہ خبر مقدم۔ اور ضابطہ ہے کہ : اَلْخَبَرُ یُفِیْدُ مَا لَا یُفِیْدُ الْمُبْتَدَاءُ خبر ایسا فائدہ دے جو مُبتدا سے حاصل نہ ہو۔ یہاں پر خبر سے خاصہ والا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کہ خود مُبتدا الاسناد سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ بایں طور کہ الاسناد الیہ کی ضمیر راجع ہے اسم کی طرف۔ عبارت یہ ہوگی : الاسناد القائم بالاسم یہ بات ظاہر ہے کہ جو اسناد اسم کے ساتھ قائم ہوگی وہ اسم ہی کا خاصہ ہوگی۔ کیونکہ اسناد عرض ہے اور عرض ایک محل کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے۔

جواب مختلف اعتبار ہوتے ہیں بسا اوقات ایک اعتبار سے حکم غلط ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے درست ہے۔ مثلاً اگر انسان میں حیوان ناطق ہونے کا اعتبار کیا جائے تو یوں کہنا غلط ہوگا : الانسان حیوان ناطق۔ اور اگر انسان میں فقط جسم کا اعتبار کیا جائے تو پھر حیوان ناطق کا حکم لگانا درست ہے۔ یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگر الیہ کی ضمیر کے مرجع اسم میں شئ کا اعتبار کیا جائے تو من خواصہ کا حکم لگانا درست ہے۔ اور اسم کا اعتبار کیا جائے تو غلط ہے۔ اور ہم یہاں پر اسم میں مطلق شئ کا اعتبار کریں گے۔

فائدہ من خواصہ خبر مقدم ہے۔ اور خبر کی تقدیم پانچ وجوہ سے ہوتی ہے۔

① تخصیص کے لیے۔ جیسے : فی الدار رجل۔

(۲) حصر کے لیے۔ جیسے : فی الدار زید۔
(۳) عظمتِ شان کے لیے۔ جیسے : للہ الحمد۔
(۴) خبر صدارتِ کلام کو متضمن ہو۔ جیسے : این زید۔
(۵) قرب مرجع کے لیے۔ جیسے : من خواصہ

وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ مصنفؒ اسم کی تعریف اور خواص کے بعد تقسیم بیان کر رہے ہیں کہ اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معرب اور (۲) مبنی۔

وجہ حصر : یہ ہے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں مرکب ہو گا یا غیر مرکب اگر غیر مرکب ہو تو مبنی ہو گا جیسے : زید، عمرو، بکر، اگر مرکب ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں مرکب مع العامل ہو گا یا مرکب مع غیر العامل۔ اگر مرکب مع غیر العامل ہو تو مبنی۔ جیسے : غلام زید میں غلام مبنی ہے۔ اور اگر مرکب مع العامل ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مشابہ مبنی الاصل ہو گا یا نہیں؟۔ اگر ہو تو مبنی ہو گا۔ جیسے : قام ھولاء اور اگر مرکب مع العامل ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو تو معرب ہو گا۔ جیسے : قام زید۔

وجہ تسمیہ : (۱) معرب اعراب سے ہے۔ اعراب کا معنی اظہار۔ جیسے کہا جاتا ہے، : اَعْرَبَ الرَّجُلُ عَمَّا فِیْ نَفْسِہٖ۔ کہ معرب ظرف کا صیغہ ہے بمعنی ظاہر ہونے کی جگہ۔ اور چونکہ معرب پر اعراب ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو معرب کہتے ہیں۔

(۲) معرب اعراب سے ہے۔ جس کا مجرد عَرِبَ یَعْرَبُ بمعنی فساد ہے۔ جیسے : عَرِبَتْ مِعْدَتُہٗ۔ اس کا معدہ خراب اور فاسد ہو گیا ہے۔ جب اس کو باب افعال پر لے گئے تو باب افعال کی ایک خاصیت سلبِ ماخذ والی پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا معنی ہو گیا : "ازالۂ فساد"۔ اور معرب اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ بمعنی فساد دُور کیا ہوا۔ اور معرب پر چونکہ اعراب آتا ہے، جس کی وجہ سے معانی کے اشتباہ کا فساد ختم ہو گیا۔ اس لیے اس کو معرب کہتے ہیں۔ خاصیات کی بحث احقر کی تصنیف املاءُ الصّرف شرح ارشادُ الصّرف میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال جب اسم کی دو ہی قسمیں تھیں تو مصنفؒ نے اداۃِ حصر کر کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب یہاں عطف مقدم ہے ربط پر۔ جو کہ مفید للحصر ہے۔

سوال معرب کو مبنی پر مقدم کیوں کیا ہے؟

جواب چند وجوہ کی بنا پر :

وجہ اول : معرب کی تعریف وجودی تھی۔ اور مبنی کی تعریف عدمی۔ اور چونکہ وجودی اشرف ہوتا

ہے عدمی ہے۔ اس لیے معرب کو مقدم کر دیا۔

وجہ ثانی : معرب اپنی اصل پر قائم ہے جب کہ مبنی اپنی اصالت سے پھر چکا ہے۔ کیونکہ اسماء میں اصل معرب ہونا ہے اور مبنی ہونا خلافِ اصل ہے۔ جیسا کہ ضابطہ ہے : كُلُّ اِسْمٍ رَئَيْتَهٗ مُعْرَبًا فَهُوَ عَلٰى اَصْلِهٖ وَكُلُّ اِسْمٍ رَئَيْتَهٗ مَبْنِيًّا فَهُوَ عَلٰى خِلَافِ اَصْلِهٖ۔

وجہ ثالث : معرب کی مباحث کثیر اور اہم تھیں۔ یعنی مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات۔ آپ ﷺ کا فرمان : اَلْعِزَّةُ لِلتَّكَاثُرِ۔ اس لیے معرب کو مبنی پر مقدم کر دیا۔

سوال اسم کی تقسیم معرب مبنی کی طرف غلط ہے کیونکہ ضابطہ ہے : المقسم اعم من الاقسام یہاں پر معاملہ برعکس ہے مقسم خاص اور اقسام عام ہیں۔ اس طرح کہ اسم خاص ہے کہ وہ اسم نہ فعل ہوتا ہے اور نہ حرف۔ حالانکہ معرب عام ہے۔ اسم بھی ہوتا ہے اور فعل مضارع بھی۔

جواب یہ آپ کا سوال تب وارد ہوتا جب اسم کی تقسیم مُطلق معرب و مبنی کی طرف ہوتی۔ حالانکہ یہاں اسم کی تقسیم اسم معرب اور اسم مبنی کی طرف ہے۔ کیونکہ المعرب اور المبنی صغیہ صفت کے ہیں جن کے لیے موصوف الاسم محذوف ہے۔

فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْاَصْلِ

پہلا درجہ الفاظ کی تشریح : جس میں دو لفظ ہیں۔ ① لم یشبہ ② مبنی الاصل۔

مشابہت کی ابتداءً تین قسمیں ہیں۔ ① ضعیفہ، ② متوسطہ، ③ قویہ۔

① **مشابہت ضعیفہ :** جیسے غیر مُنصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ اس مشابہت کا ثمرہ یہ نکلا کہ اس غیر مُنصرف سے بعض اعراب یعنی کسرہ اور تنوین ختم ہو گئے۔

② **مشابہت متوسطہ :** جیسے اسم فاعل کی فعل مضارع کے ساتھ حرکات و سکنات میں مشابہت ہے اس مشابہت کا فائدہ یہ ہوا کہ اسم فاعل کو فعل کی ایک اصلیت مل گئی۔ یعنی اسم فاعل عامل بن گیا۔

③ **مشابہت قویہ :** جیسے اسماء غیر مُتمکنہ کی مشابہت ہے۔ اس مشابہت کا فائدہ یہ ہوا کہ اسماءِ غیر مُتمکنہ سے بالکل اعراب ختم ہو گیا۔ اور مبنی بن گئے۔ یہاں پر یہی مشابہت قویہ مراد ہے۔ اور اس مشابہت کی چند اقسام ہے۔ جس کو تنویر شرح نحو میر یا سعایۃ النحو میں ملاحظہ فرمائیں۔

مبنی الاصل اس میں تین مذہب ہیں : ① بصریین ② کوفین ③ اخفش۔

بصریین : کے نزدیک مبنی الاصل تین ہیں : ① تمام حروف، ② فعل ماضی، ③ فعل امر حاضر معلوم۔

کوفیین : کے نزدیک دو ہیں : ① تمام حروف، ② فعل ماضی۔

اخفش : کے نزدیک چار ہیں۔ تین یہی اور ایک جملہ من حیث الجملہ۔

دوسرا درجہ مختصر مطلب : مصنفؒ اسم معرب کی تعریف کررہے ہیں۔ اسم معرب وہ ہے جو مرکب ہو اپنے عامل کے ساتھ اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔

تیسرا درجہ فوائدِ قیود : اس میں دو قیدیں ہیں۔ ① المرکب یہ پہلی قید ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام مفردات خارج ہوگئے۔ ② لم یشبہ مبنی الاصل اس قید سے اسماء غیر متمکنہ خارج ہوگئے۔

چوتھا درجہ ترکیب یہ سہل ہے۔

پانچواں درجہ سوالات و جوابات۔

سوال ابھی آپ نے بتایا ہے کہ المرکب صفت ہے اسم کی حالانکہ اسم تو مفرد ہوتا ہے۔ اس سے تو لازم آ اسم پر مرکب کا اطلاق کرنا۔ جو کہ یقیناً غلط ہے۔

جواب مرکب کے دو معنے ہیں : ① مرکب مع الغیر ② مرکب من الغیر۔

مرکب مع الغیر : یہ مفرد کے منافی نہیں بلکہ اس سے مفرد مفرد ہی رہتا ہے جیسے قام زید اس میں زید مرکب مع الغیر بھی ہے اور مفرد بھی ہے۔ اور البتہ مرکب من الغیر یہ مفرد کے منافی ہے۔ لیکن ہماری مراد یہاں مرکب مع الغیر ہے۔

سوال جب لفظ مرکب کے دو معنے ہوئے تو یہ مشترک ہوا اور ضابطہ ہے کہ مشترک کو تعریف میں ذکر کرنا ناجائز ہوتا ہے کیونکہ مشترک میں ابہام ہوتا ہے اور تعریف میں مقصود توضیح ہوتی ہے۔

جواب مشترک کو تعریف میں ذکر کرنا وہاں ناجائز ہوتا ہے۔ جہاں قرینہ نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ تقسیم اسم کی ہے وہ قسم مفرد کا ہے۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں غلام زید میں غلام پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ مرکب ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں حالانکہ یہ مبنی ہے۔

جواب المرکب سے مراد مع العامل ہے اور غلام زید مرکب تو ہے، لیکن عامل کے ساتھ مرکب نہیں۔

سوال پھر تو مبتدا خبر بھی معرب کی تعریف سے خارج ہوگئے کیونکہ ان کا عامل لفظوں میں ہے ہی نہیں لہذا یہ تعریف جامع نہیں۔

جواب عامل سے مراد عام ہے عامل لفظی ہو یا معنوی۔

سوال آپ کی تعریف جامع نہیں غیر مُنصرف پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ آپ نے کہا مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اور غیر مُنصرف مبنی الاصل فعل ماضی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

جواب ہماری مراد مشابہت مؤثرہ مناسبت قویہ ہے۔ اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غیر مُنصرف کی مناسبت ضعیفہ ہے۔

سوال پھر بھی آپ کی تعریف جامع نہیں۔ اسم فاعل پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی مشابہت ہے مضارع کے ساتھ۔ اور مضارع مبنی الاصل ہے۔ کیونکہ وہ مضارع فعل ہے' اور اصل کے اعتبار سے مبنی ہے۔

جوابؔ مبنی الاصل کے دو معنی ہیں :

① الاصل فی البناء ② الاصل فیہ البناء یہاں پہلا معنی مراد ہے۔

جوابؔ اضافت بیانیہ ہے اور جہاں اضافت بیانیہ ہو وہاں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے' جس میں تین مادے ہوتے ہیں۔ ① دونوں مادہ ہوں۔ جس طرح فعل ماضی مبنی بھی اور اصل بھی۔ ② مبنی ہو اصل نہ ہو۔ جیسے اسم غیر متمکن۔ ③ اصل ہو مبنی نہ ہو۔ جیسے مصدر۔

فائدہ مناسبت کی چار اقسام ہیں۔ ① مجانست ② مماثلت ③ مشابہت ④ مشاکلۃ۔

مجانست کا معنی ہے : اشتراك الشیئین فی الجنس جیسے انسان اور فرس حیوانیت میں مشترک ہیں۔

مماثلت : اشتراك الشیئین فی النوع جیسے زید اور بکر انسانیت میں شریک ہیں۔

مشابہت : اشتراك الشیئین فی الوصف جیسے اسد و رجل وصفِ شجاعت میں شریک ہیں۔

مشاکلت : اشتراك الشیئین فی الشکل و الصورۃ۔ جیسے کاغذ پر شیر کی تصویر جو کہ اصل شیر کی صورت میں شریک ہے۔

تحقیق مقام : اسماء معدودہ میں اختلاف ہے کہ معرب ہیں یا مبنی صاحب مفصّل کے نزدیک معرب ہیں اور صاحب کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ اسماء معدودہ مبنی ہیں۔ وجہ اختلاف معرب کی تعریف میں اختلاف کا ہونا ہے۔

صاحب مُفصّل : کے نزدیک معرب وہ ہے جس میں استعداد اور صلاحیت اعراب ہو۔ یعنی عامل کے ساتھ مرکب ہونے کے بعد اس پر اعراب آسکتا ہو۔ خواہ بالفعل مرکب ہو یا نہ ہو۔ مستحق اعراب ہو یا نہ ہو۔ یہ تعریف اسماءِ معدودہ پر صادق آتی ہے۔

علامہ ابن حاجب : کے نزدیک معرب وہ ہے جس میں صلاحیت واستعداد بھی ہو اور بالفعل وجود اعراب بھی ہو۔ اسماءِ معدودہ چونکہ بالفعل مستحق اعراب نہیں، بلکہ بعد الترکیب مستحق ہوں گے۔ لہذا مبنی ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ زمخشری نے المرکب کی قید ذکر نہیں کی۔ اور علامہ ابن حاجبؒ نے ذکر کی ہے۔ یاد رکھیں یہ نزاع معرب کے اصطلاحی معنی میں ہے لغوی معنی میں نہیں۔ یہ بھی یاد رکھیں یہ نزاع کوئی حقیقی نزاع نہیں، بلکہ لفظی ہے۔ کیونکہ جو معرب مانتے ہیں وہ معرب بالقوۃ مانتے ہیں، بالفعل نہیں مانتے۔ اور جو معرب کی نفی کرتے ہیں وہ معرب بالفعل کی نفی کرتے ہیں۔ ھل ھذا الا نزاع لفظی۔

سوال مصنفؒ نے معرب کی تعریف مشہور بین الجمہور سے عدول کیوں کیا۔ تعریف مشہور یہ ہے کہ ما اختلف آخرہ باختلاف العوامل۔

جواب تعریف مشہور میں تقدم الشئ علی نفسہ کی خرابی لازم آتی ہے بایں طور کہ اگر ذات معرب کی تعریف کی جائے۔ اِخْتِلَافُ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ کے ساتھ تو ذات معرب معرَّف ہوگا۔ اور اختلاف الآخر معرِّف ہوگا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ معرِّف کی معرفت مقدم ہوتی ہے معرَّف کی معرفت پر۔ لہذا اِخْتِلَافُ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ کی موفت مقدم ہوگی ذات معرب پر حالانکہ یہی اِخْتِلَافُ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ معرب کی غرض دغایت ہونے کی وجہ سے مؤخر ہے۔ کیونکہ شئ کی غرض مؤخر ہوتی ہے۔ لہذا اِخْتِلَافُ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ معرِّف ہونے کی وجہ سے مقدم ہوئی اور غرض ہونے کیوجہ سے سے مؤخر۔ تو ایک ہی چیز کا اپنی ذات پر مقدم ہونا لازم آیا۔ اور یہی تقدم الشئ علی نفسہ ہے، اور دور ہے۔ جو کہ باطل ہے۔ دلیل کی تلخیص بطریق قیاس یوں ہو سکتی ہے۔ مَعْرِفَةُ اِخْتِلَافِ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ مُتَقَدِّمَةٌ عَلٰی ذَاتِ الْمُعْرَبِ (لِاَنَّهٗ مُعَرِّفٌ) وَمَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ مُتَقَدِّمَةٌ عَلٰی اِخْتِلَافِ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ (لِاَنَّ الْاِخْتِلَافَ غَرَضٌ لَهٗ) ⁓ مَعْرِفَةُ اِخْتِلَافِ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ مُتَقَدِّمَةٌ عَلٰی اِخْتِلَافِ الْاٰخِرِ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ وَهُوَ تَقَدُّمُ الشَّئِ عَلٰی نَفْسِهٖ وَاللَّازِمُ بَاطِلٌ فَالْمَلْزُوْمُ مِثْلُهٗ۔ اس لیے مصنفؒ نے تعریف مشہور بین الجمہور سے عدول کیا۔

وَحُكْمُهٗ اَنْ يَّخْتَلِفَ اٰخِرُهٗ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيْرًا

معرب کی تعریف کے بعد حکم کا بیان ہے۔ معرب کا حکم یہ ہے کہ عامل کے بدلنے سے معرب کا آخر بدل جائے خواہ اختلاف لفظی ہو یا تقدیری۔

سوال حکم کے چند معانی ہیں۔ ① الاثر المرتب علی الشی ② خطاب اللہ المتعلق بافعال

المکلفین ③ ما ثبت بالخطاب ④ اسناد امر الی امر اٰخر الی اٰخرہ ⑤ نسبت تامہ خبریہ ⑥ محکوبہ یہاں کونسا مراد ہے؟

جواب الاثر المرتب علی الشئ یہ معنی مراد ہے۔

سوال حکم کی اضافت ہے ضمیر کی طرف اور قاعدہ ہے کہ جب اسم ظاہر کی اضافت ضمیر کی طرف ہو وہ مفید للاستغراق ہوتی ہے اب مطلب یہ ہوگا معرب کے تمام احکام منحصر ہیں اسی حکم میں حالانکہ معرب کے اور بھی بہت احکام ہیں۔

جواب یہاں اضافت استغراقی نہیں بلکہ عہدی ہے۔ باقی رہا قاعدہ وہ اکثری ہے۔ یاد رکھیں الف لام کی طرح اضافت کی بھی چار قسمیں ہیں۔

سوال معرب کا حکم جامع نہیں۔اس لیے کہ اس سے تو بہت سارے معرب خارج ہیں مثلاً فاعل کا حکم رفع ہے اور مفعول کا حکم نصب اور غیر مُنصرف کا حکم عدم دخول الکسرۃ و التنوین ہے ۔ حالانکہ یہ معرب ہیں لیکن ان کا حکم اختلاف الاٰخر نہیں، بلکہ علی سبیل الترقی ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم تو معرب کے کسی فرد کا ہی نہیں کیونکہ ہر فرد معرب کے لیے ایک اعراب مُتعیّن ہے۔نہ کہ مختلف اعراب

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا من حیث ھو معرب کہ معرب ہونے کی حَیثیت سے ہر معرب کا یہی حکم ہے۔ اختلاف الاٰخر البتہ جب کسی عامل کے ساتھ ہوگا وہاں وہی ایک ہی اعراب مُتعیّن ہوگا۔ مثلاً زید جب ضَرَبَ فعل کے ساتھ ہوگا تو رفع مُتعیّن ہوگا فاعلیت کی بنا پر **الخ**

سوال پھر بھی معرب کا یہ حکم جامع نہیں مثلاً : مسلمون معرب ہے۔ لیکن عامل کے بدلنے سے اس کا آخری حرف نون ہے جو نہیں بدلتا۔ جیسے : قام مسلمون ورئیت مسلمین و مررت بمسلمین

جواب مسلمون کا آخری حرف نون نہیں بلکہ واو ہے جو عامل کے بدلنے سے بدل رہی ہے۔

سوال پھر بھی یہ حکم جامع نہیں مثلاً : زید کا آخری حرف دال ہے جو بدلتا نہیں۔ جیسے قام زید ورئیت زیداً۔

جواب اختلاف آخر کی دو قسمیں ہیں۔ ① اختلاف صفتی ② اختلاف ذاتی اختلاف ذاتی، کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے۔ اس کو اعراب بالحرف کہتے ہیں اور اختلاف صفتی کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے۔ اس کو اعراب بالحرکۃ کہتے ہیں۔ اور یہاں پر اختلاف الاٰخر میں تعمیم ہے کہ ہر دونوں مراد ہیں مسلمون کا اعراب بالحرف تھا اور زید کا اعراب بالحرکۃ ہے۔

سوال پھر بھی یہ حکم جامع نہیں مثلاً : قام موسی، رئیت موسی، مررت موسی اس میں موسی میں نہ اختلاف ذاتی ہے نہ صفتی یعنی نہ اعراب بالحرف اور نہ اعراب بالحرکۃ۔

جواب مُعترض صاحب آپ کو معرب کے حکم میں لفظاً او تقدیراً کی قید نظر نہیں آئی جس میں مصنف نے تعمیم بیان کی ہے کہ اختلاف لفظی ہو یا تقدیری اور موسی میں اختلاف تقدیری موجود ہے۔ جس کی تفصیل اعراب کے اقسام میں انشاء اللہ تعالی دیکھ لیں گے۔

سوال پھر بھی یہ حکم جامع نہیں، ضربت زیداً۔ ان زیدا۔ اِنی ضارب زیدا ان امثلہ میں عامل مختلف ہے۔ اول مثال میں عامل فعل ہے اور ثانی میں حرف ہے اور ثالث میں اسم ہے۔ لیکن زیدا تو منصوب ہی ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

جواب اختلاف عامل سے مراد عامل کی ذات کا اختلاف نہیں بلکہ عمل کا اختلاف مراد ہے اور آپ کی پیش کردہ مثالوں میں عامل کی ذات تو مختلف ہے۔ لیکن زیدا کے لیے عمل سب کا ایک نصب ہے۔

سوال پھر بھی یہ حکم جامع نہیں۔ مثلاً اسماء مفردہ کو جب ابتداءً عامل کے ساتھ مرکب کیا جائے تو اس کا حکم اختلاف آخر نہیں ہوتا بلکہ حدوث اعراب ہے۔

جواب یہ حکم خاصہ غیر شاملہ ہے اور واقعۃً ان اسماء کا حکم علیحدہ ہے جو کہ حدوث اعراب ہے۔

سوال العوامل جمع لائے اور جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کم از کم تین عامل داخل ہوں تب معرب کا آخر بدلے گا۔ حالانکہ یہ بالکل باطل ہے۔

جواب مُعترض صاحب خدارا کتابوں کا کچھ مطالعہ تو کرلیا کرو۔ وہاں آپ کو یہ قاعدہ ملے گا کہ جب جمع پر الف لام داخل ہوجائے تو جمعیت والامعنی باطل ہوجاتا ہے۔

سوال مجیب صاحب آپ بڑے صاحبِ مطالعہ نظر آتے ہیں۔ لفظا او تقدیراً کی ترکیب تو بتادیں۔

جواب حاضر جی ضرور بتاتے ہیں۔ اسکی چند ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مفعول مُطلق ہے باعتبار حذف مضاف کے ای اختلاف لفظٍ او تقدیرٍ پھر مضاف کو حذف کرکے وہ اعراب مضاف الیہ کو دے دیا۔

(۲) یہ تمیز محول عن الفاعل ہیں کیونکہ دراصل یختلف لفظ آخرہ او تقدیر آخرہ

(۳) بمعنی ملفوظاً مقدرا کے ہو کر یہ حال ہیں

(۴) کان کی خبر ہو تقدیر عبارۃ سواء کان الاختلاف لفظا او تقدیراً

اَلْاِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُہٗ بِهٖ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ پہلا درجہ **مشکل الفاظ** ایک لفظ المعتورۃ قابل تشریح ہے۔ لیکن اس کی تشریح سوال وجواب میں بیان کی جائے گی۔

دوسرا درجہ : مختصر مفہوم، مصنفؒ اس عبارت سے اعراب کی تعریف بیان کررہے ہیں۔

ربط بماقبل : چونکہ حکم میں کہا گیا تھا کہ معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے۔ اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سبب اختلاف کیا ہے۔ اور سبب اختلاف اعراب اور عامل ہے لہذا پہلے اعراب کی تعریف وتقسیم پھر عامل کی تعریف کریں گے۔ اعراب کی تعریف اعراب وہ حرکت یا حرف ہے جو معرب کے آخر کے مختلف ہونے کا سبب ہو۔ تا کہ وہ دلالت کرے اُن معانی پر جو معرب پر پے در پے وارد ہوتے ہیں۔

تیسرا درجہ ترکیب : الاعراب مُبتدا ہے ما اختلف آخرہ بہ خبر ہے۔ لیدل یہ جملہ بتاویل مصدر مجرور۔ جار مجرور مل کر مُتعلق اختلف کے ہیں۔

چوتھا درجہ سوالات وجوابات :

سوال معرب کو اعراب پر مقدم کیوں کیا؟

جواب معرب ذات ہے اور اعراب وصف ہے اور ذات مقدم ہوتی وصف پر اس لیے مقدم کیا

سوال آپ کی بیان کردہ اعراب کی یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ اس لیے کہ عامل اور معنی مُقتضی پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی شئ ہیں اور ان سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ معرب پر عامل داخل ہوتا ہے جس کی وجہ سے معنی پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ معنی اعراب کا تقاضا کرتا ہے پھر اعراب سے معرب مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً : قام زید اس میں قام عامل زید معرب پر داخل ہوا جس نے زید میں معنی فاعلیت پیدا کیا پھر اس معنی فاعلیت نے اعراب رفع کا تقاضا کیا پھر اس رفع سے زید کا آخر مختلف ہوا۔ لہذا یہ تینوں سبب ہوئے۔ البتہ اعراب سبب قریب ہے اور معنی مُقتضی سبب بعید اور اعراب سبب ابعد ہے۔ ان تینوں پر اعراب کی تعریف صادق آتی ہے حالانکہ عامل اور معنی مُقتضی اعراب نہیں۔

جواب مُعترض صاحب یہ لمبی تقریر تھیں اس لیے کرنی پڑی کہ آپ نے ما سے مراد شئ لی ہے حالانکہ ما سے مراد حرکت اور حرف ہے۔ فاین الاشکال۔

سوال اب پھر بھی یہ تعریف مانع عن دخول الغیر نہیں۔ اس لیے یہ تمام حروف عاملہ پر صادق آتی ہے۔ اَیْنَ المفر۔

جواب حرف سے مراد حروف مبانی ہیں نہ کہ حروف معانی

سوال اول کا جواب ثانی : اعراب کی تعریف میں باسببیّت کی ہے اور سبب سے مراد سبب کامل ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ المُطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل، اور سبب کامل سبب قریب ہے جو کہ اعراب ہے لہذا اس سے عامل اور معنی مُقتضی خارج ہو گئے۔

سوال غلامی میں میم کی حرکت کسرہ پر اعراب کی تعریف صادق آتی ہے۔ مثلاً : جاء نی غلامی میں یائے متکلم سے قبل غلام رفع کے ساتھ تھا۔ پھر یائے متکلم کی طرف اضافت سے میم پر کسرہ آتی ہے۔ جس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو گیا حالانکہ یہ اعراب نہیں۔ لہٰذا یہ تعریف مانع نہ ہوئی۔

جواب اس سے پہلے فائدہ جان لیں۔

فائدہ غلامی میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب : مُصنّف کے نزدیک معرب ہے دلیل غلامی میں اضافت ہے جو کہ معرب کا خاصہ ہے لہذا یہ معرب ہے

دوسرا مذہب : عند البعض مبنی ہے دلیل غلامی میں اضافت الی یاء المتکلم ہے جس میں شدید اتصال ہے جس کی وجہ سے غلامی گویا کہ ایک کلمہ ہے اور میم وسط کلم ہے اور وسط کلمہ میں اعراب جاری نہیں ہو سکتا جیسے : اَحَدَ عَشَرَ اور جب اعراب جاری نہیں ہو سکتا تو یہ مبنی ہی ہو گا۔

تیسرا مذہب : بعض کے نزدیک غلامی نہ معرب ہے۔ اور نہ مبنی۔ دلیل غلامی میں دو اعتبار ہیں۔ ① اضافت کا اعتبار کریں تو پھر معرب ہونا چاہیے۔ ② شدۃ اتصال کی وجہ سے وحدت کلمہ کا اعتبار کریں تو پھر مبنی ہونا چاہیے۔ اور قاعدہ ہے : اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا۔ جب دو چیزوں کا تعارض ہو جائے تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہذا غلامی نہ معرب ہے اور نہ مبنی۔ یہ مذہب اضعف ہے۔ بہر حال ان دونوں مذہب پر سوال نہیں ہو گا۔ البتہ مُصنّف کے مذہب پر سوال ہو گا۔

جواب تعریفات میں حَیثیّت کی قید مُعتبر ہوتی ہے۔ اور یہاں پر اعراب کی تعریف میں من حیث هو معرب کی قید محذوف ہے اب مطلب یہ ہو گا کہ اختلاف آخر معرب ہونے کی حَیثیّت سے ہو اور فیما نحن فیہ غلامی میں اختلاف یاءِ مُتکلم کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ معرب کی وجہ سے۔ کیونکہ یاء ماقبل پر کسرہ چاہتی ہے۔

فائدہ مُطلق اعراب کی تعریف الاعراب ما جیئَ بہ لبیان مقتضی العامل من حرف او حرکۃ او سکون او حذفٍ

بناء کی تعریف : ہو لزوم اٰخر الکلمۃ حرکۃً او سکونًا بغیر عامل و اعتلالٍ۔

فائدہ اعراب کی تین قسمیں ہیں: ① اعراب بالاصالۃ۔ جیسے اسماء متمکنہ کا اعراب۔ جب کہ توابع نہ ہوں۔
② اعراب بالتبعیۃ۔ جیسے توابع کا اعراب۔
③ اعراب بالمشابہ۔ جیسے فعل مضارع کا اعراب کیونکہ فعل مضارع کا اعراب اسم فاعل کی مشابہت کیوجہ سے ہے۔
اسی طرح بناء کی تین قسمیں ہیں: ① بناء بالاصالۃ۔ جیسے: تمام حرف
② بناء بالتبعیۃ۔ جیسے: توابع منادی
③ بناء بالمشابہ۔ جیسے: اسم غیر متمکن

تنبیہ اعراب کی تعریف پر مزید وہی سوالات و جوابات وارد ہوتے ہیں۔ جو معرب کے حکم پر کیے گے ہیں۔ ترکتہ احترازا عن التکرار۔

لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ اس عبارت میں شارحین کا اختلاف ہے کہ یہ عبارت اعراب کی تعریف میں داخل ہے یا نہیں۔ فاضل ہندی کے نزدیک تعریف یہاں تک جمعا و منعا مکمل ہو چکی ہے اس عبارت کا کوئی تعلق اعراب کی تعریف سے نہیں نہ لفظاً نہ معناً۔ اور لیدل مُتعلق ہے فعل محذوف کے اور یہ جملہ مستانفہ ہے۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔
سوال لِمَ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جواب دیا: لیدل الخ

دلیل ۱ اگر یہ عبارت داخل فی التعریف ہو تو یہ قید احترازی بنے گا۔ حالانکہ یہ قید احترازی نہیں۔
دلیل ۲ مُصنّفؒ نے اپنی شرح الکافیہ الامالی میں اس جملے کے بارے میں تصریح کردی ہے: لیس ھذا من تمام الحد۔ اس سے معلوم ہوا کہ حد سے مُتعلق نہیں بلکہ امر خارج سے مُتعلق ہے۔
بعض شارحین کے نزدیک یہ داخل فی التعریف ہے۔
جواب دلیل ۱ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کیونکہ تعریفات میں بعض قیودات اتفاقی بھی ہوتی ہیں۔ جس سے وضاحت مقصود ہوتی ہے اور لیدل اختلف کے مُتعلق ہے نہ محذوف کے کیونکہ ظرف لغو اصل ہے اور ظرف مُستقر خلاف اصل۔
جواب دلیل ۲ فاضل ہندی صاحب نے مُصنف کی عبارت کا مقصد نہیں سمجھے۔ مُصنف کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ اعراب کی تعریف کے جامع مانع ہونے میں اس عبارت کو کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ نہ یہ جنس ہے نہ فصل لیکن یہ مقصد قطعاً نہیں کہ اس کا تعلق ہی نہیں، بلکہ تعلق ہے کہ اس کو وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی بناء پر لیس ھذا من تمام الحد کہا، لیس

هذا من الحد نہیں کہا۔

سوال لیدل کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب الاختلاف یا ما بہ الاختلاف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اعراب کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: بعض نحویوں کے نزدیک اعراب نام ہے نفس اختلاف کا۔ دلیل اعراب ضد ہے بناء کی اور بناء نام ہے عدم الاختلاف کا تو اعراب نام ہوگا اختلاف کا

دوسرا مذہب: اعراب نام ہے ما بہ الاختلاف کا دلیل اعراب علامت ہے معرب کی اور علامت محقق موجود ہوتی ہے اور محقق موجود ما بہ الاختلاف رفع، نصب، جر ہے۔ نہ کہ نفس اختلاف۔ کیونکہ وہ امر معنوی ہے۔ اور یہی دوسرا مذہب راجح ہے۔ کیونکہ اعراب اگر نفس اختلاف ہو تو بعض اسماء معربہ بلا اعراب رہ جائیں۔ جیسے اسماء معدودہ جب ابتداءً عامل کے ساتھ مرکب ہوں۔ تو وہ معرب ہوتے ہیں مگر اختلاف نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اختلاف تو تبدیل حرکۃِ بحرکۃِ آخر کا نام ہے جو یہاں موجود نہیں۔

سوال المعانی کو معرف باللام کیوں لائے؟

جواب المعانی کو معرف بلام عہد خارجی لا کر بتا دیا کہ معانی سے مراد معانی مخصوصہ معانی ثلاثہ ہیں۔ (۱) فاعلیۃ (۲) مفعولیت، (۳) اضافۃ یہ مراد ہیں نہ کہ مُطلق معانی۔

سوال المعتورۃ یہ باب اعتور یعتور بمعنی اخذ جماعۃ شیئًا متناوبۃ مُتعدّی بنفسہٖ ہوتا ہے۔ اس کا صلہ علی نہیں آتا۔ یہاں علی صلہ کیوں لائے؟

جواب فاضل ہندی نے جواب دیا یہ اسم مفعول ہے بمعنی ماخوذۃ کے اور قاعدہ ہے فعل مجہول اور اسم مفعول مُتعدّی باب کے بھی لازمی ہوتے ہیں۔ اور لازمی کو مُتعدّی کرنے کے لیے صلہ علی کو ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے۔ کیونکہ فعل اور شبہ فعل میں اصل یہ ہے کہ ان کا اسناد الی الفاعل ہو اور اس تاویل میں اسناد الی المفعول کیا گیا ہے، جو کہ خلافِ اصل ہے۔

دوسری وجہ ضعف کی یہ بھی ہے کہ تاویل ایسی ہونی چاہیے جس میں حقیقی معنی باطل نہ ہو معتورۃ اسم فعول بمعنی ماخوذۃ لینے سے لغوی حقیقی معنی باطل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ معتورۃ کا معنی ایک چیز کو یکے بعد دیگرے لینا۔ اور ماخوذۃ کا معنی بیک وقت لیا جائے۔ باقی رہا جواب باصواب کیا ہے وہ جواب

جواب صحیح یہ ہے کہ یہاں صنعت تضمین ہے۔

صفت تضمین کی تعریف ایک فعل یا شبہ فعل بہ دوسرے فعل یا شبہ فعل کے معنی کا لحاظ کر کے دوسرے کے صلہ کو پہلے کے لیے ذکر کر دیا جائے۔ یہاں پر المعتورۃ میں واردۃً کے معنی کالحاظ کر کے واردۃً کے صلہ علی کو ذکر کر دیا اور ترکیب میں علیہ متعلق ہے واردۃً کے۔ یہ واردۃً حال ہے المعتورۃ کی ضمیر سے۔

وجہ تسمیہ : ① اعراب کا معنی ظاہر کرنا۔ جیسے فرمان نبوی : اَلثَّیِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِہَا ② اعراب کا معنی ہے ازالۃ الفساد جس کے مجرد کا معنی فساد ہے۔ باب افعال میں سلب مأخذ ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین کے نزدیک : اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْہَا ای اُزِیْلُ اِخْفَاءَہٗ۔ یہ دونوں معنے معرب کی وجہ تسمیہ میں بھی گذر چکے ہیں۔ ③ اعراب کے وجہ سے معرب سامع کے لیے محبوب بن جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں : عُرُبًا اَتْرَابًا۔ عربًا بمعنی محبوب عورتیں۔ اور چونکہ معرب اعراب کی وجہ سے محبوب بن جاتا ہے' اس لیے اس کا نام اعراب رکھ دیا ہے۔ (اسرارالعربیہ)

وَاَنْوَاعُہٗ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِیَّۃِ وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُوْلِیَّۃِ وَالْجَرُّ عَلَمُ الْاِضَافَۃِ اعراب کی تعریف کے بعد اقسام کا بیان ہے۔ مختصر مطلب' اعراب کی تین قسمیں ہیں : ① رفع ② نصب ③ جر۔ رفع فاعلیت کی علامت ہے اور نصب مفعولیت کی اور جر اضافت کی۔

وجہ حصر : اعراب دو حال سے خالی نہیں۔ عمدہ پر دلالت کریگا یا فضلہ پر۔ اگر عمدہ پر دلالت کرے تو رفع ہے' اگر فضلہ پر دلالت کرے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ بلاواسطہ دلالت کریگا یا بالواسطہ۔ اگر بلاواسطہ ہو تو یہ نصب ہے۔ اگر بالواسطہ ہو تو جر ہے۔

سوال مُصنفؒ نے انواعہ کہا اقسامہ کیوں نہیں کہا؟

جواب مُصنفؒ نے مُعترض صاحب آپ کو ایک نکتہ بتایا کہ اعراب جنس ہے' اور رفع' نصب' جر' یہ نوع ہیں۔ جس طرح ہر نوع کے تحت کئی افراد ہوتے ہیں ان کے نیچے بھی افراد ہیں۔

رفع کے تین افراد ہیں : ① رفع ضمہ کے ساتھ' ② واو کے ساتھ' ③ الف کے ساتھ۔

اور نصب بھی نوع ہے جس کے چار افراد ہیں : ① فتحہ کے ساتھ' ② کسرہ کے ساتھ' ③ الف کے ساتھ' ④ یاء کے ساتھ۔

اور جر بھی نوع ہے۔ جس کے تین افراد ہیں : ① کسرہ کے ساتھ' ② فتحہ کے ساتھ' ③ یاء کے ساتھ۔

سوال یہ تقسیم الکلی الی الجزئیات ہے۔ جیسا کہ تم نے بتایا تھا ھی اسم الی آخرہ میں تقسیم الکلی

اور تقسیم الکلی الی الجزئیات میں ربط مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ اب معنی ہوگا انواع اعراب رفع ہے' اس میں مفرد کا حمل اور جزء کا حمل کل پر لازم آتا ہے۔ واللازم باطل فالملزوم مثلہ

جواب ہر جگہ تقسیم الکلی نہیں ہوتی۔ یہاں پر تقسیم الکل الی الجزاء اور تقسیم الکل الی الاجزاء میں عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر' اور عطف کی وجہ سے یہ ایک خبر بن جائے گی۔ نیز جمع بنے گی کیونکہ **ضابطہ** : اَلْجَمْعُ بِحَرْفِ الْجَمْعِ کَالْجَمْعِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ۔ لہٰذا کل کا کل پر اور جمع کا جمع پر حمل ہوا جو کہ درست ہے۔

سوال اعراب تین کیوں بنائے گئے ہیں؟

جواب جب معانی تین تھے۔ ① فاعلیت ② مفعولیت ③ اضافۃ۔ تو اعراب بھی تین وضع کیے گئے۔

سوال اعراب کی چوتھی قسم بھی ہے۔ جزم اس کو کیوں بیان نہیں کیا؟۔

جواب یہاں پر اسم کے اعراب کا بیان ہے جو کہ تین ہیں اور جزم تو فعل کا اعراب ہے۔

سوال اعراب کو رفع، نصب، جر کہا لیکن ضمہ، فتحہ، کسرہ کیوں نہیں کہا؟

جواب مُعترض صاحب یاد رکھیں حرکات کے تین القاب یعنی نام ہیں۔ ① رفع، نصب، جر۔ یہ مختص معرب کے ساتھ، ② ضم، فتح، کسر یہ مبنی کے ساتھ خاص ہیں' ③ ضمہ، فتحہ، کسرہ یہ مشترکہ ہیں حرکاتِ اعرابیہ اور حرکاتِ بنائیہ میں جب حرکاتِ اعربیہ کا نام یہی تھا' اس لیے رفع، نصب، جر کہا۔

سوال عَلَمْ کے چار معنی آتے ہیں : ① نام، ② علامت، ③ جھنڈا، ④ پہاڑ کی چوٹی۔ یہاں کونسا مراد معنی ہے۔

جواب علامت والا معنی مراد ہے۔

سوال آپ نے کہا رفع فاعل کی علامت ہے' مُبتدا، خبر پر بھی تو رفع ہوتا ہے۔ اس طرح نصب مفعول کے علاوہ حال تمیز پر بھی ہوتی ہے۔ حالانکہ علامت اور خاصہ غیر میں نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا یہ علامت کیسے ہوئے؟

جواب فاعل میں تعمیم ہے۔ خواہ فاعل حقیقی ہو یا حکمی۔ اور مُبتدا خبر فاعل حکمی ہیں۔ مُبتدا اس طرح کہ فاعل مسند الیہ ہوتا اور اور مُبتدا بھی مسند الیہ۔ اور خبر اس طرح کہ فاعل کلام کا جزء ہوتا ہے۔ اس طرح خبر بھی کلام کا جزء ہوتی ہے' اور مفعول میں بھی تعمیم ہے۔ مفعول حقیقی ہو یا حکمی' اور حال تمیز وغیرہ مفعول حکمی ہیں۔ کیونکہ جس طرح مفعول کلام کے مکمل ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے' اسی طرح

دوسرے منصوبات بھی کلام کے پورے ہوجانے کے بعد واقع ہوتے ہیں۔

سوال ایک طرف اختصار کا دعویٰ کرتے ہو' دوسری طرف یاء اور تاء مصدریہ کا اضافہ بلافائدہ کرتے ہو۔ یہ تو قول اور فعل میں تضاد ہے۔ تمھیں علم الفاعل' علم المفعول کہنا چاہیے تھا۔

جواب آپ السائل کالاعمیٰ کا واقعۃ مصداق ہو۔ بھائی صاحب یاء اور تاء مصدریہ کا اضافہ کرکے بتایا کہ رفع ذات فاعل کی علامت نہیں بلکہ وصف فاعل کی ہے۔ اس طرح نصب ذات مفعول کی نہیں **الخ** لہٰذا یہ اضافہ مع الفائدہ ہے۔

سوال مجیب صاحب غصہ نہ فرمائیں۔ اگر تاء' یاء کا اتنا بڑا فائدہ ہے تو اضافۃ میں کیوں نہیں لائے؟۔

جواب اضافۃ مصدر کا صیغہ جس میں یاء اور تاء مصدریہ کی ضرورت نہیں۔

سوال رفع فاعلیت کی نصب مفعولیت کی اور جر اضافۃ کی علامت کیوں بنایا؟

جواب رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے اس لیے قلیل کو ثقیل دے دیا۔ اور نصب خفیف ہے اور مفعول کثیر ہے۔ اس لیے کثیر کو خفیف دے دیا۔ باقی رہی جر' وہ مضاف الیہ کو دے دی۔

وجہ دوم : رفع اپنے اخوین سے قوی ہے' اور فاعل بھی قوی۔ اور نصب بھی ضعیف ہے اور مفعول بھی ضعیف۔ کیونکہ کلام میں فضلہ واقع ہوتا ہے۔ اور جر بین بین متوسط ہے۔ اور مضاف الیہ بھی متوسط ہے۔ کیونکہ کبھی رکن کلام کبھی فضلہ۔ لہٰذا قوی کو قوی کے ساتھ' اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ' اور متوسط کو متوسط کے ساتھ مختص کردیا۔

فائدہ فاعلیت اور مفعولیت کی یاء تاء میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یاء تاء مصدریۃ کی ہیں۔ کلمہ کو مصدر کی تاویل میں کردیتی ہیں۔ مولانا جامیؒ نے کہا کہ یاء نسبت کی ہے اور اسم منصوب صیغہ صفت کا ہوتا ہے جس کے لیے دو موصوف محذوف ہیں۔ الخصلة ای علامة الخصلة المنسوبة الی الفاعل اور خصلۃ فاعل عمدہ ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ رفع فاعل کے عمدہ ہونے کی علامت ہے۔

وجہ تسمیہ : اقسام ثلاثہ کی وجہ تسمیہ۔ رفع کا معنی ہے بلند ہونا۔ اور چونکہ رفع کی ادائیگی کے وقت نیچے والا ہونٹ بلند ہوجاتا ہے اس لیے اس کو رفع کہتے ہیں۔ نیز یہ اپنے اخوین سے بلند ہے' اس لیے اس کو رفع کہتے ہیں۔

اور نصب کا معنی ہے جمانا' کھڑا کرنا۔ چونکہ نصب کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ اپنی جگہ جمے رہتے ہیں اس لیے اس کو نصب کہتے ہیں۔

اور جر کا معنی کھینچنا۔ چونکہ اس کی ادائیگی کے وقت نیچے والا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ جاتا ہے اس لیے اس کو جر کہتے ہیں۔ نیز یہ فعل اور شبہ فعل کے معنی کو اپنے مدخول کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

اَلْعَامِلُ مَا بِهٖ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِيْ لِلْاِعْرَابِ

اعراب کی تعریف اور تقسیم کے بعد عامل کی تعریف کر رہے ہیں۔

پہلا درجہ مختصر مفہوم، عامل وہ جس کی وجہ سے ایسا معنی حاصل ہو جو اعراب کا تقاضا کرے۔ جیسے : جاء زید میں جاء کی وجہ سے زید میں فاعلیت والا معنی حاصل ہوا جس نے رفع کا تقاضا کیا۔ وہ معانی جو اعراب کا تقاضا کرتے ہیں وہ تین ہیں : ① فاعلیت ② مفعولیت ③ اضافۃ۔

دوسرا درجہ : فوائد قیود، مَا بمنزلہ جنس ہے۔ معنی شئ ہو کر تمام اشیاء کو شامل ہے۔ اور بِهٖ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِيْ لِلْاِعْرَابِ کی قید سے عامل کے علاوہ تمام چیزیں نکل گئی ہیں۔

تیسرا درجہ سوالات وجوابات :

سوال یہ تعریف جامع نہیں کہ عامل مضارع پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ عامل مضارع سے معنی مقتضی للاعراب حاصل نہیں ہوتا۔

جواب یہ مُطلق عامل کی تعریف نہیں، عامل اسم کی تعریف ہے۔ لہذا عامل مضارع پر صادق نہیں آتی تو ٹھیک ہے کہ آنی بھی نہیں چاہیے۔

سوال اَلْعَامِلُ سے مُتَبَادِر اِلَى الذِّهْنِ عامل لفظی ہے۔ کیونکہ وہی فرد کامل ہے لہذا یہ تعریف عامل لفظی کی ہوگی نہ کہ عامل معنوی کی۔

جواب اَلْعَامِلُ سے مراد عامل لفظی و عامل معنوی دونوں ہیں۔

سوال آپ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ حروف مضارع پر صادق آتی ہے کیونکہ حروف مضارعۃ سے مضارع میں مشابہۃ باسم الفاعل والا معنی حاصل ہوتا ہے حالانکہ وہ عامل نہیں۔

جواب المعنی المقتضی سے معانی مخصوصہ معانی ثلاثہ مراد ہیں اور یہ مشابہت ان معانی میں سے نہیں۔

سوال پھر بھی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ معمول پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ عامل کی تعریف میں يَتَقَوَّمُ کا لفظ آیا ہے۔ جس کا معنی قائم ہونا ہے اب تعریف یہ ہوگی کہ عامل وہ ہے جس کے ساتھ معنی مُقتضی قائم ہو۔ مثلاً : جَاءَ زَيْدٌ میں زید کے ساتھ معنی مُقتضی معنی فاعلیت قائم ہے لہذا یہ زید عامل ہوا۔ حالانکہ زَيْدٌ معمول ہے نہ کہ عامل۔

جواب يَتَقَوَّمُ معنی يَحْصِلُ ہے۔ اب تعریف یہ ہوگی کہ عامل وہ ہے جس کی وجہ سے معنی

مُقتضی حاصل ہو، اب زید معمول پر تعریف صادق نہیں آئے گی کیونکہ معمول سے معنی مُقتضی حاصل نہیں ہوتا۔

سوال آپ کی تعریف میں یَتَقَوَّمُ کا لفظ ہے جو کہ ماخوذ ہے قیام سے اور قیام توذی روح کی صفت ہے آپ نے عامل کی صفت کیسے بناڈالی؟ جب کہ عامل غیرذی روح ہے۔

جواب مُعترض صاحب ہم نے ابھی نہیں بتایا کہ یَتَقَوَّمُ بمعنی یَحْصِلُ ہے۔ آپ نے ضرور سوال کرنا تھا؟ جی ہاں طلبہ کے فائدہ کے لیے۔

سوال اعراب کی تعریف میں بہ جار مجرور کو مؤخر اور یہاں عامل کی تعریف میں فعل سے مقدم کرنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب جی ہاں اب آپ کا سوال اچھا ہے جواب یہ ہے کہ اختلاف آخر کا ایک سبب اعراب نہیں تھا بلکہ عامل اور معنی مُقتضی بھی سبب تھے۔ اس لیے (بِہٖ) جار مجرور کو مؤخر رکھا تاکہ حصر والا معنی پیدا نہ ہو جائے اور یہاں پر معنی مُقتضی کے حصول کا سبب ایک ہی تھا۔ جو کہ عامل ہے اس لیے (بِہٖ) جار مجرور کو مقدم کردیا تاکہ حصر والا معنی پیدا ہو جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے : اَلتَّقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ۔

سوال آپ نے ترتیب خارجی کے خلاف کیوں کیا جب کہ خارج میں عامل مقدم ہوتا ہے پھر معرب اور پھر اعراب آپ نے معرب کو مقدم کیا پھر اعراب کو اور پھر عامل کو ذکر کیا۔

جواب معرب کو اعراب پر اس لیے مقدم کیا کہ معرب ذات ہے اور اعراب صفت ہے ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر۔ اور اعراب کو عامل پر اس لیے مقدم کیا کہ عامل کا سمجھنا موقوف ہے معانی مُقتضِیَہ پر کیونکہ تعریف عامل میں ان کا ذکر ہے اور معانی مُقتضِیَہ کا سمجھنا موقوف ہے اعراب پر۔ اس لیے اعراب کو عامل پر مقدم کیا جس کی تفصیل فلسفی انداز سے سمجھیں۔

فائدہ ہر موجود خارجی چار عِلَل سے مرکب ہوتا ہے : ① عِلّت مادیہ ② عِلّت فاعلیہ ③ عِلّت صوریہ ④ عِلّت غائیہ۔

وجہ حصر : عِلّت دو حال سے خالی نہیں معلول میں داخل ہوگی یا معلول سے خارج اگر معمول میں داخل ہو تو پھر معلول دو حال سے خالی نہیں موجود بالقوۃ ہوگا یا موجود بالفعل۔ اگر معلول موجود بالقوۃ ہو تو عِلّت مادیّہ ہوتی ہے۔ اور اگر معلول موجود بالفعل ہو تو عِلّت صوریہ ہوتی ہے۔ اور اگر عِلّت معلول سے خارج ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں منه المعلول یا لاجله المعلول۔ اگر منه المعلول ہو تو عِلّت فاعلیہ ہوگی۔ اور اگر لاجله المعلول ہو تو عِلّت غائیہ ہوگی۔ مثال لکڑی عِلّت

مادیہ ہے۔ اور چارپائی عِلّت صوریہ ہے۔ اور ترکھان عِلّت فاعلی ہے اور چارپائی پر بیٹھنا یہ عِلّت غائی ہے۔ اب فیما نحن فیہ میں بھی چار علتیں ہیں کہ معرب عِلّت صوری ہے۔ اور اعراب عِلّت مادی ہے۔ اور عامل عِلّت فاعلی ہے اور دلالت علی المعنی المعتورۃ عِلّت غائی ہے۔

ضابطہ عِلّت مادیہ اور عِلّت صوریہ یہ دونوں عِلّت ہیں شئی کی ماہیت کے لیے اور عِلّت فاعلیہ اور عِلّت غائیہ یہ دونوں عِلّت ہیں وجود شئی کے لیے البتہ عِلّت فاعلی وجود خارجی کے لیے اور عِلّت غائی وجود ذہنی کے لیے اور یہ بھی قاعدہ مُسلّمہ ہے کہ عِلّت ماہیت مقدم ہوتی ہے عِلّت وجود پر کیونکہ قوۃ فعلیت پر مقدم ہوتی ہے۔

سوال عِلّت صوری اور عِلّت مادی کا مقدم ہونا عِلّت فاعلی پر صحیح ہے لیکن عِلّت غائی (لیدل علی المعانی) کو عِلّت فاعلی (العامل ما بہ) الخ پر کیوں مقدم کیا؟ حالانکہ عِلّت غائی تو عِلّت فاعلی کے معلول کا معلول ہے۔ اسے مؤخر کرنا چاہیے تھا۔

جواب آپ کا قاعدہ بالکل مُسلّم ہے۔ لیکن مقصود بالذات عِلّت غائی تھی اس لیے اس کو عِلّت فاعلی پر مقدم کر دیا۔

جواب عِلّت غائی کا تقدم تبعًا عِلّت صوری کے ضمن میں ہوگا جب کہ عِلّت غائی کا تقدم قصداً ممنوع ہے نہ تبعًا۔

فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا

ربط ماقبل کے ساتھ: اعراب کی تعریف وتقسیم کے بعد محل اعراب کو بیان کرنا چاہیے ہیں جس سے پہلے فائدہ جان لیں۔

فائدہ اعراب کی دو قسمیں ہیں اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف۔ اعراب بالحرکۃ رفع، نصب، جر ہیں۔ اور اعراب بالحرف واؤ، الف، یاء ہیں۔ اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع ہے۔

دلیل اول: اعراب بالحرف پیدا ہوتا ہے اعراب بالحرکۃ سے واو ضمہ سے، الف فتح سے یا کسرہ سے جب کہ ان کو لمبا کیا جائے۔

دلیل ثانی: اعراب بالحرف عوض ہے اعراب بالحرکۃ کا اور معوض اصل ہوتا ہے اور عوض فرع۔

دلیل ثالث: اعراب بالحرکۃ بسیط ہے۔ کیونکہ ضمہ فتح کسرہ کسی سے مرکب نہیں اور اعراب بالحرف مرکب ہے۔ اس لیے کہ واو دو ضمہ سے مرکب ہے اور الف دو فتح سے اور یاء دو کسرہ سے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ بسیط اصل ہوتا ہے اور مرکب فرع۔

دلیل رابع: اعراب بالحرکۃ خفیف ہے اور اعراب بالحرف ثقیل ہے، اور خفت اصل ہے اور

ثقلاً فرع ہے۔

فَالْمُفْرَدُ پر فاء فصیحیہ ہے جو کہ ہمیشہ شرط مقدر کی جزاء پر آتی ہے۔

اِذَا فَرَغْنَا مِنَ الْاِعْرَابِ وَ اَنْوَاعِہٖ فَنَقُوْلُ الْمُفْرَدُ، اس عبارت میں المفرد صفت ہے الاسم (موصوف) کی جو کہ محذوف ہے۔

اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ اعراب لفظی' اعراب تقدیری۔ اعراب کی کل نو قسمیں بنتی ہیں' اور اسم متمکن کی باعتبار اعراب کے سولہ قسمیں ہیں۔ مُصنّف اس عبارت میں اسم متمکن میں سے پہلی تین قسموں کا اعراب بتارہے ہیں :

پہلی قسم : مفرد مُنصرف صحیح۔ جیسے : زَیْدٌ

دوسری قسم : جاری مجری صحیح' صحیح نحویوں کے نزدیک وہ کلمہ ہے جس کے لام کلمہ کے مقابلہ میں حرف عِلّت نہ ہو۔ یعنی یہ فقط ناقص اور لفیف کے علاوہ سب کو صحیح کہتے ہیں اور جاری مجری صحیح کہتے ہیں جس کے لام کلمہ کے مقابلہ میں حرف عِلّت ہو لیکن ماقبل ساکن ہو۔ جیسے : دَلْوٌ ظَبْیٌ۔

تیسری قسم : جمع مکسر مُنصرف۔ ان تینوں قسموں کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

سوال آپ کی تقریر متن کے موافق نہیں۔ کیونکہ متن میں یہ اعراب دو قسموں کو دیا گیا ہے۔ تیسری قسم جاری مجرائے صحیح کا تو ذکر ہی نہیں۔

جواب مُصنّفؒ نے المفرد المنصرف کے ساتھ صحیح کی قید نہ لگا کر بتا دیا کہ یہاں دونوں قسمیں مراد لی ہیں۔ یعنی صحیح اور جاری مجری صحیح۔

سوال ان تین قسموں کو یہ اعراب کیوں دیا گیا؟

جواب اسم متمکن کی یہ تینوں اقسام اپنے غیر کے اعتبار سے اصل ہیں۔ اس طرح کہ مفرد بمقابلہ تثنیہ و جمع اصل ہے۔ اور مُنصرف غیر مُنصرف کے مقابلہ میں اصل ہے صحیح غیر صحیح کے مقابلہ میں اصل ہے اور جاری مجری صحیح غیر صحیح کے مقابلہ میں اصل ہے۔ اور جمع مکسر جمع سالم کے مقابلہ میں اصل ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ مفرد اور جمع میں تغایر تام ہو جو کہ جمع مکسر میں ہے جب تینوں قسم اصل تھے۔ اور اعراب بالحرکۃ بھی اصل تھا' تو اصل کو اصل کا اعراب دے دیا۔

سوال الجمع کی صفت المکسر کو ذکر کرنا غلط ہے۔ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا : ایسی جمع جو ٹوٹی ہوئی ہو۔ حالانکہ رجال جمع مکسر تو ہے لیکن ٹوٹی ہوئی نہیں۔

جواب یہاں پر مکسر کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے کہ وہ جمع جس میں واحد کی

بنا سالم نہ ہو۔

جواب مُکَسَّر صفت بحال مُتعلقہ ہے اصل عبارت : الجمع المکسر واحدہ۔

سوال اسماءِ ستہ مُکبّرہ بھی مفرد ہیں۔ ان کو یہ اعراب کیوں نہیں دیا گیا۔

جواب مفرد سے مراد وہ مفرد ہے جو لفظاً اور معنی ہر دونوں اعتبار سے مفرد ہوں۔ اسماء ستہ مُکبّرہ لفظاً تو مفرد ہیں مگر معنی تثنیہ ہیں۔

سوال رَفۡعًا وَ نَصۡبًا وَ جَرًّا کی کیا ترکیب ہے؟ جس میں تین احتمال ہیں : ① مفعول فیہ ② حال ③ مفعول مطلق۔ سب غلط ہیں۔ مفعول فیہ ہونا اس لیے غلط ہے : ① مفعول فیہ ظرف زمان یا ظرف مکان ہوتا ہے اور یہ ظرف نہیں۔ ② مفعول مطلق ہونا اس لیے غلط ہے کہ مفعول مُطلق کا اپنے فعل کے ہم معنی ہونا ضروری ہے یہاں نہیں۔ کیونکہ فعل یُعۡرَبَانِ ہے۔ ③ حال ہونا اس لیے غلط ہے کہ حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے اور رفع، نصب، جر یہ تو مصدر اور وصف ہیں۔ لہٰذا لازم آیا وصف کا حمل ذات پر، جو کہ باطل ہے۔

جواب تینوں ترکیبیں درست ہیں۔

❶ یہ مفعول فیہ ہیں، باعتبار حذف مضاف کے ای حَالَةَ الرَّفۡعِ۔ حالة النصب۔

❷ یہ مفعول مطلق ہیں، باعتبار موصوف محذوف کے ای اِعۡرَابًا رَفۡعًا۔

❸ یہ حال ہیں اس طرح کہ یہ مصدر مبنی للمفعول ہیں۔ یعنی رفع بمعنی مرفوع، تقدیر عبارت : یُعۡرَبَانِ بِالضَّمَّةِ حَالَ کَوۡنِهِمَا مَرۡفُوۡعَیۡنِ وَالۡفَتۡحَةِ مَنۡصُوۡبَیۡنِ وَالۡکَسۡرَةِ مَجۡرُوۡرَیۡنِ۔

سوال جب آپ اختصار چاہتے ہیں تو اَلۡمُفۡرَدُ وَالۡجَمۡعُ الۡمُکَسَّرُ الۡمُنۡصَرِفَانِ کہہ دیتے حالانکہ آپ کی عبارت میں مُنصرف کا دو مرتبہ ذکر ہے؟

جواب آپ کی عبارت سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مُنۡصَرِفَانِ تثنیہ تغلیبی ہے حقیقتاً تو جمع مکسر کی صفت ہے اور تغلیباً مفرد کی صفت ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ غالب و مغلوب میں شرط ہے تضاد نہ ہو۔ **جواب باصواب** : اس صورت میں موصوف مفرد اور صفت مُنصرفان کے درمیان المکسر کا فاصلہ ہے جو کہ اجنبی ہے اور قاعدہ ہے کہ اجنبی کا فاصلہ ناجائز ہوتا ہے۔

سوال بِالضَّمَّةِ رَفۡعًا وَالۡفَتۡحَةِ نَصۡبًا وَالۡکَسۡرَةِ جَرًّا یہ اختصار کے بالکل خلاف ہے آپ کو چاہیے تھا فقط رفع، نصب، جر کا ذکر کرتے۔ یا ضمہ، فتحہ، کسرہ کا ذکر کرتے حالانکہ آپ نے دونوں کو ذکر کر دیا لا طَائِلَ تَحۡتَهٗ۔

جواب اگر فقط رفع، نصب اور جر کو ذکر کرتے تو پتہ نہ چلتا کہ اعراب بالحرکۃ مراد ہے یا اعراب بالحرف کیونکہ یہ دونوں کو شامل ہے۔ اور اگر فقط ضمہ فتحہ کسرہ کو ذکر کرتے تو پتہ نہ چلتا کہ حرکات اعرابیہ مراد ہیں یا حرکات بنائیہ کیونکہ یہ دونوں کو شامل ہے اس لیے ضمہ فتحہ کسرہ کو ذکر کر کے بتایا کہ اعراب بالحرکۃ مراد ہے اور رفع، نصب اور جر کو ذکر کر کے بتایا کہ حرکات اعرابیہ مراد ہیں۔

جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ بِالضَّمَّةِ وَالْكَسْرَةِ

چوتھی قسم : اعراب کی دوسری قسم اور اسم متمکن کی چوتھی قسم کا بیان ہے، جمع مؤنث سالم کا اعراب رفع، ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ۔

سوال نصب کو جر کے تابع کیوں کیا؟

جواب جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی چونکہ جمع مذکر سالم میں نصب جر کے تابع تھی اس لیے کہ اس کی فرع جمع مؤنث میں بھی نصب کو جر کے تابع کر دیا تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔

سوال زیادتی تو پھر بھی لازم آرہی ہے کیونکہ جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحرکۃ اور مذکر سالم کا اعراب بالحرف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع۔

جواب (انکاری) اعراب بالحرکۃ مُطلقاً اصل نہیں اور بالحرف مُطلقاً فرع نہیں بلکہ مفرد میں اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور جمع میں اعراب بالحرف اصل لہذا فرع کو فرع اور اصل کو اصل والا اعراب دیا گیا۔ فَلِهٰذَا لَایَلْزَمُ مَزِيَّةُ الْفَرْعِيَّةِ عَلَى الْاَصْلِيَّةِ۔

جواب (تسلیمی) چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں، جمع مؤنث سالم کو اصل اعراب دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤنث ثقیل ہے تب ہی تو غیر منصرف کا سبب بنتی ہے اور مذکر خفیف ہے اور اعراب بالحرکۃ خفیف اور اعراب بالحرف ثقیل ہے۔ اس لیے ضابطہ : اَلثَّقِيْلُ يَقْتَضِي الْخِفَّةَ۔ اس لیے ثقیل کو خفیف اور خفیف کو ثقیل اعراب دیا گیا۔

سوال جب جمع مؤنث سالم فرع ہے اور جمع مذکر سالم اصل ہے۔ تو پھر فرع کو اصل پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب مُصنفؒ اسماءمُتمکنہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اعراب کا اعتبار کیا اور چونکہ اعراب بالحرکۃ کا بیان ہو رہا تھا اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بھی بالحرکۃ تھا۔ اس لیے اس کو مقدم کر دیا۔

سوال یہ اعراب جامع نہیں۔ کیونکہ ثُبُوْنَ، اَرَضُوْنَ، قِلُوْنَ۔ جمع مؤنث سالم ہیں۔ لیکن ان کو یہ اعراب نہیں دیا گیا، اور مانع بھی نہیں۔ کیونکہ مَرْفُوْعَات، مَنْصُوْبَات، مَجْرُوْرَات جمع مؤنث سالم

نہیں لیکن اعراب یہی دیا گیا ہے۔

جواب جمع مؤنث سالم میں دو تعمیمیں اور ایک تخصیص ہے۔

تخصیص یہ ہے کہ اس کے آخر میں الف تاء زائدہ ہو لہذا ارضون، ثبون، اور اموات، ابیات، خارج ہو جائیں گے۔

پہلی تعمیم خواہ واحد مذکر ہو یا مؤنث لہذا مرفوعات، مُسلمات داخل ہو جائیں گے۔

دوسری تعمیم خواہ وہ اب جمع ہو یا نہ ہو۔ جیسے: عرفات جمع عرفة کی۔ عرفة کا معنی نویں ذی الحجہ۔ لیکن اب عرفات جمع نہیں رہی بلکہ ایک میدان کا نام رکھ دیا گیا یہ بھی داخل ہے۔

سوال السالم لفظ المؤنث کی صفت ہے، یا لفظ جمع کی۔ ہر دونوں باطل ہیں۔ اگر المؤنث کی صفت ہو تو معنی فاسد ہوتا ہے۔ کما ھو الظاھر۔ اور اگر لفظ جمع کی ہو تو معنی درست ہے۔ لیکن مُصنّفؒ نے توابع کی بحث میں ایک قاعدہ ذکر کیا کہ موصوف اخص ہو یا مساوی تاکہ صفت کی موصوف پر فوقیت لازم نہ آئے یہاں نہ موصوف اخص ہے نہ مساوی۔ کیونکہ موصوف لفظ جمع مضاف ہے معرف باللام کی طرف اور صفت معرف باللام ہے۔

جواب مُعترض صاحب آپ کا صغریٰ مُسلّم ہے، لیکن کبریٰ مُسلّم نہیں۔ کیونکہ مضاف الی المعرف باللام اور معرف بلام کا درجہ برابر ہے۔ لہذا موصوف اور صفت مساوی ہوئے۔

سوال ہم نہیں مانتے جمع مؤنث سالم کا اعراب بیک وقت ضمہ، کسرہ ہو۔ کیونکہ حرکتین کا محل واحد میں جمع ہونا باطل ہے۔

جواب یہاں کچھ عبارت مقدر ہے اصل عبارت بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَبِالْكَسْرَةِ نَصْبًا وَجَرًّا

فائدہ جمع مؤنث سالم بوقت علمیت کا کیا حکم ہے۔ احقر کی تصنیف قدة العامل اردو شرح مائة عامل میں دیکھیے۔

غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ بِالضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ

پانچویں قسم: اعراب کی تیسری قسم اور اسم متمکن کی پانچویں قسم غیر مُنصرف کا بیان غیر مُنصرف کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ نصب اور جر فتحہ کے ساتھ۔

سوال غیر مُنصرف میں جر کو نصب کے تابع کیوں کیا؟

جواب غیر مُنصرف کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ اور فعل پر کسرہ نہیں آتی اسی طرح غیر مُنصرف پر کسرہ نہیں آتی اس لیے جر کو نصب کے تابع کر دیا۔

سوال جب غیر مُنصرف فرع تھی مُنصرف کی تو اس کو اعراب فرعی اعراب بالحرف دینا چاہیے تھا

آپ نے اعراب بالحرکۃ کیوں دیا۔

جواب تین حالتوں میں دو اعراب دیا جانا بیشک وہ اعراب بالحرکۃ ہی کیوں نہ ہو فرعی ہوتا ہے۔ لہذا فرع کو اعراب فرعی دیا ہے نہ کہ اصلی۔

سوال لفظ (غَیْرُ) الفاظ مُتَوَغِّلٌ فِی الْاِبْهَامِ میں سے ہے جس کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ باوجود مضاف الی المعرفہ ہونے کے نکرہ رہتا ہے۔ لہذا غیر المنصرف نکرہ ہے اور مُبتدا بن رہا ہے۔ حالانکہ نکرہ کا مُبتدا ہونا باطل ہے۔

جواب مُعترض صاحب لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پر عمل نہ کریں قاعدہ کا اگلا حصہ بھی پڑھ لیں وہ یہ ہے کہ لفظ (غَیْرُ) کا اگر مضاف الیہ ایسا ہو جس کی ضد ایک ہو تو پھر اضافۃ الی المعرفہ سے معرفہ بن جاتا ہے۔ جیسے : غَیْرُ السُّکُوْنِ حَرَکَۃٌ اور اگر ضدیں بہت ہوں تو نکرہ ہی رہتا ہے۔ جیسے : غَیْرُ زَیْدٍ۔ یہاں پر بھی (غَیْرُ) کے مضاف الیہ کی ضد ایک ہے لہذا معرفہ ہو کر مُبتدأ ہے۔

سوال جمع مؤنث اور غیر مُنصرف دونوں فرعی ہیں تو پھر جمع مؤنث سالم کو غیر مُنصرف پر کیوں مقدم کیا گیا ہے۔

جواب چند وجوہ سے

وجہ اول جمع مؤنث اور غیر مُنصرف دونوں کی مخالفت ہے۔ مفرد کے ساتھ لیکن جمع مؤنث کی مخالفت ایک چیز میں ہے۔ نصب کا نہ آنا۔ اور غیر مُنصرف کی دو چیزوں میں مخالفت ہے۔ ① جر کا نہ آنا ② تنوین کا نہ آنا۔ چونکہ جمع مؤنث کی مخالفت کم تھی تو اس کو مقدم کر دیا اور غیر مُنصرف کی مخالفت زیادہ تھی اس لیے اس کو مؤخر کر دیا۔

وجہ ثانی جمع مؤنث سالم کا اعراب قائم دائم رہتا ہے۔ اور غیر مُنصرف کا اعراب ① "ضرورت شعری"۔ ② "تناسب"۔ ③ "اضافۃ" اور ④ "الف لام" کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے اور اعراب کا قائم رہنا اصل ہے اور بدلنا فرع ہے اس لیے جمع مؤنث کو مقدم کر دیا۔ اور بھی وجوہ ہیں۔

اَبُوْكَ وَ اَخُوْكَ وَ حَمُوْكِ وَهَنُوْكَ وَ فُوْكَ وَ ذُوْ مَالٍ مُضَافًا اِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْوَاوِ وَ الْاَلِفِ وَالْيَاءِ یہاں تک اعراب بالحرکۃ کا بیان تھا اب اعراب بالحرف کا بیان ہے۔

چھٹی قسم اعراب کی چوتھی قسم اور اسم متمکن کی چھٹی قسم اسماء ستہ مُکبّرہ کا اعراب۔ رفع واو کے ساتھ اور نصب الف کے ساتھ اور جر یاء کے ساتھ۔ اس مقام پر چار تحقیقیں مقصود ہیں : ❶ صیغوی تحقیق ❷ معنوی تحقیق ❸ شرائط ❹ وجہ اعراب سوال و جواب کی صورت میں۔

① **صیغوی تحقیق** اَبُوْكَ اَخُوْكَ، حَمُوْكَ، هَنُوْكَ۔ یہ چار کلمات ناقص واوی ہیں۔ اصل میں : اَبَوٌ، اَخَوٌ، حَمَوٌ، هَنَوٌ۔ تھے۔ خلاف قیاس واو کو حذف کردیا۔ اَبٌ، اَخٌ، حَمٌ، هَنٌ۔ ہو گئے۔

سوال جب قانون موجود ہے کہ قال اور التقاء ساکنین سے واو کو حذف کیا جاسکتا ہے۔ پھر خلافِ قانون حذف کرنے کا کیا مقصد ہے۔

جواب اگر قانون سے حذف کیا جائے تو یہ اعراب نہیں دیا جاسکتا۔ پھر اسم مقصورہ والا اعراب دینا پڑے گا۔ اس لیے خلاف قانون حذف کیا ہے۔

پانچواں کلمہ فُوْكَ ہے اجوف واوی ہے یاء کو خلافِ قانون حذف کیا اور واو کو میم کے ساتھ تبدیل کردیا فَمٌ ہوا لیکن جب مضاف واقع ہوگا تو واو کو واپس لائیں گے۔ جیسے : فوك

چھٹا کلمہ ذُوْ ہے جس کا اصل ذَوَوٌ تھا پہلی واو یا دوسری واو کو حذف کردیا اور واو کو ساکن کردیا اور ماقبل کو ضمہ دی ذُوْ ہو گیا یہ لفیف مقرون ہے۔

❷ **معنوی تحقیق** اَبٌ کا معنی باپ، اَخٌ کا معنی بھائی حَمٌ کا مشہور معنی دیور کیا جاتا ہے لیکن حَمٌ کا صحیح معنی ہے عورت کا قریبی رشتہ دار جو خاوند کی طرف سے ہو مثلاً خاوند کا بھائی وغیرہ۔ هَنٌ کا مشہور معنی شرمگاہ لیکن صحیح معنی الشَّیُ الْمُنْكَرُ جس کا ذکر قبیح ہے مثلاً عورت غلیظہ، صفات، ذمیمہ، حسد بغض، کینہ، افعال قبیحہ شراب، زنا

فَم بمعنی منہ ذُوْ کا معنی صاحب۔

سوال اَبُوْكَ، اَخُوْكَ، هَنُوْكَ۔ کی اضافت ضمیر واحد مذکر کی طرف لیکن حَمُوْكِ کی ضمیر مونث کی طرف کیوں کی گئی ہے؟

جواب ابھی بتا چکے ہیں کہ حَمٌ یہ عورت کا قریبی رشتہ دار ہے لہٰذا ضمیرِ مخاطب مؤنث لائی جائے گی۔

سوال پانچ اسماء کی اضافت ضمیر کی طرف کی گئی ہے۔ لیکن ذُوْ کی اضافۃ اسم ظاہر کی طرف کی گئی ہے۔ ضمیر کی طرف کیوں نہیں کی؟

جواب ذو کی اضافت اسم ضمیر کی طرف جائز نہیں تھی اس لیے اسم ظاہر کی طرف کی گئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ذُوْ کے ذریعے جنس کو ماقبل کی صفت بنایا جاتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جنس اسم ظاہر ہوتا ہے نہ کہ اسمِ ضمیر اس لیے اس کی اضافت ضمیر کی طرف جائز نہیں۔

❸ **شرائط اعراب** ان اسماء ستہ کے اعراب بالحرف کے لیے چار شرطیں ہیں :

① یہ اسماء ستہ مکبرہ ہوں۔ اگر یہ مصغر ہوں تو جاری مجریٰ صحیح والا اعراب ہوگا۔

② یہ اسماء مُوَحَّد ہوں۔ اگر تثنیہ جمع ہوں تو اعراب بھی تثنیہ و جمع والا ہوگا۔
③ یہ اسماء مضاف ہوں۔ اگر بغیر اضافت کے ہوں تو مفرد منصرف والا اعراب ہوگا۔
④ یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں ورنہ غلامی والا اعراب ہوگا۔ ❷ **وجہ اعراب**

سوال مُصنفؒ نے تو دو شرطیں ذکر کی ہیں۔ آپ نے دو اور کہاں سے نکال لیں۔ معلوم ہوا آپ مُصنفؒ سے بڑے عالم ہیں۔

جواب ① مکبر ② مُوَحَّد ان دو شرطوں کی طرف مُصنف نے امثلہ سے اشارہ کر دیا معلوم ہوا کہ مُعترض صاحب آپ بڑے غافل ہیں۔

سوال اسماء ستہ مُکبرہ جب اصل ہیں تو ان کو اصل والا اعراب کیوں نہیں دیا گیا؟

جواب اصل اعراب' اعراب بالحرکتہ کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں قبول کرنے کی صلاحیت ہو اور ان اسماء کے آخر میں حرفِ عِلت ہونے کی وجہ سے اصل اعراب کے قبول کرنیکی صلاحیت نہیں۔ اس لیے اعراب فرعی دیا گیا ہے۔

جوابؔ اعراب بالحرف بھی ایک لحاظ سے اصل ہے۔ کیونکہ قوی ہے۔

جوابؔ تینوں حالتوں میں تینوں اعراب کا ہونا بھی اصل ہے لہٰذا اصل کو اصل والا اعراب دیا گیا ہے۔

جوابؔ مفرد تثنیہ جمع میں منافرت شدیدہ اور وحشت تامہ پائی جاتی تھی اس لیے نحویوں نے سوچا کہ ان کی صُلح کرائی جائے اس لیے مفرد کو تثنیہ و جمع والا اعراب دیا گیا ہے۔

سوال اس اعراب کے لیے چھ کے عدد کی کیا خصوصیت ہے پانچ یا سات کا عدد کیوں نہیں دیا گیا؟

جوابؔ تثنیہ کی تین حالتیں تھیں اور جمع کی بھی تین حالتیں تھیں اس لیے ان چھ حالتوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے چھ کا عدد منتخب کیا گیا۔

جوابؔ تثنیہ کی تین قسمیں ہیں تثنیہ حقیقی، تثنیہ صوری، تثنیہ معنوی' اس طرح جمع کی بھی تین قسمیں ہیں۔ جمع حقیقی، جمع صوری، جمع معنوی' ان چھ اسموں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے چھ کے عدد کو منتخب کیا گیا ہے۔

سوال ان چھ اسماء کو کیوں منتخب کیا اوروں کو کیوں نہیں کیا۔ اس میں حکمت کیا ہے؟

جوابؔ ان چھ اسموں کے علاوہ کوئی اسم ایسا نہیں جس کے آخر میں حرف عِلت ہو اور اعراب بالحرف کے قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔

جواب ان چھ اسموں کو تثنیہ و جمع کے ساتھ زیادہ مشابہت تھی جس طرح تثنیہ و جمع میں تعدد تھا ان میں بھی تعدد ہے۔ جیسے : ابوك سے باپ اور بیٹا سمجھے جاتے ہیں۔ الخ

سوال ان چھ اسموں کے علاوہ ہم تم کو ایسے اسم دکھاتے ہیں۔ جن کے آخر میں علت بھی ہے اور ان میں تعدد بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے : یَدٌ، دَمٌ ان کو کیوں منتخب نہیں کیا گیا۔

جواب ان چھ اسموں کا حرف علت ایسا محذوف ہے۔ جو واپس بھی آجاتا ہے اور یَدٌ، دَمٌ کا کبھی بھی واپس نہیں آتا۔ کیونکہ ان کا حرف علت نسیاً منسیاً حذف کیا گیا ہے۔

سوال عبارت یُعْرَبُ بِالْوَاو الی آخرہ آپ بتائیں یہ اعراب بالحرف واجب ہے یا جائز ہے دونوں باطل ہیں۔ اگر آپ جائز کہیں تو ابوك، اخوك۔ ذُومالٍ نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اعراب بالحرف واجب ہے اور اگر واجب کہیں تو فُوْكَ هَنُوْكَ حَمُوْكِ نکل جاتے ہیں کیونکہ اس کو فمک، هنك حمك ان کو اعراب بالحرکۃ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔

جواب یہ قضیہ ممکنہ مُقیَّدہ بجانب الْوُجُوْد ہے۔ اس میں سلب ضرورۃ عَنْ جانبِ العدم ہوتی ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا اعراب بالحرف کا عدم ضروری نہیں اور اعراب بالحرف کا وجود یا تو واجب ہوگا۔ جیسے : ابوك، اخوك۔ ذُومالٍ یا جائز۔ جیسے : اخوكَ، هنوكَ، حموكِ۔

اَلْمُثَنّٰی وَكِلَا مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ وَاِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ بِالْاَلِفِ وَالْيَاءِ

ساتویں قسم اعراب کی پانچویں قسم اور اسم متمکن کی ساتویں آٹھویں نویں قسم کا بیان۔

فائدہ تثنیہ کی تین قسمیں ہیں : ❶ تثنیہ حقیقی جس کے لیے تین شرطیں ہیں : ① تثنیہ والا معنی ہو ② تثنیہ والا وزن ہو ③ اس کے مادہ سے اس کا مفرد ہو۔ جیسے : رجلان

❷ تثنیہ صوری وہ ہے جس میں دو شرطیں ہیں : ① معنی تثنیہ والا ہو ② تثنیہ والا وزن بھی ہو۔ جیسے : اِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ

❸ تثنیہ معنوی وہ ہے جس میں ایک شرط ہو۔ معنی تثنیہ والا ہو لیکن وزن تثنیہ والا نہ ہو اور مادہ سے مفرد بھی نہ ہو۔ جیسے : كِلَا، كِلْتَا۔ ان تینوں قسموں کا اعراب رفع الف کے ساتھ نصب اور جر یاء ما قبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسے : جاء الرجلان کلاهما و اِثْنَانِ و اِثْنَتَانِ الخ

سوال جب آپ اختصار چاہتے ہیں تو فقط المثنّٰی کہدیتے اس میں تثنیہ صوری اور معنوی بھی داخل ہو جاتے۔

جواب ہماری مراد مثنی سے ماصدق علیہ لفظ المثنی ہے۔ اور یہ دونوں افراد مثنی میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کا معنی اگرچہ تثنیہ والا ہے لیکن ان کے لفظ سے مفرد نہیں ہے۔

اور مثنیٰ کے لیے لفظ مفرد ہے لہذا یہ دونوں اس کے ملحقات سے ہیں۔

سوال مثنیہ معنوی کو مثنیہ صوری پر مقدم کیوں کیا۔ حالانکہ مثنیہ معنوی کمزور ہے۔ کیونکہ اس میں ایک شرط پائی جاتی ہے۔

جواب اس کی کمزوری کیوجہ سے اس کو مقدم کر دیا تا کہ مخاطب کے ذہن سے نکل نہ جائے۔

سوال آپ نے کِلَا کا ذکر کیا ہے۔ کِلْتَا کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب کِلَا اصل ہے اور کِلْتَا فرع ہے۔ قاعدہ ہے کہ : ذِکْرُ الْاَصْلِ یَسْتَلْزِمُ ذِکْرَ الْفَرْعِ اصل کے ذکر میں فرع خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔

سوال اسی طرح تو اِثْنَانِ اصل تھا اور اِثْنَتَانِ فرع یہاں پر دونوں کو کیوں ذکر کیا؟

جواب ان دونوں کو ذکر کر کے اشارہ کر دیا ان کی استعمال تذکیر و تانث کے لیے باقی اسماء کی طرح ہے۔ یعنی مذکر کے لیے بغیر تا کے اثنان اور مونث کے لیے تاء کے ساتھ اثنتان دوسرے اسماء عدد کی طرح نہیں اسمائے عدد کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

سوال مثنیہ حقیقی، مثنیہ صوری کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی مثنیہ معنوی کے لیے اضافۃ الی الضمیر کی شرط کیوں لگائی؟

جواب مثنیہ حقیقی اور صوری کے لیے ایک ہی اعراب متعین تھا۔ لیکن مثنیہ صوری کے لیے دو اعراب تھے۔ اگر اسم ظاہر کی طرف اضافت ہو تو اعراب بالحرکۃ اگر ضمیر کی طرف تو یہ اعراب بالحرف چونکہ یہ اعراب دینے کے لیے اضافت الی الضمیر کی شرط تھی اس لیے شرط کو ذکر کیا۔

سوال کِلَا ، کِلْتَا۔ کی اضافۃ الی الظاہر ہو تو اعراب بالحرکۃ اور اگر اضافت الی الضمیر ہو تو اعراب بالحرف اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اسم ظاہر اصل ہے اور اعراب بالحرکۃ بھی اصل اور ضمیر بھی فرع اور اعراب بالحرف بھی، اور کِلَا ، کِلْتَا میں دو اعتبار تھے : ① لفظاً مفرد ② معنیٰ مثنیہ۔ اگر لفظ کا لحاظ کیا جائے تو اعراب بالحرکۃ اور معنیٰ کا لحاظ کیا جائے تو اعراب بالحرف ہونا چاہیے۔ ہم نے دونوں کا لحاظ کیا کہ جب اسم ظاہر کی طرف ہو تو اعراب بالحرکۃ تا کہ اصل کو اصل اعراب دیا جائے اور اگر ضمیر کی طرف ہو تو معنیٰ کا لحاظ کر کے اعراب بالحرف تا کہ فرع کو فرعی اعراب دیا جائے۔

جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ وَاُولُوْ وَعِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُهَا بِالْوَاوِ وَالْیَاءِ

دسویں قسم اعراب کی چھٹی قسم اور اسم متمکن کی دسویں اور گیارھویں اور بارھویں قسم کا بیان۔

دسویں قسم جمع مذکر سالم گیارھواں قسم جمع معنوی (اُولُوْ) بارھویں قسم جمع صوری عِشْرُوْنَ سے

تِسعُوْنَ تک، ان تینوں قسموں کا اعراب رفع واو کے ساتھ نصب اور جر یاء ماقبل مکسور کے ساتھ۔

سوال اعراب کی یہ تعریف جامع نہیں (کیونکہ مرفوعات، سجلات، سفرجلات، پر صادق نہیں آتی حالانکہ یہ جمع مذکر سالم ہیں) اور مانع بھی نہیں۔ (کیونکہ سِنُوْنَ، اَرَضُوْنَ، قِلُوْنَ پر صادق آتا) حالانکہ یہ جمع مؤنث سالم ہیں۔

جواب قاعدہ ہے کہ کبھی ذکر تو علَم کا ہوتا ہے لیکن مراد وصف مشہور ہوتی ہے۔ جیسے: لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰی ای لِکُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ یہاں پر بھی ذکر تو علم کا ہے۔ یعنی جمع مذکر سالم لیکن مراد وصف ہے۔ یعنی ہر وہ جمع جس کے آخر میں واو نون ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔

سوال جمع معنوی کو جمع صوری پر کیوں مقدم کیا؟

جواب وہی ہے۔

سوال آپ نے عِشْرُوْنَ کو جمع صوری کہا ہے۔ حالانکہ اس کے مادہ سے اس کا مفرد موجود ہے۔ عَشْرٌ۔ لہذا جمع حقیقی ہوا۔

جواب جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ اگر تین عشر شمار کیے جائیں، تو تیس بن جاتے ہیں۔ اب عشرون کا معنی تیس ہوگا جو کہ بالکل باطل ہے۔ حالانکہ اس کا اطلاق بیس پر ہے لہذا عشر کو اس کا مفرد قطعًا نہیں بنایا جاسکتا۔

سوال آپ نے عِشْرُوْنَ کے لیے ثلاثون الی آخرہ کو اخوات کہا حالانکہ اَخَوات ذوی العقول کے ہوتے ہیں اور یہ عشرون تو غیر ذی روح ہے۔

جواب اخوات بمعنی نظائر مشابہات ہے، ذکر مُشَبّہ کا ہے اور ارادہ مُشَبّہ بہ کا ہے اور یہ استعارہ مصرحہ ہے۔

سوال تثنیہ و جمع کو اعراب اصلی کیوں نہیں دیا؟

جواب چونکہ تثنیہ و جمع بھی فرع اس لیے ان کو فرعی اعراب، اعراب بالحرف دیا۔

سوال چلو فرعی اعراب یعنی اعراب بالحرف دینا تھا تو تینوں حالتوں میں تین اعراب کیوں نہیں دیے گئے۔

جواب اعراب بالحرف تین تھے جس کی دو صورتیں تھی یا تو دونوں میں مشترک کردیتے یا کسی ایک کو دے دیتے اور دوسرے کو محروم کردیتے یہ دونوں صورتیں باطل ہیں کیونکہ اگر مشترک کردیتے تو تثنیہ جمع میں التباس لازم آتا اگر ایک کو محروم کردیتے تو یہ بھی ناجائز تھا۔ اس لیے ہم نے اعراب بالحرف کو تقسیم کردیا تثنیہ کو حالت رفعی میں الف دے دیا اور جمع کو حالت رفعی میں واو

دے دی۔ باقی یاء رہ گئی اور اعراب دو (نصب و جر) رہ گئے۔ تو ہم نے یاء حالتِ جری میں تثنیہ اور جمع دونوں کو دے دی۔ اور نصب کو جر کے تابع کر دیا۔ پھر دیکھا تو حالت نصبی و جری تثنیہ و جمع یاء کے ساتھ ہے تو التباس لازم آرہا تھا اس لیے تثنیہ میں یاء کے ماقبل کو مفتوح اور جمع میں یاء کے ماقبل مکسور کر دیا تاکہ التباس نہ آئے۔

سوال حالت رفعی میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ کیوں دی برعکس کر لیتے اس میں کیا نکتہ ہے؟

جواب اس میں دو نکتے ہیں:

نکتہ اول الف خفیف تھا اور تثنیہ کثیر الاستعمال کیونکہ اس میں ذوی العقول کی شرطیں نہیں اور واؤ ثقیل اور جمع مذکر سالم قلیل الاستعمال کیونکہ اس میں ذوی العقول کی شرط ہے تو مناسب تھا۔ خفت کثرت کو اور ثقل قلت کو دیا جائے۔

نکتہ ثانی فعل میں تثنیہ کے اندر الف ضمیر فاعل ہوتا ہے اور جمع میں واؤ ضمیر فاعل ہوتی ہے تو ہم نے بھی اسم کے تثنیہ و جمع کو فعل کے تثنیہ و جمع کے تشبیہ دینے کے لیے تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ کے ساتھ اعراب دیا۔

سوال تثنیہ میں نون مکسورہ اور جمع میں نون مفتوحہ کیوں اس میں کیا نکتہ ہے؟

جواب وہی دو نکتے ہیں۔

سوال نصب اور جر کو ایک دوسرے کے تابع کرتے رہے۔ لیکن رفع کو کسی کے تابع نہیں کیا اور نہ کسی کو اس کے تابع کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب رفع عمدہ ہے اور نصب اور جر فضلہ ہیں اور چونکہ عمدہ اور فضلہ کو تابع متبوع نہیں بنایا جاسکتا تھا اس لیے اس کو نہیں بنایا البتہ نصب و جر دونوں فضلہ اور ان کو تابع متبوع بناتے رہے۔

اَلتَّقْدِيْرُ فِيْمَا تَعَذَّرَ كَعَصًا وَغُلَامِيْ مُطْلَقًا اَوِ اسْتُثْقِلَ كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعًا وَاللَّفْظِيُّ فِيْمَا عَدَاهُ یہاں تک اعراب بالحرکۃ لفظی اور اعراب بالحرف لفظی کا بیان تھا۔ جس میں اعراب کی چھ قسمیں اور اسم متمکن کی بارہ قسمیں بیان ہو چکی ہیں۔ اعراب کی باقی تین قسمیں اور اسم متمکن کی چار قسمیں رہ گئیں۔ اب اعراب تقدیری میں ان کا بیان ہے۔ اس عبارت سے اعراب تقدیری جو کہ تین قسم پر ہیں اور اسم متمکن کی باقی چار قسمیں تھیں انکا بیان ہے' اعراب کا ساتواں قسم' رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ نصب تقدیری فتحہ کے ساتھ اور جر تقدیری کسرہ کے ساتھ یہ اسم متمکن کی دو قسموں کو دیا گیا ہے۔ تیرھویں قسم اسم مقصورہ کو۔ جیسے: عَصًا اور چودھویں قسم غیر جمع مذکر سالم مضاف الی یاء المتکلم۔ جیسے: غُلَامِیْ اعراب کا آٹھویں قسم رفع ضمہ تقدیری کے ساتھ نصب فتحہ لفظی کے

سوال مسئلہ اعراب کا چل رہا تھا یہاں پر مصنف نے التَّقْدِیْرُ سے تقدیر کا مسئلہ شروع کر دیا۔ یہ خروج عن المبحث ہے۔

جواب التقدیر پر الف لام عوض عن المضاف الیہ ہے۔ علی مذھب الکوفیین اور الف لام عہدی ہے۔ علی مذھب البصریین تقدیر عبارت تقدیر الاعراب۔ حاصل جواب یہاں مُطلق تقدیر کا بیان نہیں بلکہ اعراب تقدیری کا بیان ہے۔

سوال تعذر کا معنی ہے جس تک وصول ممکن ہو مگر مشقت وتکلیف کے ساتھ حالانکہ عَصًا اور غُلَامِیْ میں اعراب تو ناممکن اور محال ہے۔

جواب تعذر بمعنی اِمْتَنَعَ کے ہے کیونکہ تَعَذَّرَ میں معرب کا آخری حرف اعراب کے قابل ہی نہیں رہتا اور استثقال میں اعراب کے قابل تو ہوتا ہے۔ لیکن اعراب اس پر پڑھنا ثقیل ہوتا ہے۔

سوال آپ نے کہا تعذر بمعنی امتنع کے ہے۔ اعراب کا ممتنع ہونا مبنی میں ہوتا ہے۔ اس سے تو عصا اور غلامی مبنی ہونگے حالانکہ یہ معرب ہیں۔

جواب مبنی میں دو چیزیں ممتنع ہوتی ہیں: ❶ ظہور اعراب بھی ممتنع ❷ تقدیر اعراب بھی ممتنع اور یہاں فقط ایک چیز ممتنع ہے ظہور اعراب تقدیر اعراب ممتنع نہیں لہٰذا یہ اعراب معرب ہی کا ہوگا اور عَصًا اور غُلَامِیْ بھی معرب ہونگے۔

سوال تَعَذُّر کو اِسْتِثْقَال پر کیوں مقدم کیا؟

جواب تَعَذُّر تقدیر کا اعلیٰ فرد ہے اور استثقال ادنی فرد ہے۔ اس لیے کہ تعذر میں معرب کا آخری حرف اعراب کے قابل نہیں رہتا اور استثقال میں اعراب کے قابل تو رہتا ہے لیکن اعراب ثقیل ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ ادنی پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے تعذر کو استثقال پر مقدم کیا۔

سوال مُصَنِّفْ نے تعذر کی دو مثالیں دیں لیکن کاف مِثْلِیَہ فقط معطوف علیہ پر لائے کعصا و غلامی لیکن استثقال میں دو مثالیں دیں پہلی مثال کے ساتھ (کاف) لائے اور دوسری مثال کے ساتھ (نحو) کا لفظ لائے۔ حالانکہ اگر (نحو) کا لفظ ذکر نہ کرتے تو مُسْلِمِیَّ کا عطف قَاضٍ پر ہوتا تو کاف دونوں پر داخل ہو جاتی مقصد بھی حاصل ہو جاتا اور اختصار بھی ہو جاتا۔

جواب عَصًا اور غُلَامِیْ میں دو قسم کی مشابہت ہے اور قاضی اور مُسلمی میں دو قسم کی مخالفت ہے عصا اور غلامی میں پہلی مشابہت ان پر اعراب تینوں حالتوں میں محال ہوتا ہے۔ دوسری مشابہت کہ ان دونوں کا اعراب بالحرکۃ تقدیری ہے قاضی اور مُسْلِمِیَّ میں پہلی مخالفت قاضی دونوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے اور مسلمی میں فقط ایک حالت میں۔ اور دوسری مخالفت قاض میں اعراب

بالحرکۃ تقدیری ہے اور مُسْلِمِیَّ میں اعراب بالحرف تقدیری ہے۔ اسی لیے عَصاً وَغُلَامِیْ میں اتحاد و مشابہت بتانے کے لیے ایک کاف مِثلیہ فقط معطوف علیہ پر لائے اور یہاں پر قاضی اور مسلمی میں اختلاف و مخالفت بتانے کے لیے قاضی پر (کاف) اور مسلمی پر (نحو) کالفظ لائے ہیں۔

سوال اعراب تقدیری کو اعراب لفظی پر کیوں مقدم کیا حالانکہ اعراب لفظی اصل اور اعراب تقدیری فرع ہے۔

جواب اعراب تقدیری کے مواقع قلیل اور سَهْلُ الضَّبط تھے اور اعراب لفظی کے مواقع کثیر تھے۔ چونکہ مُصنفؒ اختصار کے درپے تھے اور اختصار اسی میں تھا کہ اعراب تقدیری کے مواقع و محل بتا کر کہہ دیا جائے واللفظی فیماعداہ

فائدہ اَلْاِعْرَابُ اللَّفْظِیُّ مَا لَا یَمْتَنِعُ ظُهُوْرُهٗ فِی اللَّفْظِ وَلَا یَسْتَثْقِلُ

الْاَعْرَابُ التقدیری هُوَ مَا یَمْتَنِعُ وَیَسْتَثْقِلُ ظُهُوْرُهٗ فِی اللَّفْظِ لَا تَقْدِیْرُهٗ

الاعراب الْمَحَلِّیُّ هُوَ مَا یَمْتَنِعُ ظُهُوْرُهٗ وَتَقْدِیْرُهٗ فِی اللَّفْظِ۔

ضابطہ مُصنف نے اعراب تقدیری کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے۔ کہ ہر وہ مقام جہاں اعراب لفظی ممتنع ہو یا ثقیل ہو وہاں اعراب تقدیری ہوگا اور جہاں مُتعذر اور ثقیل نہیں وہاں اعراب لفظی ہوگا۔

تفصیل اعراب بالحرکۃ مُتعذر و ممتنع ہوتا ہے مگر اعراب بالحرف نہیں پھر اعراب بالحرکۃ لفظاً مُتعذر و ممتنع کا ایک قسم ہے اور مقام دو ہیں: ❶ اسم مقصُور۔ جیسے: عصاً ❷ غیر جمع مذکر سالم مضاف الی یاء متکلم ان کا اعراب تینوں حالتوں میں اعراب بالحرکۃ تقدیری ہوگا' اسم مقصُور پر اعراب کے مُتعذر ہونے کی **دلیل** اسم مقصُور کے آخر میں اگر الف لفظوں میں موجود ہو تو وہ اعراب کو قبول نہیں کرتا۔ اگر الف حذف ہو جائے تو پھر محلِ اعراب جو کہ الف تھا باقی نہ رہا لہٰذا دونوں صورتوں میں اعراب مُتعذر ممتنع ہوا۔ دوسرا مقام غلامی پر مُتعذر ممتنع ہونے کی **دلیل** غلامی کے آخر میں کسرہ مناسبت کیوجہ سے ہے اور اگر اعراب کی وجہ سے بھی پایا جائے تو لازم آئے گا: تَوَارُدُ الْمُؤَثِّرَیْنِ عَلٰی اَثَرٍ وَاحِدٍ، وَاللَّازِمُ بَاطِلٌ فَالملزومُ مِثْلُهٗ.

سوال آپ نے غُلَامِیْ میں یاء متکلم کی کسرہ کا اعتبار کیا ہے لیکن عامل کی کسرہ کا کیوں نہیں؟

جواب کسرہ مناسبت کسرۂ عامل سے چار مراتب سے مقدم ہے۔ عامل پر مقدم ہے اور عامل معنی مُقتضی پر اور معنی مُقتضی اعراب پر اور تقدم اسباب ترجیح میں سے ہے اس لیے کسرۂ مناسبت کا

اعتبار کیا عامل کے کسرہ کا نہیں۔

جواب اعراب بالحرکتہ اور اعراب بالحرف ثقیل ہوتے ہیں ہر ایک کے لیے ایک ایک مقام ہے۔ اعراب بالحرکتہ کے ثقیل ہونے کا مقام اسم منقوص ہے۔ جیسے: قاض اس میں رفعی اور جری حالت ثقیل ہے اور نصبی حالت ثقیل نہیں اس لیے دو اعراب رفع اور جر تقدیری ہونگے اور نصب فتحہ لفظی کے ساتھ **دلیل** استثقال علم الصرف کا مشہور قاعدہ ہے کہ وہ کلمہ جو ناقص یائی ہو اس پر رفع اور جر آنا ثقیل ہے، اعراب بالحرف کے ثقیل ہونے کا ایک مقام جمع مذکر سالم مضاف الیٰ یائے متکلم ہے اس کا ایک اعراب تقدیری ہے رفع تقدیر واؤ کے ساتھ **دلیل** مسلمی اصل میں مسلموی تھا قُوَیْلٌ قُوَیْلَۃٌ والے قانون سے واو کو یاء کر کے ادغام کیا مُسْلِمِیَّ ہوا۔ پھر دِعِیٌّ کے قانون سے ضمہ ماقبل کو کسرہ سے تبدیل کیا مُسْلِمِیَّ ہوا۔ اس میں رفع واو کے ساتھ پڑھنا تھا لیکن واو تو یاء سے ابدل چکی ہے اس لیے رفع تقدیر واؤ کیساتھ ہوگا۔ البتہ نصب و جر یاء کے ساتھ پڑھنی تھی اور یاء موجود ہے اس لیے نصب و جر یاء لفظی کے ساتھ ہونگے کہ اس کے ماسواء اعراب لفظی ہیں۔

بحث غیر مُنصرف

غیر المنصرف ما فیه علتان من تسع او واحدة منها تقوم مقامهما، ربط

مُصنّفؒ نے مُنصرف اور غیر مُنصرف کے اعراب کو ماقبل میں بیان کیا تھا۔ تو ضرورت تھی کہ یہ بتائیں کہ مُنصرف اور غیر مُنصرف کس کو کہتے ہیں ان کی تعریف کیا ہے۔ اس لیے اب غیر مُنصرف کی تعریف اور بحث ذکر رہے ہیں اس عبارت میں غیر مُنصرف کی تعریف ہے لہٰذا وہی پانچ درجات بیان ہونگے۔

پہلا درجہ مُختصر مفہوم، غیر مُنصرف وہ اسم معرب ہے جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک سبب جو قائم مقام دو کے پایا جائے۔

وجوہات تسمیہ ❶ صرف کا معنی ہے پھرنا چونکہ مُنصرف بھی عوامل کی وجہ سے پھرتا رہتا ہے اس لیے اس کو مُنصرف کہتے ہیں اور غیر مُنصرف بعض حالت میں نہیں پھرتا اس لیے اس کو غیر مُنصرف کہتے ہیں۔ ❷ صرف کا معنی خالص ہے چونکہ مُنصرف فعل کی مشابہت سے خالی ہوتا ہے اس لیے مُنصرف خالص اور غیر مُنصرف غیر خالص ہوتا ہے اس لیے اس کو غیر مُنصرف کہتے ہیں۔ ❸ صَرِیْف کا معنی سیٹی بجانا ہے چونکہ مُنصرف کے آخر میں تنوین ہونے کی وجہ سے سیٹی کی آواز پیدا ہوتی ہے اس لیے اس کو مُنصرف اور غیر مُنصرف میں تنوین نہ ہونے کی وجہ سے سیٹی کی آواز پیدا نہیں ہوتی اس لیے اس کو غیر مُنصرف کہتے ہیں۔

دوسرا درجہ فوائد قیود مَا جنس ہے جو ہر اسم کو شامل ہے۔ فِیْہِ عِلَّتَانِ اَوْ وَاحِدَۃٌ مِنْھَا تَقُوْمُ مُقَامَھُمَا یہ قید ہے جس سے وہ اسم منصرف نکل گئے جن میں دو سبب نہیں۔ جیسے: رجل، زید اسی طرح وہ بھی نکل جائیں گے جن میں ایک سبب تو موجود ہو لیکن دو کے قائم مقام نہ ہو۔ جیسے: نُوْحٌ۔

تیسرا درجہ ترکیب، غیر المنصرف مُبتدا ہے ما موصوفہ ہے فیہ مُتعلق ثابت کے ہو کر خبر مقدم عِلَّتَانِ موصوف مِنْ تِسْعٍ مُتعلق ثَابِتَتَانِ کے جو صفت ہے عِلَّتَانِ موصوف کی، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ وَاحِدَۃٌ مِنْھَا مُتعلق ثَابِتَۃٌ کے ہو کر صفت اول تَقُوْمُ مَقَامَھُمَا صفت ثانی موصوف صفت مل کر معطوف، اور یہ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر خبر ہے پھر جملہ اسمیہ خبریہ بن کر صفت ہے ما کی پھر موصوف صفت خبر ہے غیر المنصرف کی۔

چوتھا درجہ سوالات وجوابات

سوال مُصنّفؒ صاحب آپ نے غیر مُنصرف کی تعریف تو کر دی لیکن مُنصرف کی کیوں نہیں کی۔

جواب غیر مُنصرف کی تعریف سے مُنصرف کی تعریف خود بخود سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔

سوال برعکس کر لیتے۔

جواب غیر مُنصرف کی تعریف وجودی تھی اور مُنصرف کی عدمی اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ قابل ذکر وجودی چیز ہوتی ہے نہ کہ عدمی۔

سوال مُنصرف اصل تھا اور غیر مُنصرف فرع اور قاعدہ ہے: اَلْاَصْلُ یُذْکَرُ وَالْفَرْعُ یُتْرَکُ آپ نے قاعدہ کے خلاف کیا۔

جواب فقط ایک قاعدہ ہی نہیں اور بھی ہیں: اَلْقَلِیْلُ یُذْکَرُ وَالْکَثِیْرُ یُتْرَکُ چونکہ غیر مُنصرف مختصر اور قلیل تھا اور مُنصرف مفصّل اور کثیر تھا لہٰذا یہاں پر اس قاعدہ کو جاری کر دیا گیا اور دوسرے کو اَلْوِدَاع کہہ دیا۔

سوال آپ نے تقدیری اعراب کو بیان کر کے لفظی کو بھی کچھ بیان کیا تھا لیکن غیر مُنصرف کو بیان کر کے مُنصرف کو ذرا بھی بیان نہیں کیا۔ آخر کیا وجہ اعراض ہے۔

جواب اعراب تقدیری کا عنوان لفظی کے عنوان کو مشتمل نہیں تھا لیکن غیر مُنصرف کا عنوان مُنصرف کو مشتمل تھا۔ اس فرق کی وجہ سے وہاں ذکر کی ضرورت تھی یہاں پر نہیں۔ اب تعریف پر چند

سوالات و جوابات۔

سوال غیر منصرف کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ مثلاً: ضَرَبَتْ میں دو علتیں وزن فعل اور تانیث موجود ہیں۔ لیکن یہ غیر منصرف نہیں۔

جواب ہماری مراد مَا سے اسم ہے اور ضَرَبَتْ فعل ہے۔ لہٰذا یہ تعریف اس پر صادق نہیں آئے گی۔

سوال پھر بھی تعریف مانع نہیں حَضَارِ، تَمَارِ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ دو علتیں علمیت اور تانیث موجود ہیں اور اسم بھی ہیں۔ حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں۔

جواب ہماری مراد اسم سے اسم معرب ہے لہٰذا حَضَارِ تَمَارِ مبنی ہونے کی وجہ سے خارج ہیں۔

سوال پھر بھی دخول غیر سے مانع نہیں۔ مثلاً: قَائِمَةٌ، ضَارِبَةٌ اسم معرب بھی ہیں دو سبب تانیث و وصف بھی پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں منصرف ہیں۔

جواب مولانا جامیؒ نے علتان کے بعد ایک قید ذکر کی ہے۔ مُؤَثِّرَتَان کی کہ دو علتیں مؤثر ہوں یہاں پر دو علتیں تو ہیں۔ لیکن مؤثر نہیں کیونکہ تانیث کی تاثیر کے لیے علمیت شرط ہے جو کہ یہاں موجود نہیں۔

سوال پھر بھی تعریف جامع مانع نہیں کیونکہ نُوْحٌ پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ اسم معرب بھی ہے اور دو سبب بھی پائے جاتے ہیں عجمہ اور علمیت اور عجمہ کی تاثیر کے لیے علمیت کی شرط بھی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ منصرف ہے۔

جواب یہاں ایک اور قید بھی ملحوظ ہے: مع استجماع شرائطها۔ یعنی تاثیر کی سب شرطیں پائی جائیں اور نُوْحٌ میں عجمہ کی تاثیر کے لیے دوسری شرط اَحَدُ الْاَمْرَیْنِ ہے۔ وہ نہیں پائی جاتی، لہٰذا ہماری تعریف دخول غیر سے مانع ہوئی۔

و هي شعر عدل و وصف و تأنيث و معرفة و عجمة ثم جمع ثم تركيب و النون زائدة من قبلها الف و وزن الفعل و هذا القول تقريب غیر منصرف کی تعریف میں چونکہ نو اسباب کا ذکر تھا۔ اب مُصَنِّفؒ وہ اسباب منع صرف بتانا چاہتے ہیں شعر کی صورت میں، یہ شعر ابو سعید عبد الرحمان بن محمد بن عُبید اللہ الانباری الکوفی کا ہے، مطلب شعر واضح ہے چند ترکیبی سوالات۔

سوال هِيَ ضمیر مُبتدا ہے۔ عَدْلٌ و وَصْفٌ الخ خبر ہے۔ اس پر وہی دو اعتراض وارد ہوتے ہیں جو کہ هِيَ اِسْمٌ و فِعْلٌ میں گزر چکے ہیں۔

سوال ثُمَّ تراخی کے لیے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب مذکورہ کے بعد جمع،

ترکیب سبب بنتے ہیں جو کہ بدیہی البطلان ہے۔

جواب یہاں پر ثُمَّ تراخی کے لیے نہیں بلکہ محض وزن شعری کی محافظت کے لیے لایا گیا ہے۔ نیز تراخی کے لیے بھی بن سکتا ہے۔ لیکن تراخی اور بعُد رتبی مراد ہوگا کما ھو الظاھر۔

والنُّوْنُ زَائِدَۃٌ مِنْ قَبْلِهَا اَلْف شعر کا یہ مصرعہ ترکیبی لحاظ سے قدرے مُشکل ہے۔ توجہ فرمائیں۔ اس کی دو ترکیبیں ہیں

پہلی ترکیب فاضل ہندی نے یہ ترکیب کی ہے : النُّوْنُ مرفوع لفظاً موصوف زائدۃٌ مرفوع لفظاً صفت

مِنْ قَبْلِهَا اَلْف کی دو ترکیبیں ہیں۔ ❶ من قبلھا مُتعلق ثَبَتَ فعل کے جو کہ مقدر ہے اور اَلْفٌ فاعل ثَبَتَ کا یہ جملہ فِعلیہ ہوگا ❷ من قبلھا مُتعلق ثَابِتٌ کے خبر مقدم اور اَلْف مُبتدا، مؤخر یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ظرف مُستقر ہو کر صفت ثانی النُّوْنُ کی۔

سوال موصوف صفت کی تعریف و تنکیر میں مطابقت ہوتی ہے۔ یہاں پر نہیں ہے۔ کیونکہ النُّوْنُ معرفہ ہے زَائِدَۃٌ نکرہ ہے۔

جواب النُّوْنُ پر الف لام زائدہ ہے جو کہ مفید للتعریف نہیں ہوتا یا الف لام عہد ذھنی ہے جس کی صفت نکرہ آسکتی ہے۔ کما صرح بہ الرضی

دوسری ترکیب : النون ذوالحال زائدۃ منصوب لفظاً حال۔

سوال حال فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے اور النُّوْنُ نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول۔

جواب النون فاعل ہے فعل مقدر کا جو کہ تَمْنَعُ ہے جس پر قرینہ شاعر کا دوسرا شعر ہے : مَوَانِعُ ... تمنع الخ اس ترکیب میں مِنْ قَبْلِهَا اَلْف جملہ اسمیہ یا جملہ فِعلیہ حال ہوگا۔ النون سے یا زائدۃ کی ضمیر سے پہلی صورت میں حالین متراد‌فین اور دوسری صورت میں حالین متداخلین ہونگے۔ لیکن اس ترکیب میں الف کا زائد ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ نون کا حالانکہ دونوں زائدہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے الالف و النون الزائدتان۔

مولانا جامی کی ترکیب بہت عمدہ ہے جو کہ حاضر خدمت ہے۔ من قبلھا یہ ظرف لغو ہے۔ اور زائدۃ کے مُتعلق ہے اور الف فاعل ہے زائدۃ کا فاعل ہے۔ تَمْنَعُ النُّوْنُ زَائِدَۃً مِنْ قَبْلِهَا اَلْف اب معنی یہ ہوگا روک دیتا ہے نون کلمہ کو مُنصرف ہونے سے درانحالیکہ اس نون سے پہلے الف زائد ہوتا ہے لیکن یاد رکھیں الف کے نون سے قبل زائد ہونے سے مراد یہ لیا جائے گا کہ الف و نون دونوں وصف زیادۃ میں شریک ہیں لیکن الف وصف زیادۃ کے ساتھ متصف ہوتا

ہے نون سے پہلے۔ مولانا جامی نے اس پر نظیر پیش کی جاء زید راکبا من قبلہ اخوہ، جاء کا فاعل زیدٌ ہے۔ اس طرح تَمنَعُ کا فاعل النون ہے رَاکِبًا زَیدٌ سے حال اس طرح زَائدَۃً النون سے حال ہے۔ مِنْ قَبْلِہٖ مُتعلق رَاکِبًا کے، اسی طرح من قبلھا مُتعلق زائدۃً کے اخوہ فاعل رَاکِبًا کا اسی طرح اَلْاَلِفُ فاعل زَائدَۃً کا۔

الحاصل جس طرح اس محاورہ سے یہ بات سمجھی جارہی ہے کہ زید اور اخ دونوں وصف رکوب میں شریک ہیں البتہ اخ کا رکوب کے ساتھ متصف ہونا پہلے ہے اور زید کا بعد میں اسی طرح یہاں پر بھی یہی بات سمجھی جائے گی کہ یہ الف و نون دونوں وصف زیادۃ میں شریک ہیں دونوں زائدہ ہیں۔ لیکن الف کا اتصاف بالزیادۃ پہلے اور نون کا بعد میں ہے۔

هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِیْبٌ مولانا جامیؒ نے اس کے تین مطلب بیان کیے ہیں :

پہلا مطلب تَقْرِیْبٌ مصدر مبنی للفاعل ہے تقدیر عبارت : هٰذَا الْقَوْلُ مُقَرِّبٌ اِلَی الْحِفْظِ علل تسعۃ کو بصورت نظم بیان کرنا مقرب الی الحفظ ہے۔ کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کلام منظوم بسنبت کلام منثور کے جلدی یاد ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب تقریب کے بعد یاء نسبت محذوف ہے "اَیْ" تَقْرِیْبِیٌّ بمعنی مَجَازِیٌّ اب مطلب یہ ہوگا امور تسعہ میں سے ہر ایک کو علت کہنا یہ قول حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اس لیے کہ حَقِیْقَۃً دو امروں کا مجموعہ علت بنتا ہے۔ تنہا ہر ایک علت نہیں مگر کل کا حکم جزء پر لگا دیا گیا یہ ذِکْرُ الْکُلِّ اِرَادَۃُ الْجُزْءِ کے قبیل سے ہے۔ **تیسرا مطلب** تَقْرِیْبٌ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ تقدیر عبارت : هٰذَا الْقَوْلُ مُقَرَّبٌ اِلَی الصَّوَابِ یعنی نو اسباب کا قول مقرب الی الصواب ہے۔ اس لیے کہ اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہے تین مذہب مشہور ہیں۔ ❶ جمہور نحاۃ کے نزدیک نو ہیں اور عند البعض گیارہ ہیں نو یہی ہیں دو اور ہیں۔ ❶ شبہ الف تانیث۔ جیسے : اَشْیَاء ❷ تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنا۔ جیسے : اَحْمَرُ میں بعد از تنکیر، اور عند البعض دو سبب ہیں۔ ❶ ترکیب ❷ حکایت۔ باقی رہی یہ بات ان دو مذہبوں کی وجہ رد کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گیارہ والے قول میں نیا کوئی سبب نہیں اس لیے کہ شبہ الف تانیث تو تانیث میں داخل ہے۔ اور وصف اصلی کا اعتبار بعد از تنکیر یہ وصف میں داخل ہے لہٰذا سبب نو ہوئے، دو سبب والے قول کا رد یہ ہے کہ اس میں اجمال ہی اجمال ہے جو کہ مُخِلٌ بالفہم ہے۔

نیز حِکَایَتٌ یعنی وَزْنِ فعل کو مستقل سبب شمار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ بھی ترکیب میں شامل ہے۔ جیسا کہ ملا عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میرا بخارا کے ایک مدرسہ میں جانا ہوا میں نے پوچھا

اسباب منع صرف کتنے ہیں انہوں نے کہا دو ہیں میں نے کہا کونسے دو جواب دیا ترکیب و حکایت میں نے کہا وجہ حصر کیا ہے۔ جواب دیا کوئی سبب مؤثر نہیں مگر بعد از ترکیب پھر میں نے کہا حکایت کو مُستقلاً شمار نہ کرو کیونکہ یہ بھی دوسرے سبب کی طرح بعد از ترکیب سبب بنتا ہے۔ اس پر خاموش ہوگئے کچھ جواب نہ دیا۔

سوال جب نظم بنسبت نثر کے جلدی یاد ہوتا ہے اور یاد رہتا ہے تو غیر مُنصرف کی تعریف کے لیے بھی ابوسعید نحوی کوفی کے دوسرے شعر کو بھی نقل کردیتے۔ جو کہ یہ ہے:

مَوَانِعُ الصَّرْفِ تِسْعٌ كُلَّمَا اجْتَمَعَتْ

ثِنْتَانِ مِنْهَا فَمَا لِلصَّرْفِ تَصْوِيْبُ

جواب غیر مُنصرف کی دو نوعیں تھیں جب کہ اس شعر میں فقط ایک نوع کا ذکر تھا تو یہ تعریف ناقص تھی اس لیے مُصنف نے اس کو نقل نہیں کیا۔ لیکن صاحب جامع الغموض مولانا عبد النبی صاحب نے اس توجیہ پر فرمایا: فهٰذا التوجيه بعد تعمُّقِ النَّظْرِ مُفْتَقِرٌ اِلٰى تَوْجِيْهٍ اٰخَرَ۔

وحکمه ان لا کسرة ولا تنوین ترکیب، واؤ استنافیہ حُكْمُهٗ مُبتدا، اَن مخففه من المثقله اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ (تخفیف کا مسئلہ احقر کے رسالہ قرۃ العامل میں دیکھیے۔) (لَا) نفی جنس ہے کَسْرَۃَ اسم اور فِیْهِ خبر محذوف ہے۔ لَا کَسْرَۃَ وَلَا تَنْوِیْنَ پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ الا باللہ والی پانچ وجوہ جائز ہیں۔ ان لا کسرۃ الخ جملہ اسمیہ بن کر خبر ہے حکمه کی۔ اور یہ جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہو کر سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا تھا ما حکمه غیر مُنصرف کی تعریف تو بتائی حکم کیا ہے۔ جواب دیا حکمه ان لا کسرۃ ولا تنوین غیر مُنصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

دلیل غیر مُنصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ جس طرح فعل میں دو فرعیتں پائی جاتی ہیں: ① احتیاج الی الفاعل ② اشتقاق من المصدر۔ یہ مذہب بصریین کا ہے کہ مصدر اصل اور فعل فرع دونوں مذہب مع الدلائل احقر کی تصنیف تنویر شرح نحو میر میں دیکھیے۔ اسی طرح غیر مُنصرف میں بھی دو فرعیں دو علتیں پائی جاتی ہیں اور یہ اسباب تسعہ میں سے ہر ایک فرع ہے۔ کما هو الظاهر۔

سوال حکم کے کئی معانی ہیں یہاں پر بمعنی اثر ہے۔ اور اثر کی نسبت مؤثر کی طرف ہوتی ہے اور مؤثر علتان ہیں۔ حالانکہ آپ نے تو نسبت غیر مُنصرف کی طرف کردی جو کہ مؤثر نہیں۔

جواب ٹھیک ہے مؤثر علتان ہیں، حقیقت میں حکم کی نسبت ان کی طرف کرنی چاہیے تھی۔

لیکن وہ علتیں بھی تو غیر منصرف میں پائی جاتی تھیں اس ادنی ملابست کی وجہ سے مجازاً کہہ دیا کہ یہ حکم اور اثر گویا غیر منصرف کا ہے۔ تو یہ نسبت مجازی ہے۔

سوال کسرہ کی نفی تو غیر منصرف کے اعراب میں کردی گئی تھی پھر دوبارہ کیوں ذکر کیا۔ حالانکہ آپ دعوی اختصار کا کرتے ہیں۔

جواب ۱ مصنف کا مقصد دونوں حکموں کو جمع کرنا ہے۔ تا کہ طالب علم کے لیے یاد کرنا آسان ہو جائے۔

جواب ۲ ایک وہم کا ازالہ مقصود ہے۔ کہ کسرہ اور تنوین کے عدم دخول کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب غیر منصرف پر کسرہ کا نہ آنا اصل ہے اور تنوین اس کے تابع ہے۔ **دوسرا مذہب** تنوین کا عدم دخول اصل ہے اور کسرہ تابع۔

تیسرا مذہب دونوں کا نہ آنا اصل ہے۔ چونکہ مصنف کا مذہب بھی یہی تھا اب اگر کسرہ نہ لاتے تو کوئی سمجھ سکتا تھا کہ مصنف کے ہاں تنوین اصل ہے اور کسرہ تابع اس لیے کسرہ کو ذکر کر کے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

جواب ۳ متقدمین نے غیر منصرف کی یہی تعریف کی تھی تو مصنفؒ نے بعینہٖ اسی کو غیر منصرف کا حکم بنا دیا۔

سوال عَرَفَات غیر منصرف ہے۔ اس پر کسرہ اور تنوین داخل ہوتی ہے۔ اسی طرح جمع مؤنث سالم کا صیغہ اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے۔

جواب اس پر تنوین تقابل ہے اور ہم نے تنوین تمکن کی نفی کی ہے اور باقی رہا کسرہ کا داخل ہونا وہ مجبوری کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ جمع مونث سالم ہونے کی وجہ سے نصب کسرہ کے تابع ہو چکی ہے۔ اب اگر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے کسرہ نصب کے تابع ہو جائے تو تابع کا متبوع اور متبوع کا تابع ہونا لازم آئے گا۔

یاد رکھیں کہ علت مخدوش ہے۔ کیونکہ اس پر مفرد منصرف والا اعراب بھی تو جائز ہے۔ لَوْ لَا الْحَيْثِيَّاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ

وَيَجُوْزُ صَرْفُهٗ لِلضَّرُوْرَةِ اَوْ لِلتَّنَاسُبِ مِثْلُ سَلَاسِلًا وَّ اَغْلَالًا مصنف غیر منصرف کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کی ضد بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے: بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ ضرورۃِ شعری کیوجہ سے اور منصرف کے ساتھ مناسبت برقرار رکھنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف

پڑھنا جائز ہے۔
(۱) ضرورتِ شعری کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرورۃ وزن شعر۔ (۲) ضرورۃ قافیہ۔
ضرورۃ وزن شعری یہ ہے: مُوَافَقَةُ اَحَدِ الْمِصْرَاعَيْنِ بِالْاٰخَرِ فِيْ عَدَدِ الْحُرُوْفِ۔
ضرورت قافیہ یہ ہے: مُوَافَقَةُ الْحَرْفِ الاخیر مِنْ اَحَدِ الْمِصْرَاعَيْنِ بالاٰخر فی الْحَرْكَةِ۔ پھر ضرورۃ وزن شعر کی دو قسمیں ہیں۔
❶ اِحْتِرَاز عَنِ الانکِسَارِ یعنی کلمہ اگر غیر منصرف پڑھا جائے تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے حضرت فاطمہؓ کا شعر:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

یہاں محل استشہاد مَصَائِبٌ ہے۔ اگر اس پر تنوین نہ پڑھی جائے تو وزن متفاعل ہوگا۔ حالانکہ شعر کے لیے متفاعلن کا وزن چاہیے جو کہ تنوین سے بن جاتا ہے۔
❷ احتراز عن الزِّحَافِ یعنی کلمہ کو اگر غیر منصرف پڑھا جائے تو وزن شعر تو باقی رہتا ہے۔ مگر سلاست اور روانگی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے امام شافعیؒ کا شعر امام اعظمؒ کی مدح میں:

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اَنَّ ذِكْرَهٗ
هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

اگر نعمانٍ پر کسرہ اور تنوین نہ پڑھی جائے تو وزن باقی نہیں رہے گا مگر شعر کی سلاست اور روانگی ختم ہو جاتی ہے۔ قسم دوم ضرورتِ رعایتِ قافیہ کی مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشعار:

سَلَامٌ عَلٰى خَيْرِ الْاَنَامِ وَ سَيِّد
حَبِيْبِ اِلٰهِ الْعَالَمِيْنَ مُحَمَّد
بشير نذير هاشمي مكرم
عطوف رحيم من يسمى بِاَحْمَد

اگر اَحْمَد پر کسرہ نہ پڑھا جائے تو وزن تو برقرار رہے گا مگر رعایت قافیہ نہ رہے گی۔ کیونکہ حرف اخیر "دال" تمام مصرعوں میں مکسور ہے۔
الحاصل ضرورت کے تین مقام ہو گئے۔ جن میں غیر منصرف کو منصرف پڑھنا واجب ہے اور تناسب کے لیے ایک مقام ہے۔ جو کہ جوازی ہے، تناسب کی مثال: سَلَاسِلاً وَ اَغْلَالًا اس میں سلَاسِلاً غیر منصرف تھا۔ لیکن اَغْلَالًا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے اس کو منصرف

پڑھا جارہا ہے۔ یعنی مُنون پڑھا گیا ہے۔

سوال تناسب کی مثال تو صرف سلاَ سِلاً ہے اِغلاَلاً کا ذکر عبث ہے۔

جواب ٹھیک ہے۔ مثال تو سلاَ سِلاً ہے۔ لیکن مُصنف یہ بتارہے ہیں کہ جس کلمہ کی مناسبت کی وجہ سے مُنصرف پڑھا جارہا ہے وہ اَغلاَلاً ہے۔ یہاں پر تناسب صیغوی بھی ہے۔ کیونکہ دونوں جمع کے صیغے ہیں اور تناسب معنوی بھی ہے۔ کیونکہ دونوں کا تعلق باندھنے سے ہے۔

سوال تناسب برعکس بھی ہوسکتا تھا کہ مُنصرف کو غیر مُنصرف بنادیتے۔

جواب مُعترض صاحب کچھ تو خیال کریں کہ مُنصرف تو اصل ہے اور غیر مُنصرف خلاف اصل۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا اصل کو خلاف اصل کے مناسب کیا جاسکتا ہے؟

سوال یجوز کا تعلق لِلتَّنَاسُبِ کے ساتھ توصحیح ہے۔ کیونکہ تَنَاسُب کیوجہ سے مُنصرف پڑھنا جائز ہے۔ لیکن لِلضَّرُورَةِ کے ساتھ غلط ہے۔ کیونکہ ضرورت کی وجہ سے غیر مُنصرف کا انصراف واجب ہے نہ کہ جائز۔ لہذا یَجِبُ لِلضَّرُورَةِ وَیَجُوْزُ لِلتَّنَاسُبِ کہنا چاہیے تھا۔

جواب تین لفظ ہیں: ❶ وجوب یعنی وجود ضروری ہو اور عدم ممتنع و محال ہو۔ ❷ امتناع یعنی عدم ضروری ہو اور وجود ممتنع ہو۔ ❸ امکان یعنی وجود و عدم میں سے کوئی ضروری نہ ہو پھر امکان کی دو قسمیں ہیں: ❶ امکان خاص یعنی وجود و عدم دونوں ضروری نہ ہوں۔ ❷ امکان عام یعنی وجود اور عدم میں سے لا علی التَّعِیِین کوئی ایک ضروری نہ ہو۔ پھر امکان عام کی دو قسمیں ہیں۔ امکان عام مُقید بجانب الوجود یعنی جس کا عدم ضروری نہ ہو۔ ❸ امکان عام مقید بجانب العدم یعنی جس کا وجود ضروری نہ ہو خواہ عدم ضروری ہو یا نہ ہو اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ سوال تب وارد ہوتا ہے جب یَجُوْزُ سے جو امکان سمجھا جارہا ہے۔ اس سے مراد امکان خاص یا امکان عام مقید بجانب العدم ہو۔ حالانکہ یہاں مراد امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ضرورۃ اور تناسب کیوجہ سے غیر مُنصرف کا مُنصرف پڑھنا ممتنع نہیں عام ہے کہ مُنصرف پڑھنا ضروری ہو۔ جیسے ضرورۃ شعری کی وجہ سے یا جائز ہو، جیسے تناسب کیوجہ سے۔

سوال مُصنفؒ نے غیر مُنصرف کی تعریف: مَافِیْهِ عِلَّتَانِ اَوْ وَاحِدَةٌ اور مُتقدمین نے تعریف کی: ما لا کسرۃ فیہ ولا تنوین مُصنف نے یہ مخالفت اس لیے کی ہے کہ مُتقدمین کے نزدیک اِدْخَالِ کسرہ و تنوین سے غیر مُنصرف مُنصرف ہوجاتا ہے۔ جب کہ مُصنف کے نزدیک نہیں اب یجوز صرفہ سے اپنی بات کی تردید کردی نیز جب کلمہ غیر مُنصرف بنتا ہے۔ دو علّتوں سے تو پھر دو علّتوں کے ہوتے ہوئے ضرورۃ اور تناسب کیوجہ سے کسرہ اور تنوین کے داخل ہونے سے کیسے

منصرف بن سکتا ہے؟

جواب یجوز صرفہ۔ صَرف کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اور ۂ ضمیر کے مرجع بھی دو بن سکتے ہیں۔

❶ اصطلاحی معنی اس صورت میں ضمیر راجع ہوگی غیر منصرف کی طرف مقصود یہ ہے کہ غیر منصرف پر منصرف کا حکم جاری ہوگا یہ مراد نہیں کہ غیر منصرف منصرف بن جاتا ہے۔ اور اگر صرف کا لغوی معنی ہو تو ضمیر راجع الی الحکم ہوگی معنی یہ ہوگا کہ ضرورت شعری اور تناسب کیوجہ سے غیر منصرف کے حکم کو پھیرنا تبدیل کرنا جائز ہے۔

فائدہ رضی صاحب کہتے ہیں جس غیر منصرف میں الف مقصورہ ہو تو اس کو منصرف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور شارح لباب فرماتے ہیں کہ تانیث بالف مقصورہ جیسے : حُبْلٰی کو منصرف پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ ضرورۃ ملجئہ الی صرفہ نہیں اس لیے کہ اگر منصرف ہو تو الف حذف ہوگا اور تنوین آئے گی ایک ساکن کو حذف کرنا دوسرے ساکن کو لانا کونسی ضرورت ہے۔ لیکن مولانا جمال الدین صاحب مُطلقًا رد کرتے ہیں کیونکہ اگر شعر کا قافیہ نون ساکن یا نون موصول ہو تو دونوں میں ضرورۃ ملجئہ الی صرفہ ہے۔

فائدہ اَفْعَلُ مِنْ کا منصرف ہونا عند الکوفیین ممتنع ہے۔ کیونکہ مِنْ کے مجرور مضاف الیہ ہے اور اَفْعَلُ مضاف ہے اور مضاف پر تنوین نہیں آتی۔ لہٰذا یہاں پر بھی نہیں آئے گی۔ لیکن رضی نے رد کردیا ہے ضرورۃ کی وجہ سے جائز ہے اور یہ مضاف نہیں کَالْمُضَافِ ہے۔

فائدہ کوفیین اور بعض بصریین کے نزدیک ضرورت شعری کیوجہ سے منصرف کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔ لیکن ایک شرط کیساتھ کہ علمیت ہو۔ ان کا مستدل یہ شعر ہے :

فَمَا كَانَ حِصْنٌ وَ لَا مَأبِس

يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِيْ مَجْمَعِ

یہاں مِرْدَاسَ منصرف کو غیر منصرف پڑھا گیا۔ ورنہ مِرادسًا پڑھا جاتا۔ لیکن جمہور بصریین نے اس کو رد کیا ہے کہ ضرورۃ کیوجہ سے اشیاء اپنے اصول کی طرف لوٹتی ہیں نہ کہ اشیاء اپنے اصل سے نکلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار میں قصر ممدود جائز ہے لیکن مد مقصور جائز نہیں۔ الا نَادِراً اور یہ روایت غلط ہے : وَالْاِنْصَافُ اَنَّ الرِّوَايَةَ لَوْ ثَبَتَتْ عَنْ ثِقَةٍ لَمْ يَجُزْ رَدُّهَا وَاِنْ ثَبَتَتْ هُنَاكَ رِوَايَةٌ اُخْرٰى (رضی شرح کافیہ)

وَمَا يَقُوْمُ مَقَامَهُمَا الْجَمْعُ وَاَلِفَا التَّانِيْثِ

صاحبِ کافیہ کی غرض اس عبارت سے اسباب تسعہ میں سے وہ سبب بتانا ہے جو ایک سبب

قائم مقام دو سببوں کے ہوتے ہیں۔ ایسے سبب دو ہیں : ❶ جمع منتہی الجموع، ❷ تانیث بالف مقصُورہ۔ اور تانیث بالف ممدودہ۔

سوال کلمہ غیر منصرف ہوتا ہے۔ مشابہت بالفعل کی وجہ سے اور وہ مشابہت دو فرعیت کے اعتبار سے ہے۔ اگر علّت ایک ہوگی تو فرعیت بھی ایک ہوگی تو فعل کے ساتھ مشابہت نہیں ہوگی تو کلمہ غیر مُنصرف کیسے ہوگا۔ لہٰذا ایک علّت قائم مقام دو کے نہیں بن سکتی۔

جواب اگرچہ بظاہر علّۃ واحدۃ ہے مگر حقیقۃً دو علتیں ہیں۔ کیونکہ ان میں تکرار پایا جاتا ہے، جمع منتہی الجموع کی دو قسمیں ہیں : ❶ حقیقی ❷ حکمی۔ حقیقی وہ ہے جو جمع سے جمع لائی گئی ہو اور حکمی وہ جمع ہے جو مفرد سے لائی گئی ہو۔ اور منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ حقیقی کی مثال : اکالب جمع ہے اَکْلُبٌ جمع ہے کَلْبٌ کی اور اَنَاعِیم، جمع اَنْعَامٌ کی اور اَنْعَامٌ جمع ہے۔ نعم کی۔

حکمی کی مثال : مَسَاجِدُ جمع مَسْجِدٌ کی اور مَصَابِیْحُ جمع ہے۔ مِصْبَاحٌ کی۔ حقیقی میں حَقِیْقَۃً تکرار ہے اور حکمی میں حُکْمًا تکرار ہے۔ تانیث بالف مقصُورہ اور بالف ممدودہ میں تکرار اس طرح ہے کہ ایک تانیث ہے اور دوسری لزومِ تانیث۔ کیونکہ تانیث بالتاء تو حذف ہو جاتی ہے مگر تانیث الف مقصُورہ اور الف ممدودہ کبھی بھی حذف نہیں ہو سکتی۔

سوال تانیث بالتاء مثلاً : قَائِمَۃٌ حالتِ علمیت میں لازم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو بھی قائم مقام دو سببوں کے بنا دو۔

جواب ہماری مراد لزومِ تانیث سے وضعی ہے اور تاء تانیث میں لزوم عارضی ہے۔

سوال جب جمع سب واحد قائم مقام دو سبب کے ہے تو پھر مسلمون اور رجال کو بھی غیر مُنصرف ہونا چاہیے۔

جواب الجمع پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے مراد جمع منتہی الجموع ہے۔

فَالْعَدْلُ خُرُوْجُہٗ عَنْ صِیْغَتِہِ الْاَصْلِیَّۃِ یہاں سے مُصَنّفؒ علل تسعۃ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ پھر العدل کو معرفہ لائے اور قاعدہ ہے کہ : اَلْمَعْرِفَۃُ اِذَا اُعِیْدَتْ مَعْرِفَۃً یُرَادُ بِہٖ عَیْنَ الْاُوْلٰی۔ لہٰذا وہی عدل مراد ہے۔

پہلا درجہ تشریح الفاظ : فاء تفسیریہ ہے۔ کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل پر داخل ہے۔

عدل کا لغوی معنی ہے پھیرنا۔

فائدہ ❶ عدل کا صلہ اِلٰی ہو تو معنی "میلان کرنا"۔

❷ اور اگر صلہ عَنْ ہو، تو معنی ہوگا "اعراض کرنا"۔

❸ اور اگر صلہ مِنْ ہو، تو دُوری اور بُعد والا معنی ہوگا۔

❹ اور اگر صلہ فِیْ ہو، تو معنی ہوگا "تغیّر" اور "تصرف"۔

یہاں پر عدل مصدر مجہول ہے۔ بمعنی : کَوْنُ الْاِسْمِ مَعْدُوْلاً۔

اور لفظ خروج بھی مصدر مجہول ہے۔ بمعنی : کَوْنُ الْاِسْمِ مُخْرَجًا۔

صیغۃ کا لغوی معنی "صورت"۔ اور اصطلاحی معنی : هِيَ هَيْئَةٌ حَاصِلَةٌ عَنْ تَرْكِيْبِ الْحُرُوْفِ وَ الْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ۔

الاصلیۃ کا معنی ہے : "وہ شکل و صورت جو قانون کے موافق ہو"۔

دوسرا درجہ مختصر مفہوم و مطلب : کسی اسم کا اپنی ایسی شکل و صورت سے جو قانون کے مطابق تھی اس سے نکل جانا۔ بشرطیکہ مادہ اور معنی اصلی باقی رہے۔ اور یہ تبدیلی بغیر کسی صرفی قانون کے ہو۔

تیسرا درجہ فوائد قیود : خروجہ بمنزلۂ جنس کے ہے۔ اور صیغۃ یہ پہلی قید ہے اس سے اسماء محذوفۃ الاعجاز نکل جائیں گے۔ جیسے ید، دم۔ اور ہ ضمیر کی قید سے اسماء مُشتقہ نکل جائیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی شکل و صورت سے نہیں نکلتے، بلکہ مصدر سے نکلتے ہیں۔ اس لیے کہ ضمیر کی قید سے معنی یہ ہے کہ : اسم کا اپنی شکل و صورت سے نکلنا۔ اور الاصلیۃ کی قید سے وہ اسماءِ شاذہ یعنی وہ اسماء جو خلافِ قیاس نکالے گئے ہیں۔ جیسے : اَقْوُسٌ، اَنْيُبٌ جو جمع ہے قوس اور ناب کی۔

چوتھا درجہ سوالات وجوابات :

سوال عدل کو دوسرے اسباب پر کیوں مقدم کیا؟۔ حالانکہ عدل سبب فرضی ہے اور باقی اسباب حقیقی اور واقعی ہیں۔ تو مناسب یہ تھا کہ برعکس کر لیا جاتا۔

جواب عدل مؤثر ہے بغیر شرط کے۔ اور باقی اسباب کے مؤثر ہونے کے لیے شرائط ہیں۔ چونکہ اس اعتبار سے اس کو فوقیت حاصل تھی تمام اسباب پر، اس لیے مقدم کر دیا۔

فائدہ تشریح الفاظ میں ہم نے بتادیا ہے کہ عدل مصدر مبنی للمفعول ہے۔ جس سے یہ سوال کہ عدل بمعنی "اخراج" یا "بیرون آوردن" متکلم کی صفت ہے۔ اور خروج بمعنی "بیرون آمدن"۔ اور یہ تفسیر "المباین بالمباین" ہے۔ جو باطل ہے۔ یہ سوال مندفع ہو گیا۔ کیونکہ عدل بمعنی "معدولیت" بھی لفظ کی صفت ہے۔ پھر آگے ہم نے عدل اور خروج کی تفسیر کونِ الاسم سے کر کے چار سوالوں کا جواب دے دیا ہے۔

سوال جب عدل مصدر مجہول ہے تو یہ ذات مع الوصف ہے۔ حالانکہ خروج محض وصف ہے۔ تولازم آیا محض وصف کا حمل ذات مع الوصف پر۔ جو کہ ناجائز ہے۔

سوال جب عدل ذات مع الوصف ہے تو یہ سبب بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام اسباب ازقبیل اوصاف ہیں۔

سوال عدل مصدر مُتعدی ہے جب کہ خروج مصدر لازمی ہے۔ تو یہ تفسیر المصدر المتعدی باللازمی ہے۔ وذا ایضاباطل۔

سوال عدل بمعنی معدولیت ہو تو تعمیم ہو جائے گی۔ خواہ اسم معدول ہو یا شَئ معدول۔ حالانکہ یہ تعمیم خلاف مقصود ہے۔

جواب عدل بمعنی کون الاسم سے اسئلہ اربعہ کا جواب ہو گیا۔ کیونکہ کون بھی محض وصف ہے اور خروج بھی۔ اس لیے حمل درست ہوا۔ اس سے سوالِ اول مندفع ہو گیا۔ اور عدل بمعنی کون ہونے کی وجہ سے محض وصف ہے۔ لہٰذا اس کا سبب بننا بھی درست ہو گیا۔ اس سے سوال ثانی بھی مندفع ہو گیا۔ اور کون مصدر لازمی ہے۔ اور خروج بھی۔ اس سے سوال ثالث بھی مندفع ہو گیا۔ اور عدل بمعنی کون الاسم ہونے کی وجہ سے تعمیم بھی ختم ہو گئ۔ کیونکہ اسم کا معدول ہونا مراد ہے نہ کہ مُطلق شَئ کا۔ اس سے سوالِ رابع بھی مندفع ہو گیا۔

اے مُعترض صاحب! خروج بمعنی کون الاسم مخرجا کر کے آپ کا ایک اور سوال بھی ختم کر دیا کہ سوال عدل بمعنی کَوْن یہ حاصل بالمصدر ہے۔ جب کہ خروج ذات مصدر ہے۔ حالانکہ حاصل بالمصدر کی تفسیر ذاتِ مصدر سے باطل ہے۔

جواب خُرُوجُ بمعنی کَوْنُ الاسم ہونے کی وجہ سے یہ بھی حاصل بالمصدر ہے۔

سوال اسم نام ہے مادہ اور صورت کا۔ اور صیغہ بھی عند اہل العرب صورت اور مادہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس سے تو اِخْرَاجُ الْکُلِّ عَنِ الْکُلِّ کی خرابی لازم آتی ہے۔ لہٰذا یہ تعریف غلط ہے۔

جواب ہم نے تعریف میں بقائے مادۃ کی قید لگائی ہے۔ جس سے صیغہ سے مراد فقط ہیئت اور صورت ہو گا۔ کما ھو عند النحاۃ۔ یعنی اسم کا اپنی شکل و صورت سے نکلنا دوسری صورت کی طرف۔ لیکن مادہ باقی رہے۔

سوال پھر تو اِخْرَاجُ الْکُلِّ عَنِ الْجُزْءِ کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب جس طرح صیغہ کی جانب میں فقط صورت مراد ہے اسی طرح اسم کی جانب میں بھی فقط مادہ مراد ہے۔

سوال پھر تو اخراج الجزء عن الجزء کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب یہ ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب جزئین سے ایک جزء دوسری جزء پر مشتمل اور محمول نہ ہو۔ ورنہ جائز ہوتا ہے۔ اور یہاں پر بھی صورت مادہ پر مشتمل ہے۔

سوال عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اسماءِ مُشتقہ پر صادق آتی ہے۔ مثلاً: ضَارِبٌ، مَضْرُوْبٌ اپنی اصلی شکل ضَرْبٌ سے نکل کر دوسری شکل اختیار کر چکے ہیں۔

جواب مُعترض صاحب فوائد قیود میں بتا چکے ہیں۔ صیغہ کی اضافت ضمیر کی طرف ہونے سے مُشتقات خارج ہوگئے۔ کیونکہ مصدر مُشتقات کی اصل شکل نہیں۔

سوال پھر بھی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ اسماء محذوفۃ الاَعجاز پر صادق آتی ہے۔ جیسے: یَدٌ، دَمٌ اصل میں یَدَوٌ، دَمَوٌ تھا اپنی اصلی صورت سے نکل چکے ہیں۔

جواب مُعترض صاحب یہ بتا چکے ہیں کہ صیغہ کی قید سے یہ اسماء محذوفۃ الاعجاز نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ صیغہ سے مراد صورت ہے یعنی اصلی صورت بدل جائے۔ مگر مادہ باقی رہے اور ان اسماء میں صورت اور مادہ دونوں تبدیل ہیں۔

سوال پھر بھی مانع نہیں مُغیراتِ قیاسیہ پر صادق آتی ہے۔ مثلاً: مَقُوْلٌ مَبِیْعٌ اپنی اصلی صورت سے نکل گئے ہیں۔ اور مادہ اصلی بھی باقی ہے حالانکہ عدل نہیں۔

جواب صورت کے ساتھ اصلیہ کی قید سے مُغیراتِ قیاسیہ خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صُورتِ اصلیہ سے خروج اور صورۃ اخریٰ میں دخول اس بات کو مُستلزم ہے صورت اخریٰ مغایر ہو صُورتِ اصلیہ کے بایں معنی کہ صورتِ اصلیہ قانون کے موافق صورت اخریٰ قانون کے مخالف ہو۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اَلْاَصْلِیَّۃُ کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ اسم کی تبدیلی بغیر قاعدہ قانون صرفی کے ہو۔ جب کہ مُغیراتِ قیاسیہ میں تبدیلی قانونِ صرفی سے ہے۔ لہٰذا تعریف صادق نہیں آئے گی۔

سوال پھر بھی یہ تعریف مانع نہیں۔ مُغیراتِ شاذہ پر صادق آتی ہے۔ مثلاً: اَقْوُسٌ اَنْیُبٌ اپنی اصلی شکل اَقْوَاسٌ، اَنْیَابٌ سے نکل چکے ہیں۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ اجوف جو فعل کے وزن پر ہو اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے اور یہ قَوْسٌ، نَابٌ۔ اجوف فَعْلٌ کے وزن پر ہے۔ لہٰذا اس کی جمع اَقْوَاسٌ، اَنْیَابٌ۔ ہوگی پھر اس اصلی شکل سے نکل کر اَقْوُس، اَنْیُب والی صورت اختیار کرلی ہے۔ جب کہ مادہ بھی باقی ہے اور شکل ثانی شکل اول کے بھی مغایر ہے بایں معنی اول بقانون صرفی ہے۔ اور ثانی بلا قانون صرفی ہے۔ لہٰذا عدل کی تعریف مع الشرائط صادق آتی ہے۔ حالانکہ ان کو کوئی بھی عدل نہیں کہتا۔

جواب ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے مُغیراتِ شاذہ کا اپنی اصلی شکل سے خروج ہو۔ کیونکہ اقوس، انیب ابتداءً خلافِ قیاس ہی قوس اور ناب سے جمع بنائی گئی۔ نہ یہ کہ قَوس، نَابٌ سے اولا اقواسٌ، انیابٌ پھر اقواس، انیاب سے اقْوُسٌ، اَنْیُبٌ۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ان کو مجموع شاذہ نہ کہا جاتا۔ لہٰذا یہاں خروج متحقق ہی نہیں۔

فائدہ مولانا جامیؒ نے ان اَسئِلَه اربعه کا ایک ہی جواب دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تعریف سے جَمِیع مَاعَدَا سے مُمتاز کرنا مقصود نہ ہو بلکہ بعض چیزوں سے جدا کرنا مقصود ہو تو وہاں تعریف بالاعم کرنا جائز ہے۔ یہاں پر بھی عدل کو بعض چیزوں سے یعنی عِلَل ثَمَانِیَہ سے جدا کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا اس تعریف کا جامع و مانع ہونا کوئی ضروری نہیں نیز مُصنف پر رد بھی کردیا کہ مُصنف کافیہ کی شرح امالی میں ان اشکالات کے جواب میں تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کیا ہے جن کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ تعریف بالاعم بھی تو جائز ہے۔

جواب مُصنفؒ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مُتقدمین کے نزدیک تعریف بالاعم جائز ہے۔ لیکن مُتاَخرین کے نزدیک جائز نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں تعریف کی شرائط میں سے ایک شرط تساوی کی ہے۔ (احقر کے رسالہ اصطلاحات منطق دیکھیے) اور مُصنفؒ نے بھی مُتاَخرین کے مذہب کو اختیار کر کے تعریف کو جامع و مانع بنانے کے لیے یہ جوابات دیے۔

تَحْقِیْقًا اَوْ تَقْدِیْرًا عدل کی تعریف کے بعد تقسیم کا بیان ہے۔ عدل کی دو قسمیں ہیں: ❶ عدل تحقیقی ❷ عدل تقدیری۔

فائدہ عدل میں نحاۃ کا اختلاف ہے کہ عدل سبب حقیقی واقعی ہے یا سبب اعتباری فرضی ہے۔ فاضل ہندی اور بعض نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ یہ سبب حقیقی واقعی ہے۔ مثلاً: ثُلَاثُ مَثْلَثُ میں عدل پہلے سے تھا اور بعد میں غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔ محققین کے نزدیک سبب فرضی اعتباری ہے اس لیے کہ نحویوں نے بعض کلمات کو دیکھا جو کہ غیر منصرف پڑھے جا رہے تھے اور سبب ایک تھا حالانکہ ضابطہ ہے کہ غیر مُنصرف دو سبب سے ہوتا ہے بڑی تتبع و تلاش کے بعد جب کوئی دوسرا نہ ملا تو مجبورا عدل کو فرض کرلیا۔ مثلاً: ثُلَاث، مَثْلَث غیر مُنصرف پڑھا جارہا تھا اور سبب ایک تھا وصف اور دوسرا کوئی سبب نہیں تھا تو عدل کو ضرورت اور مجبوری کے تحت فرض کرلیا لہٰذا عند المحققین خواہ عدل تحقیقی ہو یا تقدیری دونوں فرضی اور اعتباری تقدیری ہیں اس اختلاف کی وجہ سے عدل تحقیقی اور تقدیری کی تعریف میں بھی اختلاف ہے جس سے پہلے ایک بات ذہن نشین رکھیں کہ عدل مصدر مجہول بمعنی معدول ہے۔ یعنی نکالا ہوا۔ اس کو فرع اور معدول بھی کہتے

ہیں۔ اور جس کلمہ سے نکالا گیا ہو اس کو معدول عنہ اور اصل کہتے ہیں۔ اب تعریف سمجھیں۔

عدل کی تعریف میں پہلا مذہب : فاضل ہندی، رضی، عام نحاۃ کا ہے۔

عدل تحقیقی کی تعریف : خُرُوْجٌ مُحَقَّقٌ عَنْ اَصْلٍ مُحَقَّقٍ۔

عدل تقدیری کی تعریف : خُرُوْجٌ اِعْتِبَارِیٌّ عَنْ اَصْلٍ اِعْتِبَارِیٍّ۔

دوسرا مذہب : محققین کا ہے۔

عدل تحقیقی کی تعریف : خُرُوْجٌ اِعْتِبَارِیٌّ عن اصلٍ محققٍ

عدل تقدیری : خروجٌ اِعْتِبَارِیٌّ عَنْ اَصْلٍ اِعْتِبَارِیٍّ۔

یعنی عام نحاۃ کے ہاں عدل تحقیقی میں دونوں چیزیں حقیقۃً ہوتی ہیں۔ یعنی معدول عنہ، اصل بھی حقیقی ہے اور پھر اس سے عدل یعنی خروج بھی حقیقی ہے۔ مثلاً ثلاث اس کا معدول عنہ اور اصل (ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ) بھی حقیقۃً موجود ہے۔ پھر ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے ثُلَاثُ کا اخراج بھی حقیقۃً موجود ہے اور عدل تقدیری میں ایک چیز یعنی خُرُوْج واقعی حقیقی ہوتا ہے اور دوسری چیز یعنی (معدول عنہ اصل) محض فرضی اعتباری ہوتا ہے۔ مثلاً : عُمَرُ عدل تقدیری ہے اس کا اصل معدول عنہ (عَامِرٌ) قطعاً نہیں، مگر ہم نے فرضی بنالیا ہے۔ لیکن عمر کا عامر سے خروج حقیقۃً واقعۃً ہے۔ فرضی نہیں۔ اور محققین کے نزدیک عدل تحقیقی عدل تقدیری دونوں میں خروج محض فرضی ہے۔ مگر عدل تحقیقی میں معدول عنہ اصل حقیقۃً ہوتا ہے اور عدل تقدیری میں معدول عنہ بھی فرضی ہوتا ہے۔ مثلاً ثلاث کا اصل ثلاثۃ ثلاثۃ حقیقۃً اور عمر کا اصل عامر فرضی ہے۔ مگر ثلاث کا خُرُوْج، ثَلَاثَةٌ، ثَلَاثَةٌ سے اور عمر کا عامر سے دونوں فرضی اعتباری ہیں۔

عام نحاۃ کے دلائل : مصنف کا قول تحقیقاً اور تقدیراً یہ خروجاً کی صفت ہے۔ جس سے یہ واضح ہو گیا کہ عدل تحقیقی میں خروج تحقیقی اور عدل تقدیری میں خروج تقدیری فرضی ہوتا ہے۔

دلیل ثانی : عدل تحقیقی اس کو کہا جاتا ہے جس کے اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل موجود ہو اور مولانا جو اصل پر دلیل ہوتی ہے بعینہٖ فرع پر بھی دلیل ہوتی ہے اور فرع پر دلیل ہونا بعینہٖ خروج پر دلیل ہے۔ جب خروج پر دلیل ہوئی تو پھر عدل تحقیقی میں خروج تحقیقی ہوا۔ اور عدل تقدیری وہ ہے جس کے اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل موجود نہ ہو مولانا جب اصل پر دلیل نہ ہوئی تو فرع پر بھی نہ ہوئی جب فرع پر نہ ہوئی تو خروج پر بھی دلیل نہ ہوئی تو عدل تقدیری میں خروج تقدیری فرضی ہوا۔

دلیل ثالث : اگر عدل دونوں میں تقدیری فرضی ہو تو لازم آئے گا تقسیم الشئ الی نفسہ و الی

غیرہ جو کہ باطل ہے اور دونوں میں فرق بھی نہ ہوگا۔

جوابات محققین کی طرف سے۔ **دلیل اول کا جواب**: تحقیقاً او تقدیراً بیشک خروجاً کی صفت ہیں۔ مگر صفت بحالہ نہیں بلکہ صفت بحال متعلقہ اور خروج کا متعلق اصل معدول عنہ تحقیقی یا تقدیری ہوتا ہے۔ یعنی حقیقت میں تحقیقاً اور تقدیراً معدول عنہ کی صفت ہیں۔

دلیل ثانی کا جواب: اتنی بات تو تسلیم ہے کہ اَلدَّلِیلُ عَلَی الْاَصْلِ دَلِیلٌ عَلَی الْفَرْعِ ہوتی ہے۔ مگر یہ قطعاً تسلیم نہیں کہ دلیل علی الفرع دلیل علی الخروج ہوتی۔ کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ اصل بھی موجود ہو اور فرع بھی موجود ہو مگر خروج نہ ہو۔ جیسے: اقوس انیب۔

دلیل ثالث کا جواب: عدل کی تقسیم باعتبار معدول عنہ کے ہے اگر اصل معدول عنہ محقق ہو تو عدل تحقیقی اگر اصل مقدر ہو تو عدل تقدیری لہٰذا انقسام الشئ الی نفسہ و الی غیرہ کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

خلاصہ عام نحاۃ یہ تقسیم نفس عدل کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ اور محققین معدول عنہ کے اعتبار سے۔

ثُلاثَ وَمَثْلَثَ یہاں عدل کی تقسیم کے بعد مثالیں بیان کی جارہی ہیں۔ ثُلاثُ و مَثْلَثُ یہ غیر منصرف ہیں۔ کیونکہ دو سبب پائے جاتے ہیں: ❶ عدل ❷ وصف۔ یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے۔ اس لیے کہ ان کے اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل موجود ہے کہ ان کا اصل ثَلاثَۃً ثَلاثَۃً ہے دلیل، ثُلاثُ کا معنی تین تین مَثلث کا معنی بھی تین تین ان کے معنی میں تکرار ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ تکرار معنی دلالت کرتا ہے تکرار لفظ پر۔

سوال تثنیہ و جمع میں بھی معنی کا تکرار ہوتا ہے حالانکہ لفظ میں تکرار نہیں۔

جواب لفظ میں بھی تکرار ہے کیونکہ تثنیہ میں الف مستقل کلمہ ہے اور جمع میں واو مستقل کلمہ ہے۔

سوال ثلاثۃ ثلاثۃ میں وصف عارضی ہے اس لیے واضع ان کو عدد کے لیے وضع کیا جب کہ غیر منصرف کا سبب وصف اصل ہوتی ہے نہ کہ عارضی۔

جواب معترض صاحب ٹھیک ہے کہ ثلاثۃ ثلاثۃ میں وصف عارضی ہے مگر ثُلاثُ مَثْلَثُ میں وصف اصلی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ: اَلْعَدْلُ فِیْ حُکْمِ وَضْعٍ ثَانٍ لہٰذا وصفیت والا معنی موضوع لہ اور اصلی وضعی ہوا۔

فائدہ اُحَادُ مَوْحَدُ سے رُبَاعَ مَرْبَعَ تک بالاتفاق غیر منصرف ہیں اور خُمَاسُ مَخْمَسُ سے عُشَارُ مَعْشَرُ تک بالاختلاف۔ لیکن اصح یہ سب غیر منصرف ہیں۔

وَاُخَر یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے کیونکہ اس کے اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل

موجود ہے اس کا اصل اَلْاٰخَر یا اُخَرُ مِنْ ہے۔ دلیل اُخَرُ جمع ہے اُخْرٰی کی اور اُخْرٰی مونث ہے اٰخَرُ کی اور اٰخَرُ اسم تفضیل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ ❶ الف لام کے ساتھ ❷ مِنْ ❸ اضافت کے ساتھ۔ اور اُخَرُ ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ مُستعمل نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ معدول ہے۔ اَلْاُخَرُ سے یا اُخَرُ مِنْ سے۔

سوال اضافت سے کیوں معدول نہیں مانتے؟

جواب اضافت سے مانیں تو مضاف الیہ کو محذوف ماننا پڑے گا۔ حالانکہ قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ کو حذف کیا جائے تو تین صورتوں میں کوئی صورت ہوتی۔ ❶ مضاف الیہ کے عوض مضاف پر تنوین۔ جیسے : یَوْمَئِذٍ، حِیْنَئِذٍ ❷ یا مضاف مبنی علی الضم۔ جیسے : قَبْلُ، بَعْدُ ❸ یا مضاف کا تکرار۔ جیسے : یا تَیْمَ تَیْمَ عَدِیٍّ یہاں تینوں میں سے کوئی نہیں تو پہلے دو طریقے مُتعیّن ہوئے۔

سوال اُخَرُ بیشک باعتبار اصل کے اسم تفضیل ہے بمعنی اَشَدُّ تَاَخِیْرًا۔ مگر اب بمعنی غیر کے مُستعمل ہے اور اسم تفضیل والا معنی ختم ہو گیا۔

جواب حضرت جی، اعتبار اصل کا ہوتا ہے نہ کہ استعمال کا۔ اسی وہم کے ازالہ کے لیے تو مُصنّفؒ نے اس مثال کا انتخاب کیا ہے۔

نیز یہ بھی یاد رکھیں اُخَر میں وزن فعل اور وصف ہے اور اُخْرٰی میں الف مقصورہ ہے جس میں عدل نہیں۔ عدل چونکہ اُخَرُ میں تھا اس لیے یہ مثال پیش کی۔

سوال اُخَرُ کو اَلْاُخَرُ سے معدول ماننے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ کیونکہ الاخر معرفہ ہے اور اُخَرُ نکرہ اور معرفہ فائدہ میں نکرہ سے اعلیٰ ہوتی ہے لہٰذا یہ طلب ادنی من الاعلی کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب اُخَرُ کا موصوف نکرہ تھا، اس لیے معرفہ سے معدول کیا گیا ہے۔ جس میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے موصوف صفت میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ صفت موصوف میں مطابقت واجب ہے۔

وَجُمَعُ یہ غیر مُنصرف ہے اس میں دو سبب موجود ہیں : ❶ عدل ❷ وصف۔ یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے۔ کیونکہ اس کی اصل پر بھی غیر مُنصرف کے علاوہ دلیل موجود ہے۔ اس کی اصل جُمْعٌ یا جُمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات ہے۔ دلیل جُمَعَ جمع ہے جَمْعَاء کی مؤنث ہے اجمع کا فَعْلَاء مؤنث کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ فَعْلَاء صفتی جو ذات مع الوصف پر دلالت کرئے۔ ❷ فَعْلَاء اسمی جو محض ذات پر دلالت کرئے۔ قاعدہ یہ ہے فَعْلَاء صفتی کی جمع فُعْلٌ کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے : حَمْرَاء کی

جمع حُمْرٌ اور فَعْلَاءُ اسمی کی جمع مکسر فَعَالَیٰ کے وزن اور جمع مؤنث فَعْلَاوَاتٌ کے وزن پر۔ جیسے: صحراء کی جمع صحاری یا صحروات فیما نحن فیہ اگر جمعاء، فعلاء صفتی ہو تو اس کی جمع جُمْعٌ (بسکون المیم) کے وزن پر ہونی چاہیے۔ اگر فعلاء اسمی ہو تو پھر جمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات ہونی چاہیے۔ حالانکہ یہ جمعاء کی جمع تینوں وزنوں میں سے کسی وزن پر نہیں بلکہ جُمَعُ (بفتح المیم) ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جمع ان تین اوزان میں سے کسی وزن سے معدول ہے۔

سوال جُمَعُ بمعنی کل کے ہو کر تاکید معنوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور تاکید اور وصف میں منافات ہے۔ لہٰذا وصف کا اعتبار کر کے غیر مُنصرف قرار دینا غلط ہے۔

جواب مُعترض صاحب پہلے بھی ہم بتا چکے ہیں اصل اور وضع کا اعتبار ہوتا ہے نہ استعمال کا جمع میں بھی اصلاً و وضعاً وصف ہے۔ یاد رکھیں جُمَعُ کی طرح کُتَعُ بُتَعُ بُصَعُ بھی عدل تحقیقی اور وصف کی وجہ سے غیر مُنصرف ہونگے۔

سوال جُمُوْعِ شاذہ اقوس، انیب کے اصل اقواس انیاب پھر بھی دلیل موجود ہے کما مر پھر جُمَعُ کی طرح اس میں بھی عدل تحقیقی ماننا چاہیے۔

جواب عدل کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ❶ وجود اصل ❷ اصل سے اِخْرَاج کا اعتبار ہو یہاں پر اِخْرَاج کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے تو شاذ قرار دیا گیا۔

کُمُر عدل تحقیقی امثلہ کے بعد عدل تقدیری کی مثالوں کا بیان: عمر کلام عرب میں غیر مُنصرف پڑھا جا رہا تھا۔ نحویوں نے دیکھا کہ سبب ایک علمیت ہے جب کہ سبب واحد کافی لمنع الصرف نہیں ہوتا، اس لیے مجبوراً عدل کو فرض کر لیا کہ یہ معدول ہے عامر سے یہ عدل تقدیری ہے۔ کیونکہ اصل معدول عنہ یعنی عَامِرٌ پر غیر مُنصرف کے علاوہ دلیل موجود نہیں ہے۔

سوال عمر میں عدل تقدیری ماننا مُستلزِمِ دَور ہے۔ اس لیے کہ تقدیرِ عدل موقوف ہے عمر کے غیر مُنصرف پڑھنے پر۔ اور عمر کا غیر مُنصرف پڑھنا موقوف ہے عدل تقدیری پر۔ کما ھو الظاھر یہ تَوَقُّفُ الشَّیِ علیٰ نفسہ جو کہ دَور اور باطل ہے۔ واللَّازِمُ بَاطِلٌ فَالْمَلْزُوْمُ مِثْلُهٗ۔

جواب مُعترض صاحب آپ نے بڑی بات کی ہے لیکن مزید غور فرمائیں دور کے لیے اتحاد جہت توقف شرط ہے جو کہ مفقود ہے کیونکہ عمر میں تقدیر عدل پر غیر مُنصرف موقوف بِحَسَبِ الذہن اور غیر مُنصرف کا عدل پر موقوف ہونا بحسب الخارج ہے۔

فائدہ عمر نام ہے خلیفۂ ثانی خسرِ نبیؐ دامادِ علیؓ کا چونکہ عدل و انصاف کے مَخْزَن و منبع تھے اسی لیے ان کے نام نامی اسم گرامی میں بھی عدل ہے۔

باب قَطَامِ عدل تقدیری کی دوسری مثال قَطَامِ یہ معدول ہے قَاطِمَۃٌ سے چونکہ اس اصل پر دلیل نہیں اس لیے عدل تقدیری ہے، قَطَامِ کے ساتھ (باب) کا لفظ لا کر قاعدہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ قطام سے مراد ہر وہ اسم ہے جو فَعَالِ کے وزن پر ہو اور اعیان مؤنثہ کا علم ہو اور غیر ذات الراء ہو۔ یاد رکھیں اس میں عدل تقدیری کا اعتبار غیر منصرف کے لیے نہیں بلکہ نظائر پر محمول کرنے کے لیے۔

تحقیق مقام: فَعَالِ کی چار قسمیں: ❶ فَعَالِ اَمرِیْ یعنی وہ فعال جو امر حاضر کے معنی میں ہو۔ جیسے: نَزَالِ بمعنی اَنْزِلْ۔

❷ فَعَالِ مَصْدَرِیْ یعنی جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہو۔ جیسے: فَجَارِ بمعنی اَلْفُجُوْر۔

❸ فَعَالِ صِفتی یعنی جو صفت کے معنی میں ہو۔ جیسے: فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَۃٌ۔ ❹ فَعَالِ علمی یعنی جو اعیان مؤنثہ میں سے کسی کا علم ہو۔

فَعَالِ عَلَمِیْ کی دو قسمیں ہیں: ① ذات الراء ہو۔ جیسے: حَضَارِ ظَمَارِ (بلند جگہ) (ستارہ کا نام)

② غیر ذات الراء۔ جیسے: قَطَامِ غَلَابِ۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ مبنی ہے اس لیے کہ اس کی مبنی الاصل فعل امر حاضر کے معنی میں اور اس کی جگہ پر واقع ہے۔

دوسری اور تیسری قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں قسمیں بھی مبنی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی مشابہت فَعَالِ اَمرِیْ کے ساتھ ہے دو باتوں میں: ① باعتبار وزن کے جو کہ واضح ہے۔ ② باعتبار عدل کے۔

فائدہ اسماءِ افعال کے فَعَالِ میں عدل پایا جاتا ہے۔ عدل کی ضرورت اس لیے پڑی کہ قاعدہ ہے کہ جب بھی فعل میں دوام و استمرار کا معنی مقصود ہو تو اس کو اسم سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ جب اَنْزِلْ اُتْرُكْ سے دوام و استمرار کا معنی پیدا کرنا چاہا تو ان کو نَزَالِ، تَرَاكِ کے ساتھ تبدیل کر دیا لہٰذا ان میں عدل پایا گیا ہے یہ معدول ہیں۔ اَنْزِلْ، اُتْرُكْ سے جس طرح پھر پہلی قسم (فعال امری) میں عدل ہے اس طرح ان میں عدل ہے فَجَارِ معدول ہے الفجور سے اور فَسَاقِ معدول ہے فَاسِقَۃٌ سے۔

چوتھی قسم کا حکم: اس کے حکم میں تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اہل حجاز کا مذہب یہ ہے کہ چوتھی قسم فَعَالِ عَلَمِیْ مُطلقاً خواہ ذات الراء ہو یا غیر ذات الراء مبنی ہیں تاکہ تمام باب فَعَالِ کا حکم ایک ہو جائے اس میں عدل کو فرض کرتے ہیں

تا کہ فعال اَمْرِی کے ساتھ عدلاً مشابہت ہو جائے۔

دوسرا مذہب: بعض بنو تمیم کا یہ ہے کہ فعال علمی مطلقاً معرب غیر منصرف ہے۔ کیونکہ دو سبب موجود ہیں۔ ① علمیت ② تانیث ان کے نزدیک عدل تقدیری ماننے کی ضرورت نہیں۔

تیسرا مذہب: اکثر بنو تمیم کا یہ ہے کہ فعال علمی ذات الراء اور غیر ذات الراء میں فرق کرتے ہیں۔ ① ذات الراء مبنی ہے۔ ② غیر ذات الراء معرب غیر منصرف ہے عدل تقدیری دونوں میں ہے اول میں عدل کو فرض کرتے ہیں مبنی کرنے کے لیے۔ کیونکہ دو سبب علمیت اور تانیث مبنی ہونے کے لیے ناکافی ہے۔ اور ثانی میں حمل علی النظائر کے لیے فرض کرتے ہیں۔

سوال اکثر بنو تمیم فَعَالِ عَلَمِیْ ذات الراء اور غیر ذات الراء میں فرق کیوں کرتے ہیں۔

جواب ذات الراء کے آخر میں را ہے جو امالہ کا تقاضا کرتی ہے اور امالہ تقاضا کرتا ہے مبنی بر کسرہ ہونے کا اس لیے یہ مبنی ہے بخلاف غیر ذات الراء اس کے آخر میں را ہی نہیں۔

سوال یہاں پر اُس عدل کی بحث تھی جو غیر منصرف کا سبب تھا مُصنّفؒ نے اس عدل کو جو حمل علی النظائر کیوجہ سے فرض کیا جاتا اس کو کیوں بیان کیا؟

جواب صاحبِ متوسط نے جواب دیا کہ ہمیں ایک کافیہ کا نسخہ مقروۃٌ علی المصنف ملا جس میں بَابِ قَطَامِ کا ذکر ہی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ مُصنف نے خود حذف کردیا کیونکہ مقام کے ساتھ مناسبت نہیں تھی۔

جواب مُصنّفؒ نے باب قطام کو ذکر کر کے صراحت کردی کہ حمل علی النظائر کیوجہ سے عدل تقدیری ہوتا ہے اور اشارہ کردیا کہ مبنی میں بھی عدل تقدیری ہوتا ہے۔ تا کہ طالب علم یہ نہ سمجھے کہ عدل تقدیری فقط غیر منصرف کے لیے ہوتا۔ بلکہ عدل کو تین وجوہ سے فرض کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم و علمہ، اَتَمّ، و اَحْکَمُ۔

فائدہ عدل اور تضمن میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے جس میں تین مادے ہوتے ہیں۔
① مادہ اجتماعی اَمْسِ معدول ہے اَلْاَمْسِ سے اور متضمن لام تعریف کو بھی ہے۔ ② مادہ افتراقی لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ معنی مِنْ کو متضمن ہے مگر عدل نہیں۔ ③ مادہ افتراقی ۲ ثلث و مثلث عدل تو ہے لیکن تضمن نہیں۔

دوسرا سبب وصف

اَلْوَصْفُ عدل کے بعد دوسرا سبب وصف کو بیان کر رہے ہیں۔

سوال عدل کی تعریف کی ہے مگر وصف کی کیوں نہیں کی۔

جواب مُعترض صاحب عدل کی تعریف میں خفاء تھا اس لیے اس کو بیان کیا باقی کسی بھی سبب کی تعریف نہیں کی لیکن۔ ہم آپکو بتا دیتے ہیں وصف کا لغوی معنی بیان کرنا اصطلاح نحاۃ میں دو معنی مستعمل ہیں۔ ❶ الوصف تابع علی معنی فی متبوعہ۔ وصف وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر دلالت کرے۔ ❷ كَوْنُ الْاِسْمِ دَالًّا علی ذاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوْذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا وصف وہ کلمہ ہے جو ایک ایسی ذات پر دلالت کرے جس میں کسی وصف کا لحاظ کیا گیا ہو۔ پھر وصف کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ اگر دلالت بحسب الوضع ہو تو وصف اصلی ہو گی۔ جیسے: اَحْمَرُ ❷ اگر دلالت بحسب الاستعمال ہو تو وصف عارضی ہوگی۔ جیسے: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ

شرطه ان یکون فی الاصل وصف کی تاثیر اور سبب بننے کے لیے شرط یہ ہے کہ وصف اصلی وضعی ہو یعنی بوقت وضع کلمہ میں موجود ہو اور وصف عارضی یعنی جو بوقت وضع تو کلمہ میں موجود نہ ہو لیکن استعمال میں پائی جائے۔ یہ غیر مُنصرف کا سبب نہ ہوگی۔

سوال وصف کے لیے اصل وضع کی شرط کیوں لگائی؟

جواب غیر مُنصرف میں اصل کو خلاف اصل کی طرف مُنتقل کرنا ہوتا ہے جس کے لیے سبب قوی ہونا ضروری ہے جب کہ وصف عارضی سبب ضعیف ہے کیونکہ عارض فی محل الزوال ہوتا ہے۔

سوال اَلْاَصْلُ معرفہ ہے جو کہ پہلے عدل کی تعریف الاصلیۃ میں مذکور ہے اور:

قاعدہ ہے کہ: اَلْمَعْرِفَةُ اِذَا اُعِيْدَتْ مَعْرِفَةً تَكُوْنُ عَيْنَ الْاُوْلٰى۔ لہٰذا وہاں اصل کا معنی قاعدہ اور قانون تھا یہاں پر بھی یہی ہوگا۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ وصف قاعدہ قانون کے مطابق ہو اور مَرَرْتُ بنسوۃٍ اربعٍ میں (اَرْبَعٍ) وصف قانون کے مطابق ہے۔ حالانکہ یہ وصف سبب نہیں۔

جواب اَلْاَصْلُ پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے مراد وضع ہے۔

سوال فِیْ ظرفیت کے لیے جب کہ الاصل نہ ظرف زمان اور نہ ظرف مکان۔

جواب فی بمعنی عند یعنی وصف کی شرط یہ ہے کہ بوقت وضع ہو۔

فلا تضره الغلبة فاء تفریعیہ ہے۔ یا فا فصیحیہ جو کہ شرط مقدر کی جزاء پر ہوتی ہے۔ تقدیر عبارت: اِذَا كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَلَا تَضُرُّهُ الْغَلَبَةُ جب سبب بننے کے لیے وصف کا اصلی وضعی ہونا شرط ہے تو پھر استعمال میں بیشک وصفیت زائل ہو کر اسمیت غالب آجائے تب بھی سبب بننے کے لیے سببیت مضر و مانع نہیں لیکن زوال بالکلیۃ نہ ہو۔

سوال اگر اسود کسی رجل اَبْيَضُ کا نام رکھدیا جائے تو یہ مُنصرف ہو جائے گا حالانکہ وزن فعل اور وصف اصلی کی وجہ سے غیر مُنصرف ہونا چاہیے تھا۔ جس سے معلوم ہوا غلبہ اسمیت وصف

کے لیے مضر ومانع ہے۔

جواب معترض صاحب آپ غلبہ اسمیت کا معنی سمجھے ہی نہیں کہ اسم کا اپنے افراد میں سے بعض افراد کے ساتھ اس طور پر خاص ہوجانا کہ اس پر دلالت کرنے میں قرینے کا محتاج نہ ہو۔ جیسے: اَسْوَدُ ہر سیاہ چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے جس کے بہت افراد ہیں ان میں سیاہ سانپ بھی ہے اب اَسْوَدُ سیاہ سانپ کے ساتھ خاص ہوچکا ہے جب بھی اسود بولا جائے بغیر کسی قرینہ کے ذہن میں سیاہ سانپ آتا ہے اور مادہ نقض میں ابیض پر اسود کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جو کہ سرے سے اس کا فرد ہی نہیں۔

فلذلك صرف اربع في مررت بنسوة اربع وامتنع اسود وارقم فاء تفریعیہ او لام تعلیلیہ ہے۔ ذلك اسم اشارہ کا مشار الیہ سابقہ دونوں امر ہیں۔ ❶ اصالۃ وصفیت ❷ عدم مضرت غلبہ۔ امر اول کا نتیجہ یہ ہے کہ مررت بنسوۃ اربع میں (اربع) منصرف ہے کیونکہ وصف اصلی نہیں عارضی ہے امر ثانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اَسْوَدٌ اور اَرْقَمُ اور اَدْهَمُ میں باوجود غلبہ اسمیت علی الوصفیۃ کے غیر منصرف ہے۔ غلبہ اسمیت علی الوصفیت کی تفصیل اَسْوَدُ کی وضع ہر سیاہ چیز کے لیے ہے مگر اب اس کے افراد میں سے سیاہ سانپ کا نام رکھدیا گیا ہے اسی طرح ارقم کی وضع ہر اس چیز کے لیے ہے جس میں سَوَاد اور بَیَاض مگر اب اسکے افراد میں سے سانپ کا نام رکھدیا گیا ہے جس میں سواد وبیاض۔ اور اَدْهَمُ وضع ہے ہر اس چیز کے لیے جس میں دُهْمَةٌ (سیاہی) ہو مگر اب اس کے افراد میں سے سیاہ لوہے کی بیڑی کا نام رکھدیا گیا ہے یہ تینوں اسم غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصفیت سے خارج ہوگئے مگر وصفیت بالکلیۃ زائل نہیں ہوئی بلکہ من وجہ باقی ہے اس وجہ سے یہ اپنے معانی اصلیۃ میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

فائدہ علمیت اور غلبہ اسمیت میں فرق یہ ہے کہ غلبہ اسمیت سے معنی وصفی بالکل ختم نہیں ہوتا اور علمیت سے معنی وصفی بالکل ختم ہوجاتا ہے۔

وَضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰى لِلْحَيَّةِ وَاَجْدَلُ لِلصَّقَرِ وَاَخْيَلُ لِلطَّائِرِ یہ جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ جب وصف اصلی کے لیے غلبہ اسمیت مضر نہیں، تو اَفْعٰی، اَجْدَلُ، اُخْیَلُ کو وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہیے۔ حالانکہ ان کا منصرف ہونا قوی ہے غیر منصرف ہونا ضعیف ہے باقی رہی یہ بات کہ ان میں وصف اصلی کیسے ہے۔ اَفْعٰی مشتق ہے فَعْوَةٌ سے بمعنی ہر خبیث چیز مگر بعد میں یہ سانپ کا نام رکھدیا ہے۔ اسی طرح اَجْدَلُ مشتق ہے جَدْلٌ سے بمعنی قوۃ مگر بعد میں یہ مختص ہوگیا۔ شکرے کے ساتھ اسی طرح اَخْیَلُ مشتق ہے خَیَلَانَ

سے معنی سیاہ نقطہ دار مگر بعد میں یہ خاص ہو گیا ایک پرندہ کے ساتھ (الو یا تیتر) لہٰذا وصف اصلی کے باوجود منصرف پڑھنا دلیل ہے کہ غلبہ اسمیت مضر ہے۔

جواب معترض صاحب یہ بات ٹھیک ہے کہ ان کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے لیکن غلبہ اسمیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان اسماء میں وصف کا پایا جانا یقینی نہیں تھا ظنی اور وہمی تھا جب کہ غیر منصرف کا سبب وصف اصلی یقینی ہوتی ہے نہ کہ ظنی۔

سوال اگر ان میں وصف اصلی کا ہونا قطعی نہیں تو عدم وصفیت بھی تو یقینی نہیں ہے تو پھر انصراف عدم انصراف یکساں ہونا چاہیے حالانکہ غیر منصرف ہونا ضعیف ہے اور منصرف ہونا قوی یہ کیوں؟

جواب چونکہ اسماء میں اصل انصراف تھا اس لیے منصرف پڑھنا راجح ہے۔

تیسرا سبب تانیث

اَلتَّانِيْثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ وصف سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے سبب تانیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ابتداءً تانیث کی دو قسمیں ہیں: ① تانیث بالالف ② تانیث بالتاء۔

پھر تانیث بالالف کی دو قسمیں ہیں: ① تانیث بالف مقصورہ ② تانیث بالف ممدودہ۔ ان دونوں کے سبب بننے کے لیے کوئی شرط نہیں۔ بلکہ ایک سبب قائم مقام دو سبب کے ہے۔ کما مر

فائدہ تاء تانیث کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ ① تاء زائدہ ہو۔ ② تاء متحرک ہو۔ ③ تاء کا ما قبل مفتوح ہو۔ ④ اسم کے آخر میں ہو۔ ⑤ وہ تاء حالت وقف میں ھا سے بدل جائے۔ اس کو تاء مدورہ کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں تاء طویلہ ہے۔ جیسے: اخت وغیرہ۔

تانیث بالتاء کی دو قسمیں ہیں: ① تانیث لفظی ② تانیث معنوی۔

اگر تاء ملفوظ ہو تو تانیث لفظی اور تاء مقدر ہو تو تانیث معنوی۔ **شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ** تانیث لفظی کے سبب بننے کے لیے علمیت شرط ہے۔

سوال آپ نے تانیث لفظی کے لیے علمیت کی شرط لگائی ہے۔ حالانکہ ظُلْمَۃٌ میں علمیت نہیں مگر تانیث موجود ہے۔

جواب علمیت کی شرط وجود تانیث کے لیے نہیں بلکہ تاثیر کے لیے۔ اسی طرح معترض صاحب یاد رکھیں کہ غیر منصرف کے اسباب میں جو شرطیں ہیں وہ تاثیر اور سبب بننے کے لیے ہیں موجود ہونے کے لیے نہیں۔

سوال تانیث بالتاء کے لیے علمیت کی شرط کیوں لگائی۔

جواب وجہ اول تانیث بالتاء عارضی چیز ہے اور ہر عارض محل زوال میں ہوتا ہے جب کہ علمیت کی وجہ سے کلمہ کو تانیث لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ: اَلْاَعْلَامُ لَا تَغَیُّرُ بِقَدْرِ الْاِمْکَانِ۔ علم حتی الامکان تغیر تصرف محفوظ رہتے ہیں۔ مگر ضرورۃ جیسے منادیٰ مرخم میں تغیر ہوتا ہے۔

وجہ ثانی قاعدہ: اَلْعَلَمُ فِیْ حُکْمِ وَضْعٍ ثَانٍ۔ علم گویا کہ کلمہ کی وضع ثانی ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ کلمہ کی جس حروف پر وضع ہو جائے تو وہ حرف کلمہ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب مؤنث بالتاء کو کسی کا عَلَمْ رکھدیا جائے گا تو وہ تاء تانیث اس سے جدا نہیں ہو سکے گی۔

سوال لزوم کو علت غیر منصرف میں اعتبار کرتے ہیں اور علت بناء میں کیوں نہیں۔ حالانکہ مبنی ہونا غیر منصرف سے اقویٰ اور اَعْلیٰ ہے۔ کیونکہ غیر منصرف میں فقط جر اور تنوین سلب ہوتی ہے۔ جب کہ مبنی میں اعراب بالکلیۃ مسلوب ہوتا ہے۔ لہٰذا لا رَجُلَ، اَحَدَ عَشَرَ مبنی نہ ہوں کیونکہ علت بنا عارضی ہے۔

جواب علت بناء امثلہ مذکورہ میں اقویٰ ہے اگرچہ تنہا ہے۔

ومعنوی کذلک تانیث معنوی کو تشبیہ دی گئی ہے تانیث لفظی کے ساتھ اشتراط علمیت میں یعنی علم دونوں کے لیے شرط ہے مگر فرق ہے۔

سوال جب تانیث لفظی اور معنوی دونوں کے لیے علمیت شرط ہے تو پھر دونوں کو علیحدہ کیوں ذکر کیا اکٹھا ذکر کر دیتے۔

جواب دونوں میں فرق تھا کہ تانیث لفظی میں علمیت وجوب منع صرف کے لیے شرط تھی اور تانیث معنوی میں جواز منع صرف کے لیے اس لیے دونوں کو جدا جدا ذکر کیا۔

وشرط تحتم تأثیرہ الزیادۃ علی الثلاثۃ او تحرک الاوسط او العجمۃ تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کے لیے احد الامورِ الثلاثہ شرط ہے۔ کہ کلمہ زائد علی الثلاث ہو یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو یا عجمہ ہو۔

سوال تانیث معنوی میں وجوب تاثیر کے لیے علمیت کے علاوہ احد الامور الثلاثہ کیوں شرط قرار دیے گئے۔ اور تانیث لفظی کے لیے کیوں نہیں۔

جواب اگر تانیث معنوی میں ان امور کو شرط قرار نہ دیا جائے تو کلمہ ثلاثی ساکن الاوسط عربی ہوگا جس میں کمالِ خِفّت ہوگی جب کہ غیر منصرف کے اسباب کے لیے قوی اور ثقیل ہونا ضروری تھا اس لیے ان امور کی شرط لگادی تا کہ ثِقل وقُوّۃ پیدا ہو جائے امر اول سے ثقل اس طرح ہے کہ حرف رابع قائم مقام تاء تانیث لفظی کے ہوگا امر ثانی سے اس طرح کہ حرکۃ الاوسط حرف رابع کے قائم مقام

ہوگا امر ثالث سے اس طرح کہ عجمیوں کی زبان عربیوں کے لیے مشکل اور ثقیل ہوتی ہے۔

فَهِنْدٌ يَجُوْزُ صَرْفُهُ وَزَيْنَبُ وَسَقَرُ وَمَاهُ وَجُوْرُ مُمْتَنِعٌ

شرائط مذکورہ پر تفریع کا بیان هِنْدٌ کو منصرف پڑھنا جائز ہے کیونکہ وجوبی شرط احد الامور الثلاثہ میں سے کوئی نہیں۔ البتہ غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ دو سبب موجود ہیں تانیث معنوی، علمیت اور زینب سَقَرَ ماہ جور کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ ان میں احد الامور الثلاثہ والی شرط وجوبی موجود ہے اول میں زیادہ علی الثلاث اور ثانی یعنی سقر میں متحرک الاوسط اور ثالث یعنی ماہ وجور میں عجمہ ہے۔

فَإِنْ سُمِّيَ بِهِ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهُ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ تانیث معنوی کے لیے احد الامور الثلاثہ اس وقت شرط ہے جب مونث کا علم ہو اگر کسی مذکر کا علم ہو تو پھر فقط یہ شرط ہے (احد الامور الثلاثہ) کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ مذکر کے علم ہونے سے تانیث بالکل ختم ہو گئی۔ لہٰذا منع الصرف کے لیے شرط قوی کی ضرورت تھی۔ اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ زائد علی الثلاث ہو۔ اس لیے حرف رابع نائب ہے تاء تانیث کا بخلاف تحرک الاوسط کے۔ یہ تو نائب النائب ہے کیونکہ یہ نائب ہے حرف رابع کے اور حرف رابع نائب ہے تاء تانیث کے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا اس طرح عجمہ بھی سبب ضعیف ہے اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔

فَقَدَمٌ مُنْصَرِفٌ وَعَقْرَبُ مُمْتَنِعٌ ماقبل کی شرط پر تفریع کہ قَدَمٌ جو کہ اپنے معنی جنسی آلۃ المشی کی وجہ سے مؤنث سماعی معنوی ہے۔ اگر یہ کسی مذکر کا علم رکھدیا جائے تو منصرف ہوگا۔ کیونکہ تانیث بالکلیۃ ختم ہو گئی۔ نہ تو حقیقتاً باقی ہے کیونکہ مذکر کا علم بن گیا اور نہ حکماً۔ کیونکہ حرف رابع نہیں جو نائب ہو تاء تانیث کا۔

عقرب اپنے معنی جنسی کی وجہ سے مؤنث معنوی ہے۔ اگر یہ کسی مذکر کا علم رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہوگا اس لیے کہ شرط موجود ہے کہ حرف رابع قائم مقام ہے تانیث کے لہٰذا حکماً تانیث باقی ہے۔

تحقیق مقام: مصنف نے تو ایک شرط ذکر کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے تین شرطیں اور بھی ہیں۔

شرط اول اس میں تانیث حقیقی ہو تاویلی نہ ہو۔ احترازی مثال: کِلَابٌ۔ یہ بتاویل جماعۃ مونث معنوی ہے اور زائد علی الثلاث بھی ہے۔ مگر غیر منصرف نہیں کیونکہ مؤنث تاویلی ہے حقیقی نہیں۔

شرط ثانی وہ تانیث مذکر سے منقول نہ ہو۔ یعنی پہلے مذکر پھر مؤنث پھر مذکر کا علم ہو جائے، تو

اس تانیث کا کوئی اعتبار نہیں، یہ تانیث علمین مذکرین کے درمیان واقع ہے۔ بمنزل طہر متخلل کے جس طرح اس کا اعتبار نہیں اسی طرح اس کا اعتبار بھی نہیں۔

شرط ثالث اُس کلمہ تانیث کا مذکر میں استعمال نہ ہو۔ پھر اس کی چار صورتیں ہیں۔

❶ اس کلمہ تانیث کا مذکر میں استعمال غالب ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غیر مُنصرف پڑھنا ناجائز ہے۔

❷ مذکر اور مؤنث دونوں میں استعمال برابر ہو۔ اس کو غیر مُنصرف پڑھنا جائز ہے۔

❸ مؤنث میں استعمال غالب ہو۔ اس کو غیر مُنصرف پڑھنا اولی ہے۔

❹ فقط مؤنث میں ہی استعمال ہو تو اس کو غیر مُنصرف پڑھنا واجب ہے۔

چوتھا سبب معرفہ

اَلْمَعْرِفَةُ شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً

اسباب منع صرف میں سے سبب رابع معرفہ کا بیان ہے۔

سوال معرفہ کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ معرفۃ تو ذات معین کو کہا جاتا ہے جب کہ اسباب از قبیل اوصاف ہیں۔

جواب المعرفۃ مصدر میمی ہے بمعنی التعریف کے اور تعریف وصف ہے۔

جواب معرفۃ محل ہے اور تعریف حال ہے یہ : مِنْ قَبِيْلِ ذِكْرِ الْمَحَلِّ وَاِرَادَةُ الْحَالِ ہے۔

سوال (اَنْ) کے دخول کی وجہ سے کونہا کی تاویل میں ہے اور علمیت میں یاء و تاء مصدریت کی ہے جو کہ کون کے معنی میں ہے اب حاصل عبارت یہ ہوگی شرطھا کونُھا کونُھا علماً

اس پر سوال ہوگا کہ کون کا تکرار لازم آتا ہے۔

جواب (تسلیمی) : علمیت میں یاء اور تاء مصدریت کی ہے لیکن کون اول سے مراد جنس ہے اور کون ثانی سے مراد نوع یعنی جنس تعریف کے لیے شرط یہ ہے کہ نوع علم سے ہو۔ کیونکہ تعریف جنس ہے جس کے لیے مُتعدد انواع ہیں۔

جواب (انکاری) : کہ علمیت میں یاء نسبت کی ہے مصدریت کی نہیں۔ ای شرطھا اَنْ تکونَ منسوبۃً الی العَلَمِ۔

سوال معرفہ کے سبب بننے کے لیے علمیت کو کیوں شرط قرار دیا باقی اقسام سبب کیوں نہیں بن سکتے۔

جواب معرفہ کے باقی اقسام میں سبب بننے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ مضمرات، اشارات، موصولات یہ مبنی جب کہ غیر منصرف معرب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک ضد دوسری ضد کا سبب نہیں بن سکتی اور تعریف باللام اس تعریف بالاضافۃ غیر منصرف کو منصرف بنا دیتی ہیں تو غیر منصرف کا سبب کیسے بن سکتے ہیں باقی رہا معرفہ بالنداء وہ اگر مفرد معرفہ ہے تو مبنی اگر مضاف یا شبہ مضاف ہو تو معرَّف بالاضافۃ میں داخل ہوگا اگر نکرہ ہو تو ویسے خارج۔ لہٰذا فقط علمیت ہی ایک ایسا قسم تھا جو غیر منصرف کا سبب بن سکتا تھا۔

سوال جب علمیت ہی سبب بنتا تھا تو پھر عنوان بھی العلمیۃ کا قائم کرنا چاہیے تھا تاکہ اختصار ہو جاتا۔ اور نیز کافیہ کی اپنے ماخذ مفصل سے موافقت بھی ہو جاتی۔

جواب تمام اسباب منع صرف دوسری چیز کی فرع تھے اور معرفہ کا فرع ہونا نکرہ سے یہ اظہر ہے بنسبت علمیت کے اس لیے علمیت فرع ہے نکرہ کی بواسطہ معرفہ کے اسی بناء پر المعرفہ کو سبب قرار دیا تاکہ اس کی فرعیت واضح ہو جائے۔

پانچواں سبب عجمہ

اَلْعُجْمَۃُ اسباب منع صرف میں سے سبب خامس عجمہ ہے۔ عجمہ کی تعریف کہ غیر عربی لفظ ہو اور عربی میں استعمال ہو۔

سوال عجمہ کو غیر منصرف کے اسباب سے شمار کرنا غلط ہے اس لیے کہ عجمہ تو ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا اور عجمہ بایں معنی عین اسم ہے حالانکہ اسباب منع صرف تو اوصاف ہیں نہ مِنْ قَبِیْلِ الذَّوَات۔

جواب یہاں عجمہ کا معنی کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہٗ غَیْرُ الْعَرَبِ یعنی کسی لفظ کا ان الفاظ میں سے ہونا جن کو غیر عرب نے وضع کیا ہو اور عجمہ بایں معنی اوصاف سے ہے۔

شَرْطُہَا اَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعُجْمَۃِ عجمہ کی تاثیر کے لیے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط: عجمی زبان میں علم ہو۔

سوال عجمہ کے سبب بننے کے لیے علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب عرب کی عادۃ ہے کہ جس لفظ کا تلفظ دشوار سمجھتے ہیں اس میں تغیر و تصرف کر دیتے ہیں حتی کہ عربی لفظ کیوں نہ ہو اور عجمی لفظ جب عربیت کی طرف منتقل ہو تو یہ بھی ثقیل ہوگا۔ لہٰذا اس کو تغیر و تصرف سے محفوظ رکھنے کے لیے علمیت کی شرط لگادی تاکہ ثقل باقی رہے کیونکہ اعلام حتی الامکان تغیر و تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں۔

سوال آپ نے عجمہ کے لیے شرط لگائی کہ عجمی زبان میں علم ہو تو قالُون عجمی زبان میں علم نہیں بلکہ فی لغۃ الروم ہر عمدہ اور کھری چیز کو کہتے ہیں۔ پھر جب عربیت کی طرف منتقل ہوا تو علم بن گیا جو کہ ایک قاری کا نام ہے۔ اس قالون کو مُنصرف ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ غیر مُنصرف ہے۔

جواب علمیت میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً عجمہ میں علم ہو۔ جیسے ابراھیم یا حُکماً علم ہو۔ جیسے: قالون۔ اور حُکماً علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عجمہ میں تو علم نہ تھا مگر عرب نے جب اس کو نقل کیا تو بغیر کسی تغیّر اور تصرف کے کسی کا علم رکھ دیا چونکہ جس طرح علم حقیقی تغیّر و تبدل سے محفوظ ہوتا ہے' اسی طرح یہ بھی محفوظ ہے اور اس کا ثقل باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عجمہ کے علم ہونے کی تین صورتیں ہیں: ❶ عجمہ میں علم تھا اور بوقت انتقال بھی علم۔ جیسے: ابراھیم۔

❷ عجمہ میں علم نہ تھا مگر انتقال الی العرب کے وقت بغیر تغیّر تبدل کے علم رکھ دیا گیا ہو۔

❸ نہ عجمہ میں علم ہو اور نہ ہی بوقتِ انتقال کے علم ہو بلکہ تغیّر و تصرف کے بعد علم رکھدیا جائے۔ جیسے: لجام یہ سبب نہ بنے گا۔ اور مُنصرف ہوگا۔ اور پہلی دونوں صورتوں میں سبب بن کر غیر مُنصرف ہوگا۔

فائدہ تکرار کون والا سوال یہاں پر بھی وارد ہوگا۔ مگر المعرفہ میں تو جواب دو دیے تھے۔ یہاں پر فقط ایک جواب ہوگا کہ یاء نسبت کی ہے۔ باقی رہا دوسرا جواب یاء تاء مصدریہ والا۔ وہ جواب یہاں نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ماقبل میں معرفہ کی انواع تھیں' جب کہ یہاں عجمہ کی کوئی نوع نہیں۔

وَتَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ عجمہ کے سبب بننے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ اَحَدُ الْاَمْرَيْنِ ہو۔ ثلاثی متحرك الاوسط ہو یا تین حرفوں سے زائد ہو۔

سوال عجمہ کے لیے احد الامرین کی شرط کیوں لگائی؟

جواب عجمہ میں یہ ثقل اعتباری چیز ہے جب کہ غیر مُنصرف کے اسباب کے لیے قوی ثقل کی ضرورت تھی اس لیے یہ شرط لگادی تاکہ یہ ثقل عقلی درجہ سے نکل کر درجہ محسوس میں آجائے۔

فَنُوحٌ مُنْصَرِفٌ وَشَتَرُ وَاِبْرَاهِيْمُ مُمْتَنِعٌ نوح یہ شرط ثانی کے انتفاء پر متفرع ہے کہ نوح عجمہ ہے اور علم بھی۔ مگر دوسری شرط نہیں پائی جاتی اس لیے یہ مُنصرف ہے اور شَتَرُ وَ اِبْرَاهِيْمُ یہ شرط ثانی کے وجود پر متفرع ہے یعنی یہ غیر مُنصرف ہیں کیونکہ دو سبب پائے جاتے ہیں۔ ❶ عجمہ' ❷ علم۔ شرط ثانی بھی موجود ہے شتر ثلاثی متحرك الاوسط ہے اور ابراھیم زائد علی الثلاث ہے۔

سوال صاحب کافیہ نے شرط اول کے انتفاء پر تفریع کیوں بیان نہیں کی؟

جواب علامہ ابن حاجب کی نوحؒ سے غرض تفریع بیان کرنا نہیں بلکہ ایک مسئلہ اختلافی میں ماھوالمختار کو بیان کرنا ہے۔

مسئلہ اختلافی علامہ جار اللہ زمخشریؒ کا مذہب یہ ہے کہ عجمہ میں فقط علمیت ہو تو اس کو مُنصرف اور غیر مُنصرف پڑھنا جائز ہے۔ جیسے : نوحؑ۔

دلیل علامہ زمخشری عجمہ کو قیاس کرتے ہیں تانیث معنوی پر کہ جس طرح تانیث معنوی میں فقط علمیت ہو تو اس کو مُنصرف اور غیر مُنصرف پڑھنا جائز ہے۔ جس طرح : هِنْدٌ کو مُنصرف اور غیر مُنصرف اسی طرح نوح کو مُنصرف اور غیر مُنصرف پڑھنا جائز ہے

مُصنفؒ اور جمہور کے نزدیک **عجمة** میں فقط علمیت ہو۔ جیسے : نوح اس کو مُنصرف پڑھنا واجب ہے، غیر مُنصرف پڑھنا جائز ہی نہیں۔ اور اس کو تانیث معنوی پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے عجمہ بنسبت تانیث معنوی کے سبب ضعیف ہے۔ کیونکہ عجمہ امر معنوی ہے اس کے لیے لفظوں میں کوئی علامت اور نشانی نہیں اور تانیث معنوی بھی اگرچہ امر معنوی ہے مگر بعض اوقات اس کی علامت لفظوں میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسے : هِنْدٌ کی تصغیر هنیدة میں تاء ظاہر ہو جاتی ہے لھذا عجمہ اور تانیث معنوی میں فرق ہے چونکہ تانیث معنوی بنسبت عجمہ کے سبب قوی تھا اس لیے اس میں فقط علمیت عدم انصراف کے جواز کے لیے کافی ہے اور عجمہ میں کافی نہیں۔

سوال مَاهٌ، جُوْرٌ میں بھی تو عجمہ اور علم ہے اس میں عجمہ کا اعتبار کر کے کیوں غیر مُنصرف پڑھتے ہو؟ جب کہ نوحؑ کی طرح ساکن الاوسط ہیں۔

جواب مَاهٌ و جورٌ میں عجمہ کا اعتبار مستقل سبب ہونے کی حَیثیت سے نہیں بلکہ دوسرے سبب تانیث معنوی کی تقویت کے لیے اعتبار کیا گیا ہے اور ان میں دو سبب ہیں۔ ❶ تانیث معنوی ❷ علمیت۔ موجود ہیں بخلاف نوح کے اس میں عجمہ کے علاوہ دو سبب نہیں اگر عجمہ کا اعتبار کریں تو مستقل سَبَبِیَّت کے اعتبار سے ہوگا جو کہ ساکن الاوسط میں باطل ہے۔

فائدہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور ملائکہ اور اسماء شہور کے لیے تنویر شرح نحو میر دیکھیے۔

اَلْجَمْعُ سبب سادس کا بیان، چھٹا سبب جمع ہے۔

سوال جمع کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ ذات ہے جب کہ اسباب از قبیل اوصاف ہیں۔

جواب یہاں مراد جَمعِیَّةُ الْجَمْعِ ہے جو کہ وصف ہے۔

شَرْطُه صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوع جمع کے سبب بننے کے لیے دو شرطیں ہیں ایک وجودی دوسری سلبی۔ پہلی شرط کہ وہ جمع جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہو جمع منتہی الجموع کا مخصوص وزن یہ ہے کہ پہلے دو حرف مفتوح ہونگے تیسری جگہ الف علامت جمع اقصی پھر الف کے بعد ایک حرف مشدد ہوگا جیسے : دَوَابُّ یا دو حرف ہونگے پہلا مکسور دوسرا حسب عامل۔ جیسے : مَسَاجِدُ یا تین حرف ہوں گے پہلا مسکور دوسرا ساکن تیسرا حسب عامل۔ جیسے : مَصَابِيْحُ۔

سوال جمع کے لیے منتہی الجموع کے وزن کی شرط کیوں لگائی؟

جواب تا کہ جمع تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے اور یہ وزن تغیر و تبدل سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ جمع منتہی الجموع کے بعد اور جمع نہیں بن سکتی اسی وجہ سے تو اس کو جمع اقصی اور منتہی الجموع کہتے ہیں۔

سوال آپ نے کہا منتہی الجموع سے اور جمع نہیں بنائی جا سکتی ہم دکھاتے ہیں کہ صَوَاحِبُ اور اَیَامِنُ جو کہ منتہی الجموع ہیں ان سے صَوَاحِبَات، اَیَامِنُوْن جمع بنائی گئی ہے۔

جواب ہم نے جمع تکسیر کی نفی کی ہے کہ منتہی الجموع سے جمع مکسر نہیں بن سکتی۔ باقی رہی جمع سالم وہ بن سکتی ہے اور مادہ نقض میں بھی جمع سالم بنائی گئی ہے نہ جمع مسکر۔

فائدہ منتھی یہ مصدر میمی ہے اور الجموع سے مراد ما فوق الواحد ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ جمع منتہی الجموع وہ ہے جس پر دو جمع کی انتہاء ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ جمع منتہی الجموع حقیقی جو جمع سے جمع لائی گئی ہو۔ جیسے : اَكَالِبُ جو جمع ہے اَكْلُبٌ کی اور اَكْلُبٌ جمع ہے كَلْبٌ کی۔ ❷ جمع تقدیری یعنی جو مفرد سے لائی گئی مگر وزن وہی ہو۔ جیسے : مَسَاجِدُ جو جمع سے مَسْجِدٌ کی۔ وزن کی تین قسمیں ہیں احقر کی تصنیف املاء الصرف شرح ارشاد الصرف میں ملاحظہ فرمائیں۔

بِغَيْرِ هَاءٍ دوسری شرط سلبی یہ ہے کہ جمع کے آخر میں تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ھا بن جائے۔

سوال جمع میں بغیر ھاءٍ کی شرط کیوں لگائی؟

جواب جو جمع مع الھاء ہو، وہ مفردات کے ہم وزن ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے جمعیت کے قوت میں ضعف آجاتا ہے۔ پھر وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی ہے۔ جیسے : فَرَازِنَةٌ بروزن طَوَاعِيَةٌ و کَرَاهِيَةٌ۔

سوال جس طرح فرازنۃ کو نکالنے کے لیے بغیر ھاء کی شرط لگائی ہے اس طرح مدائنی کو نکالنے کے لیے بغیر یاء النسبۃ کی شرط لگا دیتے۔ کیونکہ مدائنی میں دونوں شرطیں موجود ہیں۔ ❶ وزن صیغہ منتہی الجموع کا ہے اور بِغَيْرِ هَاءٍ بھی ہے لیکن غیر منصرف نہیں۔ جس سے معلوم ہوا ہے

کہ اس کا غیر منصرف نہ ہونا یاءِ نسبت کی وجہ سے ہے۔ تو مصنف کو چاہیے ایک شرط (لغیر یاء النسبۃ) کا اضافہ کر دیتے۔

جواب دو لفظ ہیں۔ ❶ مدائن (لغیر یاء النسبۃ) یہ غیر منصرف ہے اس لیے کہ جمع منتہی الجموع مدینۃ کی جمع ہے۔ ❷ مَدَائِنِیٌّ (مع یاء النسبۃ) یہ منصرف ہے کیونکہ یہ مفرد ہے۔ جمع ہے ہی نہیں لہٰذا مَدَائِنِیٌّ پہلے سے خارج ہے جس کے لیے مزید قید کی ضرورت نہیں۔

وَاَمَّا فَرَازِنَۃٌ فَمُنْصَرِفٌ

سوال اَمَّا میں دو احتمال ہیں۔ ❶ استینافیہ ❷ تفصیلیہ۔ یہاں دونوں نہیں بن سکتے۔ استینافیہ اس لیے نہیں کہ وہ شروع میں ہوتا ہے۔ جب کہ یہ وسط میں ہے' اور تفصیلیہ اس لیے نہیں کہ وہ ماسبق میں اجمال کا مقتضی ہے جب کہ یہاں ماقبل میں اجمال ہی نہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اَمَّا کونسا ہے؟

جواب اَمَّا تفصیلیہ ہے اور ماقبل میں اگرچہ صراحۃً اجمال نہیں مگر ضمناً بغیر ھاءٍ میں موجود ہے کہ جمع دو قسم پر ہے۔ جمع مع الھاء اور جمع بغیر الھاء۔

سوال فَرَازِنَۃٌ مبتدا اور منصرف خبر ہے یہاں پر مطابقت تذکیر و تانیث میں نہیں۔

جواب فَرَازِنَۃٌ سے قبل مضاف محذوف ہے اَمَّا نَحْوُ فَرَازِنَۃٍ۔

وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ اس عبارت سے علامہ ابنِ حاجب سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال حضاجر بجو کا علم ہے علمیت کی وجہ سے جمعیت باطل ہو گئی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جمعیت اور علمیت میں تضاد ہوتا ہے اب اس میں وزن تو باقی ہے مگر جمع نہیں لھذا اس کو منصرف ہونا چاہیے حالانکہ یہ غیر منصرف ہے۔

جواب جمع کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ جمع اصلی ❷ جمع حالی۔ حضاجر اگرچہ جمع حالی نہیں مگر جمع اصلی ہے۔ کیونکہ یہ جمع حِضَجْرٌ کی حِضَجْرٌ بجو کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اصل کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

سوال اس تکلف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود تو غیر منصرف پڑھنا ہے وہ تو ایک اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں دو سبب اور موجود ہیں۔ ❶ علمیت ❷ تانیث۔

جواب حضاجر کا اطلاق فردِ واحد پر بھی اور افراد کثیرہ پر بھی اول صورت میں معرفہ ہے اور ثانی میں نکرہ اب اگر علمیت کا اعتبار کیا جائے تو اول صورت میں غیر منصرف ہو گا اور ثانی میں منصرف حالانکہ حضاجر ہر صورت میں غیر منصرف ہے۔ اس لیے علمیت کا اعتبار نہیں کرتے۔

سوال جب جمع اصلی کا اعتبار ہے تو اصل کی شرط لگا دیتے شَرْطُهٗ اَنْ یَّكُوْنَ فِي الْاَصْلِ کہہ دیتے جیسا کہ وصف میں کہا۔

جواب اگر یہ شرط لگا دیتے تو کوئی سمجھ سکتا تھا جس طرح وصف کی دو قسمیں ہیں: ● وصف اصلی حقیقی ❷ وصف عارضی۔ اسی طرح جمع کی دو قسمیں ہیں جمع حقیقی، جمع عارضی حالانکہ جمع کی یہ قسمیں نہیں اس لیے یہ شرط نہیں لگائی۔

وَسَرَاوِيْلُ اِذَا لَمْ يُصْرَفْ وَهُوَ الْاَكْثَرُ فَقَدْ قِيْلَ اَعْجَمِيٌّ حُمِلَ عَلٰى مُوَازِنِهٖ وَ قِيْلَ عَرَبِيٌّ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيْرًا یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال پہلے تو آپ نے تاویل کر کے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں۔ ● جمع اصلی اور ❷ جمع حالی بنا کر جان چھڑالی لیکن سراویل تو نہ حالاً جمع ہے اور نہ اَصلاً بلکہ مفرد ہے شلوار کو کہتے ہیں پھر آپ اس کو غیر منصرف کیوں پڑھتے ہو۔

جواب سَرَاوِيْلُ کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے عند البعض مُنصرف ہے۔ اس مذہب پر تو سرے سے اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔ عند الجمہور غیر مُنصرف ہے، اس پر اشکال مذکورہ وارد ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں نحاۃ کے دو گروہ ہیں: ● سیبویہ اور اس کے متبعین کے نزدیک یہ لفظ عجمی ہے اور کلام عرب میں اس کے جتنے ہم وزن کلمے تھے وہ سب غیر منصرف پڑھے جا رہے تھے۔ اس کو بھی ان اوزان پر محمول کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھ دیا ہے یعنی حمل علی النظائر کی وجہ سے۔ ❷ مُبَرّد اور اس کے متبعین کے نزدیک یہ لفظ عربی ہے جمع کی دو قسمیں ہیں: ● جمع حقیقی ❷ جمع تقدیری (جس کا مفرد موجود نہ ہو مگر فرض کرلیا گیا ہو) اور یہ جمع تقدیری ہے اس کا مفرد سِرْوَالَةٌ فرض کیا گیا ہے۔

فائدہ ملا عصام نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو پڑھایا تو اس نے اشکال کیا کہ مبرد سیبویہ کی طرح حمل علی الموازن کیوں نہیں مانتے میں نے جواب دیا کہ سیبویہ تو عجمی لفظ مانتے ہیں اور عجمی زبان کا لفظ عربی میں بمنزل مسافر کے ہے اور مسافر مقیم کے تابع ہو سکتا ہے اس میں حمل علی الموازن تو ہو سکتا ہے مگر مبرد تو اس کو عربی مانتا ہے جو کہ خود اصل ہے متوطن ہے اس میں تبعیت اور حمل علی الموازن نہیں کیا جا سکتا۔

سوال آپ نے کہا کہ منصرف پڑھنے والوں پر اس کا اشکال وارد نہیں ہوگا یہ درست نہیں۔ کیونکہ جب فَرَازِنَةٌ مفردات کراھیة کی مشابہت کی وجہ سے پڑھا جا سکتا ہے، تو سراویل کو جمع مصابیح کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے غیر منصرف کیوں نہیں پڑھا جا سکتا؟ یہ اشکال ان پر وارد

ہوگا جو اس کو عربی لفظ مانتے ہیں۔

جواب سراویل کو فرازنة پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ فرازنة کو منصرف پڑھنے سے اصل کے ساتھ دو طرح کی موافقت ہوتی ہے ایک موافقت تو یہ ہے کہ قاعدہ کہ فرع کو اصل کے مشابہ اور تابع ہوتا ہے اور فرازنة جمع ہے اور جمع فرع ہوتی ہے مفرد کی جب منصرف پڑھا جائے گا تو اصل کے موافقت ہو جائے گی اور دوسری موافقت ہوگی یہ کلمہ کا منصرف پڑھنا اصل ہے جب اس کو منصرف پڑھا جائے گا تو دوسرا موافق اصل کام ہو جائے گا بخلاف سراویل کے جو کہ مفرد ہے اور قوی اور اصل ہے۔ جب اس کو غیر منصرف پڑھا جائے گا تو اصل اور قوی کی مشابہت ہو جائے گی ضعیف اور فرع کے ساتھ یہ ایک خلاف اصل کام ہو جائے گا (اس کو غیر منصرف پڑھنا خلاف اصل ہے) یہ دوسری مخالفت ہو جائے گی۔

وَنَحْوُ جَوَارٍ كَقَاضٍ ماقبل میں حضاجر اور سراویل کا حکم بیان تھا جس میں وزن ہو اور جمع نہ ہو اب اس لفظ کا حکم بیان کر رہے ہیں جس میں جمعیت تو ہو مگر وزن نہ ہو۔ اس عبارت میں جمع منتہی الجموع کے ایک مسئلہ کا بیان ہے جوار کے ساتھ (نحو) کا لفظ لا کر قاعدہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ جمع منتہی الجموع منقوص (ناقص) جو فَوَاعِلُ کے وزن پر ہو خواہ ناقص واوی ہو یا ناقص یائی حالت رفعی اور جری میں قَاضٍ کی طرح ہے۔ جس طرح قَاضٍ میں حالت رفعی و جری میں یاء ساقط ہو جاتی ہے اور ماقبل والے حرف پر تنوین آ جاتی ہے۔ اسی طرح (جَوَارٍ) میں ہوگا۔ مگر حالت نصبی ایک جیسی نہیں کیونکہ قاض وہی اور (جوارٍ) میں یاء پر نصب آئے گی اور بوجہ عدم انصراف تنوین نہیں آئے گی۔

سوال جوار کو قاض کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں اس لیے قاض کا وزن فاعل ہے اور جوار کا فَوَاعِلُ۔

جواب یہ تشبیہ فی الحکم ہے یعنی ہر جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو اس کا حکم رفعی اور جری حالت میں قاض جیسا ہے۔

سوال یہ تشبیہ فی الحکم بھی درست نہیں۔ کیونکہ قاض کا حکم تو انصراف ہے بالاتفاق جب کہ جوارٍ کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے۔

جواب یہ تشبیہ فی الحکم بحسب الصورة ہے۔ یعنی یہ تشبیہ انصراف عدم انصراف میں نہیں بلکہ بحسب الصورة ہے۔

سوال یہ تشبیہ فی الحکم بحسب الصورة بھی درست نہیں جو کہ واضح ہے۔

جواب یہ تشبیہ فی الحکم بحسب الصورۃ حذف یاء اور ادخال تنوین میں ہے۔

تحقیق مقام: ہر جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو حالت نصبی میں بالاتفاق غیر مُنصرف ہے۔ کیونکہ صیغہ منتہی الجموع ہے۔ لیکن حالت رفعی و جری میں اس کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے۔ اس میں کل تین مذہب ہیں: ❶ زجاج اور اس کے مُتبعین، ❷ سیبویہ اور مُتبعین، ❸ کسائی۔ اس اختلاف کا مدار ایک اور اختلاف پر ہے وہ اختلاف یہ ہے کہ آیا اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف و عدم انصراف پر یا انصراف عدم انصراف مقدم ہوتا ہے اعلال پر اس میں نحاۃ کے دو گروہ ہیں۔

ایک طبقہ کے ہاں اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف و عدم انصراف پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ اعلال کا تعلق کلمہ کی ذات سے ہوتا ہے اور انصراف و عدم انصراف کا کلمہ کے صفات اور احوال سے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جس طرح ذات مقدم ہوتی ہے صفات پر اسی طرح مُتعلق بالذات مقدم ہوگا مُتعلق بالحال پر۔ لہٰذا اعلال مقدم ہو انصراف عدم انصراف پر۔

دوسرے طبقہ کے نزدیک انصراف و عدم انصراف مقدم ہے اعلال پر۔

دلیل یہ دیتے ہیں کہ اولاً کلمہ کا تلفظ کیا جاتا ہے۔ ثانیاً دیکھا جاتا ہے کہ یہ کلمہ اعلال کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ تلفظ انصراف و عدم انصراف کے اعتبار سے ہوگا۔ لہٰذا جب تلفظ مقدم ہے تو انصراف و عدم انصراف بھی مقدم ہوگا۔ جن کے نزدیک اعلال مقدم ہوتا ہے ان میں پھر دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: زجاج اور اس کے مُتبعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ جمع منقوص جَوَارٍ حالت رفعی و جری میں مُنصرف ہے۔

دلیل یہ ہے کہ بعد از تعلیل جمعیت تو ہے لیکن وزن جمع والا نہیں رہا بلکہ مفرد (سَلَامٌ وَکَلَامٌ) کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مُنصرف ہوگا ان کے نزدیک قبل از اعلال بھی مُنصرف اور بعد اعلال بھی مُنصرف اور ہر دونوں صورتوں میں تنوین تمکن ہوگی باقی رہی یہ بات قبل اعلال کیوں مُنصرف ہے اس لیے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے۔

دوسرا مذہب سیبویہ اور اس کے مُتبعین کا کہ قبل از اعلال تو مُنصرف ہے کیونکہ اصل اسماء میں انصراف ہے مگر بعد از اعلال غیر مُنصرف ہے۔

دلیل یاء مقدر اور مقدر بمنزل ملفوظ کے ہوتا ہے گویا کہ یاء لفظوں میں موجود ہے۔ لہٰذا وزن جمع موجود ہے اس لیے غیر مُنصرف ہوگا باقی رہی یہ بات کہ مقدر کے ملفوظ ہونے پر کیا دلیل

ہے؟ حضرت صاحب اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اعراب کا جاری نہ ہوتا ورنہ حالت رفعی میں (جوارٌ) پڑھا جاتا' لہٰذا ان کے نزدیک قبل از اعلال تنوین تمکن کی اور بعد اعلال تنوین عوض ہے' عند المبرد عوض عن حرکۃ الیاء اور عند سیبویہ و خلیل عوض عن الیاء سیبویہ اور زجاج کے مذہب میں فرق ہے توجہ کریں۔

تیسرا مذہب امام کسائی کا ہے کہ انصراف و عدم انصراف مقدم ہوتا ہے اعلال پر ان کا مذہب یہ ہے کہ جَوَارٍ حالتِ جری تو حالتِ نصبی کی طرح ہے کہ جس طرح حالتِ نصبی میں غیر مُنصرف اسی طرح حالتِ جری میں بھی غیر مُنصرف ہے جس میں جر ساتھ نصب کے پڑھی جائے گی صورت بجوارِیَ چونکہ (ی) پر فتحہ ثقیل نہیں اس لیے اعلال نہیں کریں گے۔ باقی رہی حالتِ رفعی یہ قبل از اعلال غیر مُنصرف ہے۔ اس لیے کہ صیغہ اور وزن جمع موجود ہے پہلے دو مذہبوں میں حالتین میں تعلیل ہوگی اور اس مذہب میں فقط حالت واحدہ پر۔

تعلیل علی المذهبین الاولین : جوارُیُ ضمہ یاء ثقیل تھا۔ یدعو یرمی والے قانون سے اس کو حذف کیا پھر التقاء ساکنین پہلا مدہ تھا اس کو حذف کیا جَوَارٍ ہو گیا۔

تعلیل علی المذهب الثالث : جوارُیُ ضمہ کو حذف کیا اس کے عوض تنوین لائے پھر التقاءِ ساکنین **الخ**

فائدہ محذوف اور مقدر میں فرق یہ ہے کہ محذوف لفظوں اور نیت دونوں میں ساقط ہو جاتا ہے اور مقدر نیت میں باقی اور لفظ میں ساقط ہوتا ہے پھر محذوف کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ● علی الدوام ساقط ہو۔ جس کو نسیا منسیًا کہتے ہیں۔ جیسے : یَدٌ دَمٌ۔ ● لا علی الدوام بلکہ اعلال موجود ہے تو ساقط ورنہ نہیں۔ جیسے : قَاضٍ دَاعٍ۔

ساتواں سبب ترکیب

تشریح اسباب منع صرف میں سے سبب سابع کا ذکر ہے۔

سوال رَکَّبَ یُرَکِّبُ تَرْکِیْبًا تو متکلم کی صفت ہے۔ حالانکہ اسباب منع تو اوصاف اسم کے قبیل سے ہیں لہٰذا اس کو سبب شمار کرنا درست نہیں۔

جواب ترکیب کا لغوی معنی جوڑنا' ملانا اور اصطلاحی معنی هُوَ صَیْرُوْرَةُ کَلِمَتَیْنِ اَوْ اَکْثَرَ کَلِمَةً مِنْ غَیْرِ حَرْفِیَّةِ جُزْءٍ دو یا دو سے زائد کلموں کا ایک کلمہ ہو جانا بشرطیکہ کسی اسم کا کوئی حرف جزء نہ ہو لہٰذا النجم اور بصری سے اشکال نہ ہوگا اور ترکیب بایں معنی اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں۔

سوال ترکیب کی یہ تعریف جامع نہیں ترکیب توصیفی۔ اسنادی' اضافی میں دو کلمے ایک نہیں

ہوتے۔ کما سیجیئ

جواب بالقوۃ مراد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بوقت علمیت اور اسم جنس ایک کلمہ ہوجانے کی صلاحیت ہے۔

جواب التركیب پر الف لام عہد خارجی ہے یہاں پر وہ ترکیب مراد ہے جو کہ از قبیل اسباب منع ہے۔ لہٰذا یہ تعریف تراکیب مذکورہ پر صادق نہیں آتی تو کوئی حرج نہیں۔

سوال پھر اشتراط علمیت کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ ایک کلمہ ہونا علمیت میں بند ہے۔

جواب حصر ممنوع ہے۔ کیونکہ ممکن ہے اولاً معنی جنسی کی طرف یا معنی علمی کی طرف نقل کیا جائے پھر معنی جنسی نقل کیا جیسا کہ تنکیر علم کے وقت ہوتا ہے اگر حصر تسلیم بھی کرلیا جائے پھر جواب یہ ہوگا کہ علمیت شرط تحقق اور ثبوت ہے نہ کہ قید ترکیب۔

شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ ترکیب کا غیر مُنصرف کے سبب بننے کے لیے دو شرطیں۔ ① وجودی، ② سلبی۔ پہلی شرط علمیت ہے۔

سوال ترکیب کے سبب بننے کے لیے علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب ترکیب ایک عارضی چیز ہے۔ اس لیے کہ اصل کلمات میں یہ ہوتا ہے کہ ہر کلمہ بلا ترکیب استعمال ہو کیونکہ ہر کلمہ کی وضع علی الانفراد ہے لہٰذا یہ ترکیب عارضی ہوئی۔ اور قاعدہ: اَلْعَارِضُ فِيْ مَحَلِّ الزَّوَالِ اس لیے اس کو تغیر و تبدل سے محفوظ رکھنے کے لیے علمیت کی شرط لگادی۔

وَاَنْ لَّا يَكُوْنَ بِاِضَافَةٍ وَّلَا اِسْنَادٍ دوسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اضافی اور ترکیب اسنادی نہ ہو۔

سوال مرکب اضافی غیر مُنصرف کا سبب کیوں نہیں بن سکتی؟

جواب علیٰ مذہب الجمہور ترکیب اضافی غیر مُنصرف کو مُنصرف بنا دیتی ہے۔ اور علیٰ مذہب المصنف مُنصرف کے حکم میں کردیتی ہے۔ تو یہ ترکیبِ اضافی غیر مُنصرف کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔

سوال ترکیبِ اسنادی کیوں سبب نہیں بن سکتی۔

جواب ترکیب کے لیے علمیت شرط ہے اور قاعدہ ہے کہ وہ اعلام جو مشتمل علی الاسناد ہوں وہ من قبیل المبنیات ہوتے ہیں جب یہ مبنی ہیں تو غیر مُنصرف کا سبب کیسے بن سکتے ہیں؟

سوال اعلام مشتملہ علی الاسناد من قبیل المبنیات کیوں ہوتے ہیں؟

جواب مرکب اسنادی کو جب کسی کا علم رکھا جائے تو وہاں مقصود ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اگر اس کو معرب پڑھا جائے تو اختلاف اعراب کی وجہ سے تغیر آجائے گا جس سے

واقعہ غریبہ پر دلالت ختم ہوجائے گی اس لیے اس کو مبنی قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً: تَأَبَّطَ شَرًّا۔ **تابط** فعل ضمیر فاعل اور **شرا** مفعول، جس کا معنی اس نے بغل میں شر کو چھپایا۔ پھر یہ کسی شخص کا علم رکھدیا گیا۔ واقعہ خاص یہ ہے کہ ایک شخص لکڑیوں کی گٹھڑی لے کر گھر آیا بیوی نے کھولا تو اس سے سانپ نکل آیا اس پر بیوی نے یہ جملہ تأبط شرا بولا پھر اسی کا نام مشہور ہو گیا۔ اب ہر شریر کو کہا جاتا ہے۔

سوال ترکیب کی چھ قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شعر ہے:

بود ترکیب نزد نحویاں شش
اضافی داں تو تعدادی و مزجی
ہم اسنادی و توصیفی و صوتی
بیادش گیر اگر خائف ز فوتی

سوال ان چھ اقسام میں سے فقط مرکب منع الصرف سبب ہے باقی پانچ کی نفی کرنی چاہیے تھی جب کہ آپ نے اسنادی اور اضافی ان دو کی نفی کی ہے لیکن توصیفی، بنائی، صوتی ان تین کی نفی کیوں نہیں کی۔

جواب مرکب اضافی کی نفی میں توصیفی بھی داخل ہے اس لیے کہ دونوں میں جز ثانی اول کی قید ہے اور اسنادی کی نفی میں بنائی اور صوتی داخل ہے اس لیے کہ یہ بھی از قبیلِ مبنیات ہیں۔

مِثلُ بَعلَبَكّ بَعلَبَكّ یہ غیر مُنصرف ہے۔ کیونکہ اس میں دو سبب ہیں۔ ① ترکیب ② علمیت۔

سوال فاضل سمرقندی کہتے ہیں بعلبك جب شہر کا علم ہے۔ تو اس میں دو سبب علمیت اور تانیث ہیں۔ لہٰذا ترکیب کی مثال بننا ظنی ہے، قطعی نہیں۔

جواب مولانا عبد الرحمٰن صاحب کا جواب ہے کہ تانیث غیر مُعتبر ہے اس لیے کہ اگر کسی رجل کا علم رکھا جائے تب بھی غیر مُنصرف ہے۔ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے۔

جواب اسماء کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ بتاویل: بَلدَةٌ، اَرضٌ غیر مُنصرف ہوتے ہیں اور بتاویل مکان مُنصرف اگر تانیث کا اعتبار ہوتا تو جب یہ مکان کی تاویل میں ہوتا تو مُنصرف ہونا چاہیے حالانکہ یہ ہر صورت میں غیر منصرف ہے جس سے معلوم ہوا کہ تانیث غیر مُعتبر ہے اور ترکیب کے لیے یہ مثال قطعی ہے اور یقینی ہے۔

آٹھواں سبب الف نون زائدتان

اَلفُ وَالنُّون غیر مُنصرف کا آٹھواں سبب الف نون زائدتان ہے۔

جواب الف نون میں دو اعتبار ہیں باعتبار ذات کے دو چیزیں اور باعتبار سببیت کے ایک چیز ہے۔ کانتا میں ذات کا لحاظ کر کے مصنفؒ نے اولاً تثنیہ کی ضمیر لا کر بتا دیا کہ الف و نون دو چیزیں ہیں۔ ثانیاً ضمیر مفرد لا کر بتا دیا کہ دونوں سبب واحد بنتی ہیں مگر تاثیر میں ایک وجود۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو نکتہ حسنہ کہا ہے، جب کہ مولانا عبدالنبی صاحب نے اس نکتہ کی تردید کی۔ یہ نکتہ تب درست بنتا ہے جب وجود الالف و النون من حیث الذات مراد ہوں۔ و لیس الامر کذالك بلکہ من حیث السببیت مراد ہے۔

جواب علامہ ابن حاجب نے امالی میں جواب دیا ضمیر مفرد راجع الی الاسم ہے جو مشتمل بر الف و نون ہے لیکن بعض نے اس کو رد کر دیا کہ توجیہ غیر ظاہر اور بعید از فہم متعلمین ہے اس لیے کلام تو شرائط اسباب میں چل رہی نہ کہ شرائط اسم میں۔

اَوْ صِفَةٍ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ وَقِيْلَ وُجُوْدُ فَعْلٰى الف و نون زائد تان کی دوسری صورت اگر صفۃ کے آخر میں ہوں تو ان کے سبب منع الصرف بننے کی شرط میں اختلاف عند البعض اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو اور عند البعض اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر ہو مقصد دونوں مذاہب کا ایک ہے کہ اس کے آخر میں تاء تانیث نہ آئے تا کہ الف نون کی مشابہت الف تانیث کے ساتھ برقرار رہے۔ علامہ ابن حاجب نے دوسرے مذہب کو قیل سے ذکر کر کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ غصبان کی مؤنث غضبی ہے مگر غضبان منصرف ہے۔

سوال صفت کا تقابل اسم کے ساتھ غلط ہے۔ کیونکہ صفت بھی تو اسم ہے۔

جواب اسم تین چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ ❶ فعل اور حرف کے۔ ❷ کنیت، لقب، تخلص۔ ❸ صفت کے مقابلے یہاں پر وہ اسم مراد ہے جو صفت کے مقابلہ میں ہے۔ بعنوان دیگر اسم دو قسم پر ہے۔ ① وہ اسم جو محض ذات پر دلالت کرے جس میں کوئی وصف ملحوظ نہ ہو۔ جیسے : اسم جامد رجل، فرس ② وہ اسم جو ذات پر دلالت کرے اور جس میں کوئی وصف ملحوظ نہ ہو۔ جیسے : اسود۔ ابیض ضارب یہاں پر قسم اول مراد ہے جس کا تقابل صفت سے درست ہے۔

سوال انتفاء فعلانۃ سے فعلانۃ بفتح الفاء مراد ہے یا فعلانۃ بضم الفاء اگر بفتح الفاء مراد ہے تو عریان کو غیر منصرف ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کی مؤنث عریانۃ لضم الفاء اور اگر لضم الفاء مراد ہو تو پھر ندمان کو غیر منصرف ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کی مؤنث ندمانہ بفتح الفاء ہے۔ حالانکہ دونوں منصرف ہیں۔

جواب انتفاء فعلانۃ سے نہ بفتح الفاء مراد ہے نہ بضم الفاء بلکہ مراد یہ ہے کہ تاء تانیث کا داخل

سوال الف نون کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا غلط ہے اس لیے کہ اسباب از قبیل اوصاف ہیں جب کہ الف نون از قبیل الذوات ہے۔

جواب اس الف نون کے دو نام ہیں۔ ● زائدتان کیونکہ یہ زائد ہیں، ❷ مضارعتان کیونکہ ان کی مضارعت و مشابہت ہے۔ الف تانیث کے ساتھ امتناع دخول تاء تانیث میں یعنی دونوں پر تاء تانیث کا دخول ممتنع ہے لہٰذا الف نون میں وصف زیادہ بھی ہے اور وصف مضارعت بھی اب اس میں اختلاف ہے الف نون کسی وصف کے اعتبار سے غیر منصرف کا سبب ہے جس میں دو مذہب ہیں۔

❶ **کوفیین** کے نزدیک وصف زیادۃ کے اعتبار سے سبب ہے۔

❷ **بصریین** کے ہاں وصف مضارعت کے اعتبار سے مولانا جامی نے دوسرے مذہب کو راجح قرار دیا وجہ ترجیح یہ ہے کہ اگر وصف زیادۃ کا اعتبار کریں تو ندمانۃ کو غیر منصرف ہونا چاہیے تھا کیونکہ زیادتی تو موجود ہے تو انتفاء فعلانۃ کی شرط غیر مناسب ہوگی اور مذہب ثانی میں مشابہت بالف تانیث کی وجہ سے بالف نون سبب ہے اس ندمانۃ خارج اور انتفاء فعلانۃ کی شرط مناسب ہو جائیگی۔

الحاصل دونوں مذہبوں کے مطابق انتفاء فعلانۃ سے مراد امتناع دخول تاء تانیث ہے جو کہ وصف مضارعت کے اعتبار سے ہی ہو سکتا ہے۔ بہرحال الف نون وصف کے اعتبار سے غیر منصرف کا سبب ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے۔ لہٰذا یہ من قبیل الاوصاف ہوا۔

إن كانتا في اسم فشرطه العلمية كعمران الف نون کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت الف نون زائدتان کسی اسم کے آخر میں ہوں اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسم علم ہو اور یہ الف نون زائدتان اسم میں فاء کلمہ کی تینوں کے حرکات کے ساتھ مستعمل ہے جیسے عِمران (بکسر الفاء) عُثمان (بضم الفاء) سَلمان (بفتح الفاء) مگر صفت میں بکسر الفاء مستعمل نہیں۔

سوال علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب تا کہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے۔ کما مر۔

فائدہ یاد رکھیں عند البعض علمیت شرط و سبب ہے اور عند البعض علمیت شرط محقق للمشابہت ہے سبب نہیں کیونکہ الف و نون مثل تانیث کے ہے۔

سوال الالف والنون کی طرف دو ضمیر راجع ہیں اول ضمیر تثنیہ کی جو کہ کانتا میں دوم ضمیر مفرد کی جو کہ فشرطه اس کی کیا وجہ ہے۔

ہونا ممتنع ہو۔ کما مر لنزاع عریان، ندمان دونوں منصرف ہیں۔ کیونکہ تاء تانیث داخل ہے۔

ومن ثمہ اختلف فی رحمن دون سکران وندمان ما قبل پر تفریع کا بیان کہ جب شرط میں اختلاف ہے تو لفظ رحمٰن کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے قول اول کے مطابق غیر منصرف ہے اس لیے اس کی مؤنث رحمانۃ نہیں آتی۔ کیونکہ اس کی مؤنث ہے ہی نہیں۔ اور قول ثانی کے مطابق منصرف ہے اس لیے کہ اس کی مؤنث ہی نہیں تو فعلی کے وزن پر کیسے آئے۔

سوال لفظ رحمٰن کو بالاتفاق غیر منصرف ہونا چاہیے اس لیے دونوں سے مقصود انتفاء فعلانۃ ہے۔

جواب مقصود تو یہی ہے۔ مگر کچھ فرق ہے قول اول کے مطابق انتفاء فعلانۃ مطلقاً شرط ہے خواہ دلیل لفظی موجود ہو یا نہ ہو اور قول ثانی میں انتفاء فعلانۃ شرط جس پر دلیل لفظی وجود فعلی اور لفظ رحمٰن میں انتفاء فعلانۃ تو مگر دلیل لفظی وجود فعلی نہیں اس لیے اس میں اختلاف ہے۔ اور سکران بالاتفاق غیر منصرف ہے۔ کیونکہ علی المذہبین شرط موجود ہے کہ اس کی مؤنث سکریٰ آتی ہے اور ندمان بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ علی المذہبین شرط منتفی ہے اس لیے اس کی مؤنث ندمانۃ آتی ہے۔

فائدہ ندمان کے دو معنی ہیں۔ ● ندمان بمعنی ندیم، دوست، ساتھی۔ اس معنی میں بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث ندمانۃ ● ندمان بمعنی نادم پشیمان بایں معنی بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث ندمی آتی ہے۔

نواں سبب وزنِ فعل

وزن الفعل اسباب منع صرف میں نواں سبب اور آخری سبب وزن فعل ہے۔

سوال وزن فعل کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا غلط ہے۔ اس لیے کہ وزنِ فعل تو فعل کی صفت ہے جب کہ اسباب اسم کی صفت ہیں۔

جواب وزن فعل کا معنی کون الاسم علی وزن یعدّ من اوزان الفعل وزن فعل سے مراد اسم کا اپنے وزن پر ہونا جو فعل کے اوزان سے شمار ہوتا ہے۔ اور وزن فعل بایں معنی اسم کی صفت ہے نہ کہ فعل کی صفت ہے۔

شرطہ ان یختص بہ وزن فعل کا غیر منصرف کے سبب کے لیے احد الامرین شرط ہے۔

(١) امر اول اختصاص الوزن بالفعل وہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہو۔

سوال اختصاص الوزن بالفعل سے کیا مراد ہے؟ جس میں دو شقیں ہیں کہ وہ وزن اسم میں پایا جائے گا یا نہیں۔ اگر وہ وزن اسم میں بھی پایا جائے تو اختصاص الوزن بالفعل نہ رہا اور اگر نہ پایا جائے تو وہ غیر منصرف کا سبب کیسے بنے گا؟ کلاھما باطل۔

جواب مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا شق اول مراد ہے باقی رہا یہ اشکال کہ پھر اختصاص بالفعل نہیں ہوگا اس کا جواب یہ ہے یہ اختصاص الوزن بالفعل وضع کے اعتبار سے ہوگا اور اس کے وزن کا اسم میں پایا جانا نقل کے اعتبار سے ہوگا۔

سوال وزن الفعل میں وزن کی اضافت جو فعل کی طرف ہے یہ اضافت لامیہ ہے اور اضافت لامیہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ ایسا وزن جو فعل کے ساتھ مختص ہو۔ لہٰذا اختصاص الوزن بالفعل تو وزن الفعل سے سمجھ میں آرہا ہے تو مابعد میں صاحب کافیہ کا شرطہ ان یختص کا ذکر کرنا لغو اور مستدرک ہے۔

جواب اضافت لامیہ کبھی اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اور کبھی نِسبت کا جیسے زید ابو عمرو۔ اس میں اب کی اضافت عمرو کی طرف محض نسبتی ہے یہاں پر بھی اضافت نِسبت کے لیے ہے یعنی وہ وزن منصوب الی الفعل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اتنی بات غیر مُنصرف سبب بننے کے لیے ناکافی ہے اس لیے فرمایا شرطہ **الخ**

سوال وزن فعل کو غیر مُنصرف کا سبب کیوں بنایا؟

جواب اسم کا فعل کے وزن پر آنے سے ثقل پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سبب بنا کر غیر مُنصرف پڑھا جاتا ہے۔

کَشَمَّرَ وَضُرِبَ شَمَّرَ ماضی معلوم کا صیغہ ہے تشمیر سے ماخوذ ہے بمعنی دامن سمیٹنا یہ وزن مختص بالفعل تھا۔ پھر نقل ہو کر اسم میں آگیا حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا علم بن گیا۔ مناسبت سرعت سیر ہے ضُرِبَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے یہ بھی بہ مختص بالفعل ہے اب کسی شخص کا علم رکھدیا جائے تو منقول الی الاسم ہو کر غیر مُنصرف پڑھا جائے گا۔

سوال آپ نے کہا کہ فعل کا وزن فعل کے ساتھ خاص ہیں یعنی ابتداءً تو فعل میں پائے جاتے ہیں اسم میں نہیں پھر نقل ہو کر اسم میں پائے جاتے ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ یہ وزن ابتداء اسم میں پایا جاتا ہے۔ جیسے : بَقَّمَ (معروف سرخ رنگ) شَلَّمَ (بیت المقدس) کا نام ہے۔

جواب ہماری مراد اختصاص سے یہ ہے کہ وہ وزن لغتِ عربی میں فعل کے ساتھ خاص ہو۔ اور آپ نے جو مثالیں دی ہیں وہ عجمی زبان کے الفاظ ہیں۔

اَوْ يَكُوْنُ فِيْ اَوَّلِهٖ زِيَادَةٌ كَزِيَادَتِهٖ غَيْرُ قَابِلٍ لِلتَّاءِ وزن فعل کا غیر مُنصرف کے سبب بننے کے لیے شرط احد الامرین میں سے امر ثانی کا بیان امر ثانی یہ ہے کہ اگر اختصاص الوزن بالفعل نہ ہو تو پھر شرطیکہ وزن فعل کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف ہو اور آخر میں تاء تانیث نہ ہو۔

سوال عدم دخول تاء کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب تاء متحرکہ اسم کا خاصہ جس سے جہت اسمیت قوی ہوجائیگی جس کی وجہ سے ثقل کم ہوجائے گا تو غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکے گا اس لیے شرط لگائی تا کہ ثقل باقی رہے۔

سوال اَرْبَعٌ کو جب کسی کا علم رکھدیا جائے تو غیر مُنصرف ہوگا علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے حالانکہ وزن فعل کی شرط نہیں پائی جاتی کیونکہ اربع تاء کو قبول کرتا ہے کہا جاتا ہے اَرْبَعَۃٌ رجالٍ اس لیے مُصنّف کو چاہیے تھا غیر قابل للتاء کے بعد قیاسا کی قید لگاتے کیونکہ اربعۃ کی تاء خلافِ قیاس ہے۔

سوال لفظ اَسْوَدُ وصف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر مُنصرف حالانکہ شرط عدمی متحقق نہیں۔ کیونکہ قابل للتاء ہے جیسے کہا جاتا ہے حَیَّۃٌ اَسْوِدَۃٌ اس اغراض سے بچنے کے لیے دوسری قید لگاتے کہ اس اعتبار سے تاء قیاسی کو قبول نہ کرے جس سے اعتبار سے وہ غیر مُنصرف کا سبب ہے۔ کیونکہ جس حَیثیت سے غیر مُنصرف کا سبب ہے وہ ہے وصف اصلی اور وزن فعل اس حَیثیت سے غیر قابل للتاء اس کی مؤنث سوداء اور جس حَیثیت سے تاء کے قابل وہ غلبہ اسمیت کی وجہ سے اس حَیثیت سے غیر مُنصرف کا سبب نہیں۔

جواب مولانا جامی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ نے جواب دیا کہ دونوں قیدیں مراد ہیں مُصنّفؒ نے شہرت کی وجہ سے ذکر نہیں کی۔

وَمِنْ ثَمَّ امْتَنَعَ اَحْمَرُ وَانْصَرَفَ يَعْمَلٌ ماقبل پر تفریع کا بیان۔ احمر چونکہ قابل للتاء نہیں اس لیے غیر مُنصرف ہے اور یعمل قابل للتاء ہونے کی وجہ سے مُنصرف ہے۔

سوال وجود شرط مُستلزم وجود مشروط نہیں۔ جیسے طہارت شرط ہے صلوۃ کے لیے مگر یہ لازم نہیں کہ جب بھی طہارت ہو صلوۃ بھی ہو لہذا اَحْمَرُ میں شرط کے موجود ہوتے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر مُنصرف ہو بلکہ ممکن ہے کہ مُنصرف ہو لہذا امْتَنَعَ اَحْمَرُ کہنا غلط ہوا۔

جواب یہاں شرط سے مراد سبب اور علّت ہے کما ھو دأب النحاۃ۔

سوال يَعْمَلٌ میں زیادتی حرف اتین کی غیر مُسلم ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ فَعْلَلٌ کے وزن پر ہو۔ جیسے : جَعْفَرٌ۔

جواب یہ تسلیم الزیادۃ علی سبیل التنزل ہے یعنی اگر شروع میں زیادتی تسلیم بھی کرلی جائے تب بھی مُنصرف ہے کیونکہ قابل للتاء ہے جس کہ کہا جاتا ہے : ناقۃ یعملۃ

وَمَا فِيْهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ اِذَا نُكِّرَ صُرِفَ لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ اَنَّهَا لَا تُجَامِعُ

مُؤَثِّرَۃً اِلَّا مَا ھِیَ شَرْطٌ فِیْہِ اِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ اسباب منع صرف سے فراغت کے بعد چند ضوابط اور مسائل کو بیان کیا جارہا ہے اس عبارت میں ایک مسئلہ اور ضابطہ کا بیان ہے جس سے قبل ایک فائدہ جان لیں علمیت کا باقی اسباب کے ساتھ چند قسم کا تعلق ہے۔ **اول** تضاد کا یہ ایک سبب وصف کے ساتھ خاص ہے۔

ثانی مجامعۃ غیر مؤثرہ یہ تعلق دو سبب کے ساتھ ہے۔

❶ تانیث بالف مقصورہ و ممدودہ۔ ❷ جمع منتہی الجموع۔

ثالث مجامعۃ مؤثرہ بطور سببیّت کے یہ دو سبب کے ساتھ۔ ❶ عدل ❷ وزن فعل۔

رابع مجامعۃ مؤثرہ بطور سببیّت اور شرطیت کے یعنی علمیت خود سبب بھی بنے اور دوسرے سبب کے لیے شرط بھی ہو یہ تعلق چار اسباب کے ساتھ۔ ❶ تانیث لفظی و معنوی۔ ❷ عجمہ۔ ❸ ترکیب۔ ❹ الف نون زائد تان فی الاسم اب ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثر ہو عام ازیں کہ بطور سببیّت اور شرطیت کے ہو یا فقط بطورِ سببیّت کے ہو تو جب ایسے اسم کو نکرہ بنایا جائے گا تو منصرف ہو جائے گا دلیل اس لیے جس میں باعتبار سببیّت اور شرطیت کے شریک ہو جب اس سے علمیت کو اٹھالیا جائے گا تو کوئی سبب باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ ایک سبب تو علم تھا وہ ختم ہو گیا۔ اور دوسرا سبب کے لیے علمیت شرط تھی، اور قاعدہ ہے : اذا فات الشرط فات المشروط۔ کہ جب شرط ختم ہو گئی ہو تو مشروط جو کہ دوسرا سبب تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ لہذا کوئی سبب باقی نہیں۔ جیسے : طَلْحَۃُ، عِمْرَانُ، ابراھیم بعلبک اور جن میں علمیت باعتبار سبب کے جمع ہو۔ جب اس سے علمیت زائل ہو جائیگی تو ایک علت باقی رہے گی جب کہ غیر منصرف پڑھنے کے لیے دو سبب ضروری ہیں اس لیے یہ بھی منصرف ہو جائے گا۔ جیسے : عمر، احمر

ضابطہ کا حاصل : كُلُّ مَا فِیْہِ عَلَمِیَّۃٌ مُؤَثِّرَۃٌ اِذَا نُكِّرَ صُرِفَ۔

قیاس کا صغریٰ : كُلُّ مَا فِیْہِ عَلَمِیَّۃٌ مُؤَثِّرَۃٌ اِذَا نُكِّرَ بَقِیَ بِلَا سَبَبٍ اَوْ عَلٰی سَبَبٍ وَاحِدٍ۔

کبریٰ : كُلُّ مَا ھٰذَا شَانُہٗ فَھُوَ مُنْصَرِفٌ۔

نتیجہ : فکل ما فیہ علمیۃ مؤثرۃ اذا نکر صرف۔

چونکہ کبریٰ محتاج الی الدلیل نہیں تھا اور صغریٰ محتاج الی الدلیل تھا اس لیے صغریٰ کی دلیل بیان کی کبریٰ کی نہیں۔

تنبیہ ما فیہ علمیۃ یہ قضیہ مُہملہ ہے اور منطقیوں کا ضابطہ ہے کہ قضیہ مہملہ جزئیہ کے حکم

میں ہوتا ہے۔ اب اس سے تو خلاف مقصود لازم آتا ہے۔

جواب مُہملہ کی دو قسمیں ہیں۔ ❁ ۱ ❁ مُہملہ المحاورات۔ ❁ ۲ ❁ مُہملہ العلوم مناطقہ کا ضابطہ مُہملہ المحاورات کے بارے میں ہے۔ جب کہ یہ مهملة العلوم ہے جو کہ کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ قواعد علوم من قبیل الکلیات ہوتے ہیں۔

سوال آپ نے کہا جن میں علمیت باعتبار شرطیت کے شریک ہو اس کو نکرہ بنانے سے کوئی سبب باقی نہیں رہتا حالانکہ نوح میں علمیت بطور شرط کے شریک ہے مگر اس کو نکرہ بنانے سے عجمہ باقی رہتا ہے۔

جواب ہم نے سببیّت کی نفی کی ہے نہ کہ ذات کی اور نوح میں بعد از تنکیر بیشک عجمہ موجود ہے مگر سبب نہیں بنتا۔

سوال اس عبارت میں مستثنیٰ منہ واحد ہے اور مستثنیٰ دو ہیں۔ پہلا استثناء الا ما ھی شرط دوسرا الا العدل و وزن الفعل اور قاعدہ ہے کہ جب ایک مستثنیٰ منہ سے مُتعدد استثناء ہوں تو ان کے درمیان حرف عطف ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اگر حرف عطف ذکر نہ ہو تو استثناء ثانی بدل الغلط کے حکم میں ہوتا ہے یعنی پہلا استثناء غلطی سے ذکر کیا گیا ہے اور مقصود دوسرا ہے اب مطلب عبارۃ یہ ہوگا کہ علمیت مؤثرہ ہو کر نہیں پائی جاتی مگر عدم اور وزن فعل میں یہ معنی خلاف مقصود ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف واقع بھی ہے۔

جواب مُعترض صاحب آپ کا قاعدہ مُسلمہ ہے مگر آپ کو مغالطہ لگا ہے اس مقام میں تو مستثنیٰ منہ واحد نہیں بلکہ دو ہیں پہلے استثناء کا مستثنیٰ منہ مُطلق سبب جو کہ اسباب ثمانیہ کو شامل ہے تقدیر عبارت اَلعَلَمِیَّۃُ لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَۃً بِسَبَبٍ مِنَ الْاَسْبَابِ الثَّمَانِیَۃِ اِلَّا مَا ھِیَ شَرْطٌ فِیْہِ تو اس پہلے استثناء کے ذریعے چار اسباب کا استثناء ہو گیا۔ وصف، جمع، عدل وزن فعل، باقی چار رہ گئے۔ اس پہلے استثناء سے ایک موجبہ کلیہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ سبب جس میں علمیت شرط ہے اس میں مؤثر بھی ہوتا ہے پھر اس سے سالبہ کلیہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر وہ سبب جس میں علمیت شرط نہیں اس میں مؤثر بھی نہیں۔ یہ سالبہ کلیہ مستثنیٰ منہ ثانی ہے الا العدل و وزن الفعل اس سے استثناء ثانی ہے، مطلب یہ ہے کہ جس میں علمیت شرط نہیں اس میں مؤثر نہیں مگر عدل اور وزن فعل میں کہ ان میں باوجویکہ علمیت شرط نہیں لیکن مؤثر ہے، ان بقیہ چار اسباب میں سے دو کا پھر استثناء ہو گیا (عدل وزن الفعل)

فائدہ عَلَمْ کو نکرہ بنانے کے دو طریقے ہیں۔ **پہلا طریقہ** علم سے شخص معین مراد نہ لیا

جائے بلکہ یہ فرض کیا جائے مثلاً زید ایک جماعت کا نام ہے اس میں سے لا علی التعیین کسی ایک فرد کو مراد لیا جائے مثلاً ھذا زید، ورئیت زیداً آخر پہلا زید معرفہ ہے دوسرا نکرہ۔

دوسرا طریقہ: عَلَمْ سے شخص معین مراد نہ لیا جائے بلکہ علم بول کر صاحبِ علم کی وصف مشہور مراد لی جائے۔ جیسے: لکلّ فرعونَ موسیٰ علیہ السلام سے مراد: لِکُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ ہے۔

وَهُمَا مُتَضَادَّانِ فَلَا يَكُوْنَ مَعَهَا اِلَّا اَحَدُهُمَا یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال ممکن ہے کہ کسی اسم میں تین سبب جمع ہوں۔ ❶ علمیت ❷ عدل ❸ وزن فعل جب علمیت زائل ہو جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا جس سے آپ کا قاعدہ مذکورہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ عدل اور وزن فعل ایک دوسرے کی ضد ہیں اوزان عدل سماعی ہیں اور اوازن فعل قیاسی لہذا جمع نہیں ہو سکتے۔

سوال اِصْمِتُ ایک جنگل کا نام ہے یہ معدول اُصْمُتُ سے ہے۔ کیونکہ یہ باب نصر ینصر سے ہے تو اس میں عدل بھی اور وزن فعل بھی لہذا آپ کا یہ کہنا ھما متضادان یہ غلط ہے۔

جواب اس کا باب نصر سے ہونا یقینی نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ باب ضرب سے ہو لہذا اِصْمِتُ موافق قیاس ہوا۔

جواب عدل کے پائے جانے کے لیے اتنی بات کافی نہیں کہ اس کے اصل معدول عنہ پر دلیل موجود بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسم کا عدم انصراف بھی عدل کا تقاضا کرے عدل کا معدول عنہ سے اخراج معتبر ہو اور اِصْمِتُ کا عدم انصراف عدل کا تقاضا نہیں کرتا اس لیے اس میں مستقل دو سبب پائے جاتے ہیں۔ علمیت، تانیث معنوی۔

سوال اِلَّا اَحَدُهُمَا مستثنیٰ مفرغ جس کا مستثنیٰ منہ ہمیشہ محذوف ہوتا ہے اس مستثنیٰ منہ مقدر میں دو احتمال ہیں۔ ❶ مستثنیٰ منہ شَيْءٌ مِنَ الْاَسْبَابِ ہو تقدیر عبارت یہ ہوگی: فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا شَيْءٌ مِنَ الْاَسْبَابِ اِلَّا اَحَدُهُمَا جس کا معنی یہ ہوگا کہ اسباب منع صرف میں سے کوئی سبب ایسا نہیں جو علمیت کے ساتھ پایا جائے سوائے عدل اور وزن فعل کے یہ جھوٹ ہے واقع نفس الامر کے خلاف ہے۔ ❷ مستثنیٰ منہ (اَحَدُهُمَا) اب تقدیر عبارت یہ ہوگی: فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا اَحَدُهُمَا اِلَّا اَحَدُهُمَا معنی یہ ہوگا نہیں پایا جاتا علمیت کے ساتھ عدل وزن فعل میں سے کوئی ایک سوائے عدل و وزن فعل میں سے کسی ایک کے یہ استثناء الشی عن نفسہ ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ جو مستثنیٰ منہ ہے وہ مستثنیٰ ہے اور جو مستثنیٰ ہے وہی مستثنیٰ منہ ہے اور یہ بالکل ایسے ہی ہے لا الہ الا اللہ میں مستثنیٰ منہ مُطلق معبود ہو خواہ معبود برحق ہو یا معبود باطل اس صورت میں کذب لازم آتا ہے اور

اگر مستثنیٰ منہ معبود برحق ہو تو معبود برحق تو اللہ تعالیٰ اس صورت میں استثناء الشئ عن نفسہ لازم آئے گا۔

جواب ہم یہاں تیسری شق مراد لیتے ہیں مستثنیٰ منہ نہ تو مطلق سبب ہے اور نہ احدھما بلکہ یہاں مستثنیٰ منہ وہ سبب ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہو سببین مذکورین کے مجموعہ کو اور سببین مذکورین میں سے فقط احدہما پھر اَحَدُھُمَا کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ فقط عدل، ❷ فقط وزن۔ فعل تو اس سبب کے تحقق کی کل تین صورتیں ہیں مگر ابتداء دو صورتیں ہیں۔ الا حرف استثناء کے ذریعے ان ابتدائی دو صورتوں میں سے ایک صورت کا استثناء کرلیا گیا ہے جو کہ استثناء الخاص من العام ہے۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ امر عام ہے جو کہ سببین مذکورین کے مجموعہ کو بھی شامل ہے اور احدہما کو بھی پھر اس سے احدہما کو استثناء کرلیا ہے اس امر عام کو امر دائر اور مفہوم مردد سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ مستثنیٰ منہ امر دائر اور مفہوم مردّد ہے۔

وَخَالَفَ سِیْبَوَیْہِ الْاَخْفَشَ فِیْ مِثْلِ اَحْمَرَ عَلَمًا اِذَا نُکِّرَ اِعْتِبَارًا لِلصِّفَۃِ الْاَصْلِیَّۃِ بَعْدَ التَّنْکِیْرِ

یہ عبارت مذہب جمہور سے بطور استثناء کے لیے مذہب جمہور یہ تھا کہ ہر وہ اسم جس میں علمیت مؤثرہ ہو بعد التنکیر منصرف ہو جائے گا۔ لیکن مثل: اَحْمَرَ علمًا میں اختلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ اسم جس کی وضع وصف کے لیے ہو بعد میں عَلَم بن گیا ہو پھر علمیت بھی زائل ہوجائے تو اس کو وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہوئے غیر مُنصرف پڑھا جائے گا یا عدم اعتبار کرتے ہوئے مُنصرف پڑھا جائے گا اس میں اختلاف ہے امام سیبویہ وصف اصلی کے اعتبار کرتے ہوئے غیر مُنصرف اور اخفش اعتبار نہیں کرتے منصرف پڑھتے ہیں۔ جیسے: اَحْمَرُ اس کی وضع وصف کے لیے ہے اگر کسی کا علم رکھ دیا جائے پھر بعد التنکیر عند سیبویہ غیر مُنصرف ہے اور عند الاخفش مُنصرف ہے۔ سیبویہ کی دلیل وصفیت کے لیے مانع علمیت تھی جب علمیت زائل ہوگی تو وصف کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہ رہا لہٰذا وصفیت کا اعتبار کر کے غیر مُنصرف پڑھا جائے گا اس پر سوال ہوگا کہ کسی چیز کے مُعتبر ہونے کے لیے محض مانع کا مفقود ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ مُقتضی کا پایا جانا بھی ضروری ہوتا ہے اور مثل احمر حالت علمیت میں ہم مان لیتے ہیں کہ بعد التنکیر مانع نہیں رہا لیکن وصف اصلی کے اعتبار کرنے کے لیے بھی تو کوئی مُقتضی موجود نہیں ہے تو وصف اصلی کا اعتبار کرنا غلط ہوا۔

جواب بعض نے سیبویہ کی طرف سے جواب دیا کہ مُقتضی موجود ہے کہ مثل احمر علماً کو قیاس کرنا اسود ارقم پر جس طرح اسود وارقم میں غلبہ اسمیت علی الوصفیت کے بعد وصف اصلی

زائل ہو گئی لیکن پھر بھی وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہیں بالکل ایسے ہی مثل احمر علما میں بعد از تنکیر وصف اصلی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جواب الجواب یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ مقیس علیہ اسود و ارقم میں وصفیت بلکلیہ زائل نہیں ہوئی کما ھو الظاہر اور مقیس مثل احمر میں وصفیت کلیۃً زائل ہو گئی ہے اخفش کی۔ **دلیل** علمیت کی وجہ سے وصفیت معدوم ہو گئی ہے اور قاعدہ والمعدوم لا یعود اس لیے علمیت کے زائل ہونے کے بعد وصفیت اصلیہ واپس نہیں آئے گی۔

سوال اخفش نامی تین آدمی ہیں۔ ❶ اخفش کبیر جو کہ استاد سیبویہ ہیں جن کی کنیت ابوالخطاب ہے۔ ❷ اخفش صغیر جو کہ تلمیذ سیبویہ ہیں جن کی کنیت ابوالحسن ہے۔ ❸ اخفش اوسط جو کہ معاصر سیبویہ ہیں جن کا نام علی بن سلیمان ہے۔ یہاں کونسا مراد ہے؟

جواب یہاں اخفش مشہور مراد ہے جو کہ سیبویہ کا شاگرد ہے۔

سوال جب اخفش شاگرد ہیں سیبویہ کے تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا مخالفت کی نسبت اخفش کی طرف کرتے نہ کہ سیبویہ کی طرف جو کہ استاد ہیں۔

جواب چونکہ قول تلمیذ احق تھا کیونکہ قاعدہ کلیہ مذکورہ کے بالکل مطابق ہے تو مصنفؒ ما ھو الحق کا اظہار کرتے ہوئے مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کر دی یاد رکھیں اس قسم کی نسبت نہ توہین استاذ ہے اور نہ ہی سعادت دارین سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔

وَلَا يَلْزَمُهُ بَابُ حَاتِمٍ لِمَا يَلْزَمُ مِنَ اعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ فِي حُكْمٍ وَاحِدٍ علامہ ابنِ حاجب اس عبارت میں سیبویہ پر اخفش کی طرف سے وارد ہونے والے الزام اور اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال جب مثل احمر علما میں سیبویہ بعد التنکیر وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہیں جب کہ وہ زائل ہو گی ہے تو اس کو علمیت کے ہوتے ہوئے بھی وصف اصلی کا اعتبار کرنا چاہیے جیسے خاتم' اس کو غیر منصرف کہنا چاہیے۔ کیونکہ دو سبب موجود ہیں: ❶ علمیت' ❷ وصفیت۔

جواب صاحبِ کافیہ نے جواب دیا کہ مثل احمر علما میں وصف اصلی کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باب حاتم میں بھی وصف اصلی کا اعتبار کیا جائے کیونکہ یہاں مانع موجود ہے وہ یہ ہے کہ اعتبار المتضادین فی تحصیل حکم واحد یعنی ایک حکم کی تحصیل کے لیے دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا اور باب حاتم میں حکم واحد وہ عدم انصراف ہے جس کی تحصیل کے لیے دو سببوں کی ضرورت ہے ایک وصفیت اور دوسرا علمیت اور ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ وصفیت عموم پر

دال ہے اور علمیت خصوص پر بخلاف مثل احمر علماً وہاں کوئی مانع ہے ہی نہیں۔

سوال باب حاتم، میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے ہم قطعاً اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اجتماع المتضادین فی کلمۃٍ واحدۃٍ لازم آئے کیونکہ علمیت کے ساتھ تضاد تو وصفیت محققہ کا ہے جب کہ یہاں وصفیت زائلہ ہے جس کا علمیت کے ساتھ کوئی تضاد نہیں۔

جواب معترض صاحب احد الضدین کو اس کے زائل ہونے کے بعد ضد آخر کے ساتھ اعتبار کرنا اگرچہ حقیقتاً اجتماع المتضادین نہیں لیکن صُورَۃً و مُشَابِھَۃً تو ہے ہی جو کہ غیر مستحسن ہے اور فصحاء و بلغاء کے ہاں غیر مستحسن سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے

وَجَمِیْعُ الْبَابِ بِاللَّامِ اَوْ بِالْاِضَافَۃِ یَنْجَرُّ بِالْکَسْرِ یہ غیر منصرف کی مباحث کا آخری مسئلہ ہے غیر منصرف کے تمام باب پر اگر الف لام داخل ہو جائے یا مضاف ہو جائے تو بالاتفاق مجرور بالکسرہ ہو سکتا ہے۔ جیسے: ✿ وانتم عاکفون فی المساجد لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

سوال آپ نے کہا الف لام کے دخول سے جمیع باب غیر منصرف منصرف ہو جاتا ہے حالانکہ الرجل پر الف لام داخل ہے اس سے تو کوئی غیر منصرف منصرف نہیں بنا۔

جواب الف لام کے دخول سے مراد دخول علی الاسم نہیں بلکہ دخول علی غیر المنصرف ہے اور الرجل تو منصرف ہے۔ **سوال** آپ نے کہا اضافت سے غیر منصرف مجرور بالکسرہ ہو جاتا ہے حالانکہ غلام احمد میں احمد غیر منصرف ہے اس کی طرف اضافت موجود ہے لیکن یہ مجرور بالکسرہ نہیں۔

جواب اضافت سے مراد مضاف ہے نہ کہ مضاف الیہ آپ کی مثال میں احمر علماً مضاف الیہ ہے۔

سوال مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ینجر بالکسر کہا جر تو حرکات اعرابیہ میں سے جس سے معلوم ہوتا ہے غیر منصرف معرب ہوتا ہے اور کسرہ حرکات بنائیہ میں سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر منصرف مبنی بالکسرہ ہوگا۔ حالانکہ ان کے درمیان منافات ہے لہٰذا یہ عبارت غلط ہے۔

جواب بالکسر سے مراد صورۃ کسر ہے حقیقی کسرہ مراد نہیں جو حرکات بنائیہ کے القاب سے ہے۔ پھر اس میں بھی تعمیم ہے خواہ مجرور لفظاً ہو۔ جیسے: بالاحمر یا تقدیراً بموسیٰ۔

سوال صاحب کافیہ ینجر بالکسرہ کے بجائے حرف ینجر کہہ دیتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ عبارت میں ایجاز و اختصار ہو جاتا جو کہ مطمع نظر ہے۔

جواب اگر فقط ینجر کہہ دیتے تو مقصد پورا نہ ہوتا۔ کیونکہ جر بالفتح بھی آتی ہے اس لیے بالکسر کہہ کر تصریح کر دی کہ یہاں مجرور بالکسرہ ہی مراد ہے۔

سوال پھر ینکسر کہہ دیتے اس سے بھی اختصار پیدا ہو جاتا ہے ایسا کیونکہ نہیں کیا۔

جواب اگر ینکسر کہدیتے تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ الف لام اور اضافت غیر منصرف مبنی بر کسر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ کسر حرکات مبنی میں سے ہے حالانکہ غیر منصرف معرب ہوتا ہے۔ بہرحال صاحب کافیہ نے ان دونوں شبوں کے ازالہ کے لیے ینجر بالکسر کہا۔

تحقیق مقام الف لام کے دخول اور اضافت سے غیر منصرف منصرف ہوگا یا نہیں؟ جس میں تین مذہب ہیں۔ ① زجاج اور اس کے متبعین ② سیبویہ اور ان کے متبعین ③ فراء اور اس کے متبعین۔

مذہب زجاج زجاج اور اس کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ غیر منصرف پر الف لام داخل ہوجائے یا مضاف ہوجائے مطلقاً منصرف ہوجائے گا خواہ علل تسعہ میں سے **علتین** باقی رہیں یا نہ رہیں۔

دلیل اسم کا عدم انصراف فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا جب الف لام داخل ہوگا یا وہ غیر منصرف مضاف ہوگا یہ مشابہت بالفعل ضعیف ہوجائے گی جس کی وجہ سے منصرف ہوجائے گا خواہ **علتین** باقی رہیں یا نہ رہیں۔

سوال جب یہ منصرف ہے تو تنوین کیوں داخل نہیں ہوتی۔

جواب تنوین کا ممنوع ہونا غیر منصرف ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کے دخول اور اضافت کی وجہ سے ہے کیونکہ جس اسم پر الف لام داخل ہو یا وہ مضاف ہو تو اس پر تنوین کا داخل ہونا ممتنع ہے۔

مذہب سیبویہ بعد دخول اللام و الاضافت غیر منصرف ہی رہے گا خواہ دو سبب باقی رہیں یا نہ رہیں۔

سوال جب ہر حال میں یہ اسم غیر منصرف رہے گا تو تنوین کی طرح کسرہ بھی نہیں آنا چاہیے حالانکہ کسرہ آتی ہے۔

جواب اصل میں غیر منصرف پر حقیقۃً واصلاً تنوین ممنوع ہے کیونکہ تنوین تمکن اور انصراف کی علامت ہے باقی رہی کسرہ وہ تو فقط تنوین کی تبعیت کی وجہ سے ممنوع ہے اور الف لام کے دخول اور اضافت سے غیر منصرف کی مشابہت بالفعل ضعیف ہوجاتی تو یہ مشابہت ضعیفہ تنوین کے ممنوع ہونے میں تو مؤثر ہوگی لیکن کسرہ کے ممنوع ہونے میں مؤثر نہیں ہوگی بہرحال چونکہ بعد دخول اللام و الاضافت میں بھی مشابہت موجود ہے خواہ ضعیف ہی کیوں نہیں اس لیے وہ اسم غیر منصرف ہی رہے گا۔

مذہب فراء اور اس کے متبعین بعد دخول اللام و الاضافت اگر **علتین** باقی ہیں تو غیر

منصرف اگر باقی نہیں تو منصرف ہوگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں۔ ① الف لام اور اضافت کی وجہ سے کوئی سبب باقی نہ رہے ② ایک سبب باقی رہے ③ دونوں سبب باقی رہیں، پہلی دونوں صورتوں میں وہ منصرف ہو جائے گا۔ تیسری صورت میں غیر منصرف رہیگا۔ پہلی صورت اس وقت پائی جائے گی جب کسی اسم میں علمیت باعتبار شرط کے شریک ہو تو علمیت اٹھنے سے کوئی سبب باقی نہیں رہے گا کیونکہ علمیت شرط تھی فاذا فات الشرط فات المشروط۔ جیسے: الابراھیم اور دوسری صورت اس وقت پائی جائے گی جب علمیت باعتبار سببیت کے شریک ہو تو علمیت کے اٹھنے سے ایک سبب باقی رہے گا کما مر تیسری صورت اس وقت جب کہ کسی کلمہ میں علمیت کے علاوہ دو سبب پائے جائیں۔

فائدہ الف لام اور اضافت سے علمیت کیوں اٹھ جاتی ہے، الف لام کی وجہ سے علمیت اس لیے اٹھ جاتی ہے کہ علمیت میں اعلیٰ درجہ کی تعریف ہے۔ بہ نسبت الف لام کے اگر لام تعریف داخل ہو جائے تو لازم آئے گا طلب ادنیٰ باحصول اعلیٰ۔ اور اضافت سے علمیت کے زائل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اضافت الی المعرفہ ہو تو تحصیل حاصل کی خرابی لازم آئے گی اور اگر اضافت الی النکرہ ہو تو طلب ادنیٰ مع حصولِ اعلیٰ کی خرابی لازم آئے گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

المرفوعات

المرفوعات التحقیقات الستہ فی المرفوعات یہاں پر چند تحقیقات ہیں۔ ① تحقیق ربطی، ② تحقیق تقدیمی، ③ تحقیق ترکیبی، ④ تحقیق صیغوی، ⑤ تحقیق الف لام، ⑥ تحقیق معنوی۔

تحقیق ربطی المرفوعات کا ماقبل سے دو طرح کا ربط ہے۔ ① اب تک مقدمہ کا بیان تھا اب مقاصد ثلاثہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ ② ماقبل میں اسم معرب کی تقسیم باعتبار انصراف اور عدم انصراف کے تھی اب یہاں سے اسم معرب کی تقسیم باعتبار اعراب کے کی جارہی کہ اسم معرب مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور۔

تحقیق تقدیمی یعنی مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے مرفوعا آٹھ ہیں جس میں سے پانچ مسند الیہ ہوتے ہیں فاعل، نائب فاعل، مبتدا، کان کا اسم، ما و لا مشبہتین بلیس کا اسم، مرفوعات میں سے تین مسند ہوتے ہیں۔ چونکہ مسند الیہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے اور للاکثر حکم الکل کے تحت مرفوعات عمدہ ہوئے اس لیے مرفوعات کو مقدم کر دیا۔

تحقیق ترکیبی لفظ کافیہ کی ترکیب پر قیاس کریں البتہ مرفوع ہونے کی صورت ایک ترکیب

یہ ہوگی : المرفوعات مُبتدا، ما بعد ھو ما اشتمل الخ خبر ہے۔

تحقیق الف لام المرفوعات پر الف لام حرفی ہے موصولی نہیں اس لیے کہ موصول کے لیے دو شرطیں ہیں ① کون الصفۃ بمعنی الحال او لاستقبال و الاقصار امر الازما للاسماء ② عدم غلبۃ الاسمیۃ علی الوصفیۃ و قد غلبت۔ بہرحال الف لام موصولی نہیں فرضی ہے پھر حرفی ہو کر عہد خارجی کا ہوگا جس کا اشارہ ہوگا انواعہ رفع سے جو مرفوع مفہوم ہے اس کی طرف بعض نے جنس بنایا حالانکہ جنسی بنانا غلط ہے لعدم مصاعدۃ الجنسیہ مع الصیغہ فی ابطالہا الجمعیۃ لیفید الجنس فھذا افات المقصود لصیغۃ الجمع و ھو الاشعار علی کثرۃ الانواع

تحقیق صیغوی مرفوعات جمع ہے مرفوع کی۔

سوال مرفوع تو واحد مذکر ہے اس کی جمع مرفوعات کیسے ہو سکتی کیونکہ واحدہ مونثہ کی جمع الف تاء کے ساتھ آتی ہے۔

جواب قاعدہ ہے کہ مذکر لایعقل کی صفت کی جمع مطرداً عقلاً و نقلاً الف، تاء کے ساتھ آتی ہے۔

پہلی دلیل عقلی لان غیر العاقل جار مجری المونث باعتبار قصور العقل الا ان بینھما فرق و ھو ان العقل فی غیر العاقل معدوم و فی المؤنث مقصور کما قال الرسول فانھا ناقصات عقل ودِینٍ

دوسری دلیل عقلی جمع مؤنث سالم دو قسم پر ہے۔ ① قیاسی جیسے مُسلمات ضاربات۔ ② غیر قیاسی جمع مؤنث سالم غیر قیاسی کے لیے لازم نہیں کہ اس کا مفرد ہی مؤنث ہو۔ جیسا کہ جمع مذکر سالم مسلمون ارضون، قلوبٍ، سنون فتدبر

سوال اگر مرفوعات کو مرفوعۃ کی جمع مانا جائے تو کیا نقصان ہوگا حالانکہ اس سے ان تکلفات کا ارتکاب نہیں کرنا پڑے گا۔

جواب نقصان یہ ہوگا کہ موصوف صفت میں باعتبار تزکیر و تانیث کے مطابقت نہیں آئے گی اس طرح کہ المرفوعات صفت ہے الاسماء کی تقدیر عبارت الاسماء المرفوعات ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ اتصاف الجمع با جمع یستلزم اتصاف المفرد بالمفرد لہٰذا المرفوعات کا مفرد صفت بنے گا الاسماء کے مفرد الاسم کی۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی الاسم المرفوعۃ جو کہ غلط ہے۔ اس لیے المرفوعات جمع مرفوع کی بن سکتی ہے مرفوعۃ کی نہیں۔

وجہ حصر مرفوعات ثمانیہ اسم مرفوع دو حال سے خالی نہیں عامل لفظی ہوگا یا معنوی اگر عامل

معنوی ہو تو معمول مسند الیہ ہوگا یا مسند اول مُبتدا، ثانی خبر، اگر عامل لفظی ہو تو دو حال سے خالی نہیں کہ عامل فعل، شبہ فعل ہوگا یا حرف۔ اگر فعل، شبہ فعل ہو تو قائم بالمعمول ہوگا یا واقع علی المعمول اول فاعل ثانی نائب فاعل، اگر عامل حرف ہو تو معمول مسند الیہ ہوگا یا مسند۔ اگر مسند الیہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ کلام موجب میں ہوگا، یا کلام غیر موجب میں۔ اول افعال ناقصہ کا اسم ہے، اور ثانی ما ولا مشبہتین کا اسم ہے۔ اور اگر مسند ہو تو کلام موجب ہوگی یا کلام غیر موجب اول حروف مُشبّہ بالفعل کی خبر اور ثانی لا نفی جنس کی خبر ہے۔

فائدہ صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کی سات قسمیں ذکر کی ہیں جب کہ باقی نحاۃ نے آٹھ اقسام ذکر کیے ہیں۔ علامہ ابنِ حاجبؒ نے افعالِ ناقصہ کے اسم کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کو فاعل قرار دیتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ افعال ناقصہ کی خبر کو علیٰحدہ کیوں ذکر کیا اس کو بھی مفعول قرار دے دیتے اس کا جواب یہ ہے کہ خبر مفعول نہیں بن سکتی بلکہ ملحق بالمفعول ہے اس لیے اس کو علیٰحدہ ذکر کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اسم کان کا ملحق بالفاعل ہے۔ کیونکہ اگر فاعل ہوتا تو کلام اس پر تام ہو جاتی اور عدمِ ذکر کی وجہ فاعل کے احکامات میں شریک ہونا تھا اس لیے ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم و علمہٗ اتم و احکم۔

هُوَمَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ چھٹی تحقیق معنوی ہے یہ تحقیق مُصنّفؒ خود بیان کر رہے ہیں چونکہ یہ مرفوع کی تعریف ہے اس لیے حسبِ سابق چند درجات میں بیان کیے جائیں گے۔

پہلا درجہ مختصر مفہوم، مرفوع وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو یعنی مرفوع وہ ہے جس میں فاعل کی علامت میں سے کوئی علامت پائی جائے۔ فاعل کی علامات تین ہیں ① ضمہ جیسے قام زید ② الف جیسے قام رجلان ③ واو جیسے قام مسلمون خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً یا محلاً

دوسرا درجہ فوائد قیود، ما جنس ہے جو کہ تمام اسماء مرفوعات، منصوبات، مجرورات کو شامل ہے اشتمل علی علم الفاعل کی قید سے منصوبات مجرورات خارج ہو گئے۔

تیسرا درجہ سوالات و جوابات،

سوال ھو ضمیر کا مرجع بتائیں کیا ہے جس میں دو احتمال ہیں کلاھما باطل

◈ اگر المرفوعات کو بنائیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں ① راجع مرجع میں مطابقت نہ ہوگی ② المرفوعات جمع ہے جس سے مراد افراد مرفوع ہیں تو یہ تعریف افراد کی ہوگی۔ حالانکہ قاعدہ ہے کہ التعریف للماھیۃ لا للافراد

◘ اگر مرجع المرفوع بنایا جائے تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب ھو ضمیر کا مرجع المرفوع ہے اور مرجع کی تین قسمیں ہیں ① حقیقی ② معنوی ③ حکمی۔ یہاں مرجع معنوی ہے جو کہ المرفوعات سے سمجھا جاتا ہے کما فی قولہ تعالٰی اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔

سوال یہ تعریف مانع نہیں فعل مضارع پر صادق آتی ہے جیسے یَضْرِبُ یہ علامت فاعلیت پر مُشتمل ہے۔

جواب ما سے مراد اسم ہے۔ لہٰذا یہ تعریف مانع ہوگی۔

سوال اشتمال کی چند قسمیں ہیں ① اشتمال الکل علی الجزء ② اشتمال الکلی علی الجزئی ③ اشتمال الظرف علی المظروف ④ اشتمال الموصوف علی الصفۃ ⑤ اشتمال ذی الحال علی الحال۔ یہاں کونسا مراد ہے؟

جواب اشتمال الموصوف علی الصفۃ مراد ہے کہ اسم مرفوع بمنزلہ موصوف کے ہے اور علامت فاعل بمنزلہ صفتہ کے ہے۔

سوال اب یہ تعریف اعراب بالحرف پر صادق نہیں آئے گی کیونکہ اس میں اشتمال الکل علی الجزء ہوتا ہے۔

جواب اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع ہے۔ اور قاعدہ ہے: والفرع یحمل علی الاصل یعنی اصل کے تابع کردیا۔

سوال اگر مُصنفؒ علی علم الرفع کہدیتے تو اختصار ہوجاتا۔

جواب دَور کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ معرف بھی مرفوع ہے۔

جواب مُصنف رحمۃ اللہ تعالٰی کا مقصُود یہ بھی بتانا تھا کہ مرفوعات میں اصل فاعل ہے۔

فَمِنْهُ الْفَاعِلُ مرفوعات کا پہلا قسم فاعل ہے۔

سوال فاعل کو باقی مرفوعات پر کیوں مقدم کیا۔

جواب مُصنف رحمۃ اللہ تعالٰی اور جمہور نحاۃ کے نزدیک فاعل اصل ہے اور سیبویہ کے نزدیک مُبتدا اصل ہے۔ جمہور نحاۃ کے چند دلائل:

دلیل اول جملہ فِعلیّہ تمام جملوں سے افضل اور اصل ہے اس لیے کہ مقصُود افادہ ہے اور جملہ فِعلیّہ میں جزمع الزمان ہونے کی وجہ سے افادہ تامہ ہوتا ہے۔ اس لیے اصل ہے اور فاعل چونکہ جملہ فِعلیّہ کا جزء ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ: "اصل کی جزء بھی اصل ہوتی ہے"۔ اس لیے فاعل

اصل ہوا۔

دلیل ثانی فاعل کا عامل لفظی ہوتا ہے اور مُبتدا کا عامل معنوی اور عامل لفظی قوی ہے بنسبت عامل معنوی کے اور یہ بات ظاہر ہے کہ موثر قوی کا اثر بھی قوی ہوتا ہے لہٰذا فاعل قوی ہوا مُبتدا سے۔

دلیل ثالث فاعل کی فاعلیت اور اعراب کسی ناسخ سے منسوخ نہیں ہوتا بخلاف مُبتدا کے اس کی ابتدائیت اور اعراب منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس لیے فاعل اصل ہے۔

دلیل رابع فاعل اگر حذف ہو تو نائب فاعل چھوڑ جاتا ہے بخلاف مُبتدا کے۔

دلیل خامس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الفاعل مرفوع انھوں نے مرفوعات میں سے فقط فاعل کو ذکر کیا یہ بھی اصل ہونے کی دلیل ہے۔

سیبویہ کے دلائل : دلیل اول اصل مسند الیہ میں تقدیم ہے جس پر فقط مُبتدا قائم ہے اس لیے مُبتدا اصل ہے۔

جواب یہ بات درست ہے کہ اصل مسند الیہ میں تقدیم ہے بشرطیکہ مانع نہ ہو جب کہ فاعل میں مانع ہے جو کہ مُبتدا کے ساتھ التباس پیدا کرتا ہے۔

دلیل ثانی اصل مسند الیہ میں یہ ہے کہ اس پر مشتق اور جامد کا حکم لگایا جائے اور اس اصالۃ پر بھی فقط مُبتدا قائم ہے۔ بخلاف فاعل کے اس پر فقط مشتق کا حکم لگایا جاتا ہے لہٰذا مُبتدا اصل ہوا۔

جواب اصل یہ ہے کہ حکم بالمشتق ہو حکم بالجامد قلیل ہے اور قلیل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ نیز فاعل پر بھی جامد کا حکم لگتا ہے جیسے افعال مدح وذم۔ لہٰذا فاعل ہی اصل ہوا۔

وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ فاعل کی تعریف کرنا چاہتے ہیں

پہلا درجہ مختصر مفہوم فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد کیا گیا ہو اور فعل یا شبہ فعل اس پر مقدم ہو اور اسناد بھی علیٰ طریق القیام ہو، نہ کہ علیٰ طریق الوقوع۔ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فاعل کے متحقق ہونے کے لیے چار شرائط ہیں۔ (۱) اسم ہو خواہ حقیقتاً یا تاویلاً (۲) اسناد الی الفاعل ہو (۳) فعل کی فاعل پر تقدیم وجوبی ہو (۴) فعل کا قیام بالفاعل ہو۔

دوسرا درجہ فوائد قیود، ما جنس ہے اس میں تمام اسماء داخل ہیں اسند الیہ الفعل او شبہہ یہ فصل اول جس سے زید ابوک نکل گیا۔ علیٰ جھۃ قیامہ دوسری قید ہے جس سے نائب فاعل خارج ہو گیا تیسری قید ہے جس سے نائب فاعل خارج ہو گیا۔

تیسرا درجہ سوال وجواب۔

سوال فاعل کی یہ تعریف جامع نہیں اس لیے کہ اعجبنی ان ضربت زیدا پر صادق نہیں آتی بایں طور کہ ان ضربت فعل ہے جو کہ فاعل واقع ہے اعجبنی کا حالانکہ فاعل کے لیے اسم ہونا ضروری ہے۔

جواب اسم میں تعمیم ہے خواہ اسم حقیقی ہو یا تاویلی اور ضربت (اَن) کی وجہ سے اسم تاویلی بن چکا ہے لہذا تعریف جامع ہوئی۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ فاعل کے توابع پر صادق آتی ہے جیسے قام زید و عمرو

جواب اسناد سے مراد' اسناد بالاصالۃ بلاواسطہ ہے اور توابع میں باواسطہ اور بالتبع ہے۔

سوال شِبْہٗ مصدر مبنی للفاعل بمعنی مشابہ ہے اور مشابہت بالفعل کی تین صورتیں ہیں ① مشابہت بالفعل باعتبار دلالت علی الحدث ② مشابہت بالفعل باعتبار الحرکات و السکنات و عدد الحروف ③ مشابہت باعتبار الاشتقاق۔ اگر اول مراد ہو تو فی الدار زید خارج ہو جائے گا فی الدار جار مجرور ہے دال علیٰ الحدث نہیں۔ ثانی مراد ہو تو ھیھات زیدٌ خارج ہو جائے گا۔ ثالث مراد ہو تو اعجبنی ضرب زید خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ ضرب مصدر ہے مُشتق ہی نہیں مشابہت باعتبار الاشتقاق کیسے ہو سکتی ہے۔ بعنوان دیگر کہ غیر مُنصرف کی مشابہت بالفعل ہے تو اس کا اسناد بھی الی الفاعل ہونا چاہیے۔

جواب مشابہت بالفعل فی العمل مراد ہے۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کَرِیْمٌ مَّنْ یُّکْرِمُكَ پر صادق آتی ہے۔

جواب تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے جب کہ یہ جوازی ہے۔

سوال پھر بھی یہ تعریف مانع نہیں فی الدار رجلٌ پر صادق آتی ہے کیونکہ تقدیم وجوبی ہے۔

جواب تقدیم وجوبی سے مراد وجوبی نوعی ہے نہ کہ فردی اور یہاں پر وجوبی فردی شخصی ہے۔

سوال فاعل کی یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ قیامُ الفعل بالفاعل سے مراد صدور الفعل عن الفاعل ہے جب کہ مَاتَ زَیْدٌ، طال عمرو میں فعل کا صدور فاعل سے نہیں۔

جواب قیام الفعل بالفاعل سے مراد یہ ہے کہ صیغہ معلوم کا ہو مجہول کا نہ ہو۔

سوال علی جھۃ قیامہ کی قید سے مفعول ما لم یسمہ فاعلہ کا اخراج درست نہیں کیونکہ وہ بھی فاعل ہے لہٰذا اس قید کا ترک کرنا ضروری تھا جیسا کہ صاحبِ مفصل اور شیخ عبد القاہر جرجانی نے ترک کیا۔

جواب مفعول مالم یسمہ فاعلہ میں اختلاف ہے بعض نحاۃ کے نزدیک جن میں علامہ ابن حاجب بھی ہیں کہ یہ فاعل حقیقی نہیں اس لیے اس کو خارج کرنے کے لیے قید لگانا ضروری تھا اور اکثر متقدمین علامہ زمخشری، شیخ عبدالقاہر کے نزدیک یہ فاعل حقیقی اس لیے اس کو تعریف فاعل میں داخل کرنے کے لیے اس قید کو ترک کر دیا۔

والاصل ان یلی الفعل فلذلک جاز ضرب غلامہ زید وامتنع ضرب غلامہ زیدا فاعل کی تعریف کے بعد اس کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں اس عبارت میں حکم اول کا بیان ہے کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو باقی تمام معمولات سے مقدم ہو۔

دلیل فاعل جزء ہے فعل کی، لفظاً بھی اور معناً بھی۔ لفظاً تو اس طرح کہ ضَرَبْنَ، ضَرَبْتَ کو ایک کلمہ مان کر لام کلمہ کو ساکن کیا گیا ہے جیسا کہ صرف کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں کہ فاعل لفظاً جزء فعل ہے۔ معناً جزء ہونا اس طرح ہے کہ فعل بغیر فاعل کے تام نہیں ہوتا جب فاعل لفظاً اور معناً فعل کی جزء ہوا اور جزء شئ کی شئ کے ساتھ متصل ہوتی ہے لہٰذا فاعل میں اصل اور مناسب بھی ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو اس کلمہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مثال: ضَرَبَ غلَامَهٗ زَیْدٌ جائز ہے اور ضَرَبَ غلَامُهٗ زَیْدًا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ مثال اول میں اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے مگر رتبۃ نہیں جب کہ مثال ثانی میں اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہے اور رتبۃ بھی جو کہ ناجائز ہے۔

سوال مصنفؒ نے ضَرَبَ غلَامَهٗ زَیْدٌ کو جائز قرار دے کر اپنے اس قانون کی تردید کر دی، یہ اس طرح کہ اصل کا معنی قاعدہ ہے جب قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ فاعل فعل کے ساتھ متصل ہو اور یہ مثال تو قاعدہ کے خلاف ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے لہٰذا یا تو قاعدہ غلط ہے یا مثال غلط ہے۔

جواب معترض صاحب یہاں پر اصل بمعنی قاعدہ اور قانون نہیں بلکہ اصل بمعنی لائق اور مناسب ہے۔

سوال ہم آپ کو مثال دکھاتے ہیں جس میں فاعل کو مقدم کرنا اولیٰ تو در کنار مؤخر کرنا ضروری ہے۔ جیسے مَا ضَرَبَ عَمْرواً الا زید

جواب ہماری مراد یہ ہے کہ جب کوئی مانع عن التقدیم نہ ہو اور آپ کی مثال میں مانع موجود ہے۔

سوال ہم اور مثال دکھاتے ہیں جس میں بغیر مانع کے فاعل مؤخر ہے جیسے جاء الرجل میں الف لام کا فاصلہ ہے۔

جواب ہماری مراد فعل کے معمولات سے مقدم ہونا ہے اور الف لام معمولات میں سے نہیں۔

فائدہ مثال ثانی کا عدم جواز بر مذہب جمہور ہے جب کہ اخفش کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان

کے نزدیک ضمیر مفعول کا فاعل مقدم کے ساتھ متصل ہونا جائز ہے ان کی دلیل یہ شعر ہے:

جَزیٰ رَبُّهٗ عَنِّیْ عَدِیَّ ابْنَ حَاتِمٍ
جَزَاءَ الْکِلَابِ الْعَادِیَاتِ وَ قَدْ فَعَلْ

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہے۔

فائدہ پانچ مقامات پر اضمار قبل الذکر جائز ہے ① ربہ رجلا ② نعم رجلا ③ ضمیر شان ضمیر قصہ ④ تنازع فعلین جیسے ضربنی واکرمت زیداً ⑤ بدل از ضمیر جیسے ضربتہ زیداً

وَاِذَا انْتَفَى الْاِعْرَابُ فِيْهِمَا لَفْظًا وَالْقَرِيْنَةُ حکم ثانی کا بیان فاعل کیلیے تقدیم وجوبی ہے یہاں سے **ضابطہ** بتانا چاہتے ہیں کہ چار مقامات پر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

مقام اول: جب فاعل اور مفعول پر لفظوں میں اعراب منتفی ہو جائے اور ان کے تعین پر قرینہ بھی منتفی ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے ضرب موسی عیسی

دلیل فاعل کا مقدم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ فاعل مفعول کیساتھ التباس لازم نہ آئے۔

سوال جب التباس مخل بالفہم ہوتا ہے تو پھر موسی ضرب عیسی کی ترکیب بھی ناجائز ہونی چاہیے کیونکہ جملہ اسمیہ کا فعلیہ کے ساتھ التباس ہے اس طرح ما قائم زید میں بھی التباس ہے۔

جواب جهتان فی الالتباس تین انواع سے خالی نہیں ① دونوں خلاف اصل ہوں ② دونوں موافق اصل ہوں۔ یہ محض عقلی احتمال ہے لا تحقیق لہٗ ③ ایک جہۃ موافق اصل اور دوسری خلاف اصل۔ قسم اول میں التباس جائز ہے۔ کیونکہ جہۃ اصلیہ کے عدم کی وجہ سے ذہن ادھر جاتا ہی نہیں۔ جیسے موسی ضرب عیسی اور اقائم زید بلکہ یہ التباس نہیں ابہام ہے۔ اور قسم ثالث ناجائز ہے۔ کیونکہ مخاطب کا ذہن جہۃ اصلیہ کی طرف جاتا ہے۔ جب کہ مرادِ متکلم خلافِ اصل ہے جیسے ضرب موسی عیسی

سوال قرینہ اعراب کو شامل ہے تو اعراب کا ذکر کرنا لغو مستدرک ہے، لہٰذا انتفی القرینۃ کہدینا کافی تھا۔

جواب قرینہ اور اعراب میں فرق ہے کہ قرینہ میں وضع شرط نہیں اور جب کہ اعراب میں وضع شرط ہے یعنی یہ بشرط یشئ کے درجہ میں ہے جب کہ لفظ مھمل، بشرط لاشئ کے درجہ میں ہے یہ لابشرط شئ کے درجہ میں ہے۔ پھر قرینہ کی دو قسمیں ہیں۔ ① قرینہ لفظی ہو، جیسے ضرب موسی عیسی ② قرینہ معنوی ہو جیسے اکل الکمثری یحیی

سوال مجازات کس میں داخل ہیں؟ اگر اول میں داخل ہوں تو ان میں اور لفظ موضوع میں فرق نہ

ہوگا اور اگر ثانی میں داخل ہوں تو پھر مجاز کا اطلاق قرینہ پر نہیں ہوگا، نہ عرفاً نہ لغتہ۔ اور اگر مہمل میں داخل ہوں تو پھر معنی مجازی کیسے ہوسکتا ہے۔

جواب قسم اول میں داخل ہیں کیونکہ اگرچہ ان میں وضع شخص نہیں لیکن وضع نوعی موجود ہے۔

مقام ثانی : **اَوْ كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا** جس وقت فاعل کی ضمیر فعل کیساتھ مُتَّصِل ہو تو اس وقت بھی فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے جیسے ضربت زیداً

دلیل اگر اس فاعل کو موخر کردیا جائے تو ضمیرِ مُتَّصِل، مُتَّصِل نہیں رہے گی بلکہ مُنْفَصِل ہو جائے گی جو کہ ناجائز ہے۔

مقام ثالث : **اَوْ وَقَعَ مَفْعُوْلُهُ بَعْدَ اِلَّا** جس وقت فعل کا مفعول الا کے بعد ہو تو اس وقت فاعل کا مقدم کرنا ضروری ہے جیسے مَاضَرَبَ زیدٌ الا عمرواً

دلیل جس سے پہلے ضابطہ جاننا ضروری ہے جب مفعول الا کے بعد ہو تو متکلم کا مقصود یہ ہوگا کہ فاعل کی فاعلیت منحصر ہے اس مفعول میں، جب کہ مفعولیت کا حصر اس فاعل میں نہیں جیسے ما ضرب زید الا عمرا۔ متکلم کا مقصود یہ ہے کہ زید کی ضاربیت بند ہے عمرو کی مضروبیت میں۔ یعنی زید ایسا شریف آدمی ہے کہ اس نے آج تک عمرو کے علاوہ کسی کو نہیں مارا۔ باقی رہا عمرو ہوسکتا ہے اس کو کسی اور نے بھی مارا ہو، اگر فاعل کو موخر کیا جائے تو برعکس ہو جائے گا جو کہ خلافِ مقصودِ متکلم ہے۔

سوال مَاضَرَبَ اِلَّا عَمْرواً زَیْدٌ میں مفعول الا کے بعد واقع ہے لیکن تقدیم فاعل واجب نہیں۔

جواب مثال مذکور میں حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہیں آتا کیونکہ ضابطہ ہے کہ حصر ہمیشہ ایسے اسم میں ہوتا ہے جو الا کے مُتَّصِل ہو اور یہاں پر الا کے مُتَّصِل مفعول ہے لہٰذا حصر مطلوب موجود ہے اسی لیے مولانا جامیؒ اس مثال کو خارج کرنے کے لیے الا کے متوسطہ بینہما کی شرط لگائی ہے مگر یاد رکھیں یہ مثال مذکور غیر مستحسن ہے کیونکہ صفت کی تمامیت سے پہلے قصر لازم آتا ہے اس لیے جمہور کے نزدیک اس قسم کی مثال جائز ہی نہیں۔

مقامِ رابع : **اَوْ مَعْنَاهَا** جب مفعول الا کے ہم معنی کے بعد واقع ہو تو اس وقت بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے اِنَّمَا ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرواً دلیل وہی ہے جو مقام ثالث میں گذر چکی ہے۔

وَاِذَا اتَّصَلَ بِهٖ ضَمِیْرُ مَفْعُوْلٍ اس عبارت سے حکم ثالث کا بیان ہے۔ فاعل کے مؤخر کرنے کے مقامات چار ہیں۔

مقامِ اول : جس وقت فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر مُتَّصِل ہو جائے تو اس وقت فاعل کو مؤخر

کرنا ضروری ہے۔

دلیل اگر مفعول کو مقدم نہ کیا جائے تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔

مقامِ ثانی اور مقامِ ثالث : **اَوْ وَقَعَ بَعْدَ اِلَّا اَوْ مَعْنَاهَا** جس وقت فاعل الا کے بعد اور اس کے ہم معنی کے بعد ہو تو اس وقت بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے جس طرح مَاضَرَبَ زَیْدًا اِلَّا بَکْرٌ اِنَّمَا ضَرَبَ زَیْدًا بَکْرٌ

دلیل ان دونوں مقام میں مقصود متکلم مفعولیت کا حصر بتانا ہے اگر فاعل کو موخر نہ کیا جائے تو حصر مطلوب کا انقلاب لازم آئے گا۔

مقامِ رابع : **اَوِ اتَّصَلَ بِهٖ مَفْعُوْلُهٗ وَهُوَ غَیْرُ مُتَّصِلٍ** جس وقت فعل کے ساتھ مفعول مُتّصِل ہے اور فاعل غیر مُتّصِل ہو تو اس وقت بھی فاعل کو مؤخر کرنا ضروری ہے جیسے ضربك زید

دلیل اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو ضمیر مُتّصِل کا مُنفصِل ہونا لازم آئے گا۔

سوال وجب تاخیرہ کے بجائے وجب تقدم المفعول علی الفاعل کیوں نہیں کہا؟

جواب تا کہ خروج عن المبحث کی خرابی لازم نہ آئے کیونکہ بحث تو احوالِ فاعل کی ہے۔

وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ جَوَازًا حکم رابع کا بیان اگر قرینہ موجود ہو تو فاعل کے فعل کو کبھی حذف کر دیا جاتا ہے پھر حذف کی دو قسمیں ہیں ① حذف جوازی ② حذف وجوبی۔

① حذف جوازی پر دو قرینے ہوں گے ایک نفس حذف پر، دوسرا تعیین محذوف پر اور ② حذف وجوبی میں تین قرینے ہوں گے، دو یہی ہوں گے، اور تیسرا سد مسد کا۔ پھر حذف جوازی کی دو صورتیں ہیں یا تو سوالِ محقق کے جواب میں ہوگا، یا سوال مقدر کے جواب میں۔ اول کی مثال کوئی آدمی کہے من قام؟ جس کے جواب میں زید کہا جائے تو یہ زید فاعل ہے، جس کا فعل قام حذف ہے۔ نفس حذف پر قرینہ سوالیہ کلام ہے کہ جب سوالیہ کلام جملہ ہے تو جوابیہ کلام کو بھی جملہ ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ زید مفرد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں کچھ نہ کچھ محذوف ہے۔ تعیین محذوف پر قرینہ یہ ہے کہ سوال چونکہ قیام کے بارے میں تھا تو جواب بھی قیام کے بارے میں ہی ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر قام محذوف ہے۔

سوال شاید یہاں پر زید کے بعد قام محذوف ہو جو کہ خبر ہو زید مُبتداء کے لیے۔

جواب اگر قام کو زید کے بعد بطور خبر محذوف مانا جائے تو جملہ کا حذف لازم آتا ہے۔ اگر زید سے پہلے حذف مانا جائے تو جزء جملہ کا حذف لازم آتا ہے اور

قاعدہ ہے کہ حذف القلة اولی من حذف الکثرة

سوال مقدر کی مثال یہ شعر ہے۔

لیبک یزید ضارع لخصومة
و مختبط مما تطیح الطوائح

فائدہ اس شعر کی تشریح پانچ درجات میں ہوگی ① شانِ ورود ② ترکیب ③ تشریح الفاظ اور مختصر مطلب ④ شعر کا ماقبل سے ربط ⑤ محلِ استشہاد۔

پہلا درجہ ضرار بن نہشل نے اپنے بھائی یزید بن نہشل کی وفات پر یہ شعر کہا۔

دوسرا درجہ ترکیب' لیبک فعل امر غائب مجہول یزید نائب فاعل ہے لخصومة جار مجرور' ضارع کے متعلق ہے ضارع اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ مختبط صیغہ صفت مما' من حرف جار ما موصولہ تطیح فعل مضارع معلوم الطوائح فاعل تطیح جملہ بن کر صلہ' پھر موصول صلہ مل کر مجرور جار کا' پھر جار مجرور مل کر متعلق ہے مختبط کے۔ مختبط اپنے متعلق سے مل کر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل ہے فعل محذوف کا جو کہ یبکی ہے۔

تیسرا درجہ تشریحِ الفاظ اور مطلب' ضارع کا معنی ایسا عاجز آدمی جس کا کوئی مددگار نہ ہو اور مختبط کا معنی ہے ایسا سائل جس کا کوئی سفارشی نہ ہو یعنی سائل بلاواسطہ' تطیح بمعنی ہلاک کرنا طوائح جمع ہے مطیحة کے خلاف قیاس ہے کیونکہ قیاس تو یہ جمع بنتی ہے طائحة کی بمعنی ہلاکت کے۔ جب کہ یہاں مہلکات مراد ہیں۔

مطلب شعر چاہیے کہ رویا جائے یزید کو' سوال مقدر ہوا مَنْ يَّبْكِيْهِ کہ کون روئے اس کو جواب دیا ہے کہ روئے اس کو جھگڑے سے عاجز آنے والا اور بے وسیلہ سوال کرنے والا بوجہ ہلاک کردینے حوادثات زمانے کے۔

چوتھا درجہ شعر کا ماقبل سے تعلق کیا ہے؟ کیونکہ یہ اشعار کی کتاب تو ہے نہیں اس کا تعلق یہ ہے کہ پہلی مثال سوال محقق کی تھی یہ دوسری مثال سوال مقدر کی ہے۔

پانچواں درجہ محلِ استشہاد ضارع ہے جو کہ فاعل ہے فعل محذوف کا جو کہ یبکی ہے۔

قاعدہ فاعل اور نائب فاعل فعل سے اور خبر مبتداء سے اور جزاء شرط سے مستفاد نہ ہو تا کہ جدید فائدہ حاصل ہو ورنہ تو تاکید ہوں گے جو کہ باطل ہے۔ اب سوال ہوگا تطیح کا اسناد الطوائح بمعنی مطیحات کی طرف کیسے درست ہوسکتا ہے۔

جواب ① الطوائح پر الف لام موصول کا اب اسناد کے وقت تغایر ہوجائے گا۔

جواب ② مہلکات سے مراد وہ امور عظیمہ جن میں جمعیت ملحوظ ہے ولا یستفاد ھذان القیدان من

نفس الفعل۔

حذف وجوبی کی مثال وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ یہاں پر احد فاعل ہے جس کا فعل استجارك محذوف ہے نفس حذف پر۔ قرینہ اِنْ کا اسم پر داخل ہونا۔ حالانکہ فعل پر داخل ہوتا ہے تعیین حذف پر۔ قرینہ بعد والا استجارك ہے اور سد مسد کا قرینہ یہی بعد والا فعل ہے جو کہ مُفسِّر ہے۔

سوال یہاں پر فعل کا حذف وجوبی کیوں ہے۔

جواب قاعدہ ہے کہ مُفسَّر اور مُفسِّر جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ تفسیر رفع ابہام کے لیے ہوتی ہے جب مُفسَّر مذکور ہوگا تو ابہام ہوگا ہی نہیں۔ پھر تفسیر کی کیا ضرورت؟

سوال جَاءَنِی رَجُلٌ ای زید میں مُفسَّر اور مُفسِّر دونوں کا اجتماع ہے۔ لہٰذا آپ کا مذکورہ قاعدہ غلط ہوا۔

جواب مُفسِّر سے مقصود ابہام کا رفع ہونا ہے اور ابہام کی دو قسمیں ہیں ① ابہام جس کا منشاء حذف ہو۔ ② وہ ابہام جس کا منشاء حذف نہ ہو بلکہ مادہ حروف ہو۔ جب ابہام کی قسم اول کا رفع مقصود ہو تو مُفسَّر اور مُفسِّر کا اجتماع جائز نہیں اور قسم ثانی میں جائز ہے۔ ہماری مثال قسم اول سے ہے جب کہ آپ کی مثال قسم ثانی سے ہے۔

سوال شاید و ان احد الخ میں ان مخففہ ہو یا نافیہ ہو یا زائدہ ہو۔

جواب یہ تینوں نہیں بن سکتے کیونکہ جزاء پر فاء موجود ہے۔

فاجره لعدم اللام ينتفي الاول، وعدم الاستثناء ينتفي الثاني وعدم التبادر الى الزيادة ينتفي الثالث

فائدہ اخفش کے نزدیک حرفِ شرط کا دخول اسم پر جس کی خبر فعل ہو جائز ہے۔ لہٰذا ان کے مذہب پر حذف وجوبی کی مثال نہیں بن سکتی۔

سوال فعل کا حذف احوالِ فعل سے ہے نہ کہ احوالِ فاعل سے لہٰذا احوالِ فاعل کا ذکر خروج عن المبحث ہے۔

جواب فعل کا رافع للفاعل ہونے کی حیثیت سے متعلقاتِ فاعل میں سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ شیٔ کے متعلقات کی بحث بھی شیٔ کی بحث ہوتی ہے لہٰذا خروج عن المبحث نہ ہوا۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ ماقبل میں فاعل کے احوال بلاواسطہ کی بحث تھی یہاں بالواسطہ کی بحث ہے۔

سوال جوازاً یہ صفت ہے حذفاً کی، اور صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے یہاں پر حمل درست

نہیں اس لیے کہ حمل نام ہے اتحاد المتغایرین ذھناً فی الخارج یعنی ذہن کے اعتبار سے دو متغایر چیزوں کا خارج میں متحد ہونا' اور یہ دونوں حذف اور جواز خارج میں بھی متغایر ہیں کیونکہ حذف کے معنی عدم الذکر فی الخارج کے ہیں' اور جوازاً کے معنی سلب الضرورۃ عن جانب الوجود و العدم۔ لہذا یہ دونوں متغایر مبائن ہوئے اور مبائن کا مبائن پر حمل صحیح نہیں ہوتا تو پھر جوازاً کا حذفاً پر حمل کیسے درست ہوسکتا ہے۔

جواب دونوں میں تباین تب ہوسکتا ہے جب کہ جوازاً اپنے معنی مصدری پر باقی رہے حالانکہ یہاں جائزاً اسم فاعل کے معنی میں ہے ان میں کوئی تباین نہیں جیسے کہا جاتا ھذا الحذف جائز۔

وَقَدْ يُحْذَفَانِ مَعًا فِيْ مِثْلِ نَعَمْ لِمَنْ قَالَ قَامَ زَيْدٌ حکم پنجم کا بیان ہے۔ حذف کی تین صورتیں ہیں۔ اول حذف فعل فقط' جس کو ماقبل میں بیان کردیا۔ دوم حذف فاعل فقط' جس سے سکوت اختیار کیا جو عدمِ جواز پر دلیل ہے۔ اس لیے مقامِ بیان میں سکوت دلیلِ عدم ہوتا ہے۔

جامع الغموض فعل فاعل دونوں کا اکٹھے حذف کرنا اس کو مصنفؒ یہاں پر بیان کررہے ہیں کہ فعل وفاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کرنا جائز ہے جیسے اقام زید کے جواب میں نعم یعنی ہر وہ جواب جو صرف ایجاب کے ساتھ ہو۔ یعنی نعم قام زید اور یہ حذف جوازی ہے کیونکہ جو سوال محقق یا مقدر کے جواب میں ہو وہ حذف جوازی ہوتا ہے۔ نیز حذف وجوب کے لیے شرط ہے کہ قائم مقام ہو یہاں پر نہیں۔

سوال نعم قائم مقام ہے قام زید کے لہذا یہ حذف وجوبی ہونا چاہیے۔

جواب موجود تو ہے مگر قام زید کے معنی پر دلالت نہ کرنے کی وجہ سے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی نِسبت تامہ پر دلالت ہے جب کہ اس کی نہیں بلکہ حرف کی دلالت نِسبت تامہ پر ہوتی ہی نہیں۔ اس کی دلالت نِسبت ناقصہ قیامِ زید پر ہوگی' لہذا حذف وجوبی نہ ہوگا۔

سوال یا زید میں یاء حرفِ نداء کی دلالت نِسبت تامہ پر ہے ادعو کی طرح لہذا یہ کہنا کہ حرف کی نِسبت تامہ پر دلالت نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔

جواب یہ سماعًا ہے جس پر کسی اور حرف کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سوال اس پر کیا دلیل ہے کہ نعم کے بعد قام زید جملہ فِعلیّہ محذوف ہے زید قام جملہ اسمیّہ کیوں حذف نہیں ہوسکتا۔

جواب سوالیہ کلام دلیل ہے کہ جب سوالیہ کلام جملہ فِعلیّہ ہے تو جوابیہ کلام بھی جملہ فِعلیّہ ہونا

چاہیے کیونکہ جب تک مانع نہ ہو تو مطابقت اولیٰ ہوتی ہے۔

سوال حذفِ وجوبی کے لیے قائم مقام کی شرط لگانا غلط ہے اس لیے لولا کا جواب خبر کی جگہ ہے حالانکہ قائم مقام بننے کی صلاحیت نہیں۔ نیز نعم کے بعد کوئی جملہ کسی مقام میں مسموع نہیں یہ بھی وجوب کی علامت ہے۔

والجواب عن الاول : جملہ فعلیہ اور خبر میں فرق ہے۔ جملہ فعلیہ امورِ ثلاثہ پر مشتمل ہے جس کے قائم مقام بننے کے لیے ضروری ہے اس میں ادائِ معنی کی صلاحیت ہو بخلاف خبر کے اس لیے کس چیز کا اس کی جگہ ٹھہر جانا کافی ہے۔

والجواب عن الثانی : حذف اور ذکر دلیل کا مُقتضیٰ ہے والسماع بمعزل عن الدلیل۔

وَاِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ ظَاهِرًا بَعْدَهُمَا یہاں سے مصنف فاعل کا حکم سادس بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے احوالِ خمسہ فاعل غیر متنازع فیہ کے تھے یہ حال سادس متنازع فیہ کا ہے اگرچہ اس میں غیر فاعل کے احوال بھی بیان ہوں گے مگر استطرادا و تبعاً تنازع الفعلین کے مسائل میں درجات خمسہ کا ذکر ہوگا۔

درجہ اول : در تعریفِ تنازع و اذا تنازع الفعلان ظاہرا بعدہما۔

فائدہ باب تفاعل میں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ جس وقت باب مفاعلہ متعدی بیک مفعول ہو تو اس کو باب تفاعل پر لانے سے لازمی ہوجاتا ہے جس طرح ضارب زید بکرا اس باب تفاعل سے تضارب زید و بکر لازمی ہوں گے اور باب مفاعلہ متعدی بدو مفعول ہو تو باب تفاعل پر لانے سے متعدی بیک مفعول ہوجائے گا جیسے فیما نحن فیہ میں۔ اگر باب مفاعلہ سے لاتے تو عبارت یہ ہوتی اذا نازع الفعلان ظاہرا باب تفاعل پر لانے سے عبارت یہ ہوگی اذا تنازع الفعلان ظاہراً

تعریف تنازع : جب تنازع کرے دو فعل ایسے اسم ظاہر میں جو ان کے بعد واقع ہو اس شرط کی جزاء محذوف ہے فیجوز اعمال کل واحد منہما

سوال تنازع کا معنی جھگڑا کرنا ہے یہ تو ذی روح چیز کی صفت ہے جب کہ فعل غیر ذی روح ہے ان کا تنازع کیسے ہوا؟

جواب تنازع کا اصطلاحی معنی مراد ہے لغوی نہیں یعنی دو فعل کے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں دونوں کے لیے علی السبیل البدلیۃ معمول بننے کی صلاحیت ہو۔

سوال تنازع بایں معنی تو شبہ فعل میں موجود ہے پھر فعل کی تخصیص کیوں کی؟۔ جیسے زید ضارب و مکرم بکراً

جواب فعل سے مراد عامل ہے۔

سوال العاملان کیوں نہیں کہا؟

جواب اس لیے کہ فعل عمل میں اصل ہے۔

سوال تنازع دو فعل سے زیادہ میں بھی ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے: تُسَبِّحُوْنَ وَتُحَمِّدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ (الحدیث) پھر دو کی تخصیص کیوں کی۔

جواب دو کا ذکر حصر کے لیے نہیں بلکہ اقل درجہ کا بیان ہے کہ دو سے کم میں نہیں ہوتا۔

سوال اسم ظاہر کی تخصیص کر کے اسم ضمیر کو کیوں خارج کر دیا؟

جواب ضمیر مُتَّصِل ہو گی یا مُنْفَصِل ضمیر مُتَّصِل میں تنازع ممکن ہی نہیں کیونکہ جس کے ساتھ وہ ضمیر مُتَّصِل ہو گی وہی اس کا عامل ہو گا اور ضمیر مُنْفَصِل میں تنازع ممکن تو ہے مگر جب کہ الا کے ساتھ ہو علیٰ مذہب البصریین و الکوفین قطع تنازع کا ممکن نہیں۔ جیسے ما ضرب و ما اکرم الا انا بصریین کے نزدیک فعل ثانی کا اعمال اول کے لیے اضمار اور کوفیین کے ہاں برعکس ہے بہرتقدیر یہاں پر دونوں طریقے جاری نہیں ہو سکتے کیونکہ اضمار (الا ان) ضمیر کا مع حرف الا کے ہو گا یا بغیر حرف الا کے۔ اول صورت میں حرف کا فعل میں استتار لازم آتا ہے' جو کہ نا جائز ہے۔ اور ثانی میں معنی کے خلاف مقصود لازم آتا ہے۔ کیونکہ مقصود متکلم اثبات تھا اب نفی ہو جائے گی اس لیے کہ ظاھرا کی قید لگا کر تخصیص کر دی۔

سوال بعدھما کی قید کیوں لگائی؟

جواب اس لیے کہ اگر وہ اسم ظاہر دونوں پر مقدم ہو یا دونوں کے متوسط ہو تو تنازع نہ ہوا بلکہ وہ فعل کا معمول ہو گا۔

درجہ ثانی: تصویر تنازع' فقد یکون فی الفاعلیۃ مثل ضربنی و اکرمنی زید تنازع کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: دونوں فعل فاعیلت کا تقاضا کریں۔

دوسری صورت: دونوں مفعولیت کا تقاضا کریں۔

تیسری صورت: فعل اول فاعلیت کا تقاضا کرے اور فعل ثانی مفعولیت کا۔

چوتھی صورت: فعل اول مفعولیت اور فعل ثانی فاعلیت کا۔

درجہ ثالث: در اختلاف در جواز و عدم جواز

جَازَ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ جمہور نحاۃ کے نزدیک علیٰ سبیل البدلیت دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے

لیکن ایک نحوی فراء کے نزدیک ایک صورت میں دوسرے فعل کو عمل دینا جائز نہیں۔

درجہ رابعہ : اختلاف در اختیار و عدمِ اختیار بصریین کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا مختار ہے اور کوفین کے نزدیک فعل اول کو۔

بصریین کے دلائل : دلیل عقلی ① اگر فعل اول کو عمل دیا جائے تو عامل اور معمول میں اجنبی کا فاصلہ لازم آئے گا۔ ② فعل اول پر عطف لازم آئے گا قبل تمامہ بالفاعل۔ ③ الحق للقرب و الجوارح دلیل کتبی : رسم الخطی بھی بصریین کے مذہب کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے ضربانی و اکرمنی الذیدان، دلیل نقلی : قرآن مجید میں ہے : ھاوم اقراء کتابیہ، اتونی افرغ علیہ قطراً

دلائل کوفیین : عقلی دلیل : الاول فالاول جو پہلے آئے گا وہ پہلے پائے گا۔ دلیل عقلی اگر دوسرے فعل کو عمل دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ دلیل نقلی : امراء القیس کا شعر جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

درجہ خامس : در قطع تنازع

فَإِنْ اَعْمَلْتَ الثَّانِيَ اَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْاَوَّلِ عَلٰى وَفْقِ الظَّاهِرِ دُوْنَ الْحَذْفِ خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ

بصریوں کے مذہب پر قطع تنازع کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دونوں فعل فاعلیت کا تقاضا کریں یا فقط فعل اول تو عمل فعل ثانی کو دیں گے اور فعل اول کے لیے انتظام کی عقلی طور پر تین صورتیں ہیں : ① حذف ② ذکر ③ اضمار۔ حذف تو کر نہیں سکتے کیونکہ فاعل کا حذف بغیر قائم مقام کے ناجائز ہے، اور ذکر بھی نہیں کرسکتے کیونکہ تکرار لازم آئے گا جو کہ قبیح ہے۔ پس اضمار ہی متعین ہوا کہ پہلے کے لیے ضمیر کو دیں گے اسم ظاہر کے مطابق۔ باقی رہا اضمار قبل الذکر تو وہ عمدہ میں جائز ہے لیکن ایک نحوی کسائی حذف مانتے ہیں اور فراء نحوی فعل ثانی کو عمل دینا ناجائز سمجھتے ہیں اس لیے کہ اگر فعل اول کے لیے اضمار کریں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اور اگر حذف مان لیں جیسا کہ امام کسائی کا مذہب ہے حذف فاعل کا لازم آئے گا جب کہ دونوں ممنوع ہیں۔ جمہور کی طرف سے جواب آگے ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر فعل اول مفعولیت کا تقاضا کرے اور وہ افعال قلوب سے نہ ہوں تو فعل اول کے مفعول کو محذوف جان لیں گے کیونکہ قطع تنازع کے وہی تین طریقے ہیں۔ ذکر کریں تو تکرار لازم آئے گا اور اضمار کریں تو اضمار قبل الذکر فضلہ کا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے لہذا حذف ہی متعین ہوا کیونکہ مفعول کا حذف جائز ہے اگر فعل اول افعالِ قلوب سے ہو تو فعل اول کے لیے مفعول ظاہر کردیں گے۔ کیونکہ حذف کریں تو افعال قلوب

کے مفعول کا حذف لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے اور اگر ذکر کریں تو تکرار ہوگا لہذا اظہار ہی متعین ہوا۔

وَاِنْ اَعْمَلْتَ الْاَوَّلَ اَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الثَّانِيْ وَالْمَفْعُوْلَ عَلَى الْمُخْتَارِ اِلَّا اَنْ يَمْنَعَ مَانِعٌ

کوفیوں کے مذہب پر قطع تنازع کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دونوں فعل فاعلیت تقاضا کریں تو بہر حال عمل فعل اول کو دیا جائے گا اور فعل ثانی کے لیے ضمیر کر دیں گے یہ اضمار قبل الذکر فقط لفظاً ہوگا نہ کہ رتبۃً۔ حذف اور ذکر دونوں طریقے نہیں چل سکتے اور اگر دونوں مفعولیت یا فقط فعل ثانی مفعولیت کا تقاضا کرے اور وہ افعال قلوب میں سے نہ ہو تو عمل فعل اول کو دیا جائے گا اور فعل ثانی کے لیے حذف اور اضمار دونوں جائز ہے مگر ضمیر کرنا مختار ہے تا کہ ملفوظ مراد کے مطابق ہو جائے اور اگر فعل ثانی افعالِ قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی کے لیے مفعول کو ظاہر کریں گے کیونکہ باقی دو طریقے ناجائز ہیں۔ حذف اس لیے نہیں کر سکتے کہ افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کو حذف کرنا ناجائز ہے اور اضمار بھی نہیں کر سکتے اس لیے اگر ضمیر کر دیں تو دو حال سے خالی نہیں ہوگا ضمیر مفرد کی کریں گے یا تثنیہ کی۔ اگر مفرد کی ضمیر نکالیں تو راجع مرجع میں مطابقت ہوگی مگر افعال قلوب کے دو مفعولوں میں مطابقت نہیں آئے گی اور اگر تثنیہ کی نکالیں تو راجع مرجع میں مطابقت نہیں آئے گی۔ باقی رہا ایک طریقہ اظہار جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقاً۔

كَفَانِيْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِّنَ الْمَالِ کوفیین حضرات کا مستدل امرالقیس کا شعر نقل کر کے مصنف جواب دے رہے ہیں اس شعر میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع ہے۔ قلیل میں فعل اول کا مقتضی فاعلیت اور فعل ثانی مفعولیت ہے اتنے بڑے فصیح بلیغ شاعر نے فعل اول کو عمل دیا ہے جس سے معلوم ہوا فعل اول کو عمل دینا مختار ہے مصنفؒ نے بصریین کی طرف سے جواب دیا ہے کہ یہ تنازع الفعلین میں سے ہے ہی نہیں لم اطلب (قلیل) کو اپنا مفعول بنانے کا تقاضا نہیں کیونکہ اگر اس کو تنازع الفعلین سے بنایا جائے تو معنی ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس شعر کا پہلا مصرعہ لو انما اسعی لادنی معیشة۔ اور لو کے لیے قاعدہ ہے کہ "اگر یہ مثبت پر داخل ہو تو اسے منفی کر دیتا ہے اور اگر منفی پر داخل ہو تو مثبت"۔ اس شعر کا معنی یہ ہے کہ اگر میں کوشش کرتا ادنی گزران کے لیے تو کافی ہوتا مجھ کو تھوڑا مال۔ یعنی میں نے ادنی گزران کی کوشش نہیں کی اس وجہ سے کہ مجھے تھوڑا مال کافی نہیں ہوا۔ اگر قلیل کو لم اطلب کا مفعول بنایا جائے تو معنی ہوگا کہ میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں۔ اس طرح معنی فاسد ہو گیا۔ کیونکہ عدم سعی عدم طلب مال کو مستلزم ہے۔ اور اس طرح عدم کفایتِ مال مستلزم ہے عدم طلب مال کو۔ لہذا لم اطلب اس کا تقاضا ہی نہیں کرتا کہ قلیل اس کا مفعول ہو، بلکہ اس کا مفعول محذوف ہے جو کہ المجد المؤثل

ہے جس پر قرینہ اگلا شعر ہے لکنما اسعی لمجد مؤثل وقد یدرك المجد المؤثل امثالی

فائدہ اضمار قبل الذکر کی دو قسمیں ہیں ① اضمار قبل الذکر فی العمدۃ ② اضمار قبل الذکر فی الفضلہ۔ پھر ہر ایک کی تین تین صورتیں ہیں ① بتفسیر محض ② بتفسیر مـا ③ بلا تفسیر اضمار قبل الذکر فی العمدہ للتفسیر محض جائز ہے جیسے نعم رجلا اور ضمیر شان اور بتفسیر ما بھی جائز ہے جیسے تنازع الفعلین میں تیسری صورت بلاتفسیر ناجائز ہے غیر محقق ہے۔ اور اضمار قبل الذکر فی الفضلہ جائز ہے بشرط تفسیر محض جیسے فقضھن سبع سموات و ربہ رجلا۔ باقی دونوں ناجائز ہیں۔ ثانی جیسے تنازع الفعلین میں اور ثالث غیر محقق ہے۔

وَمَفْعُوْلُ مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ مصنفؒ مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہ کو بیان کررہے ہیں۔

سوال لم یسم فعل مجہول تسمیۃ سے ماخوذ ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے لیکن یہاں پر مفعول ثانی کیوں مذکور نہیں۔

جواب یہاں (لم یسم) بمعنی لم یذکر ہے۔ یہ ذکر ملزوم اور ارادہ لازم کے قبیل سے ہے۔

سوال یہ نائب فاعل مرفوعات کا مستقل قسم تھا تو فاعل اور مبتدا وغیرہ کی طرف منہ یا منھا سے کیوں شروع نہیں کیا گیا؟

جواب اس لیے کہ اس کا فاعل کے ساتھ شدید اتصال تھا قائم مقام بھی بنتا تھا اور احکام فاعل میں شریک بھی تھا حتیٰ کہ علامہ زمخشری نے اس کو فاعل قرار دیا۔

سوال فاعلہ آپ نے فاعل کی نسبت مفعول کی طرف کردی حالانکہ فاعل فعل کا ہوتا ہے اس لیے فعل کی طرف نسبت کرنی چاہیے تھی۔

جواب کہ ادنیٰ تعلق اور ربط کی وجہ سے کردی گئی ہے وہ تعلق و ربط یہ ہے کہ فاعل ایسے فعل کا ہوتا ہے جو کہ مفعول کے متعلق ہوتا ہے۔

كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهٗ وَاُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهٗ تعریف کا بیان ہر وہ مفعول جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور اس مفعول کو اس کی جگہ ٹھہرایا گیا ہو۔

سوال آپ کی یہ تعریف دخول غیر مانع نہیں انبت الربیع البقل میں الربیع فاعل پر صادق آتی ہے اس لیے کہ اصل میں انبت اللہ البقل فی الربیع تھا پھر لفظ اللہ جو کہ فاعل تھا اس کو حذف کرکے اس کی جگہ الربیع مفعول کو ٹھہرا دیا۔

جواب ہماری شرط یہ ہے کہ اقامت سے پہلے کا معنی اقامت کے بعد بھی باقی رہے جو کہ آپ

کی پیش کردہ مثال میں نہیں لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع ہوئی۔

سوال لفظ کل کو تعریف میں ذکر کرنا درست نہیں کیونکہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی جب کہ لفظ کل کمیتہ افراد بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

جواب یہاں پر اور اسی طرح اور تعریفات میں لفظ کل کو تعریف کے جامع مانع بنانے کے لیے لایا جاتا ہے نہ کہ کمیت افراد کے بیان کے لیے۔

سوال مصنفؒ نے اقیم کے بعد ھو ضمیر کیوں لائے؟ یوں کیوں نہیں کہا واقیم مقامہٗ

جواب ایک وھم سے بچانے کے لیے ھو ضمیر لائے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے ھو مقامہ اقیم کا نائب فاعل ہے بلکہ نائب فاعل وہ ضمیر ہے جو اقیم میں ہے۔ **یاد رکھیں** یہاں پر مقام بضم المیم پڑھنا ہے۔

وَشَرْطُهٗ اَنْ تُغَيَّرَ صِيْغَةُ الْفِعْلِ اِلٰى فُعِلَ اَوْ يُفْعَلُ تعریف کے بعد شرط کو ذکر کر رہے ہیں مفعول مالم یسم فاعلہ کے لیے شرط یہ ہے کہ صیغہ فَعَلَ کو فُعِلَ کی طرف اور یَفْعَلُ کو یُفْعَلُ کی طرف منتقل کردیا جائے تا کہ غرابتِ لفظ غرابتِ معنی پر دلالت کرے کہ یہ وزن بھی نسبۃً غریب یعنی قلیل الاستعمال ہے اور نائب بھی نسبۃً غریب ہے۔

سوال اس شرط سے ثلاثی مزید اور رباعی مجرد و مزید کا مفعول مالم یسم فاعلہ نکل جاتا ہے۔

جواب یہاں ذکر تو علم کا ہے مگر مراد وصف عام ہے یعنی ہر وہ کلمہ جو ماضی مجھول ہو یا مضارع مجھول جس طرح کہ کہا جاتا ہے لکل فرعون موسیٰ۔

سوال پھر بھی اس اسم مفعول کا نائب فاعل خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ نہ ماضی مجھول ہے اور نہ مضارع مجھول۔

جواب یہاں پر صیغہ صفت کا حکم متروک ہے جو کہ بالمقاسیہ معلوم ہوگا۔

سوال اس شرط کے بغیر بھی مفعول مالم یسم فاعلہ واقع نفس الامر میں موجود ہے۔

جواب یہ شرط نائب فاعل کے واقع نفس میں موجود ہونے کے لیے نہیں بلکہ فاعل کے حذف اور نائب فاعل کو اس کی جگہ ٹھہرانے کے لیے ہے۔

وَلَا يَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ وَالثَّالِثُ مِنْ بَابِ اَعْلَمْتُ وَالْمَفْعُوْلُ لَهٗ وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهٗ كَذٰلِكَ اب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ان مفاعیل کو بیان کر رہے ہیں جو کہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ وہ چار مفاعیل ہیں۔

باب علمت کا دوسرا مفعول فاعل کے قائم مقام نہیں بن سکتا۔

دلیل اس لیے یہ مفعول ثانی مسند باسناد تام ہوتا ہے۔ اگر اس کو قائم مقام فاعل بنا دیا جائے تو مسند الیہ باسنادِ تام ہوگا جس سے لازم آئے گا شئ واحد کا ترکیب واحد ہی مسند اور مسند الیہ باسنادین تامین ہو کہ ناجائز ہے۔

سوال اعجبنی ضرب زید عمروا میں ضرب مسند الیہ بھی ہے اور مسند بھی۔

جواب ضرب کا مسند الیہ ہونا تو باسناد تام ہے کیونکہ فعل کا اسناد تام ہوتا ہے لیکن ضرب کا مسند ہونا باسنادِ ناقص ہوتا ہے کیونکہ مصدر کا اسناد ناقص ہوتا ہے۔ لہذا ایک اسناد تام ہوئی اور دوسری ناقص، یہ جائز ہے۔

عند البعض ① باب علمت کا مفعول ثانی قائم مقام فاعل بن سکتا ہے۔ باقی رہا شئ واحد کا مسند اور مسند الیہ ہونا باسنادین تامین ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت جائز نہیں جب جہت واحدہ ہو، یہاں پر دو جہتیں ہیں جیسے شئ واحد کا مضاف اور مضاف الیہ ہونا جہتین کی وجہ سے ترکیب واحد میں واقع ہے۔ ② باب اعلمت کا مفعول ثالث بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اس کی دلیل بھی وہی سابق ہے۔ ③ مفعول لہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

دلیل مفعول لہ عِلّت ہوتا ہے اور اس کی علیت نصب پر موقوف ہے جس کی علیت ختم ہوجائے گی جب عِلّت نہیں رہے گی تو مفعول لہ وجود ہی نہیں رہے گا۔ لہذا اس کو فاعل کے قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا۔

سوال یہ دلیل مُقتضی ہے کہ مفعول فیہ بھی قائم مقام نہ بنے کیونکہ اس میں بھی نصب ظرف کے لیے مشعر ہے۔

جواب مفعول لہ اور ظرف میں فرق ہے کہ ظرف ہمیشہ زمان یا مکان ہوتا ہے جس کی ذات سے ظرفیت مفہوم ہوتی ہے۔ لہذا شعر کے معدوم ہونے سے ظرفیت ختم نہیں ہوگی بخلاف مفعول لہ کے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ ④ مفعول معہ یہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

دلیل اس کی اقامت مع الواؤ ہوگی یا بدون الواو۔ اگر مع الواو ہو تو واو عاطفہ ہوگی حالانکہ مسند اور مسند الیہ کے درمیان واو عاطفہ نہیں آسکتی۔ اگر اقامت بدون الواو ہو تو مفعول معہ باقی نہیں آئے گا جو کہ خلاف مفروض ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

سوال مفعول لہ اور مفعول معہ کا عطف بصورۃ عطف الجملہ علی الجملۃ کیوں کیا گیا ہے حالانکہ اختصار عطف المفرد علی المفرد میں تھا۔

جواب اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے باب علمت کا مفعول ثانی اور اعلمت کا مفعول ثالث کی عدمِ اقامت اتم اور اقویٰ ہے ان سے۔ نیز عطف الاسمیۃ علی الفعلیۃ لاکر اس بات پر بھی تنبیہ کردی کہ اخیرین میں علت متغایر ہے اگر عطف المفرد علی المفرد ہوتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ تمام کی علت متحد ہے۔

وَاِذَا اُوجِدَ الْمَفْعُوْلُ بِهٖ تَعَيَّنَ لَهٗ جس وقت مفعول بہ موجود ہو تو صرف اس ہی کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے اور کسی کی نہیں۔

سوال مفعول بہ کی موجودگی میں وہی کیوں متعین ہے جب کہ نفی مفعولیت میں تمام شریک ہیں۔

جواب فاعل کے ساتھ گہرا تعلق ہے مفعول بہ کا کہ جس طرح فعل کا سمجھنا موقوف ہے فاعل پر اسی طرح فعل متعدی میں فعل کا تعقل موقوف ہے مفعول بہ پر۔

بعنوانِ دیگر فعل متعدی کو وجود خارجی تمام معمولات کی طرف حاجت ہے اور وجود ذہنی میں فاعل اور مفعول بہ کی طرف حاجت ہے اور وجود ترکیبی میں فقط فاعل کی طرف حاجت ہے لہذا فاعل کے بعد تمام معمولات میں سے فعل متعدی کو زیادہ احتیاجی مفعول بہ کی ہے۔ (کیونکہ وجود میں اس کا محتاج ہے)

فائدہ مفعول بہ کی نائب فاعل کے لیے تعیین عند البصریین بطریق وجوب ہے اور عند الکوفیین بطریقِ اولیت کے ہے بصریین کی ایک دلیل اول تو یہی ہے جو ابھی ذکر کی گئی ہے۔

دلیل ثانی فعل مجہول کی وضع اسناد الی المفعول بہ کے لیے ہے یہ حقیقۃ عقلیہ ہے اور غیر کی طرف مجاز عقلی ہے جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو مجاز پر عمل کرنا غلط ہے۔

دلائل کوفیین قرآن مجید میں ہے لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ، ظرف نائب فاعل ہے یجزی قوماً بما کانو یکسبون اس میں بھی ظرف ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فَالْجَمِيْعُ سَوَاءٌ اگر مفعول بہ عبارت میں موجود نہ ہو تو باقی تمام برابر ہیں؟

سوال جب مصنفؒ درپے اختصار تھے تو ان کو چاہیے تھا کہ عبارت اس طرح لے آتے فالبواقی سواء اس میں اختصار ہو جاتا۔

جواب یہاں پر نحاۃ کا بہت زیادہ اختلاف تھا جب کہ تحریر کردیا گیا ہے۔ نیز مفعول بہ کی غیر موجودگی کی صورت میں عند البعض مفعول مطلق اور عند البعض مفعول بالواسطہ اور عند البعض مفعول فیہ مگر زمانی مقدم مکانی پر۔ اس لیے یہ عبارت لاکر بعض نحویوں کی تردید کرکے اکثر کی تائید کی ہے۔

وَمِنْهَا الْمُبْتَدَاءُ وَالْخَبَرُ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مفعول مالم یسم فاعلہ سے فارغ ہونے کے بعد

مرفوعات کی تیسری قسم (مُبتداء) اور چوتھی قسم (خبر) کو بیان کرتے ہیں اس کا عطف فمنه الفاعل پر کیا جائے گا کیونکہ دونوں جملوں کے مسند الیہ اور مسند میں مطابقت ہے۔ اگر مفعول مالم یسم فاعله پر کیا جائے تو مسند الیہ میں تو مطابقت ہوگی لیکن مسند میں نہیں۔

سوال فاعل کی بحث کے شروع میں تو منه لائے اور مُبتداء خبر کی بحث میں منها باقی مرفوعات میں کیوں نہیں لائے۔ حالانکہ ہر ایک علیحدہ حکم رکھتا ہے اس کی کیا حکمت ہے۔

جواب جیسا کہ آپ کو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فاعل اور مُبتداء کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر نحویوں کے نزدیک مرفوعات میں اصل فاعل ہے اور بعض کے نزدیک مُبتداء اصل ہے باقی تابع ہیں۔ اس لیے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ دو مذہبوں کی رعایت کرتے ہوئے ان کی اصالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ منه اور منها لائے لیکن مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ فاعل کی بحث کو مقدم کرکے پہلے مذہب کو ترجیح دی ہے۔

سوال فاعل سے پہلے منه اور مُبتداء سے پہلے منها لائے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب فاعل چونکہ قریب تھا اس لیے منه لاکر اس کا مرجع معنوی بنادیا جب کہ مُبتداء بعید بلکہ ابعد تھا اس لیے ضرورت تھی مرجع لفظی بنایا جائے تو یہاں پر منها کہدیا۔ نیز تفنن فی العبارت ہے۔

سوال مُبتداء اور خبر کو ایک عنوان میں کیوں جمع کیا جب کہ باقی میں ایسا نہیں کیا اس کی کیا حکمت ہے۔

جواب مُبتداء خبر کے درمیان تعلق خاص ہے ① کہ دونوں میں اصل کے لحاظ سے تلازم ہے۔ مُبتداء بغیر خبر کے اور خبر بغیر مُبتداء کے نہیں ② دونوں کا عامل معنوی میں بھی اشتراک ہے۔

فَالْمُبْتَدَاءُ هُوَ الْاِسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ مُسْنَدًا اِلَيْهِ

مُبتداء کی تعریف: مُبتداء ایسے اسم حقیقی یا حکمی کو کہا جاتا ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو کر کلام میں مسند الیہ بن رہا ہو۔

سوال یہ تعریف حشو پر مشتمل ہے کیونکہ دو آلہ حصر جمع ہیں ① مسند الیہ معرف بلام الجنس ہے جو کہ مفیدِ حصر ہوتا ہے' اور هو صیغہ فعل بھی مفیدِ حصر ہے۔ لہذا ایک آلہ بے کار بے فائدہ ہے۔

جواب مُعترض جی نہیں کہ الف لام نے مسند میں مسند الیہ کے حصر کا فائدہ دیا ہے جیسے ان اللہ هو الرزاق جس سے تعریف کی جامعیت اور ضمیرِ فعل نے مسند الیہ میں مسند کے حصر کا فائدہ دیا ہے۔ جیسے الامیر زید و الشجاع عمرو جس سے تعریف کی مانعیت کی طرف اشارہ ہوا۔ لہذا جب دونوں بافائدہ ہوئے تو تعریف کسی حشوِ زائد پر مشتمل نہ ہوئی بلکہ تاسیس حاصل ہوئی۔

سوال علامہ تفتازانی نے کہا کہ ضمیر فصل دونوں قصر کا فائدہ دیتی ہے پھر لام کا کیا فائدہ ہوگا؟

جواب مُبتدا کا قصر خبر میں دو مرتبہ ہوگا ① لام سے اور ایک مرتبہ فصل سے۔ پس ثانی اول کی تاکید ہوگی جس سے ان حضرات پر مبالغۃ رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ مُبتدار کی تین قسمیں ہیں، دو یہی اور تیسری قسم اسم الفعل کو بناتے ہیں جو بمعنی ماضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسم الفعل اور مابعد والا علم عامل لفظی سے خالی ہوگا یہی وجہ ہے کہ مصنف فاعل کی تعریف میں صیغہ فعل نہیں لائے۔

سوال یہ جامع تعریف نہیں کیونکہ ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا مُبتدار ہے مگر اسم نہیں۔

جواب اسم میں تعمیم ہے خواہ اسم حقیقۃً ہو یا حکماً۔ اور یہ اسم حکمی ہے۔

سوال یہاں پر تو یہ جواب چل جائے گا مگر (التسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ) میں جو تسمع مُبتدار ہے اس میں نہیں چل سکتا ہے۔

جواب اس کی تحقیق احقر کی تصنیف تنویر شرح نحو میر میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال تجرید کہتے ہیں اعدام بعد الوجود کو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مُبتدار کا پہلے عامل لفظی ہوتا ہے بعد میں اس سے خالی کیا جاتا ہے حالانکہ مُبتدار کا عامل سرے سے عامل لفظی ہوتا ہی نہیں۔ لہذا المجرد کا لفظ لانا درست نہیں۔

جواب یہاں پر مجازاً عدم مراد ہے یعنی ذکر الخاص وارادۃ العام اور ذکر الملزوم وارادۃ اللازم کے قبیل سے ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ مُبتدار وہ ہے جس کا عامل لفظی نہ ہو۔

بعنوانِ دیگر: کبھی کبھی امکان الوجود بمنزلتہ العموم کے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں امتنا اثنتین میں عدم اصلی کو اماتۃ قرار دیا جیسے سبحان من صغر جسم البعوضہ او کبر جسم الفیل، ضیق فم البیر

سوال عامل لفظی کا نہ ہونا یہ ایک عدمی چیز ہے اور عدمی چیز مؤثر اور عامل کیسے بن سکتی ہے۔

جواب مجرد سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ ابتدار کلام آغاز کلام مُبتدار کا عامل ہے جو ایک وجودی چیز ہے اور وجودی چیز عامل بن سکتی ہے۔

سوال پھر یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ بحسبک درھم میں بحسبک مُبتدار ہے جس پر عامل لفظی (باء) موجود ہے۔

جواب باء تو نکرہ ہے جو کہ مؤثر فی اللفظ تو ہے مگر مؤثر فی المعنی نہیں اور ہم نے بھی جو نفی کی ہے وہ مؤثر معنوی کی ہے لہذا تعریف جامع ہوئی۔

سوال العوامل جمع لائے جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ اگر دو یا ایک عامل لفظی مُبتدار پر داخل

ہوسکتے ہیں تو پھر ان زید اور کان زید میں زید کو مُبتدا ر کہو۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

جواب ٹھیک ہے کہ عبارت سے بظاہر سلب العموم عموم السلب، سلب کلی مراد ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ **وجہِ اول** الف لام سے جمعیت باطل، **وجہِ ثانی** سلب العموم اعم ہے عموم السلب سے کیونکہ گاہے سلب کلی کے ضمن اور گاہے سلب جزی کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے یعنی سلب العموم کے دو فرد ہوئے اور یہاں سلب عموم سے سلب کلی ہی مراد ہے جس پر قرینہ اصطلاح نحاۃ ہے کہ ان کے نزدیک مُبتدا ر وہ ہے جس کے لیے عامل لفظی اصلا نہ ہو۔

سوال سلب العموم سے مراد عموم السلب سلب کلی لینے سے وہ قاعدہ ٹوٹ جائے گا کہ نفی مُقید بالقید پر داخل ہو تو نفی قید کی ہوگی اور اصل حکم ثابت اور باقی رہے گا۔

جواب یہ قاعدہ کلی نہیں کبھی قید اور مُقید دونوں کی نفی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے واللہ لا یحب کل مختالٍ فخور، واللہ لا یحب کل کفار اثیم، وما ان بظلام العبید، ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم

اَوِ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ اَوْ اَلِفِ الْاِسْتِفْهَامِ رَافِعَةً لِظَاهِرٍ مِثْلُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَمَا قَائِمٌ ن الزَّيْدَانِ وَاَقَائِمٌ ن الزَّيْدَانِ مُبتدا ر کے قسمِ ثانی کو بیان کر رہے ہیں جس کی تعریف یہ ہے کہ صیغہ صفت جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو بشرطیکہ اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو۔ مُبتدا ر کی قسم اول کی مثال : زید قائم اور قسم ثانی کی مثال : ما قائم ن الزیدان۔ قائم صیغہ صفت کا ہے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہے مسند ہے اور الزیدان مسند الیہ۔

سوال شاید ما قائم خبر مقدم اور الزیدان مُبتدا ر موخر۔

جواب جی نہیں کیونکہ اگر قائم کو خبر بنایا جائے تو قائم کی ضمیر مفرد راجع ہو الزیدان (تثنیہ) کی طرف تو راجع مرجع میں مطابقت نہ ہوگی اس لیے صیغہ صفت کا مُبتدا ر ہونا متعین ہے۔

سوال اراغب انت میں راغب مُبتدا ر ہے باوجود یہ کہ رافع الضمیر ہے الظاہر نہیں۔

جواب اسم ظاہر میں تعمیم ہے خواہ ظاہر حقیقی ہو یا ظاہر حکمی، اور ضمیر منفصل اسم ظاہر حکمی ہے جس تعمیم پر قرینہ لفظ ظاہر کا نکرہ ہونا ہے اور نکرہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

سوال اسم ظاہر میں تعمیم مسلک مصنفؒ کے خلاف ہے کیونکہ کوفیین کی موافقت کرتے ہوئے ضمیر منفصل کو مُبتدا ر بناتے ہیں یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل ہے۔ (کما فی حاشیہ مولانا نور محمد نقلا عن المنہل)

جواب یہ جواب دیا جا سکتا ہے مصنفؒ اس کتاب میں مسائل علی مذہب البصریین جمع کر رہے

ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

سوال یہ تعریف جامع نہیں قریشی انت، ھندی انت، میں قریشی مُبتدا تو ہے لیکن صیغہ صفت کا نہیں۔

جواب صفت میں بھی تعمیم ہے خواہ مُشتق ہو یا مُشتق کے حکم میں ہو، اور یہ اسم منصوب مُشتق کے حکم میں ہے تو تعریف جامع ہوئی۔

سوال یہ تعریف جامع نہیں متی ذاھب اخوك، ھل جالس ابوك، کیف مصبح ذلك، ایان راحل ابناك مُبتدا کی قسم ثانی ہے لیکن بعد الف الاستفہام نہیں۔

جواب یہاں معطوف مع حرف عطف (ونحوہ) مقدر ہے اور الف استفہام کا ذکر بوجہ اصالت ہے (محرم آفندی)

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں انما قائم الزیدان پر صادق نہیں کیونکہ یہ صیغہ صفت نہ حرف نفی کے بعد نہ حرف استفہام کے بعد حالانکہ مُبتدا قسم ثانی ہے۔

جواب حرف نفی میں تعمیم ہے خواہ اس سے نفی صراحۃً مفہوم ہو یا ضمناً یہاں پر ضمناً ہے۔

سوال مُبتدا کے قسم ثانی میں مُعتبر ہے مگر مُصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تجرید کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب بوجہ اختصار تجرید کا ذکر نہیں مگر مفہوم ہوتی ہے وہ اس طرح کہ بعد حرف النفی اوالف لاستفہام سے بعدیت بلا فصل مراد ہے جو بغیر تجرید متحقق نہیں ہوگی۔ (حاشیہ مولانا نور محمد مدقق علی حاشیہ عبد الغفور)

سوال رضی نے مُصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ پر سوال کیا ہے فالمبتداء مشترک لفظی ہے دونوں قسموں کے لیے اور جس سے دونوں معنی مراد ہیں جو کہ ناجائز ہے۔

جواب یہ مشترک معنوی ہے جس پر ہر دو قسم کے لیے ابتدا کو عامل قرار دینا دلیل ظاہر ہے۔

سوال مُصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ الیضاح شرح مفصل میں اسماء افعال کا مُبتدا ہونا اختیار کیا (کما فی الفوائد الشافیہ) یہاں پر تعریف میں کیوں داخل نہیں کیا۔

جواب مشہور یہی ہے کہ اسم الفعل بمعنی الماضی والمضارع مرفوع محلاً مُبتدا ہوتے ہیں اور قول محقق یہ ہے کہ ان کے لیے محل اعراب ہی نہیں، تو مُبتدا کیسے (حاشیہ الصبان، غایۃ التحقیق، حاشیہ مولانا عبد الغفور) تو مُصنفؒ الیضاح میں قول مشہور کو ذکر کیا اور یہاں قول حق کو۔

فائدہ امام سیبویہ اور اخفش کا مذہب یہ ہے کہ صیغہ صفت کا بغیر حرف النفی اور استفہام کے بعد واقع نہ ہو تو تب بھی مُبتدا کا قسم ثانی بن سکتا ہے۔ یعنی حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہونا

ضروری نہیں۔ البتہ سیبویہ اور اخفش کے درمیان فرق یہ ہے کہ سیبویہ کے نزدیک جواز مع القبح اور اخفش کے ہاں جواز بلاقبح ہے۔ عدم قبح پر دلیل شعر کا یہ مصرعہ

فخیر نحن عند الناس منکم

خیر صیغہ صفت کا مُبتدا کا قسم ثانی ہے اور نحن اس کا فاعل قائم مقام خبر ہے۔ حالانکہ حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع نہیں اگر جواز نہ ہوتا یا جواز مع القبح ہوتا تو فصیح و بلیغ شاعر اس کو اختیار نہ کرتا۔

جواب بعض نے اس کا جواب دیا خیر مُبتدا اور نحن خبر ہے۔ لیکن جواب مخدوش ہے۔ کیونکہ اس ترکیب میں یہ خرابی لازم آتی ہے۔ خیر اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور اس کے معمول منکم فصل بالاجنبی لازم آتا ہے جو کہ صحیح نہیں۔

جواب درست یہ ہے کہ ① یہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہے ② اسم تفضیل کا اسم ظاہر میں منحصر ہے مسئلہ کحل میں ③ منکم بدل ہے منکم محذوف کی ④ نحن تاکید ہے ضمیر کی، جو کہ خیر میں مشترک ہے۔

فَإِنْ طَابَقَتْ مُفْرَدًا جَازَ الْأَمْرَانِ ایک فائدہ کا بیان ہے۔ صیغہ صفت کا دو حال سے خالی نہیں۔ اسم ظاہر کے مطابق ہوگا یا نہیں۔ اگر مطابق نہ ہو جیسے ما قائم ن الزیدان، ما قائم ن الزیدون۔ اور اگر مطابق ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا مفرد میں مطابقت ہوگی جیسے اقائم زید یا تثنیہ و جمع میں مطابقت ہوگی جیسے اقائمان الزیدان، ما قائمون الزیدون کل تین صورتیں ہوئیں۔ پہلی صورت میں صیغہ صفت کا مُبتدا کا قسم ثانی ہونا متعین ہے، اور دوسری صورت میں دونوں امر جائز ہیں۔ یعنی صیغہ صفت کو مُبتدا بنایا جائے، یا اسم ظاہر کو مُبتدا لصیغہ صفت کو خبر بنایا جائے۔ مُبتدا بنانے کی صورت رافع لظاہر کا لحاظ کیا جائے گا، اور خبر بنانے میں نہیں، اور تیسری صورت میں صیغہ صفت کا خبر ہونا متعین ہے کیونکہ رافع لاسم الظاہر کی مفقود ہے۔

سوال اقائم زید میں دو وجہ جائز ہیں لیکن قام زید میں دو وجہ جائز نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اقائم زید میں وجہ جواز یہ ہے کہ ہر دو وجہ مودیٰ میں متحد ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں جملہ اسمیہ ہوگا لیکن قام زید میں ہر دو وجہ مودی میں متحد نہیں مختلف ہے۔ زید کو فاعل بنایا جائے تو جملہ فعلیہ، اور اگر مُبتدا بنایا جائے تو جملہ اسمیہ، فاعل اور مُبتدا میں التباس لازم آتا ہے۔ (حاشیہ الصبان، حاشیہ مولانا عبدالحکیم)

سوال مطابقت کی ضمیر کا مرجع کیا ہے جس میں دو احتمال ہیں کلاھما باطل ① مطلق صفت ہو ② صفت مذکورہ مع شرائط مذکورہ۔ اگر پہلا احتمال مراد ہو تو قائم زید میں جواز الامرین لازم

صفت کا مُبتداء کا قسم ثانی ہے اور نحن اس کا فاعل قائم مقام خبر ہے حالانکہ حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع نہیں اگر جواز نہ ہوتا یا جواز مع القبح ہوتا تو فصیح و بلیغ شاعر اس کو اختیار نہ کرتا۔ **جواب** بعض نے اس کا جواب دیا خیر مُبتداء اور نحن خبر ہے لیکن جواب مخدوش ہے کیونکہ اس ترکیب میں یہ خرابی لازم آتی ہے۔ (خیر) اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور اس کے معمول (منکم) فصل بالاجنبی لازم آتا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ **جواب درست یہ ہے کہ** ❶ یہ ضرورت شعری کیوجہ سے ❷ اسم تفضیل کا اسم ظاہر میں منحصر ہے مسئلہ کحل میں ❸ منکم **بدل** ہے منکم محذوف کی ❹ نحن تاکید ہے ضمیر کی جو کہ خیر میں مشترک ہے۔

فَاِنْ طَابَقَتْ مُفْرَدًا جَازَ الْاَمْرَانِ **ایک فائدہ** کا بیان صیغہ صفت کا دو حال سے خالی نہیں اسم ظاہر کے مطابق ہوگا یا نہیں اگر مطابق نہ ہو جیسے ما قائم ن الزیدان، ما قائم ن الزیدون اور اگر مطابق ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا مفرد میں مطابقت ہوگی۔ جیسے اقائم زید یا تثنیہ و جمع میں مطابقت ہوگی جیسے اقائمان الزیدان، ما قائمون الزیدون کُل تین صورتیں ہوئیں۔ پہلی صورت میں صیغہ صفت کا مُبتداء کا قسم ثانی ہونا مُتعین ہے اور دوسری صورت میں دونوں امر جائز ہیں۔ یعنی صیغہ صفت کو مُبتداء بنایا جائے یا اسم ظاہر کو مُبتداء صیغہ صفت کو خبر بنایا جائے مُبتداء بنانے کی صورت رافع لظاہر کا لحاظ کیا جائے گا اور خبر بنانے میں نہیں اور تیسری صورت میں صیغہ صفت کا خبر ہونا مُتعین ہے کیونکہ رافع لاسم الظاہر کی مفقود ہے۔ **سوال** اقائم زید میں دو وجہ جائز ہیں لیکن قائم زید میں دو وجہ جائز نہیں، اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اقائم زید میں وجہ جواز یہ ہے کہ ہر دو وجہ مودّٰی میں مُتحد ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں جملہ اسمیہ ہوگا لیکن قائم زید میں ہر دو وجہ مودی میں مُتحد نہیں مختلف ہے۔ زید کو فاعل بنایا جائے تو جملہ فعلیہ اور اگر مُبتداء بنایا جائے تو جملہ اسمیہ فاعل اور مُبتداء میں التباس لازم آتا ہے۔ (حاشیہ الصبان، حاشیہ مولانا عبدالحکیم) **سوال** (طابقت) کی ضمیر کا مرجع کیا ہے جس میں دو احتمال ہیں کلاھما باطل ❶ مطلق صفت ہو ❷ صفت مذکورہ مع شرائط مذکورہ اگر پہلا احتمال مراد ہو تو قائم زید میں جواز الامرین لازم آئے گا جو کہ باطل ہیں حالانکہ اس میں صفت کا خبر ہونا مُتعین ہے اور اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو صفت کے اسم ظاہر کے رافع ہونے کی حالت جواز الامرین لازم آئے گا جو ناجائز ہے کیونکہ اس میں صفت کا مُبتداء ہونا مُتعین ہے۔ **جواب** اس کا مرجع صیغہ صفت مع بعض شرائط یعنی رافع ہونے والی شرط معتبر نہیں لیکن حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہونی والی شرط مُعتبر ہے۔

وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِہٖ الْمُغَایِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْکُوْرَةِ خبر کی تعریف کرنا چاہتے ہیں، خبر ایسے اسم حقیقی یا حکمی کا نام ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو کر مسند بہ ہو اور صفت مذکورہ کے مغایر ہو۔ جیسے: زید قائم میں (قائم) خبر ہے۔ **سوال** یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں یقوم زید میں (یقوم) پر صادق آتی ہے۔ **جواب** المجرد صفت ہے جس کا موصوف الاسم محذوف لہٰذا اسم مجرد مراد ہے تو یقوم زید خارج ہو گیا۔ **سوال** یہ تعریف جامع نہیں زید یقوم میں (یقوم) خبر تو ہے مگر اسم نہیں۔ **جواب** یہ تعریف خبر مفرد کی ہے جس پر قرینہ مابعد والی عبارت ہے و الخبر قد یکون جملة جس سے معلوم ہو گیا کہ معرف خبر غیر جملہ ہے ورنہ یہ عبارت بے فائدہ ہو جائے گی۔ **سوال** المسند بہ میں (بہ) کا مُتعلق کیا ہے المسند تو مُتعلق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جب کسی لفظ کو معنی لغوی سے معنی اصطلاحی کی طرف نقل کیا جائے تو وہ اسم جامد کے حکم میں ہوتا ہے اور اسم جامد مُتعلق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا فماذا مُتعلقہ۔ **جواب** جار مجرور کا مُتعلق یوقع فعل ہے اس لیے کہ تمام افعال اور مُشتقات کی وقوع پر دلالت ہوتی ہے۔ اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا۔ اس پر **سوال** ہوگا کہ جس طرح اسناد کا سبب خبر ہے ایسے مُبتدا بھی تو ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اسناد کا سبب خبر ہوتی ہے یہ صحیح نہ ہو۔ **جواب ۱** مقصود اصلی اور محط فائدہ خبر ہی ہوا کرتی ہے نہ کہ مُبتدا تو گویا کہ اسناد کا سبب خبر ہی ہے۔ **جواب ۲** ہم تسلیم کر لیتے ہیں مگر مُبتدا سبب بعید اور خبر سبب قریب ہے اور باسبیّت کی ہے جس سے سبب سمجھا جاتا ہے وہ سبب قریب ہے نہ کہ سبب بعید

وَاَصْلُ الْمُبْتَدَاءِ التَّقْدِیْمُ مُبتدا اور خبر کی تعریف کے بعد ان کے احکامات ذکر کر رہے ہیں۔ اس عبارت میں مُبتدا کے پہلے حکم کا بیان ہے کہ مُبتدا کا اصل اور راجح یعنی مقتضائے طبعی یہ ہے کہ خبر پر مقدم ہو۔ (رتبة و لفظاً) دلیل مُبتدا ذات اور محکوم علیہ ہوتا اور اس کا حال ہوتا ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے اپنے حال پر البتہ یاد رکھیں انشاء میں مُبتدا بالفعل محکوم علیہ نہیں ہوتا جیسے ھل زید موجود کیونکہ انشاء میں استفادہ ہوتا ہے نہ کہ افادہ تو انشاء خبر پر محمول کیا جاتا ہے۔ **سوال** الصلوة خیر من النوم میں (الصلوة) مُبتدا ہے مگر ذات نہیں کیونکہ صلوة افعال و اقوال مخصوصہ کا نام ہے جو کہ حال ہوتے ہیں۔ اور ھذا زید میں (زید) خبر ذات ہے حال نہیں۔ **جواب** لفظ ذات کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے ❶ حقیقت یعنی ماہیت ❷ قائم بذاتہ ❸ مستقل بالمفہومیة یہاں پر اول معنی مراد ہے اور الصلوة یقیناً ایک ماہیت ہے اور خبریت

اس حال ہے اور ھذا زید میں (زید) بتاویل مسمی بزید ہے اس لیے کہ جزئی حقیقی محمول نہیں ہوتی۔ **سوال** یہ دلیل تقدیم بعینہٖ فعل فاعل میں جاری ہوتی ہے کہ فاعل ذات ہوتی ہے اور فعل اس کا حال تو فاعل میں بھی اصل تقدیم ہونی چاہیے حالانکہ تقدیم فاعل جائز ہی نہیں۔ **جواب** ذات کی تقدیم کے لیے شرط یہ ہے کہ کوئی مانع نہ ہو اور یہاں پر مانع موجود ہے کہ فعل عامل اور فاعل معمول ہے اور عامل مقدم ہوتا ہے۔ **سوال** عامل کی قبلیت اور معمول کی بعدیت امر لفظی ہے جب کہ فاعل کا ذات اور فعل کا حال ہونا امر معنوی ہے یہاں امر لفظی کا اعتبار کیا گیا ہے امر معنوی کا کیوں نہیں۔ **جواب** امر لفظی طاری بمنزلہ ناسخ کے ہے اور امر معنوی (مطرو علیہ) بمنزلہ منسوخ ہے اور اعتبار طاری اور ناسخ کا ہوتا ہے نہ مطرو علیہ اور منسوخ کا۔

وَمِنْ ثَمَّ جَازَ فِيْ دَارِهٖ زَيْدٌ وَامْتَنَعَ صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ اس حکم مذکور پر تفریع کا بیان کہ اصل تقدیم کی وجہ سے فی دارہ زید جائز ہے کیونکہ اس میں اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے مگر رتبۃً نہیں اور صاحبہا فی الدار ناجائز ہے کیونکہ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہے اور رتبۃً جو کہ ناجائز ہے۔ **سوال** ثَمَّ اسم اشارہ کی وضع مکان حسی کے لیے ہے تو اصل مذکور کو مشار الیہ قرار دینا کس طرح درست ہوگا۔ **جواب** یہاں پر استعارہ ہے اصل کو مکان کے ساتھ مخرج ہونے پر تشبیہ دی گئی ہے یہ اصل مذکور بھی جواز اور امتناع مذکور کے لیے مخرج ہے پھر جو لفظ مُشبّہ بہ کے لیے موضوع تھا اس کو مُشبّہ کے لیے استعمال کیا اس کو استعارہ کہتے ہیں۔

وَقَدْ يَكُوْنُ الْمُبْتَدَاءُ نَكِرَةً اِذَا تُخَصِّصَتْ بِوَجْهٍ مَّا مُبتدا کا دوسرا حکم، مُبتدا کا اصل معرفہ ہونا ہے نکرہ ہونا خلاف اصل ہے اصل اول کے برعکس بیان کیا کہ حکم اول اصالت تقدیم کو صراحۃ اور دم اصالت (تاخیر) کو ضمناً یہاں پر اصالت تعریف کو ضمناً اور عدم اصالت تنکیر کو صراحۃ بیان کیا۔ اس طریقہ بیان کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصل یعنی تعریف میں تفصیل نہیں جب کہ عدم اصالت یعنی تنکیر میں تفصیل ہے جس کو بیان کرنا مقصود تھا۔ **دلیل** اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ مبتدا چونکہ محکوم علیہ ہوتا ہے اور جس چیز پر حکم لگایا جائے تو اس کا امور معینہ میں سے ہونا مناسب ہے اس لیے یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ مُبتدا کا اصل معرفہ ہونا ہے۔ **سوال** اس طرح تو فاعل بھی محکوم علیہ ہوتا ہے اس پر بھی یہ حکم لگانا چاہیے تھا۔ **جواب** قاعدہ بھی ہے کہ ہر محکوم علیہ کے لیے تعریف ضروری ہے تنکیر جائز نہیں مگر نکرہ مختصہ ہو تو جائز ہے اور فاعل ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مختصہ کیونکہ فعل کے اسناد سے تخصیص ہو جاتی ہے جس وقت متکلم

فعل کا تکلم کرتا ہے تو مخاطب کے ذہن یہ سمجھ آجاتا ہے اس کے بعد آنے والے اسم میں فاعل کی صلاحیت موجود ہے بہرحال نکرہ نہیں میں اگر تخصیص پائی جائے تو نکرہ مُبتدا بن سکتا ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُّشْرِكٍ وجوہات تخصیص میں سے پہلی وجہ کی مثال (عبد) نکرہ مُبتدا ہے جس میں تخصیص بالصفۃ ہے پھر تخصیص بالصفۃ میں صفت عام ہے خواہ مذکور جیسے مثال مذکور میں یا مقدر۔ جیسے : السمن منوان بدرھم میں منوان کی صفت (منه) مقدر ہے یا معنی۔ جیسے : رُجَيْلٌ قائم بمعنی رجل صغیر ہے۔ موصوف بالصفۃ مقدر اور موصوف بصفۃ معنی میں فرق یہ ہے کہ استفادہ اول صفت میں مقدر سے ہوتا ہے اور دوم میں خود نکرہ سے بذریعہ قرینہ جیسے (رجیل) میں (یا تصغیر) سے۔

أَ رَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمْ اِمْرَءَةٌ: اس مثال میں علم ثبوت خبر برائے مُبتدا کے ساتھ تخصیص پائی جاتی ہے کیونکہ ھمزہ اور ام کے ساتھ سوال اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ بلاتعیین کسی ایک کے لیے خبر (فی الدار) کے ثبوت کا علم ہو اور مخاطب سے فقط تعیین مقصود ہو۔

مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنك : (احد) نکرہ مُبتدا ہے جس میں تخصیص بالعموم ہے کیونکہ نکرہ تحت النفی جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یہ مثال علی مذہب بنی تمیم ہے۔ **سوال** نکرہ کا مختصہ بالعموم باطل ہے کیونکہ خصوص و عموم میں منافات ہیں کہ عموم بمعنی اشتراک کا اور خصوص بمعنی تقلیل اشتراک ہے اگر مُبتدا نکرہ مختصہ بالعموم ہو تو لازم آئے گا اسم واحد میں بیک وقت اجتماع ضدین ہونا والازم باطل فالملزوم مثلہ **جواب** یہاں تخصیص سے مراد رفع احتمالات ہے جو عموم کے منافی نہیں بلکہ یہ خصوص عموم سے حاصل ہوتا ہے۔ **فائدہ** یہ وجہ تخصیص نکرہ تحت النفی کے ساتھ مختص بلکہ ہر وہ نکرہ جس سے عموم مقصود ہو خواہ مقام نفی میں ہو یا مقام اثبات میں وہ مُبتدا بن سکتا ہے۔ جیسے ان امثلہ : تمرة خير من جرادةٍ، من عندك، ما عندك، ما احسن زيدا میں اور ھل زيد فی الدار بھی اسی قبیل سے کما فی مغنی اللبیب

وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ (شر) نکرہ کا فاعل معنوی ہونے کے لحاظ سے اس امر کے ساتھ تخصیص ہوئی جس کے ساتھ فاعل میں تخصیص ہوتی ہے اسناد و فعل کی وجہ سے اور فاعل معنوی اس طرح ہے کہ اصل عبارت تھی اھر شر ذاناب (اھر) کا فاعل ضمیر ہے جو مبدل منہ ہے شر بدل اور **قاعدہ** ہے کہ فاعل سے بدل معناً فاعل ہوتا ہے پھر بقصد حصر (شر) کو مقدم کردیا جس پر قرینہ مورد استعمال ہے کہ عرب اس کو ما اھر ذاناب الا شر کے مقام میں استعمال کرتے ہیں۔

فائدہ یہاں پر (شر) کو فاعل معنوی (بدل) مان کر مقدم کیا تاکہ تقدیم فاعل لازم نہ آئے نیز انسلاخ البدل اسہل ہے انسلاخ الفاعل سے کیونکہ بقاء فعل بدون الفاعل جائز ہے اور جب کہ مبدل منہ کا بقاء بدون البدل جائز ہے اس ترکیب میں اختصاص تقدیم و تاخیر کے اعتبار کرنے سے یہ ترکیب علیٰ مذہب السکاکی ہے اور شیخ عبدالقاہر کے نزدیک تقدیم و تاخیر کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے ہاں مسند الیہ کی تقدیم مسند فعلی مفید اختصاص ہے۔ مولانا جامی کی عبارت دونوں مذہب کی طرف مشعر ہے فاعل کے ذکر سے علامہ سکاکی کی طرف اشارہ ہے اور اذ یستعمل الخ سے مذہب شیخ کی طرف شارح کی عبارت بلاغت سے مشحون ہے۔ **سوال** شر کنایہ ہے شخص ضعیف سے اور ذاناب کنایہ شخص قوی سے۔ **قاعدہ** ہے کہ کنایہ عن المعرفۃ معرفہ ہوتا ہے تو مثال نکرہ مخصصہ کی کیسے بنے گی۔ **جواب** شر میں کنایہ کے اعتبار کرنے سے قبل نکرہ کا لحاظ کرتے ہوئے تخصیص پیدا کی گئی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْكَ اس مثال میں سلام نکرہ ہے جس میں نسبت بفاعل فعل مقدر کے ساتھ ساتھ تخصیص ہے کہ اصل میں سلمت سلاما علیك تھا سلاما مفعول مطلق تاکید ہے اس مصدر (سلاما) کی جس کو سلمت متضمن ہے اور پہلے (سلاما) مصدر مؤکد میں ضمیر متکلم کی طرف اسناد کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوئی جب مؤکد میں تخصیص ہوتی تو مؤکدیت میں بھی ہوگی پھر سلمت کو حذف کر کے جملہ اسمیہ

وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُوْنُ جُمْلَةً مِثْلُ زَيْدٌ اَبُوْهُ قَائِمٌ وَزَيْدٌ قَامَ اَبُوْهُ : مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ خبر کے حکم کو بیان کر رہے ہیں کہ کبھی کبھی خبر جملہ بھی ہوتا ہے جس سے یہ ضمناً معلوم ہو گیا کہ خبر کی اصالت مفرد ہونا ہے اس لیے کہ جب مُبتدا ہمیشہ مفرد ہوتا ہے تو خبر کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ مفرد ہو تاکہ دونوں رکن موافقت ہو جائے اور خبر کا جملہ ہونا اس لیے درست ہے کہ جس طرح مفرد مسند ہوتا ہے اسی طرح جملہ بھی **سوال** جملہ کا مسند ہونا درست نہیں کہ مسند مستقل بالمفہومیۃ ہوتا ہے اور جملہ مسند الیہ اور مسند اور نسبت تامہ تینوں کے مجموعے کا نام ہے جو نسبت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر مستقل ہے۔ **جواب** آپ کی بات درست ہے مگر جملہ کو خبر کہنا مجاز ہے یہ ذکر الکل وارادۃ الجزء کے قبیل سے ہے۔ (حاشیۃ الصبان) قال الدمامینی بعض المحققین علی انہ لا اسناد للجملہ من حیث ھی جملۃ الی زید بل القیام فی نفسہ مسند الی الاب و مع تقییدہ مسند الی زید و اما المجموع المرکب من الاب و النسبۃ الحکمیۃ

بینهما فلم یسند الی زید و لذلك یؤلون زید قام ابوہ بانه قائم الاب۔ **فائدہ** یہ عبارت اپنے بیان کردہ حکم کی خود مثال بھی ہے کیونکہ (الخبر) مُبتدا۔ (قد یکون جملة) یہ جملہ فِعلیہ خبر ہے۔

فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ جب خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ بذاتِ خود افادہ میں مستقل ہے کیونکہ محل فائدہ (مسند الیہ) اور محطِ فائدہ (مسند) پر مشتمل ہے اس لیے اس کا مُبتدا کے ساتھ تعلق جوڑنے کے لیے رابط کا ہونا ضروری ہے ورنہ تو مُبتدا کا ذکر عبث ولغو جائے گا۔ عائد کی چند قسمیں ہیں ❶ ضمیر جیسے مثال مذکور میں ❷ الف لام۔ جیسے : نعم الرجل ابوبکر رضی اللہ عنہ ❸ وضع المظهر موضع المضمر۔ جیسے : الحاقة ما الحاقة ❹ خبر مُفسّر ہو۔ جیسے : قل ھو اللہ احد ❺ اسم اشارہ۔ جیسے : ولباس التقوی ذلك خیر ❻ خبر کا عین مُبتدا ہونا جیسے حدیثِ نبویؐ اَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ اَنَ وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ قَبْلِیْ لا الہ الا اللہ۔

وَقَدْ یُحْذَفُ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال کہ قاعدہ مذکورہ منقوض ہے کیونکہ البر الکر بستین درهماء والسمن منوان بدرهم یہ جملہ خبر واقع ہے مگر عائد مذکور نہیں۔ **جواب** کبھی کبھی اس عائد کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو اور یہاں پر (منه) محذوف ہے۔

وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا فَالْاَكْثَرُ عَلٰی اَنَّهٗ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ جب خبر ظرف ہو خواہ ظرف مکان۔ جیسے : زید امامك یا ظرف زمان۔ جیسے : القیام لیلة القدر یا جار مجرور۔ جیسے : زید فی الدار تو اکثر نحاۃ یعنی بصریین کے جملہ فِعلیہ کو مقدر مانتے ہیں اور بعض نحاۃ یعنی سیبویہ اور ابنِ مالک شبہ فعل کو محذوف مانتے ہیں۔ قول اول کی دلیل ظرف معمول ہوتا ہے جس کے لیے عامل کی ضرورت ہے اور عمل میں اصل فعل ہے لہٰذا جب عامل کو مقدر ماننا ہے تو اصل عامل یعنی شبہ فعل کو مقدر ماننا چاہیے۔ قول دوم کی دلیل یہ ظرف خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے لہٰذا شبہ فعل کو مقدر ماننا چاہیے صاحب کافیہؒ نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ قول اول کی دلیل باعتبار معمولیت ظرف کے ہے اور دوم باعتبار خبریت ظرف کے لیے لیکن معمولیت اصل ہے جو کسی حالت میں جدا نہیں ہوتی اور خبریت عارض ہے جو کہ جدا ہو جاتی ہے جیسے قام زید خلفك لہٰذا اول دلیل راجح ہوئی۔ **فائدہ** قول دوم کی نسبت کوفیین کی طرف کی جاتی ہے جو کہ غلط ہے (مغنی اللبیب) اور همع الهموا مع شرح جمع

الجوامع میں کہ ظرف جب محل خبر میں واقع ہو کوفیین اور ابن طاہر کے نزدیک اس کا کوئی متعلق ہی نہیں ہوتا اور یہ مسلک سیبویہ اور ابن مالک کا ہے کمافی الاشمونی اور عند البعض دونوں مساوی ہیں اور ابن سراج کے ہاں نہ تقدیر فعل نہ تقدیر مفرد بلکہ ظرف قسم مستقل ہے (کما فی حاشیۃ مولانا عبد الحکیم نقلا عن شرح التسھیل) **فائدہ** ظرف مکان تو خبر بنتا ہے کیونکہ افادہ ہوتا ہے۔ جیسے: زید امامك مگر ظرف زمان نہیں کیونکہ افادہ نہیں۔ جیسے: زید یوم الجمعہ مگر یہ کہ مُبتدا حدث ہو مصدر ہو۔ جیسے: الصلح یوم الجمعہ' القیام لیلۃ القدر۔
فائدہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے مُشتقات کیونکہ نہیں وجہ فرق یہ ہے کہ سات چیزیں فاعل کی طرف محتاج ہیں یا چار مُشتقات اور مصادر اور فعل اور اسم الفعل پھر ان سات کی تین قسمیں ہیں۔ اول کہ مسند الیہ اور نسبت دونوں مسند کی مفہوم میں داخل ہوں یہ مُشتقات ہیں دوم دونوں خارج ہوں یہ مصادر ہیں۔ سوم مسند الیہ خارج اور نسبت داخل یہ فعل اور اسم الفعل ہے قسم اول مع الفاعل مفرد ہے جملہ نہیں کیونکہ ما تضمن کلمتین بالاسناد محقق نہیں اور قسم ثانی بھی مفرد ہے کیونکہ مصادر کی استعمال تین طریقے سے ہے۔ ① حذف الفاعل ② اضافت الی الفاعل ③ ذکرہ مرفوعا ثالث تو نادر ہے اول مفرد ہے اور ثانی مرکب ناقص ہے باقی رہا قسم ثالث فعل اور اسم الفعل جملہ اور کلام ہے کیونکہ ما تضمن کلمتین الخ محقق ہے۔

وَاِذَا کَانَ الْمُبْتَدَاءُ مُشْتَمِلاً عَلٰی مَالَہٗ صَدْرُ الْکَلَامِ مِثْلُ مَنْ اَبُوْكَ ما قبل میں مُصنفؒ نے بتایا تھا مُبتدا میں اصل تقدیم ہے اب تقدیم وجوبی کے مقامات بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چار مقامات پر مُبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ **مقـــام اول** جب مُبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہے جو صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہو تو وہاں مُبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے وہ معنی یہ ہیں ① استفہام من ابوک شرط جیسے من یکرمنی اکرمہ دخول لام جیسے لزید قائم تعجب قسم، نفی، بعض نے ان کو نظم کیا ہے۔ شعر یہ ہے

شش چیز بود مُقتضی صدر کلام
در طبع فصیحاں شدہ ایں نظم تمام
شرط و قسم و تعجب و استفہام
نفی آمد ابتدا گشت تمام

سوال ان معانی کے لیے صدر کلام کیوں واجب ہے؟ **جواب** تا کہ مخاطب کو ابتداء پتہ

چل جائے گا کہ یہ کلام کس نوع کا ہے کیونکہ یہ معانی کلام کے معنی میں تغیر پیدا کرتے ہیں جس سے کلام ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف بدل جاتی ہے استفہام، تعجب، قسم میں کلام خبریت سے انشاء کی طرف بدل جاتی ہے۔

اَوْ کَانَا مَعْرِفَتَیْنِ **دوسرا مقام** جب مُبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور تعیین پر قرینہ موجود نہ ہو تو مُبتداء کو مقدم کرنا واجب تاکہ مخاطب پر اشتباہ نہ رہے اگر قرینہ موجود ہو تو خبر کو مقدم کرنا بھی جائز ہے جیسے ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ یہاں قرینہ وہ **قاعدہ** ہے کہ تشبیہ بلیغ میں مشبہ بہ ہمیشہ مسند اور خبر اور مُشَبَّہ کو مسند الیہ اور مُبتداء قرار دیا جاتا ہے اور یہاں اول مُشَبَّہ بہ اور ثانی مُشَبَّہ ہے لہذا ثانی مُبتداء اول خبر معنی یہ کہ امام ابو یوسفؒ علم و عمل میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مشابہ ہیں۔

اَوْ مُتَسَاوِیَیْنِ : **تیسرا مقام** جب مُبتدا خبر دونوں نکرہ مخصوصہ ہوں تب بھی مقدم کرنا واجب ہے بشرطیکہ قرینہ نہ ہو عام ازیں دونوں مقدار تخصیص میں برابر ہوں یا نہ ہوں۔ جیسے : افضل منك افضل منی۔

اَوْ کَانَ الْخَبَرُ فِعْلاً لَهٗ مِثْلُ زَیْدٌ قَامَ وَجَبَ تَقْدِیْمُهٗ **چوتھا مقام** جب خبر فعل ہو تو اس وقت بھی مُبتداء کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جس طرح زید قام اس لیے مؤخر کیا جائے مُبتداء کو فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا اور جب تثنیہ و جمع ہو تو بدل کیساتھ التباس لازم آئے گا۔ جیسے : قاما الزیدان، قاموا الزیدون یاد رکھیں اور مقامات بھی ہیں۔

وَاِنْ تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ مَالَهٗ صَدْرُ الْکَلَامِ مِثْلُ اَیْنَ زَیْدٌ مُبتداء کے تقدیم وجوبی کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد خبر کی تقدیم وجوبی کے مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں خبر کو بھی چار مقامات پر مقدم کرنا واجب ہے۔ **پہلا مقام** جب خبر مفرد ایسے معنی کو متضمن ہو جن کے لیے صدارت کلام واجب ہوتا ہے تو خبر کو مُبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ صدارت فوت نہ ہو جائے۔ جیسے : این زید۔ **سوال** یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں کیونکہ اس میں (این) خبر ظرف ہے وہ مفرد نہیں اس لیے کہ ظرف بتاویل جملہ ہوتا ہے۔ **جواب** مفرد سے مراد صورتاً مفرد ہو اور (این) بھی صورتاً مفرد ہے۔ **سوال** خبر کو مفرد کیساتھ مُقید کیوں کیا۔ **جواب** خبر جملہ اگر صدارت کلام کو متضمن ہو تو اس کی تقدیم واجب سے نہیں کیونکہ تاخیر سے صدارت کلام فوت نہیں ہوتی جس طرح زید من ابوہ۔

اَوْ کَانَ مُصَحِّحًا لَهٗ **دوسرا مقام** جب خبر اپنی تقدیم کے اعتبار سے مُبتداء کے لیے مصحح

یعنی مخصص ہو تو اس خبر کو بھی مُبتدار پر مقدم کرنا واجب ہے تا کہ نکرہ کا مُبتدار ہونا لازم نہ آئے۔ جس طرح : فی الدار رجل۔

اَوْلِمُتَعَلِّقِهٖ ضَمِيْرٌ فِي الْمُبْتَدَاءِ مِثْلُ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا تیسرا مقام جس وقت مُبتدار میں فرق ایسی چیز ضمیر ہو جس کا مرجع خبر کا کوئی مُتعلق ہو تو اسوقت بھی خبر کا مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ مؤخر کرنے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبۃً لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ جیسے : علی التمرۃ مثلہا زبداً۔

اَوْكَانَ خَبَرًا عَنْ اَنَّ مِثْلُ عِنْدِيْ اَنَّكَ قَائِمٌ چوتھا مقام جس وقت ان اپنے اسم و خبر سے مل کر مُبتدار واقع ہو تو اس وقت بھی خبر کا مقدم کرنا واجب ہے تا کہ اَنَّ (مفتوحہ) کو اِنَّ (مکسورۃ) کے ساتھ التباس لازم نہ آئے جس طرح عندی انك قائم، تقدیم خبر میں بھی چند مقامات ہیں۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِثْلُ زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ خبر کا ایک حکم بیان کرنا چاہتے ہیں ایک مُبتدار کے لیے کئی خبریں واقع ہو سکتی ہے جس طرح زید، عالم عاقل، تعدد سے مراد عام ہے خواہ تعدد حرف باعتبار الفاظ کے یا باعتبار الفاظ اور معانی کے بھی ہو اگر تعدد حرف باعتبار الفاظ کے ہو تو اس وقت حرف عطف لانا ناجائز ہے جس طرح ھذا حلو حامض اور اگر باعتبار الفاظ اور معانی کے ہو تو تعدد جائز ہوگا یا واجب اگر تعدد جائز ہو تو عطف بھی جائز ہوگا اور جس طرح زید عالم اگر تعداد واجب ہو تو عطف بھی واجب۔ جیسے : ھما عالم و عاقل۔ نیز اگر تعدد واجب ہو تو معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا حمل ہوگا مُبتدا پر کے لیے نہیں ہو سکتا۔

سوال قد کا استعمال یہاں پر درست نہیں کیونکہ قد مضارع پر تقلیل کے لیے آتا ہے جب کہ تعدد خبر کثیر ہے۔ **جواب** کبھی تحقیق کے لیے بھی آتا۔ جیسے : قد یعلم اللہ المعوقین لیکن یہاں تحقیق مع التقلیل مراد ہے کیونکہ اس سے مراد تعدد خبر بدون العطف مراد ہے جس پر قرینہ مُصنّفؒ کی تمثیل ہے۔ **سوال** لفظ (الخبر) کے ذکر کی ضرورت نہ تھی قد یتعدد کہدیتے۔ **جواب** پھر ضمیر کا مرجع خبر مفرد بن جاتی اور خبر جملہ سے سکوت ہوتا اور مقام بیان پر سکوت مفید حصر ہوتا ہے۔ کما فی حاشیہ مولانا عبد الغفور) حالانکہ یہ حکم خبر مفرد اور خبر جملہ دونوں کے لیے ہے اس لیے لفظ (الخبر) کو ذکر کر دیا تا کہ دونوں کو شامل ہو جائے۔

وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَاءُ مَعْنَى الشَّرْطِ فَيَصِحُّ دُخُوْلُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ اب تک ان احکام کا بیان تھا

جو مُبتدا ء و خبر میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصُوص تھے اب یہاں سے مُصنفؒ ایسا حکم بیان کرتے ہیں جو دونوں سے مُتعلق ہو۔ جس وقت مُبتدا معنیٰ شرط کو متضمن ہو جس سے مراد سببیّت اول برائے ثانی ہے تو اس کی خبر پر فاء کا لانا درست ہے کیونکہ مُبتدا سبب ہونے کے لحاظ سے شرط کے مشابہ ہو جاتا ہے اور خبر مُسبب ہونے کے لحاظ سے جزاء کے مشابہ ہو جاتی ہے (کیونکہ شرط جزاء کا سبب ہوتی ہے) جزاء پر فاء کا داخل کرنا درست ہوتا ہے ایسے خبر بھی درست ہوگا البتہ شرط کی طرف اس مُبتداء میں سبب اصل نہیں اس لیے فاء کا داخل کرنا واجب نہ ہوگا۔

سوال شرط ملزوم اور سبب اور جزء لازم اور مُسبب ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ سببیّت اور مسببیت لازمیت و ملزومیت کا لحاظ کیا جائے تو فاء کا داخل کرنا واجب ہوتا ہے اور اعتبار نہ کیا جائے تو ناجائز ہوتا ہے یہ دو صورتیں ہیں تیسری صورت درست اور جواز آپ نے کہاں سے نکال لی ہے۔ **جواب ۱** آپ کا قاعدہ مُسلم ہے مگر ہم مُبتداء میں معنی شرط کے تضمن کا لحاظ کرتے ہیں جس کی وجہ سے فاء کا داخل کرنا نہ واجب نہ ناجائز ہے بلکہ درست اور جائز ہے۔ فیـــصـح یہ قضیہ ممکنہ خاصہ جس میں سلب ضرورۃ عن جانبین ہوتی ہے۔ **جواب ۲** تین درجے ہیں: ❶ بشرط شئ ❷ بشرط لا شئ ❸ لا بشرط شئ۔ اول یعنی بشرط شئ میں حکم لگایا جاتا ہے اور ثانی بشرط لا شئ میں کس چیز پر حکم لگانے کی نفی کی جاتی ہے۔ ثالث لا بشرط شئ میں نہ کسی چیز پر اثبات کا حکم لگایا جاتا اور نہ نفی کا۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ (یصح) یہ لا بشرط شئ کے درجے میں ہے یعنی فاء کے دخول کو نہ واجب قرار دیتے ہیں اور نہ ناجائز بلکہ درست اور جائز قرار دیتے ہیں۔ **سوال** ما بکم من نعمت فمن اللہ خبر ہے جس پر فاء داخل ہے حالانکہ مُبتداء معنیٰ شرط کو متضمن نہیں کیونکہ مُبتداء سبب نہیں خبر کے لیے بلکہ برعکس ہے خبر سبب ہے مُبتداء کے لیے اس لیے کہ مضمون مُبتداء ہے حصول نعمت ہے اور مضمون خبر ہے صدور نعمت من اللہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ صدور تو حصول کے لیے سبب بنتا ہے لیکن حصول صدور کے لیے نہیں۔ **جواب** سببیّت اول برائے ثانی سے مراد ملزومیت اول برائے ثانی عام ازیں کہ حقیقۃ ہو یا ادعاء کما سیأتی فی بحث کلم المجازات یہاں پر یقیناً مضمون مُبتداء ملزوم اور مضموم خبر لازم ہے کیونکہ حصول نعمت کا تحقق بغیر صدور من اللہ کے ممکن ہی نہیں **تنبیہ** یہ حکم دخول الفاء فی الخبر اسوقت درست ہوگا جب خبر مؤخر ہو ورنہ ترکِ فاء واجب ہے۔ کیونکہ دخول فاء بوجہ مشابہت جزاء تھی جب جزاء مقدم ہو جاتے تو اس پر فاء کا دخول درست نہیں تو اس پر

کیسے درست (حاشیہ الصبان)

وَذٰلِكَ الْاِسْمُ الْمَوْصُوْلُ بِفِعْلٍ اَوْ بِظَرْفٍ اَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوْفَةُ بِهِمَا مِثْلُ الَّذِىْ يَأْتِيْنِىْ اَوْ فِى الدَّارِ فَلَهٗ دِرْهَمٌ اَوْ كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِيْنِىْ اَوْ فِى الدَّارِ فَلَهٗ دِرْهَمٌ اب مصنفؒ وہ مقام بیان کر رہے ہیں جس میں خبر پر فاء کا داخل کرنا درست ہے جس کے دو مقام ہیں۔ **مقام اول** جب مبتداء موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرف مؤول بالفعل ہو۔ **ضابطہ** ظرف صلہ واقع ہو تو بالاتفاق بتاویل فعل ہوتا ہے کیونکہ صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے مفرد نہیں (مزید ضوابط احقر کی تصنیف قدۃ العامل شرح مائۃ عامل میں ملاحظہ فرمائیں) تو خبر پر فاء کا دخول درست ہوگا جیسے الذی یاتینی فلہ درھم الذی فی الدار فلہ درھم۔ **فائدہ** صلہ اور صفت کے لیے فعل اور مؤول بالفعل کی شرط اس لیے لگائی تا کہ مبتداء کی شرط کے ساتھ مشابہت قوی ہو جائے کیونکہ شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوتی ہے۔ **سوال** قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم آیت کریمہ میں خبر پر فاء داخل ہے حالانکہ مبتداء ان مذکورہ چار صورتوں میں سے نہیں۔ **جواب** جب مبتداء موصوف ہو جکی صفت اسم موصول مذکور ہو تو وہ اس موصول مذکور کے حکم میں ہوتا ہے اور آیت کریمہ میں بھی ایسے ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کُل آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔ (فتفکر) **سوال** نکرہ موصوفہ کی کتاب میں ذکر کردہ مثال (کل رجل یاتینی) ممثل لہ کے مطابق نہیں کیونکہ نکرہ موصوفہ مبتداء نہیں بلکہ مضاف الیہ ہے اور (کل) مبتداء ہے جو نکرہ تو ہے موصوفہ نہیں۔ **جواب** قاعدہ ہے کہ لفظ (کل) یہ اپنے مضاف الیہ سے عبارت ہوتا ہے اور جو صفت مضاف الیہ کی ہوتی ہے وہ معنیً اس کی صفت ہے لہذا یہ مضاف ہوئے نکرہ موصوفہ کی مثال ہے اور نکرہ موصوفہ کی مثال بھی بنتی ہے۔ **سوال** بھما کا مرجع بفعل اور بظرف ہے اور **قاعدہ** ہے کہ دو معطوفوں میں جس وقت (او) حرفِ عطف کے ذریعے عطف ڈالا جائے تو وہ شئ واحد شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے ضمیر مفرد لانا واجب ہے (بہ) کہنا چاہیے تھا نہ کہ (بھما) **جواب** یہاں مضاف محذوف ای باحدھما **لیکن** یہ جواب درست نہیں کیونکہ سوال بدستور قائم ہے کہ باحدھما میں ھی کا مرجع وہی بنے گا۔

لَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ بِالْاِتِّفَاقِ مصنفؒ دخول فاء کے مواضع بیان کرنے کے بعد یہاں سے دخول فاء کے موانع بیان کر رہے ہیں جن میں بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ۔ اگر ایسے مبتداء پر (لیت) اور (لعل) داخل ہو جائیں تو خبر پر فاء کا داخل کرنا ناجائز ہے۔ **وجہ**

مانعیت اور علت یہ ہے کہ مُبتدار خبر جملہ خبریہ ہوتے اور شرط و جزار بھی جملہ خبریہ اس وقت مشابہت ہوتی ہے۔ لیکن جب لیت اور لعل داخل ہو جائیں گے تو جملہ انشائیہ بن جاتا ہے اور مشابہہ ختم ہو جاتی جب مشابہت باقی نہیں رہتی تو فاء کا دخول کیسے درست اس لیے لیت و لعل مانع بن جاتے ہیں۔ **سوال** اگر افعال قلوب اور افعال ناقصہ میں سے کوئی فعل ایسے مُبتدار پر داخل ہو جاتے تو وہ بھی بالاتفاق مانع ہے تو پھر لیت و لعل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ **جواب** افعال قلوب اور افعال ناقصہ کا تمام کا باب بالاتفاق تھا اس لیے ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور جب کہ حروف مُشَبّہ بالفعل میں اختلاف تھا کہ بعض مانع تھا اور بعض نہیں اس لیے ان کو بیان کرنے کی ضرورت تھی تو بیان کر دیا۔

وَاَلحَقَ بَعضُھُمۡ اِنَّ بِھِمَا بعض نے اِنَّ (مکسورۃ) کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کر دیا ہے کہ اِنَّ بھی مانع ہے بعض سے مراد سیبویہ ہیں۔ **دلیل عقلی** اِنَّ تحقیق کے لیے آتا ہے جب کہ شرط و جزار امور مشکوکہ میں سے ہیں اور چونکہ تحقیق اور شک میں مخالفت ہے اس لیے اِنَّ بھی مانع عن دخول الفار ہے۔ **دلیل نقلی** ان الذین اٰمنو و عملوا الصالحات لھم جنت آیتِ کریمہ میں فار داخل نہیں اگر کسی مقام پر فار ہے تو وہ زائد ہوگی یا تعلیلیہ لیکن درست مسلک یہ ہے کہ اِنَّ (مکسورہ) مانع نہیں۔ **دلیل عقلی** اِنَّ (مکسورہ) کو لیت و لعل سے ملحق کرنا خلاف عقل ہے اس لیے کہ لیت و لعل سے مشابہت ختم ہوگی۔ لیکن اِنَّ مکسورہ سے مشابہت ختم نہیں ہوتی باقی رہتی ہے اور بقار عِلت تقاضا کرتی ہے بقائے حکم کا لہٰذا اِنَّ مانع عن دخول الفار فی الجز نہیں۔ **دلیل نقلی** قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم اور بھی بہت مثالیں ہیں۔ لیکن ہم چونکہ دخول فار کے وجوب کے قائل نہیں لہٰذا اگر بعض مقامات میں فار داخل نہ ہو تو ہمارے دعویٰ کے لیے مضر نہیں۔ **سوال** جس طرح اِنَّ (مکسورہ) میں اختلاف تھا اس کو بیان کیا اسی طرح اَنَّ لکنَّ کے مانع ہونے میں اختلاف تھا اس کو کیوں بیان نہیں کیا۔ **جواب** اِنَّ (مکسورہ) کے الحاق کا قائل سیبویہ تھا اس لیے صاحبِ کافیہ نے بیان کر دیا جب کہ اَنَّ (مفتوحہ) اور لکن کے الحاق میں عام نحاۃ کا قول تھا اس لیے اس کو بیان نہیں کیا۔ **سوال** مُصنّفؒ نے یہ مقولہ نہیں سنا، لا تنظر الیٰ من قال و انظر الیٰ ما قال۔ **جواب الصحیح** یہ ان نحویوں کا قول قرآن مجید اور فصحار بلغار کے کلام کے خلاف تھا اس لیے بیان نہیں کیا قرآن مجید و اعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ اور ایک

شاعر کا شعر

فواللہ ما فارقت قالیا لکم

لکنما یقضی فسوف یکون

وَقَدْ یُحْذَفُ الْمُبْتَدَاءُ لِقِیَامِ قَرِیْنَۃٍ جَوَازاً کَقَوْلِ الْمُسْتَہِلِّ اَلْہِلَالُ وَاللّٰہِ اب تک مُبتدا و خبر کے ان احکام کا بیان تھا جو کہ ان کے مذکور ہونے کے متعلق تھے اب یہاں سے مصنفؒ حذف کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں اور چونکہ مُبتدا اشرف تھا اس لیے پہلے اس کا حکم ذکر کرتے ہیں کہ اگر قرینہ موجود ہو تو مُبتدا کو حذف کرنا جائز ہے خواہ قرینہ لفظی ہو بعد فاء کے جواب میں من عمل صالحا فلنفسہ بقرینہ شرط بعد قول قالوا اساطیر الاولین (ھو) بقرینہ مقولہ کہ اکثر جملہ ہوتا ہے اور حذف ایسی چیز کے بعد کہ خبر معنیً اس کی صفت ہو۔ جیسے : التائبون بقرینہ المؤمنین آیت سابقہ جس کی یہ معنی صفت ہے ان چار مقامات میں حذف جوازی کثیر ہے کما فی مغنی اللبیب یا قرینہ عقلی۔ جیسے : الھلال واللہ جس کے لیے ہذا مُبتدا محذوف ہے جس پر قرینہ حال مستہل ہے کہ ایک چیز کو اشارہ سے متعین کرنا چاہتے ہے۔ **سوال** مثال تو الہلال ہے تو (واللہ) قسم کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے۔ **جواب** عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ قسم کا ذکر کرتے ہیں اس لیے قسم کو بھی ذکر کر دیا نیز اس کے مخاطب کے وہم کو ختم کر دیا تا کہ حکم کی یقینی مثال بن جائے۔ **سوال** پھر بھی حکم مذکور کی مثال یقینی نہیں بن سکتی کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مُبتدا ہو خبر اس کی ہذا محذوف ہو۔ **جواب** یہ احتمال مقصود متکلم کے خلاف ہے کیونکہ متکلم کا مقصود اشارہ کے ذریعے ایک چیز کو متعین کر کے اس پر ہلالیت کے ساتھ حکم لگانا ہے نہ کہ ہلالیت پر حکم لگانا۔ **سوال** مُبتدا کے حذف وجوبی کے مقامات کیوں نہیں بیان کیے جب کہ خبر کے بیان کیے۔ **جواب** مُبتدا کے حذف وجوبی چونکہ قلیل تھا اس لیے اس کو بیان نہیں کیا۔ (غایۃ التحقیق) جواب درست یہ ہے کہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے اور مفصل میں چونکہ اس کا بیان نہیں تھا تو صاحب کافیہ نے بھی اتباع ماخذ میں بیان نہیں کیا۔

وَالْخَبَرُ جَوَازاً مِثْلُ خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ خبر کے حذف کے لیے حکم بیان کر رہے ہیں، اگر قرینہ موجود ہو تو خبر کو حذف کرنا جائز ہے جیسے : خرجت فاذا السبع، السبع مُبتدا ہے جس کی خبر موجود محذوف ہے، جس پر قرینہ اذا مفاجاتیہ ہے کیونکہ یہ جملہ پر داخل ہوتا ہے اور عند البعض یہ اذا ظرف مکانیہ ہے اور خبر ہے مُبتدا کی اس ترکیب پر حکم مذکور کی مثال نہیں بنے گی۔

وَوُجُوبًا فِيمَا اُلْتُزِمَ فِي مَوْضِعِهِ غَيْرُهٗ کبھی خبر کو وجوبی طور پر حذف کردیا جاتا ہے یہ حذف وجوبی اس وقت ہوگا جب کسی چیز کو خبر کی جگہ قائم کردیا گیا ہو، جس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ اگر خبر کو بھی ذکر کردیا جائے تو لازم آئے گا اصل اور قائم مقام کا اجتماع عوض اور معوض کا اجتماع جو کہ باطل ہے اس لیے ایسی ترکیب میں خبر کا حذف کرنا واجب ہے، اس کے لیے چار مقامات بیان کیا ہیں۔

مِثْلُ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا: **پہلا مقام** ہر وہ ترکیب جس میں مُبتدا لولا کے بعد واقع ہو اور اس کی خبر افعال عامہ سے ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ جیسے: لولا زید لکان کذا۔ زید مُبتدا ہے اور اس کی خبر موجود محذوف ہے تین قرینے ہیں۔ نفس حذف پر قرینہ لولا ہے کیونکہ لولا جملہ پر داخل ہوتا ہے، تعیین محذوف کا قرینہ یہ ہے کہ لولا کی وضع اس لیے ہے کہ وجود اول سبب ہے انتفاء ثانی کے لیے اس لیے خبر موجود محذوف ہوگی اور سند مسند کا قرینہ وہ لکان کذا ہے۔ **اعتراض**

لو لا الشِعرُ بالعلماءِ يُزْرِي
لَكُنْتُ اليومَ اَشْعَرَ مِنْ لَبِيْد
لَوْلَا خَشْيَةُ الرَّحْمٰنِ عِنْدِي
جَعلتُ النَاسَ كُلَّهُمْ عبيدي

شعر اول میں مُبتدا کی خبر یزری ہے اور ثانی میں عندی ہے یہ اشعار بھی امام الفصحاء والبلغاء امام شافعیؒ کریں جس سے معلوم ہوا لولا کے بعد واقع ہونے والے مُبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب نہیں بلکہ ذکر کرنا بھی جائز ہے۔ **جواب** یہ ضابطہ اس وقت ہے جب کہ خبر افعال عامہ سے ہو اور ان اشعار میں خبر افعال عامہ سے نہیں۔

وَضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا: خبر کے حذف وجوبی کا **دوسرا مقام ضابطہ** ہر وہ مُبتدا جو مصدر حقیقی یا تاویلی فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف منسوب ہو پھر فاعل یا مفعول کے بعد حال واقع ہو فاعل سے یا مفعول سے یا دونوں سے۔ اسی طرح ہر وہ مُبتدا جو اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی یا تاویلی کی طرف پھر مصدر حقیقی یا تاویلی الی آخرہ اس ضابطہ کی بارہ صورتیں بنتی ہیں۔ **اول** مُبتدا مصدر حقیقی مضاف ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہونا فاعل سے۔ جیسے: ذِهَابِيْ رَاجِلًا۔ **ثانی** مُبتدا مصدر حقیقی مضاف ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد

حال واقع ہونا مفعول سے ضَرْبُ زَیْدٍ قَائِمًا **ثالث** مُبتدا، مصدر حقیقی مضاف ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد فاعل اور مفعول دونوں سے ضربی زیدا قَائِمَیْنِ **رابع** مُبتدا، مصدر تاویلی مضاف ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو فاعل سے اَنْ ذَهَبْتُ رَاجِلًا **خامس** مُبتدا، مصدر تاویلی مضاف ہو مفعول کی طرف اس کے بعد حال واقع ہو مفعول سے ان ضرب زید قائما **سادس** مُبتدا، مصدر تاویلی مضاف ہو فاعل اور مفعول اور اس کے بعد حال واقع ہو دونوں سے ان ضرب زیدا عمرو قائمین باقی چھ صورتوں کو خود نکالیں۔

اب کتاب میں ذکر کردہ مثال میں خبر کی تقدیر اور کیفیت تقدیر میں نحاۃ کا اختلاف ہے۔

مذہب اول بصریین کے نزدیک تقدیر یہ ہے ضَرْبِیْ زَیْدًا حَاصِلٌ اِذَا کَانَ قَائِمًا **ترکیب** ضَرْبُ مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف زید مفعول بہ حاصل خبر ہے اذا ظرف حصل کے مُتعلق ہے کان تامہ ہے ناقصہ نہیں اس کی ضمیر زید کی طرف راجع ہے قائما کان کی ضمیر سے حال واقع ہے خبر کو حذف کرکے اذا کان کو اس کے قائم مقام کردیا کیونکہ ظروف کے مُتعلقات کو حذف کرکے ظروف کو کھڑا کیا جاسکتا ہے پھر اذا کان کو حذف کرکے قائما کو قائم مقام کردیا کیونکہ ظرف اور حال قریب قریب ہیں۔ جیسے: جاءنی زید راکبا کی جگہ (وقت الرکوب) کہنا درست ہے باقی رہ گیا ضربی زیدا قائمًا **شارح رضی** نے بصریین پر اعتراض کیا ہے اس تقدیر میں تکلفات ہیں: ❶ اذا کامع جملہ مضاف الیہ کا حذف کلام عرب میں ثابت نہیں۔ ❷ (کان) کو تامہ بنانا خلاف اصل ہے جو کہ قرینہ کا مُحتاج ہے۔ ❸ مجموعہ ظرف و جملہ مضاف الیہ کے مقام میں حال کا قیام یہ بھی ثابت نہیں۔ **تقدیر اولی** یہ ہے کہ ضربی زیدا یلابسہٗ قائما جب کہ حال مفعول بہ سے ہو ضربی زید یلابسنی قائما جب کہ فاعل سے ہو اولا ضمیر مفعول بہ کو حذف کیا کیونکہ فضلہ ہے جس کا حذف جائز ہے۔ کقولہ تعالی: اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ جس پر قرینہ اول یلابس فعل کا مُتعدی ہونا ہے۔ دوم یہ ہے کہ قائما کا ذوالحال یلابس کے بعد ہونا کہ ذوالحال اور حال کا عامل ایک بن جائے ثانیا یلابس کو حذف کیا جس پر قرینہ حال قائما ہے کیونکہ یہ معمول ہے جو مُقتضی عامل ہے اور یہ حال قائم قام ہے اس لیے کہ معمول کے قائمقام ہوا کرتا ہے۔ (سوال باسوالی) عامل کو حذف کرکے معمول کا قائم مقام بنانا بھی قیاسی ہے۔ جیسے: (فَضَرْبَ الرِّقَابِ) عامل اور ذوالحال کا حذف اور حال کا قائم مقام ہونا بھی قیاسی ہے۔ جیسے: راشدا مهدیا لہذا یہ تقدیر اولی ہے تکلفات نہیں

کیونکہ اس میں محذوفات قیاسیہ ہیں جب کہ تقدیر بصریین میں غیر قیاسی ہیں لیکن یاد رکھیں تقدیر شارح رضی کی نہیں کما فی حاشیہ العلامۃ الستوی علی محرم آفندی) **مذہب کوفیین تقدیر:** ضربی زیدا اقائما حاصل پھر حاصل کو حذف کردیا ضربی زیدا قائما باقی رہ گیا۔ اس تقدیر میں دو خرابی لازم آتی ہیں لفظی اور معنوی۔ **لفظی** خرابی یہ ہے کہ قائما حال مُبتدا ء کے معمول ہونے کی وجہ سے مُبتدا ء کے متممات میں سے ہو جو کہ خبر کے قائم مقام نہیں ہو سکتا لہٰذا لازم آئے گا خبر کا بغیر قائم مقام کے وجوبی طور پر حذف کرنا جو کرنا جائز ہے۔ **معنوی** دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ خلاف مقصود متکلم ہے اس لیے کہ اس مثال میں بالاتفاق بصریین اور کوفیین متکلم کا مقصود حصر اور عموم ہے یعنی تیسری ہر ضرب جو زید پر واقع ہوئی بحالت قیام تھی۔ لیکن اس تقدیر پر حصر عموم باقی نہیں کیونکہ اب معنی ہوگا کہ بحالت قیام زید پر واقع شدہ میری ہر ضرب ثابت ہے یہ بحالت قعود واقع شدہ ضرب کے منافی نہیں۔ **مذہب اخفش** یہ خبر محذوف تو مصدر قرار دیتے ہیں تقدیر عبارت ضربی زیدا ضربی قائما جب کہ حال فاعل سے اور ضربی زیدا ضربہ قائما جب کہ حال مفعول سے ہو یہ مذہب بھی بدو وجہ ضعیف ہے اولا اس لیے کہ حذف مصدر مع بقاء معمول کلام عرب میں موجود نہیں بلکہ ممتنع ہے ثانیا اس لیے کہ حال اس مصدر پر دلالت نہیں کرتا تو حذف خبر بدون قرینہ لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ **مذہب ابن درستویہ** کہ یہ مُبتدا ء ہے جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ یہ بمعنی فعل ہے جیسے اقائم الذیدان بمعنی یقوم الذیدان ہے اسی طرح اس کا معنی ہے ما ضربت زیدا الا قائما لہٰذا جب یہ مصدر بمعنی فعل ہوا تو جس طرح فعل مُحتاج خبر نہیں اسی طرح یہ بھی مُحتاج خبر نہیں یہ مسلک بھی ضعیف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بدون ذکر حال مُبتدا ء کلام تمام ہو جاتی ہے اور مُبتدا ء فائدہ تامہ دیتا حالانکہ ایسا نہیں۔ جب تک حال ذکر نہ کیا جائے تو معنی تام نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم احکم

وَكُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ ان مقاماتِ اربعہ میں سے **تیسرا مقام** ہر وہ مُبتدا ء جس کے بعد ایسا اسم مرفوع جس کا عطف ہو (واؤ) بمعنیٰ (مع) کے ذریعے ہو تا کہ دونوں کی مقارنت کی خبر دینا درست ہو جائے۔ جیسے : کل رجل وضیعتہ۔ **بصریین کا مذہب** تقدیر عبارت یہ ہے : کل رجل وضیعتہ مقرونان، ضیعتہ کا عطف (کل) مُبتدا ء پر ہے اور مقرونان دونوں کی خبر ہے۔ **سوال** ضیعتہ باعتبار عطف کے مُبتدا ء ثانی ہے اور مُبتدا ء اپنی خبر کے قائم مقام نہیں بن سکتا حالانکہ اس ترکیب میں بن رہا ہے۔ **جواب** (مقرونان) خبر میں تثنیہ ہونے کے اعتبار

سے دو حیثیتیں ہیں۔ اول یہ ہے کہ (کل) کی خبر ہے اس حیثیت سے معطوف پر مقدم ہے دوم یہ ہے کہ ضیعته کی خبر ہے ضیعۃ حیثیت اول کے اعتبار سے قائم مقام خبر ہے نہ کہ جہت دوم کے اعتبار سے اور قائم مقام ہونے کے لیے ایک جہت کافی ہے۔ **سوال** ضیعته کی ضمیر کا مرجع (کل رجل) ہے یا فقط (رجل) پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہر مرد ہر مرد کے پیشہ کے ساتھ مقرون ہوتا ہے یہ معنی غلط ہے کیونکہ ہر مرد اپنے پیشہ کیساتھ مقرون ہوتا ہے نہ کہ دوسرے مرد کے پیشہ کے ساتھ۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہر مرد کسی مرد کے پیشہ کے ساتھ مقرون ہوتا ہے یہ معنی بھی فاسد ہے۔ **جواب** مرجع (کل رجل) ہے اور یہ کلام مقابلۃ الجمع بالجمع کے قبیل سے ہے جو اس بات کی حقیقی ہوتی ہے کہ انقسام آحاد بر احاد ہو۔ (کل رجل) میں اجمال ہے جو اس ظاہرہ غیر محصورہ کے قائم مقام۔ جیسے: زید، عمر، بکر اور ضیعته کی ضمیر میں بھی اجمال ہے جو کہ ضمائر غیر محصورہ کے قائم مقام ہے جن میں ایک ضمیر ایک اسم ظاہرہ کی طرف راجع ہے اور دوسری دوسرے کی طرف تیسری تیسرے کی طرف معنی یہ ہوگا۔ زید وضیعته مقرونان، عمرو وضیعته مقرونان هلم جرا کما فی حاشیۃ الصبان حاشیه المدقق ان اعتراضات سے بچنے کے لیے محققین نے اس کی علیحدہ ترکیب کی ہے۔ محققین کے نزدیک تقدیر یہ ہے کل رجل مقرون هو وضیعته، ضیعته، کا عطف ہے مقرون کی ضمیر مرفوع مُستَتِر پر اس لیے اس کی تاکید ضمیر مُنفَصِل لائی گئی ہے۔ (فوائد شافیہ) اس کا حذف کرنا اس لیے واجب ہے کہ قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود میں قرینہ (واو) بمعنی (مع) ہے جو اقتران پر دلالت کرتی ہے اور قائم مقام (ضیعته) معطوف ہے جس کا معنی ہر مرد اپنے پیشہ کے ساتھ مُقترن ہے اگر ضیعته کا معنی حرفت پیشہ نہ ہو آرزو ہو تو پھر معنی یہ ہوا ہر مرد اپنی آرزو کے ساتھ مقرون ہوتا۔ (جامع الغموض)

محققین کی تقدیر پر چند اعتراضات

اعتراض اول تاکید کلام عرب میں کبھی بھی حذف نہیں ہوتی کیونکہ تقویت کے لیے لائی جاتی ہے جب کہ آپ کی ترکیب میں حذف ہو رہی ہے۔ **جواب** جس وقت مؤکد حذف ہو جائے تو تاکید بھی حذف ہو جاتی ہے۔

اعتراض ثانی جس وقت اسم ظاہر کا ضمیر متصل پر عطف ڈالا جائے تو دو اعراب جائز ہوتے ہیں یعنی رفع اور نصب لیکن ضیعتہ پر نصب جائز نہیں۔ **جواب** یہ قاعدہ اس وقت ہے جب کہ فعل یا شبہ فعل لفظی ہو اور وہ خود اقتران پر دلالت نہ کرئے بلکہ واو اقتران پر دلالت کرئے لیکن یہاں پر فعل خود اقتران پر دلالت کرتا ہے۔

اعتراض ثالث اس ترکیب سے خروج عن المبحث لازم آتا ہے کیونکہ بحث تو اس بات کی ہے مُبتدا پر کسی اسم کا عطف ڈالا جائے جب کہ آپ کی ترکیب میں مُبتدا پر نہیں بلکہ خبر پر عطف ڈالا جارہا ہے۔ **جواب** مُبتدا پر عطف سے مراد عام ہے کہ خواہ حقیقتاً ہو یا حُکما یہاں حُکما مُبتدا پر عطف ہے۔ کہ خبر کی ضمیر پر عطف ڈالا جارہا ہے جو کہ راجع الی المبتدا ہے۔

کوفیین کا مذہب یہ کلام تام ہے جس کے لیے جزء کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔ (وضیعتہ) خبر ہے کیونکہ (واو) بمعنی (مع) ہے جس طرح واو کی جگہ مع ہوتا ہے۔ جیسے: کل رجل مع ضیعتہ تو (مع ضیعتہ) خبر ہوتی اسی طرح وضیعتہ بھی خبر ہے۔ **لیکن** یہ مسلک ضعیف ہے کیونکہ واو کا بمعنی مع ہونا قطعاً اس بات کو مُستلزم نہیں کہ بمنزل (مع) ہو جائے یہاں تک کہ خبر ہونا بھی درست ہو اس لیے کہ (مع) تو ظرف ہے جن میں خبر بننے کی صلاحیت ہے جب کہ واو حرف ہے جس میں خبر بننے کی صلاحیت نہیں، فتدبر

وَلَعَمْرُكَ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا مقام رابع ہر وہ مقام جس میں مُبتدا مقسم بہ ہو بشرطیکہ قسم بھی غالب الاستعمال ہو تو اس کی خبر کا حذف کرنا بھی واجب ہے کیونکہ قرینہ اور قائم مقام جواب قسم ہے۔ جیسے: لعمرك لا فعلن كذا العمرك۔ کی خبر قسمی محذوف ہے اور عہدی کا استعمال قسم قسم میں غالب نہیں اس لیے اس کی خبر کا حذف وجوبی نہیں ہوگا بلکہ جوازی ہوگا۔ جیسے: عهد الله لا فعلن كذا اس کی خبر کا ذکر بھی جائز ہے۔ عَلَیَّ عهد الله لا فعلن كذا۔ **فائدہ** خبر کے حذف

وجوبی میں قائم مقام کی ضرورت ہوتی لیکن مُبتدار کے حذف وجوبی میں نہیں۔ **وجہ فرق** یہ ہے کہ خبر محطّ فائدہ ہے تو وہ مہتم بالشان ہوئی۔ (حاشیۃ الصبان) **فائدہ** کبھی لَعَمْرُكَ سوال میں مستعمل ہوتا ہے قسم سوال اس کو کہتے ہیں جس کا جواب امر یا نہی یا استفہام ہو۔ جیسے : **لعمرك لانصرن اخاك ظالما او مظلوما۔**

خَبَرُ اِنَّ وَ اَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا : مصنف مُبتدار اور خبر کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد مرفوعات کا پانچواں قسم حروف مُشَبّہ بالفعل کی خبر کو بیان کر رہے ہیں۔ **فائدہ** کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ حروف مُشَبّہ رافع خبر نہیں بلکہ (خبر) کا مرفوع ہونا بالابتدار ہے۔ **دلیل** یہ ہے کہ یہ حروف بذات خود عامل نہیں بلکہ بوجہ مشابہت عمل ہیں لہذا عامل ضعیف ہوئے تو فعل کی طرف دو عمل (نصب رفع) نہیں کرسکتے فقط ایک ایک اسم کے لیے ناصب ہوں گے۔ **لیکن** اصح مذہب یہ ہے کہ یہ ناصب اسم اور رافع خبر ہیں۔ **دلیل** ان کا عامل ہونا متعدی کے ساتھ مشابہت کیوجہ سے ہے لہذا مُشَبّہ بہ کی طرح دو عمل (نصب رفع) کریں گے اس دلیل میں کوفیین کا جواب بھی ہو گیا۔ **دلیل ثانی** ان حروف کے معانی تاکید، تشبیہ، تمنّ، ترجی، استدراک نِسبت مابعد سے مُتعلق ہوتے ہیں اور نِسبت کا تعلّق طرفین یعنی اسم و خبر سے برابر ہوتا ہے لہذا ان حروف کا تقاضا ہے کہ دو اسم خبر میں عمل کریں۔ **سوال** فاعل کو اور مُبتدار خبر کو منه اور منها سے شرع کیا اور یہاں پر منه یا منها کیوں نہیں لائے۔ **جواب ۱** ایک جواب تو وہی ہے **جواب ۲** اِنَّ کا اسم و خبر بھی اصل میں مُبتدار اور خبر ہوتے ہیں اس لیے الی آخرہ **جواب ۳** چونکہ خبر ان میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی بتا چکے ہیں اس لیے مُصنّفؒ نے دونوں مذہبوں کی رعایت کرتے ہوئے منه اور منها نہیں لائے لیکن خبر کی اضافت اِنَّ کی طرف یہ اضافت الاثر الی المؤثر کے قبیل سے ہے جس سے بصریین کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ **سوال** اخوات جمع ہے اخت کی جس کا اطلاق ذی روح چیز پر ہوتا ہے جب کہ یہ حروف غیر ذی روح ہیں۔ **جواب** یہاں اخوات بمعنی امثال ہے۔ (مجازاً) جیسے آیت کریمہ ہے : كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعَنَتْ اُخْتَهَا یہ ذکر ملزوم و ارادۃ لازم کے قبیل سے ہے۔ **سوال** اگر وجہ اطلاق یہی ہے تو اخوۃ سے کیوں تعبیر نہیں کیا **جواب** یہ تعبیر بتاویل کلمات قرار دینے پر مبنی ہے نہ کہ حروف کے مؤنث مستعمل ہونے پر کیوں کہ حروف مبانی۔ حروف ہجاد کی تانیث استعمال میں وجوبًا ہے نہ کہ حروف معانی کی ان کی ترکیبہ و تانیث دونوں جائز ہیں۔ **سوال** حروف مُشَبّہ

بالفعل کی خبر کو لانفی کی خبر ماولا کے اسم پر کیوں مقدم کیا حالانکہ سب کے سب فاعل کے ساتھ ملحق ہیں۔ **جواب** لائے نفی (اِنَّ) کیساتھ معنیٔ تحقیق میں مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے البتہ اِنَّ تحقیق اثبات کے لیے اور یہ لا تحقیق نفی کے لیے لہذا اِنَّ اصل ہوا اور یہ فرع جس طرح اصل کو فرع پر شرافت حاصل ہوتی ہے اسی طرح معمول اصل کو معمول فرع پر اس لیے مقدم کر دیا۔ **ما و لا** کی مشابہت لیس کے ساتھ اور لیس فعل جامد ہے جب کہ ان حروف کی مشابہت فعل مُشتَق کے ساتھ ہے اور فعل مُشتَق کو فعل جامد پر شرافت حاصل ہے کیونکہ فعل مُشتَق سے مختلف معانی مقصُورہ جیسے اثبات و نفی و استقبال و ماضی لہذا مشابہت باصل بھی اشرف ہوگا مشابہت بفرع پر اس لیے مقدم کیا۔ **تعریف** اِنَّ کی خبر مسند ہوتی ہے بعد داخل ہونے ان حروف کے۔ **سوال** یہ تعریف جامع نہیں ان زیدا قائم پر صادق آتی نہیں کیونکہ یہ تمام حروف داخل نہیں۔ **جواب** ھذہ الحروف سے پہلے (احد) مضاف محذوف ہے بعد دخول احد ھذہ الحروف۔ **سوال** یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ان زیدا یقوم ابوہ میں یقوم پر صادق آتی ہے کہ یقوم ان کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ یقوم خبر نہیں بلکہ خبر پورا جملہ ہے۔ مولانا فاضل ہندی نے **جواب** دیا کہ المسند کا صلہ (الی اسماء ھذہ الحروف) مقدر ہے اب **تعریف** یہ ہوگی کہ اِنَّ کی خبر وہ چیز ہوتی ہے جو اِنَّ کے اسموں کی طرف مسند و منصوب ہو جب کہ یقوم کی نِسبت زیدا کی طرف نہین بلکہ ابوہ کی طرف ہے۔ **لیکن** یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ اس جواب سے تو تمام خبرِیں المسند کی قد سے خارج ہو جائیں گی جس سے بعد دخول الیٰ آخرہ والی عبارت لغو و مُستدرک ہوگی۔ **صاحب غایــــة التحقیق کا جــــواب** المسند سے مراد اسم مسند ہے یہ جواب بھی درست نہیں اس لیے کہ اس جواب کی بناء جہاں پر بھی باب اَنَّ کی خبر جملہ ہوگی اس کو اسم کی تاویل میں کرنے کی احتیاجی ہوگی حالانکہ ان حروف کی خبر جملہ من حیث الجملہ بھی جملہ بغیر مؤلہ بالاسم ہونے کے واقع ہوتی ہے۔ **بہتر جــــواب** مولانا جامیؒ کا جواب یہ ہے کہ ہم قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ یہ تعریف فقط یقوم پر صادق آتی ہے کیونکہ ان کے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اِنَّ کا اثر لفظی رفع محلی اور اثر معنوی (تاکید) ظاہر ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اثر لفظی و معنوی فقط یقوم میں ظاہر نہیں بلکہ پورے جملہ یقوم ابوہ میں ظاہر ہے لہذا خبر پورا جملہ ہوگی نہ کہ فقط یقوم۔

وَ اَمۡرُہٗ کَاَمۡرِ خَبَرِ الۡمُبۡتَدَاءِ ایک مسئلہ کا بیان ہے حروف مُشَبّہ بالفعل کی خبر کے احکام اور اقسام

و شرائط بعینہٖ خبر مُبتداء والے ہیں۔ **فائدہ** همع الهوامع میں ہے کہ ان حروف کی خبر مُتعدّد نہیں ہو سکتی اور قیاس بھی یہی ہے کہ ان کا عمل بمشابہت فعل ہوتا ہے اور فعل دو مرفوع کا تقاضا نہیں کرتا اور نیز کلام عرب سے مسموع بھی نہیں۔ **سوال** ان کی خبر کو مطلقاً خبر مُبتداء کا حکم دینا غلط ہے کیونکہ خبر مُبتداء تو متضمن معنی استفہام بھی ہوتی ہے۔ جیسے : این زید جب کہ ان کی خبر نہیں۔ **جواب** یہ مسئلہ اور حکم شرائط اور انتفاء موانع کیساتھ مشروط ہے جب کہ اس میں مانع موجود ہے وہ صدارت کا لطلان ہے۔

اِلَّا فِيْ تَقْدِيْمِهٖ یہ استثناء مضرغ کلام موجب میں ہے۔ جیسے : قَرَءْتُ اِلَّا يَوْمَ كَذَا معنی یہ ہیں کہ حروف مُشبّہ بالفعل کی خبر حکم تمام اوصاف میں خبر مُبتداء ہے سوائے تقدیم کے کہ خبر مُبتداء مقدم ہوتی ہے جب کہ ان کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ اور عِلّت یہ ہے کہ ان حروف کا عمل فرعی ہے اگر ان کی خبر مقدم ہو جائے تو فرع کی اصل کے ساتھ مساوات لازم آئے گی۔ حالانکہ عمل میں ان کا فعل سے انحطاط باقی رہنا ضروری ہے۔

اِلَّا اِذَا كَانَ ظَرْفًا یہ استثناء مفرغ ہے کلام منفی سے جو ما قبل سے سمجھا جاتا ہے وہ لا یتقدم ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اِنَّ کی خبر اپنے اسم پر کسی وقت مقدم نہیں ہو سکتی مگر جب کہ ظرف ہو تو خبر مُبتداء کی طرف جوازاً مقدم ہوتی ہے جس وقت اسم معرفہ ہو۔ جیسے : اِنَّ الينا ايابهم اور وجوبًا جب کہ اسم نکرہ ہو۔ جیسے : اِنَّ من الشعرِ لَحِكْمَةً باقی رہی یہ بات کہ ظرف ہو تو مقدم کیوں ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ **فائدہ** چند مُستثنیات رہ گئے ہیں : ❶ خبر اِنَّ ماله صدد الکلام کو متضمن نہیں ہوتی بخلاف خبر مُبتداء کے اور اِنَّ زید اًلفی الدار وغیرہ میں لام ابتداء خبر اِنَّ میں صدارت کو مُقتضی نہیں ہوتا۔ ❷ اِنَّ کی خبر معرفہ اور اسم نکرہ ہوتا ہے۔ جیسے : اِنَّ اول بيت وضع للناس للذى ببكة لیکن مُبتداء خبر میں ایسا نہیں۔ ❸ خبر اِنَّ پر لام ابتداء کا دخول جائز ہے بخلاف خبر مُبتداء کے وغیرہ۔

خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ خبر لائے نفی جنس کا بیان **سوال** خبر لائے نفی جنس کو ما و لا کے اسم پر کیوں مقدم کیا۔ **جواب ۱** لائے نفی جنس کی بواسطہ (اِنَّ) کے مشابہت ہے فعل مُشتق کے ساتھ جب کہ ما و لا کی مشابہت ہے فعل جامد کے ساتھ اور اول کو ثانی پر شرافت حاصل ہے۔
جواب ۲ تاکہ معمول مشابہت ذکر میں معمول مشابہ بہ کے ساتھ مُتصل ہو جائے۔

هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا تعریف خبر لائے نفی جنس وہ اسم ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد

مسند ہو۔ **سوال** یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ : لَا رَجُلَ حسنا فی الدار میں حسنًا پر صادق آتی ہے رجل کی طرف حالانکہ حسنًا خبر نہیں۔ **جواب** مسند مراد خاص ہے کہ اسناد علی طریق الاصالۃ ہو جب کہ یہاں اسناد علی طریق التبعیۃ ہے۔

مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا **سوال** مصنفؒ نے مثال مشہور (لا رجل فی الدار) سے عدول کیوں کیا۔ **جواب** تاکہ مثال ممثل کے لیے نص ہو غیر کا احتمال نہ رہے جب کہ مثال مشہور نص نہیں اس لیے کہ اس میں ایک احتمال اور بھی ہے کہ (فی الدار) صفت ہو (رجل) کی عام ازیں مرفوع ہو حملا علی محلٍ بعید یا منصوب ہو حملا علی محل قریب او علی لفظ اور خبر محذوف ہو اور مصنفؒ کی پیش کردہ مثال نص ہے، اور صفت کا احتمال نہیں ظریف اور فی الدار دونوں خبر ہیں (حاشیہ المدقق) **سوال** خبر کی دو مثالیں کیوں بیان کی گئی ہیں۔ **جواب ۱** تاکہ خبر کی دونوں نوع کا بیان ہو جائے کہ خبر کبھی ظرف اور کبھی غیر ظرف ہوتی ہے۔ **جواب ۲** اگر (فیها) خبر ثانی کو ذکر نہ کرتے تو جنس غلام کی دنائیت اور عقل مندی کی نفی ہو جاتی جو کہ غلط ہے اس لیے فیها کو ذکر کر دیا کہ اس حویلی کے غلام سمجھ دار نہیں۔ **فائدہ** حاشیۃ الصبان جلد دوم میں ہے کہ لانفی جنس کا رافع خبر ہونا علی مذہب البصریین ہے اور کوفیین کے نزدیک رافع خبر نہیں کیونکہ اس کا عمل بمشابہت اِنَّ تھا جب ان کے ہاں خود اِنَّ رافع خبر نہیں تو یہ بطریق اولی رافع خبر نہ ہوگا اور ہمع الھوامع صفحہ ۱۴۶ میں ہے کہ لائے نفی جنس بالاجماع رافع ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا اس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے۔ جیسے : لا الہ موجودٌ الا اللہ **فائدہ** اس میں دو مذہب ہیں : ❶ جمہور کے نزدیک خبر (موجود) محذوف ہے اور (لفظ اللہ) بدل ہے اس کی ضمیر سے اور صاحبِ کشاف کے ہاں یہ جملہ تامہ جو محتاج خبر نہیں کیونکہ اصل ترکیب (اللہ الہ) ہے پھر (لا) اور (الا) کو داخل کیا گیا ہے اور مسند کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ مسند (الوھیۃ) منحصر ہو مسند الیہ (اللہ) میں لا الہ الا اللہ۔ یہ قصر الصفۃ علی الموصوف ہے۔

وَبَنُوْ تَمِيْمٍ لَا يُثْبِتُوْنَهٗ اس عبارت کے دو مطلب ہیں۔ **پہلا مطلب** لائے نفی جنس کی خبر تو ہوتی ہے مگر وجوبی طور پر حذف ہوتی ہے جس طرح خبر مُبتدا، بعض مقامات میں وجوبا حذف ہوتی ہے کما مر اب معنی یہ ہوگا کہ بنو تمیم اس کی خبر کو اپنی کلام میں لفظاً اثبات نہیں کرتے مگر تقدیراً سے مراد ہوتی ہے یعنی ملفوظ نہیں مقدر ہوتی ہے۔ **دوسرا مطلب** کہ بنو تمیم اس کی خبر کو

بالکل مانتے ہی نہیں نہ ملفوظ اور نہ مقدر کیونکہ (لا) اسم الفعل ہے جس کو خبر کی حاجت نہیں۔ لیکن پہلا احتمال اصح ہے کیونکہ لغت فصیح کی موافق ہے نیز اسم الفعل کا ورود اس صیغہ پر نہیں ہوا کما فی حاشیۃ محمد بن موسی البستوی علی محرم آفندی۔ **سوال** لا رجل قائم اس جیسی ترکیب کا بنو تمیم کیا جواب دیتے ہیں۔ **جواب** علی الاحتمال الاول یہ جواب دیتے ہیں کہ جہاں بھی اسم لائے نفی جنس کے بعد ہے وہ خبر نہیں بلکہ وہ لائے نفی جنس کے اسم کی صفت ہوگی جو محل پر محمول ہوگی کیونکہ مبنی کا تابع محل کے تابع ہوتا ہے اور خبر بہرحال وجوبا محذوف ہوگی اور علی الاحتمال الثانی وہی جواب ہے مگر خبر بالکل نہیں نہ ملفوظ اور نہ مقدر۔ **فائدہ** ❶ یہ خبر ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے۔ ❷ خبر کو دونوں سے مؤخر کرنا واجب ہے، ❷ خبر کو دونوں سے مؤخر کرنا واجب ہے، ❸ معمول خبر کا تأخر بھی دونوں سے واجب ہے مگر معمول کا خود خبر پر تقدم جائز ہے۔ ❹ خبر کا حذف اس وقت جائز ہے جب کہ اسم مذکور ہو ورنہ نہیں جیسے لا علیك (همع الهوامع) محرم آفندی شرائط کے لیے احقر کی تصنیف تنویر شرح نحو میر دیکھیے۔

اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا خبر لائے نفی جنس سے فراغت کے بعد اسم ما و لا مشبھتین کو بیان کررہے ہیں۔ **تعریف** اسم ما و لا المشبہتین بلیس وہ اسم جو ان دونوں کے داخل ہونے کے وقت مسند الیہ ہو۔ جیسے: ما زید قائما و لا رجل افضل منك **سوال** بَعْدَ دخولھا کہ دونوں داخل ہوں تب یہ تعریف صادق آئے گی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ **جواب** دخول کے بعد مضاف (احد) محذوف ہے بعد دخول احدھما۔ **سوال** یہ تعریف اب بھی صادق نہیں آتی کیونکہ ایک کے دخول کے بعد جو اسم مسند الیہ ہوگا وہ تو فقط اسی کا اسم ہوگا نہ دونوں کا حالانکہ معرف تو دونوں کا اسم ہے۔ **جواب** معرف میں بھی مضاف (باب) مقدر ہے۔ (اسم باب ما و لا المشبھتین بلیس)

وَهُوَ فِيْ لَا شَاذٌّ (فی لا) یہ شاذ کے لیے ظرف مقدم ہے جس سے مقصود حصر ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ عمل بمشابہت لیس صرف (لا) میں قلیل ہے نہ (ما) میں۔ **سوال** یہ معنی درست نہیں اس لیے کہ شاذ یہ شذوذ بمعنی انفراد سے مشتق ہے اب معنی یہ ہوگا کہ عمل بمشابہت لیس تنہا (لا) میں ہوتا ہے نہ (ما) میں اور جار مجرور کی تقدیم سے انفراد کی تاکید ہوجائے گی۔ **جواب** یہاں شاذ بمعنی قلیل ہے مجازا اور مُنفرد ملزوم اور قلیل لازم ہے تو یہ ذکر الملزوم و ارادۃ اللازم کے قبیل سے ہے۔ **سوال** ان دونوں کی (لیس) کے ساتھ کس بات میں

مشابہت ہے؟ **جواب** افادہ نفی اور مبتدا اور خبر پر دخول میں۔ **سوال** (ما) کی مثال میں معرفہ اور (لا) کی مثال نکرہ اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب** (ما) معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتی ہے اور (لا) فقط نکرہ میں۔ مصنفؒ نے یہ فرق بتانے کے لیے اس طرح کی مثال دی ہے۔ **سوال** یہ فرق کیوں ہے؟ **جواب** (ما) کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی ہے کیونکہ دونوں نفی حال کے لیے آتے ہیں۔ اور (لا) کی مشابہت ضعیف ہے کیونکہ یہ مطلق نفی کے لیے آتی ہے۔ (ما) اور لیس کی خبر پر بار زائدہ آتی ہے لیکن (لا) کی خبر پر نہیں یہی وجہ ہے کہ (لا) کا اثر کلام منثور میں مسموع نہیں فقط کلام منظوم میں ثابت ہے جیسا کہ تعزیب میں کسی شاعر نے خوب کہا

تَعَزَّ فَلَا شَیْءٌ عَلَی الْاَرْضِ بَاقِیًا

وَ لَا وَزَرٌ مِمَّا قَضَی اللّٰہُ وَاقِیًا

قوله: وقد يتعدد الخبر... الخ کافیہ

تعمیمِ اوّل

تعدّد الخبر

- **مع تعدّد المخبر عنه** دریں صورت عطف واجب شد
  - لفظاً: مثل زَيْدٌ وعَمْرٌو عَالِمٌ وجَاهِلٌ
  - معنیً: مثل هُمَا عَالِمٌ وجَاهِلٌ
- **بدون تعدّد المخبر عنه**
  - جائز: وقتیکہ معنی بدون تعدد تمام شد
    - عطفِ اولیٰ: زَيْدٌ عَالِمٌ وَشَاعِرٌ
    - ترکِ جائز: زَيْدٌ عَالِمٌ شَاعِرٌ
  - واجب: وقتیکہ نباشد
    - عطفِ جائز: اَلْخَلُّ حُلْوٌّ وَحَامِضٌ
    - ترکِ اولیٰ: اَلْخَلُّ حُلْوٌّ حَامِضٌ

تعمیمِ دوم

تعدّد خبر

- **متفق الجنس**
  - در اسم
    - دریک مرتبہ
      - مع عطف: زَيْدٌ عَالِمٌ وَشَاعِرٌ
      - بدون عطف: زَيْدٌ عَالِمٌ شَاعِرٌ
    - دربسیار مرتبہ
      - مع عطف: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ (پنج خبر)
      - بدون عطف: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ (پنج خبر)
  - در فعل
    - دریک مرتبہ
      - مع عطف: زَيْدٌ اَكَلَ وَشَرِبَ
      - بدون عطف: زَيْدٌ اَكَلَ شَرِبَ
    - دربسیار مرتبہ
      - مع عطف: زَيْدٌ اَكَلَ وَشَرِبَ وَكَتَبَ
      - بدون عطف: زَيْدٌ اَكَلَ شَرِبَ كَتَبَ
- **مختلف الجنس**: فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى

تصورات
أنطقنا الله الذي أنطق كل شيء
(القرآن)
بدر النجوم
شرح اردو
سلم العلوم
تصنیف
مفتی عطاء الرحمن ملتانی
صدر مدرس الجامعة الشرعية گوجرانواله
ناشر
المكتبة الشرعية شمع كالونى گوجرانواله فون ۲۵۹۱۸۳

وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (القرآن)

سِمَايَةُ النحو

اُردو شرح

هدايةُ النحو

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی

صدر مدرس الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ

المکتبۃ الشرعیۃ ○ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۲

ما احسن هذا النحو الذی نحوت (حضرت علیؓ)
غرض جامی
رحمۃ اللہ علیہ
فی
شرح جامی
تصنیف لطیف
مفتی عطاء الرحمن ملتانی
صدر مدرس، الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ
فون ۲۵۹۱۸۳
المکتبۃ الشرعیۃ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

قال عمرؓ علیکم بالعربیۃ فانھا تثبت العقل وتزید فی المروءۃ

رفعۃ العوامل

اردو شرح

شرح مائۃ عامل

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمن ملتانی

ناشر

المکتبۃ الشرعیہ ○ شمع کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فون ۲۵۹۱۸۳

نام کتاب

اصل نام: اَلْفَوَائِدُ الضِّیَائِیَّۃُ

مشہور نام: شَرْحُ جَامِیٍّ

تحقیقات شرح جامی

تحقیق لفظی

شرح مصدر ہے از باب مَنَعَ یَمْنَعُ چوں رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی۔ جَامِیٌّ اسم منسوب ہے۔ جَام بمعنی پیالہ یا قصبہ شارح اس کے آخر میں یائے مشدد برائے نسبت ہے۔ جیسے مَکِّیٌّ مَدَنِیٌّ پس صحیح تلفظ اس طرح ہوگا شَرْحُ جَامِیٍّ

تحقیق معنوی

شرح لغۃً کھولنا اور اصطلاحاً وہ عبارت ہے جو اوپر کے متن کو واضح کرے یعنی پوری کتاب کو حل کرے جیسے جامی برائے کافیہ۔ متن لغۃً بمعنی پشت اور اصطلاحاً مَا یَکُوْنُ ضِمْنًا مُحْتَاجًا اِلَی الشَّرْحِ۔ حاشیۃ لغۃً بمعنی کنارہ۔ اصطلاحاً وہ عبارت جو بعض اقوال کو حل کرے اور مصنف یا شارح خود لکھے یا کوئی دوسرا شخص لکھے۔ تعلیق لغۃً بمعنی لٹکانا اور اصطلاحاً حاشیۃ کے مترادف ہے۔ مُنْہِیَہ لغۃً بمعنی اس سے ہونے والا۔ اصطلاحاً وہ عبارت جو مصنف یا شارح خود لکھے۔

تحقیق اضافی

اضافت شرح بطرف جامی از قبیل اضافت مصدر بسوئے فاعل ہے اور اضافت معلول بسوئے علت ہے اور اضافت معنویہ لامیہ ہے۔

تحقیق ترکیبی

- مبنی بر سکون: شَرْحْ جَامِیْ
- مُعْرَب
  - مَرْفُوْع
    - مبتدا محذوف الخبر: ای شَرْحُ جَامِیٍّ هٰذَا
    - خبر محذوف المبتدا: ای هٰذَا شَرْحُ جَامِیٍّ
  - مَنْصُوْب: ای اِقْرَأْ شَرْحَ جَامِیٍّ
  - مَجْرُوْر: ای خُذْ بِشَرْحِ جَامِیٍّ

تحقیق علمی

اَلْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَیْءٍ مُعَیَّنٍ بِحَیْثُ لَا یَشْتَمِلُ بِذٰلِکَ الْوَضْعِ غَیْرَہٗ۔ مَوْضُوْعٌ لَہٗ اگر معین در خارج ہو تو علم شخصی ہوگا، جیسے زید اور اگر معین در ذہن ہو تو علم جنسی ہوگا، جیسے اُسَامَۃُ اور اگر ماہیت کلیۃ ہو تو اسم جنس ہوگا جیسے اَسَدٌ۔ اَعْلَامُ کُتُبٍ۔ جیسے کافیہ جامی۔ نحو میر وغیرہ از قبیل اعلام جنسیۃ ہیں۔

منصوبات

عامل

- فعل یا شبہ فعل
  - معمول
    - مفاعیل
      - فعل کا جزو ہو — ۱ مفعول مطلق
      - فعل اس پر واقع ہو — ۲ مفعول بہ
      - فعل اس میں واقع ہو — ۳ مفعول فیہ
      - اس کے لیے فعل واقع ہو — ۴ مفعول لہ
      - فعل کے معمول کا صاحب ہو — ۵ مفعول معہ
    - ملحقات بالمفاعیل
      - مبین ہو
        - مبین وصف — ۶ حال
        - مبین ذات — ۷ تمیز
      - مبین نہ ہو — ۸ مستثنیٰ
- حرف
  - معمول
    - مسند
      - کلام موجب — ۱۱ افعال ناقصہ کی خبر
      - کلام غیر موجب — ۱۲ ما و لا المشبہتین بلیس کی خبر
    - مسند الیہ
      - کلام موجب — ۹ حروف مشبہ بالفعل کا اسم
      - کلام غیر موجب — ۱۰ لائے نفی جنس کا اسم

المنصوبات

قولہ "المنصوبات" اس میں بھی "المرفوعات" کی طرح چھ تحقیقات ہوں گی۔ ❶ تحقیق ربطی ❷ تحقیق تقدیمی ❸ تحقیق ترکیبی ❹ تحقیق صیغوی ❺ تحقیق معنوی ❻ تحقیق الف لام۔ پانچ تحقیقات کو آپ مرفوعات پر قیاس کرلیں۔ البتہ تحقیق تقدیمی ہم بیان کریں گے۔

تحقیق تقدیمی:

سوال آپ نے منصوبات کو مجرورات پر کیوں مقدم کیا۔

جواب منصوبات کثیر تھے اور مجرورات قلیل تھے۔ کیونکہ منصوبات بارہ تھے اور مشہور **قاعدہ** ہے: العزۃ للتکاثر اس لیے ہم نے منصوبات کو مجرورات پر مقدم کیا۔

سوال ماقبل میں آپ نے اعراب تقدیری کی تقدیم میں آپ نے قلت کو عِلت بنایا تھا اور اب یہاں کثرت کو عِلت بنا رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب یہاں محض کثرت کو عِلت نہیں بنایا' بلکہ کثرت مع الخفۃ کو عِلت بنایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ قلت اور کثرت کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ اگر قلیل ایسی چیز ہو جس کے بیان سے کثیر بیان ہو جائے۔ ❷ قلیل ایسی چیز ہو جس کے بیان سے کثیر بیان نہ ہو تو پہلی صورت میں قلیل کو کثرت پر مقدم کیا جاتا ہے۔ لطلب الاختصار جیسے اعراب تقدیری کو مقدم کیا تھا تو دوسری صورت میں کثیر کو قلیل پر مقدم کیا جاتا ہے جیسے یہاں پر۔

منصُوبات کی اقسام کے لیے وجہ حصر: منصوبات تین حال سے خالی نہیں۔ اس کا عامل فعل ہوگا یا شبہ فعل یا حرف' اگر عامل فعل یا شبہ فعل ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ اس کا معمول مفاعیل خمسہ میں سے ہوگا یا نہیں۔ اگر مفاعیل خمسہ میں سے ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ فعل کی جزء ہوگا یا نہیں۔ اگر فعل کی جزء ہو تو یہ پہلا قسم مفعول مُطلق ہوگا۔ اور اگر فعل کی جزء نہ ہو تو پھر فعل چار حال سے خالی نہیں۔ یا تو فعل اس پر واقع ہوگا' یا اس میں واقع ہوگا' یا اس کے لیے واقع ہوگا۔ یا فعل کے معمول کے لیے مصاحب ہوگا۔ اگر وہ فعل اس پر واقع ہو تو دوسرا قسم مفعول بہ ہوگا۔ اور اگر فعل اس میں واقع ہو تو تیسرا قسم مفعول فیہ ہوگا' اور اگر فعل اس کے لیے واقع ہو تو چوتھا قسم مفعول لہٗ ہوگا۔ اور اگر فعل کا کوئی معمول اس کا مصاحب ہو تو یہ پانچواں قسم مفعول معہ ہوگا۔ اور اگر مفاعیل خمسہ میں سے نہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مُبین ہوگا یا نہیں۔ اگر مُبین

نہیں تو پھر یہ چھٹا قسم مستثنیٰ ہوگا اور اگر مُبین ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مُبین ذات ہوگا یا مُبین وصف، اگر مُبین ذات ہو تو یہ ساتواں قسم تمیز، اگر مُبین وصف ہو تو آٹھواں قسم حال ہوگا۔ اگر وہ اسم منصوب حرف کا معمول ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مسند ہوگا یا مسند الیہ۔ اگر مسند الیہ ہو تو کلام موجب میں ہوگا یا غیر موجب میں۔ اگر کلام موجب میں ہو تو نواں قسم حروف مُشَبّہ بالفعل کا اسم ہوگا۔ اور اگر کلام غیر موجب میں ہو تو دسواں قسم لائے نفی جنس کا اسم ہوگا۔ اور اگر مسند ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ کلام موجب میں ہوگا یا غیر موجب میں۔ اگر کلام موجب میں ہو تو گیارھواں قسم افعالِ ناقصہ کی خبر سوائے لیس کے۔ اگر کلام غیر موجب میں ہو تو بارھواں قسم ما و لا مشبہتین بلیس کی خبر ہوگی۔

فائدہ مفاعیل خمسہ کے علاوہ باقی تمام کو ملحقات بالمفعول کہا جاتا ہے۔ اور ان کے الحاق کی وجہ ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

قولہ "هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰی عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ" یہاں سے اب منصوب کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں۔ منصوب وہ ہے جو مشتمل ہو مفعول ہونے کی علامت پر۔ اس تعریف میں حسب سابق پانچ درجات ہوں گے۔ **پہلا درجہ مختصر مفہوم** وہ بیان ہو گیا۔ **دوسرا درجہ فوائدِ قیود** ما بمنزلِ جنس ہے۔ مرفوعات، منصوبات، مجرورات سب کو شامل ہے۔ ما اشتمل علی علم المفعولیۃ یہ قید اور فصل ہے۔ جس سے مرفوعات، مجرورات خارج ہوگئے۔ **تیسرا درجہ مشکل الفاظ کے معانی** تو اس میں اشتمل علم المفعول ان کی تشریح ہو چکی ہے۔ **چوتھا درجہ ترکیب** ترکیب تو بالکل واضح ہے۔ **پانچواں درجہ سوالات، جوابات۔**

سوال یہ تعریف نہ جامع ہے نہ مانع ہے۔ جامع اس لیے نہیں کہ رأیت مُسلمات مفعول بہ ہے۔ اور مفعولیت کی علامت پر مشتمل نہیں۔ کیونکہ مفعولیت کی علامت نصب ہے۔ اور مانع بھی نہیں۔ کیونکہ مررت بِمُسْلِمَيْنِ و مررت بِمُسْلِمِيْنَ یہ علامت مفعولیت پر مشتمل ہے: یعنی یا ماقبل مفتوح تثنیہ میں اور یا ماقبل مکسور جمع میں؟۔

جواب علامتِ مفعولیت چار ہیں۔ ➊ فتحہ مفردات میں، جیسے رأیت زیداً ➋ کسرہ جمع مونث سالم میں، جیسے: رأیت مُسلمات ➌ الف اسمائے ستہ مکبرہ میں جیسے: رأیت اخاك ➍ یا ماقبل مفتوح تثنیہ میں اور یا ماقبل مکسور جمع مذکر سالم میں۔ جب کہ عامل ناصبہ کے بعد ہو۔ اور جب کہ

جار کے بعد ہو، تو علامت اضافت ہوگی۔ جیسے مثال گزر چکی ہے۔

سوال آپ نے کہا مفعول کے علاوہ باقی تمام ان کے ملحقات ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ یعنی حال اور مستثنٰی کو ملحقات میں شمار کرنا اور مفعول لہٗ اور مفعول معہ کو اصول میں شمار کرنا درست نہیں، بلکہ بر عکس کرنا چاہیے۔ اس لیے ہر فعل کے لیے حال کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہر فعل کسی نہ کسی حالت میں صادر ہوگا، تو اس لیے اس کو اصول میں شمار کرنا چاہیے۔ اور مفعول لہٗ، مفعول معہ کو ملحقات میں شمار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر فعل کے لیے مفعول لہٗ اور مفعول معہ کا ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے ہر فعل کے لیے عِلّت وغیرہ بیان نہیں کی جاتی۔

جواب ۱ مفعول لہٗ اور مفعول معہ کو اصول میں اس لیے شمار کیا ہے کہ ان کا تعلّق فعل کے ساتھ بلا واسطہ ہے۔ بخلاف حال وغیرہ کے کہ ان کا تعلّق بالواسطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ حال کا تعلّق اولاً مفعول یا فاعل کے ساتھ ہوتا ہے پھر اسی کے واسطے سے فعل کے ساتھ ہوتے ہیں۔

جواب ۲ ہر ممکن کے لیے عِلّت کا ہونا ضروری ہے، تو فعل بھی ایک امرِ ممکن ہے، اس کے لیے بھی عِلّت کا ہونا یعنی مفعول لہٗ کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ "فَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ" منصوبات کا پہلا قسم مفعول مُطلق ہے۔

سوال مفعول مُطلق کو باقی منصوبات پر مقدم کیوں کیا؟۔

جواب ۱ مفعول مُطلق، یہ مُطلق ہے کوئی قید وغیرہ ساتھ نہیں، جب کہ باقی تمام مفاعیل مُقیّد ہیں کسی نہ کسی قید کے ساتھ۔

جواب ۲ مفعول میں اصل نصب ہے اور نصب پر باقی رہنا اور ہمیشہ رہنا یہ مفعول مُطلق میں پایا جاتا ہے۔ بخلاف باقی مفعولات کے، ان کے نصب مُقیّد ہوتے ہیں کسی نہ کسی حرف کے ساتھ۔ مثلاً: مفعول بہ کبھی لفظاً مجرور ہوتا ہے، جیسے: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ، اور مفول لہٗ جس کی نصب مُقیّد ہے تقدیرِ لام کے ساتھ۔ اور مفعول فیہ کی نصب مُقیّد ہے تقدیرِ فی کے ساتھ۔ اور مفعولِ معہ کی نصب مُقیّد ہے واو (بمعنی مع) کے ساتھ۔ اس لیے مفعول مُطلق کو باقی مفعولات پر مقدم کیا۔ باقی رہا مفعول مُطلق کی تقدیم حال، مستثنٰی وغیرہ پر، تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ باقی منصوبات فروعات ہیں۔ اور یہ **قاعدہ** مُسلّمہ ہے کہ اصول کو فروع پر شرافت حاصل ہوتی ہے۔

سوال الحاق کی کیا وجہ ہے کہ مفاعیلِ خمسہ کے علاوہ باقی منصوبات کو مُلحقات کیوں کہا جاتا ہے؟۔

جواب ان کی نصب مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔

سوال وجہ مشابہت کیا ہے؟۔

جواب ۱ وہ یہ کہ مرفوع کے بعد واقع ہونا ہے۔ جس طرح مفاعیل وغیرہ مرفوع کے بعد واقع ہوتے ہیں تو اسی طرح حال، مستثنیٰ وغیرہ بھی مرفوع کے بعد واقع ہوتے ہیں۔

جواب ۲ مفعول دو قسم پر ہے۔ ❶ لغوی (جس کا معنی ہے کیا ہوا) ❷ اصطلاحی (اصطلاحی وہ ہے جس کا تعلق بالفعل ہو۔) اور فعل کی نسبت مفعول کی طرف نہ ہو، تو باقی مفاعیل میں صرف اصطلاحی معنی پایا جاتا ہے۔ اور مفعول مُطلق میں دونوں معنے یعنی لغوی اور اصطلاحی پائے جاتے ہیں۔ تو اس لیے اس کو باقی مفاعیل پر مقدم کیا۔

جواب ۳ مفعول مُطلق کی شان فاعل کے ساتھ ملتی ہے کہ جس طرح فاعل فعل کا جزء بنتا ہے تو اسی طرح مفعول مُطلق بھی فعل کی جزء بنتا ہے۔ کیونکہ یہ مصدر ہوتا ہے۔ تو جب فاعل کو مقدم کیا تھا تو اس کو بھی مقدم کیا ہے۔

فائدہ مِنۂ ضمیر کے مرجع دو بن سکتے ہیں۔ ❶ اَلْمَنْصُوْبُ، ❷ مَااشْتَمَلَ لیکن ہر مرجع بنانے میں دو خوبیاں ہیں اور دو خرابیاں ہیں۔ اگر منہ ضمیر کا مرجع المنصوب بنایا جائے تو دو خوبیاں یہ ہیں: ❶ تعریف بھی منصوب کی ہو جائے گی اور تقسیم بھی۔ ❷ دوسری آنے والی ضمیروں سے بھی اتصال اور موافقت ہو جائے گی۔ اور دو خرابیاں یہ ہیں: ❶ کہ مااشتمل مرجع قریب ہے اور المنصوب مرجع بعید ہے۔ تو مرجع قریب کو چھوڑ کر بعید کو مرجع بنانا قبیح ہے۔ ❷ مااشتمل مرجع صریح ہے۔ اور المنصوب مرجع ضمنی ہے۔ تو صریح کو چھوڑ کر ضمنی کو مرجع بنانا یہ بھی قبیح ہے۔ اور اگر مااشتمل کو مرجع بنایا جائے تو پھر بھی دو خوبیاں اور دو خرابیاں ہیں۔ البتہ معاملہ برعکس ہوگا۔ یعنی ماقبل مرجع منصوب کے لیے جو دو خرابیاں تھیں وہ یہاں خوبیاں ہو جائیں گی۔ اور جو وہاں خوبیاں تھیں وہ یہاں خرابیاں ہو جائیں گی۔

قولہ وَهُوَ اِسْمُ مَا فَعَلَهٗ فِعْلُ فَاعِلِ مَذْكُوْرٍ مُصنف صاحبؒ منصوبات کی پہلی نوع یعنی مفعول مُطلق کی تعریف بیان فرمارہے ہیں کہ مفعول مُطلق اس چیز کا نام ہے کہ جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو جو اس کے ہم معنی ہو۔ یعنی مفعول مُطلق وہ اسم ہے جو فعل مذکور کے ساتھ معنی مصدری میں شریک ہو۔ اور دونوں کا فاعل ایک ہو۔

سوال یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ مفعول مُطلق کبھی بھی اسمِ حدث نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدث معنی مصدری کو کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسم عین ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب بد دعاء کے وقت کہتے

ہیں: ترباً وجندلاً۔ تو یہ دونوں مفعول مطلق ہیں۔ ترباً بمعنی مٹی، جندلاً بمعنی پتھر۔ تو یہ دونوں اسم عین ہیں، حدث نہیں۔ کیونکہ دونوں قائم بالذات ہیں۔ قائم بالغیر نہیں۔

جواب حدث عام ہے، حقیقۃً ہو، جیسے: ضربت ضرباً میں، یا حکماً ہو، جیسے یہاں، دونوں بمعنی ھلاکًا ہیں، بقرینہ بد دعاء، جس کے لیے ھَلَکْتَ فعل محذوف ہے۔ اور یہ اطلاق السبب ارادۃ المسبب کی قبیل سے ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: ھَلَکْتَ ھلاکًا بِالتُّرَابِ وَالجُنْدَلِ

سوال یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ مفعول مطلق اس چیز کا نام ہے جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو۔ یعنی فاعل موجد اور مؤثر ہو۔ حالانکہ مَاتَ مَوْتًا، جِسُمَ جِسَامَۃً، شَرُفَ شَرَفًا، ان امثلہ میں مصادرِ مذکورہ کو فاعل نے نہیں کیا، بلکہ ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جواب فعل کے فاعل کے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مصدر فاعل کے ساتھ قائم ہو۔ اور وہ فاعل مصدر کے ساتھ متصف ہو۔ آگے تعمیم ہے کہ کرنے والا وہی فاعل ہو یا کوئی اور ہو۔ لہٰذا یہاں مَاتَ مَوْتًا میں موتا کا موجد تو فاعل مذکورہ نہیں، لیکن موتا کا مصدری معنی قائم تو فاعل کے ہی ساتھ ہے۔

سوال آپ نے کہا جس کو فعل کا فاعل کرے جب فعل پہلے ہی سے تین چیزوں سے مرکب ہے۔ حدث، زمان، نسبت الی الفاعل، تو فاعل اس کا دوسرا کیسے ہوگا؟۔

جواب ہمیشہ ایسی کلام میں فعل کا لغوی معنی مراد ہوتا ہے۔ یعنی معنی مصدری۔

سوال ضُرِبَ زَیْدٌ ضَرْبًا میں ضرباً مفعول مطلق ہے۔ حالانکہ اس پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ کیونکہ ضرباً مصدر مبنی للمفعول ہے۔ بمعنی مضروبیت ہے۔ تو یہ فاعل کے ساتھ ہرگز قائم نہیں۔

جواب فاعل میں تعمیم ہے۔ ❶ فاعل حقیقی ہو۔ جیسے: ضَرَبَ زَیْدٌ ضَرْبًا میں۔ یا فاعل حکمی ہو۔ جیسے اس مثال میں ضُرِبَ زَیْدٌ ضَرْبًا اس میں زید مفعول مالم یسم فاعلہ ہے جو حکماً فاعل ہوتا ہے۔

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں۔ اس لیے اس سے تو تمام افعال منفیہ کے مفعول مطلق اس سے خارج ہو جاتے ہیں۔ جیسے: مَا ضَرَبَ زَیْدًا ضَرْبًا میں مصدر فاعل کے ساتھ قائم نہیں۔ یعنی فاعل اس کے ساتھ متصف نہیں۔ بلکہ نفی ہے۔

جواب قیام اسناد سے مراد عام ہے۔ ایجابی ہو یا سلبی ہو۔

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ اس سے شبہ فعل کا مفعول مطلق نکل جاتا ہے۔

جیسے: زید ضارب ضرباً؟۔

جواب فعل میں تعمیم ہے۔ حقیقۃً ہو، جیسے: ضَرَبْتُ زَیْدًا ضَرْبًا۔ میں۔ یا حُکماً ہو، جیسے اس مثال مذکور میں۔

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے: فَضَرْبَ الرِّقَابِ اس میں ضربَ الرقاب مفعول مُطلق ہے۔ حالانکہ اس کے لیے فعل مذکور ہیں نہیں۔

جواب فعل مذکور میں تعمیم ہے۔ حقیقی ہو یا حُکمی ہو۔ یہاں حُکماً مذکور ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: فَاضْرِبُوا ضَرْبَ الرِّقَابِ۔

سوال آپ نے کہا فعل مذکور اور مفعول مُطلق ایک معنی میں ہوں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ فعل تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور مفعول میں صرف مصدری معنی پایا جاتا ہے۔

جواب یہاں بمعناہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ فعل معنی مصدری پر مشتمل ہو رہا ہو۔ کاشمال الکل علی الاجزاء فعل کُل کے درجہ میں ہوگا۔ اور مصدر جزء کے درجہ میں ہوگا۔

فائدہ فعل مذکور سے مراد فعل متصرف ہے۔ اور فعل غیر ناقص اور فعل غیر ملغیٰ عن العمل ہے۔ تو پہلی قید سے افعالِ تعجب نکل جائیں گے۔ دوسری قید سے افعالِ ناقصہ اور تیسری قید سے افعالِ قلوب ملغیٰ عن العمل نکل جائیں گے۔ کیونکہ ان کے لیے مفعول مُطلق نہیں ہوتا۔ اور فعل حکمی سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مُشبّہ ہے۔ لیکن مصدر اور اسم تفضیل اس میں داخل نہیں۔ نیز مصدر مؤول مفعول مُطلق نہیں ہوتا۔

فائدہ مصدر مؤول مفعول مُطلق نہیں ہوتا، جیسے: ضربت زیدا انِ ضرب کہنا درست نہیں، کما فی حاشیۃ الصبان۔

سوال یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔ کیونکہ کَرِهْتُ کَرَاهِیَتِیْ میں کَرَاهِیَتِیْ پر صادق آتی ہے۔ حالانکہ یہ مفعول بہ ہے؟۔

جواب کراھتی میں دو اعتبار ہیں۔ ❶ کراھتی فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہے۔ ❷ فعل اس پر واقع ہو۔ پہلے اعتبار سے مفعول مُطلق ہے، دوسرے اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ تو مفعول مُطلق ہونے کے اعتبار سے یہ تعریف اس پر صادق آنی چاہیے۔ اور آتی بھی ہے۔ اور مفعول بہ ہونے کے اعتبار سے تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ تو لہٰذا تعریف دخولِ غیر سے مانع ہوئی۔

قولہ وَقَدْ یَكُوْنُ لِلتَّاكِیْدِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ نَحْوُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا وَجِلْسَةً وَجَلْسَةً مصنف

صاحبؒ مفعول مُطلق کی تعریف کے بعد پہلی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مفعول مُطلق کی تین قسمیں ہیں۔

❶ مفعول مُطلق تاکیدی، ❷ مفعول مُطلق نوعی، ❸ مفعول مُطلق عددی۔

وجہ حصر: مفعول مُطلق دو حال سے خالی نہیں۔ فعل سے کسی زائد معنی پر دلالت کرے گا یا نہیں۔ اگر زائد معنی پر دلالت نہ کرے تو یہ مفعول مُطلق تاکیدی ہے۔ جیسے جَلَسْتُ جُلُوْسًا اگر زائد معنی پر دلالت کرے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا باعتبار نوع کے زائد معنی پر دلالت کرے گا یا باعتبار عدد کے۔ اگر زائد معنی پر دلالت کرے باعتبار نوع کے تو مفعول مُطلق نوعی ہے۔ جیسے جَلَسْتُ جِلْسَةً باعتبار نوع زائد معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اگر زائد معنی پر دلالت باعتبار عدد کرے تو یہ مفعول مُطلق عددی ہے۔ جیسے: جَلَسْتُ جَلْسَةً۔

سوال قَدْ يَكُوْنُ لِلتَّاكِيْدِ میں قد کا استعمال درست نہیں۔ کیونکہ اگر قد برائے تقلیل ہو تو مفعول مُطلق عدد اور نوع کے لیے درست ہے۔ اس لیے کہ ان کا استعمال مفعول مُطلق میں بالقلت ہے۔ لیکن تاکید کے لیے درست نہیں۔ کیونکہ تاکید کے لیے بالکثرت آیا کرتا ہے۔ اگر یہ قد برائے تکثیر ہو تو پھر درست نہیں۔ کیونکہ تاکید کے لیے تو درست ہے لیکن عدد اور نوع کے لیے درست نہیں؟۔

جواب یہ قد نہ تقلیل کے لیے ہے نہ تکثیر کے لیے۔ بلکہ برائے تحقیق ہے۔ جو کہ تینوں کے لیے اس کا استعمال کرنا صحیح ہوگا۔ یاد رکھیں بعض نسخوں میں قد کا لفظ نہیں۔

فائدہ مفعول مُطلق باعتبار حقیقت کے یہ تاکید لفظی ہے۔ جس سے مقصود سہو اور مجاز کے احتمال کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ جلست کہنے سے سامع کے ذہن میں احتمال پیدا ہوتا ہے کہ متکلم سے یہ لفظ سہواً صادر ہوا ہے۔ لیکن اس کے بعد جلوساً کہہ دینے سے سامع کے دل سے یہ احتمال ختم ہوجاتا ہے۔

ضابطہ اَلْفَعْلَةُ لِلْمَرَّةِ یعنی فَعْلَةٌ کے وزن پر جو مصدر آئے گا وہ مفعول مُطلق عددی ہوگا۔ وَالْفِعْلَةُ لِلْهَيْئَةِ یعنی فِعْلَةٌ کے وزن پر جو مصدر آئے گا وہ مفعول مُطلق نوعی ہوگا۔

قولہ: فَالْاَوَّلُ لَا يُثَنّٰى وَلَا يُجْمَعُ اس عبارت میں صاحبِ کافیہ مفعول مُطلق کے اقسام ثلاثہ میں فرق بحسب الاستعمال بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مفعول مُطلق تاکیدی یہ نہ تثنیہ ہوتے ہیں نہ جمع۔

دلیل ۱ فعل میں تثنیۃ اور جمعیۃ نہیں ہوتی تو اس لیے یہ بھی اس فعل مذکور کا تاکید تابع ہوتا

ہے کسی زائد معنی پر دلالت نہیں کرتا تو اس لیے وہ بھی اس فعل کا تابع ہوتا ہے۔ البتہ باقی مفعول مُطلق عددی، نوعی کا تثنیہ جمع لایا جاتا ہے۔

سوال آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ مُصنف اختصار کے درپے تھے تو لا یثنی کے بعد لا یجمع کو لانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جس کے لیے تثنیہ نہیں آتا اس کے لیے جمع کس طرح آسکتا ہے؟۔

جواب آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ جس چیز کا تثنیہ نہ ہو اس کا جمع نہیں ہوتا۔ کیونکہ لفظ اجمع اس کا تثنیہ نہیں۔ لیکن جمع اجمعون آتا ہے۔ اور اس طرح یہ بھی غلط ہے کہ جس اسم کی جمع نہیں اس کا تثنیہ بھی نہیں ہوتا۔ جیسے کلا کلتا اس کا جمع نہیں، اور یہ تثنیہ ہے۔ تو اس لیے لا یجمع مُصنف کا کہنا درست ہوا۔

قولہ وَ قَدْ يَكُوْنُ بِغَيْرِ لَفْظِهٖ نَحْوُ قَعَدْتُ جُلُوْسًا صاحبِ کافیہ یہاں سے مفعول مُطلق کی دوسری تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بعنوانِ دیگر غرضِ مُصنف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک وہم کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ وہم یہ تھا کہ مفعول مُطلق لتاکید کا ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اپنے فعل مذکور کے لفظ سے مغائر نہ ہوں۔ کیونکہ تاکید معنوی الفاظ مخصوصہ ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے جواب دیا کہ مفعول مُطلق تاکیدی اپنے فعل مذکور کے لفظ سے مغائر بھی ہو سکتا ہے۔ بعنوانِ ثالث صاحبِ کافیہ کی غرض اس بات کو بھی بتانا ہے کہ اس مسئلہ میں میں امام کسائی اور مبرد کا مُتبع ہوں۔ امام سیبویہ کا نہیں۔ لیکن لفظ قد لا کر اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ مفعول مُطلق بلفظ الفعل کثیر الاستعمال ہے۔ اور بغیر لفظ الفعل قلیل الاستعمال ہے۔ اس کی چار صورتیں بنتی ہیں۔ ❶ مفعول مُطلق اور اس کے فعل کا باب اور مادہ ایک ہو۔ جیسے: جَلَسْتُ جُلُوْسًا ❷ باب ایک ہو لیکن مادہ ایک نہ ہو۔ جیسے: قَعَدْتُ جُلُوْسًا ❸ مادہ ایک ہو لیکن باب ایک نہ ہو۔ جیسے: تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ❹ مادہ بھی ایک نہ ہو اور باب بھی ایک نہ ہو۔ جیسے: فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً۔

سوال جب مُصنفؒ اختصار کے درپے تھے تو پھر یہ عبارت ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ مفعول مُطلق کی تعریف میں اتحاد لفظ کی شرط نہیں لگائی گئی تو اس میں ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی مفعول مُطلق غیر لفظوں کے ہوتا ہے؟۔

جواب ❶ یہ بات معلوم نہیں ہوتی تھی کہ مفعول مُطلق کا استعمال من غیر لفظہ قلت سے ہے یا کثرت سے ہے۔ تو مُصنفؒ قلت بیان کرنے کے لیے یہ عبارت لائے ہیں۔

جواب ۲ مفعول مُطلق من غیر لفظہ لاکر ایک اختلاف کی طرف اشارہ کردیا۔ امام سیبویہ کے نزدیک مفعول مُطلق من غیر لفظہ نہیں آتا۔ اور امام مبرد اور امام کسائی کے نزدیک آتا ہے۔ تو اس لیے مُصنّفؒ نے اپنا مذہب بتانے کے لیے کہ مَیں اس مسئلہ میں مبرد اور کسائی کا تابع ہوں۔

سوال لفظ غیر کا معنی دون آتا ہے۔ یا بمعنی لا آتا ہے۔ جیسے: جِئْتُكَ بِغَيْرِ مَالٍ، اے دُوْنَ مَالٍ۔ اے جِئْتُكَ بِغَيْرِ مَالٍ اے بِلَا مَالٍ معنی یہ ہوگا کہ مفعول مُطلق فعل کے لفظوں کے بغیر آتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مفعول مُطلق کا فعل نہیں آتا۔ حالانکہ یہ تعریف کے بالکل مناقض اور مخالف ہے۔

جواب ملا جامیؒ نے جواب دیا ہے کہ یہاں غیر بمعنی مغایر کے ہے۔ یعنی مفعول مُطلق کبھی اپنے فعل کے مغایر آتا ہے۔

قولہ وَ قَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مُطلق کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیں مفعول مُطلق اور فعل کے حذف کرنے کے چھ احتمالات بنتے ہیں۔ ❶ مفعول اور عامل دونوں کا حذف جوازی ہو۔ ❷ دونوں کا حذف وجوبی ہو۔ ❸ فقط فعل کا حذف جوازی ہو۔ ❹ فقط فعل کا حذف وجوبی ہو۔ ❺ فقط مفعول مُطلق کا حذف جوازی ہو۔ ❻ فقط مفعول مُطلق کا حذف وجوبی ہو۔ ان میں سے دو احتمال معدوم غیر موجود ہیں۔ ❶ دونوں کا حذف وجوبی ہو۔ ❷ مفعول مُطلق کا حذف وجوبی ہو۔ باقی چاروں احتمالات موجود ہیں۔ البتہ ان میں سے دو احتمال اس کتاب کافیہ میں موجود ہیں، دو نہیں۔ اور دو جو موجود نہیں ان کی مثال یہ ہے:
❶ فعل اور مفعول مُطلق دونوں کا حذف جوازی ہو۔ جیسے کسی شخص نے کہا: أَضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا۔ جواب دیا: نعم۔ یہاں فعل اور مفعول دونوں کا حذف جوازی ہے۔ ❷ فقط مفعول کا حذف جوازی ہو۔ جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ اس کے آخر میں ضَرْبًا مفعول مُطلق محذوف جوازی ہے۔ باقی دونوں احتمال کتاب میں موجود ہیں۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مُصنّفؒ بیان کرتے ہیں کہ کبھی کبھی فعل کو حذف بھی کیا جاتا ہے۔ جب کہ قرینہ موجود ہو۔ اور حذف دو قسم پر ہے۔ ❶ جوازی۔ ❷ وجوبی۔
جوازی کی مثال۔ جس طرح کوئی شخص سفر سے واپس آرہا ہو تو اس کو کہا جائے خَيْرَ مَقْدَمٍ تو اس سے پہلے قَدِمْتَ قُدُوْمًا محذوف ہے۔ اس پر قرینہ حالیہ ہے۔ آنے والے کے حال پر، اور قرینہ مقالیہ جب کوئی آدمی کہے کَمْ اَضْرِبُ زَيْدًا تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے: ثَلَاثَ ضَرَبَاتٍ تو اس کا فعل اِضْرِبْ بقرینہ مذکور فی السوال جوازاً محذوف ہوگا۔

فائدہ مفعول مُطلق تاکیدی کے فعل کا حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ تاکید مؤکد کی جانب مزید توجہ کو مُقتضی ہے۔ اور حذف اس کا منافی ہے۔ مگر مابعد میں مذکورہ مصادر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

فائدہ مفعول مُطلق تاکیدی کی تقدیم فعل پر جائز نہیں۔ بخلاف نوعی اور عددی کے کہ جن کی جائز ہے۔ (کما فی حاشیۃ الصبان جلد ۲ صفحہ ۸۶)

سوال بحث تو منصوبات مفعول مُطلق کی چل رہی تھی۔ یہاں فعل کا لانا خروج عن البحث ہے۔

جواب الفعل پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔ مُطلق فعل کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ وہ فعل جو مفعول کا ناصب ہے۔

سوال یہاں پر مفعول مُطلق کے فعل کے حذف کی بات ہے۔ حالانکہ شبہ فعل بھی حذف ہوتا ہے۔ اس کی بحث کیوں نہیں کی؟۔

جواب صاحبِ کافیہ کا یہ انداز ہے کہ وہ اصل کو بیان فرماتے ہیں۔ اور فرع کو مقایسۃً چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال آپ نے خَیْرَ مَقْدَمٍ مفعول مُطلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ خَیْرَ تو اسم تفضیل ہے۔ جب کہ مفعول مُطلق کے لیے مصدر کا ہونا ضروری ہے۔

جواب ۱ خَیْرَ مَقْدَمٍ یہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔ اصل عبارت یوں ہے: قُدُوْمًا خَیْرَ مَقْدَمٍ موصوف صفت کا حکم ایک ہوتا ہے۔

جواب ۲ خَیْرَ مضاف ہے مَقْدَمٍ کی طرف۔ جو کہ مصدر ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ کا حکم ایک ہوتا ہے تو اس لیے خیر کو مفعول مُطلق قرار دیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خَیْرَ کی موصوف کی طرف نسبت کی جائے تب بھی حکم درست ہے۔ اگر مضاف الیہ کی طرف نسبت کی جائے تب بھی حکم درست ہے۔ دونوں اعتبار سے خَیْرَ کا مفعول مُطلق ہونا درست ہے۔

سوال خَیْرَ کو اسم تفضیل قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل جو مذکر ہوتا ہے وہ اَفْعَلُ کے وزن پر ہوتا ہے۔ اور جو مؤنث ہوتی ہے وہ فُعْلیٰ کے وزن پر آتی ہے۔ اور خَیْرَ ان دونوں میں سے کسی وزن پر نہیں؟۔

جواب خَیْرَ اصل میں اَخْیَرُ تھا تو خلاف القیاس برائے تخفیف ہم نے یا کی حرکت فتحہ ماقبل کو دے دی۔ اور ہمزہ کو حذف کردیا۔ تو خَیْرَ ہو گیا۔

قولہ وَوُجُوْبًا سِمَاعًا مِثْلَ سَقْیًا وَرَعْیًا وَخَیْبَۃً وَجَدْعًا وَحَمْدًا وَشُکْرًا وَعَجَبًا۔ حذف کی

دوسری قسم وجوبی ہے۔ پھر حذف وجوبی کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ وجوبی سماعی، ❷ وجوبی قیاسی۔ سماعی وہ ہے جس کا تعلق صرف سماع سے ہو۔ جس کے حذف کے لیے ہمارے پاس کوئی ضابطہ نہ ہو۔ جیسے: سَقْیًا اس کا اصل تھا: سَقَاكَ اللّٰهُ سَقْیًا۔ وَرَعْیًا جس کا اصل رَعَاكَ اللّٰهُ رَعْیًا۔ وَخَیْبَةً جس کا اصل خَابَ خَیْبَةً ہے۔ اور وَجَدْعًا اس کا اصل جَدَعَ جَدْعًا وَحَمْدًا اس کا اصل حَمِدْتُ حَمْدًا ہے۔ وَ شُكْرًا اس کا اصل شَكَرْتُ شُكْرًا ہے۔ وَعَجَبًا اس کا اصل عَجِبْتُ عَجَبًا ہے۔

سوال آپ نے کہا کہ ان مثالوں میں مفعول مطلق کا عامل ناصب وجوبی طور پر حذف کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ ہم سنتے ہیں، یہ مثالیں جو ہیں ان کا فعل ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: سَقَاكَ اللّٰهُ سَقْیًا، وَرَعَاكَ اللّٰهُ رَعْیًا۔

جواب ۱ یہ متولدین کا کلام ہے۔ جو خالص عربی نہیں، ان کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مثال موجود ہے تو فصحاء بلغاء کا کلام پیش کریں۔

جواب ۲ ان مثالوں میں تب فعل حذف ہوتا ہے جب ان کے بعد لام موجود ہو۔ آپ نے جو کلام پیش کیا ان کے بعد کوئی لام نہیں۔

سوال آپ کی مثالوں میں بھی لام موجود نہیں؟۔

جواب ہماری مثالوں میں لام موجود ہے۔ لیکن اختصار کی وجہ سے لام کو حذف کیا گیا ہے۔

فائدہ صاحب کافیہ نے تو ان کا حذف سماعی بتایا ہے۔ لیکن شیخ رضی نے ان کا حذف قیاسی بتایا ہے۔ اور وہ **قاعدہ** پیش کرتے ہیں: وَالَّذِیْ اَرٰی اَنَّ هٰذِهِ الْمَصَادِرَ اسْمُ الْمَذْکُوْرَةِ فِی الْکَافِیَةِ وَاَمْثَالَهَا اِذَا بُیِّنَ بَعْدَهَا فَاعِلُهَا اَوْ مَفْعُوْلُهَا بِالْاِضَافَةِ اَوْ بِحَرْفِ الْجَرِّ وَلَمْ یُقْصَدْ بِهٖ بَیَانُ النَّوْعِ وَجَبَ حَذْفُ نَوَاصِبِهَا قِیَاسًا وَاِذَا لَمْ یُبَیَّنْ لَمْ یَجِبْ ذٰلِكَ یعنی مصدر اس کے بعد اس کا فاعل یا مفعول بالاضافۃ بیان ہو، یا بواسطہ حرفِ جر موجود ہو۔ لیکن مقصود نوع کا بیان نہ ہو۔ تو عامل کا حذف وجوبًا قیاسًا ہوگا۔ مثالیں: ❶ فاعل بالاضافۃ کی ۱ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۲ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ۳ وَعْدَ اللّٰهِ ۴ کِتَابَ اللّٰهِ ۵ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ ❷ مفعول بالاضافۃ کی مثالیں: ۱ ضَرْبَ الرِّقَابِ ۲ سُبْحَانَ اللّٰهِ جب کہ اسم مصدر بمعنی تنزیہ ہو۔ اول صورت میں مصدر مجرد بمعنی براءۃ ۳ مَعَاذَ اللّٰهِ اور بحرف الجر فاعل کی مثال: ۱ سُحْقًا لَهٗ بُعْدًا لَهٗ مفعول بحرف الجر کی مثال: ۱ شُكْرًا لَكَ ۲ عَجَبًا لَكَ، اذا لم یبین لم یجب ذٰلك جیسے سقاك اللّٰه سقیا، ورعاك اللّٰه رعیا، شكرت اللّٰه شكرا، وحمدت اللّٰه حمدا۔ لم یقصد به ببیان النوع اس قید سے احتراز

ہو جائے گا۔ ۱؎ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۲؎ وَسَعٰى لَهَا سَعْيًا یعنی خاص قسم کی کوشش۔ ۳؎ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ یعنی خاص قسم کا مکر مراد ہے۔

قولہ وَقِيَاسًا فِيْ مَوَاضِعَ مِنْهَا مَا وَقَعَ مُثْبَتَةً بَعْدَ نَفْيٍ اَوْ مَعْنٰى نَفْيٍ دَاخِلٍ عَلٰى اِسْمٍ اس عبارت میں مصنفؒ حذف وجوبی کی دوسری قسم حذف قیاسی بیان کررہے ہیں۔ اس لیے چند ضوابط اور مقامات ہیں۔ اس منہا کے ذیل میں دو مقامات اور ضابطے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا مقام اور ضابطہ: ہر وہ مقام جہاں پر مفعول مُطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس کے لیے چار شرطیں ہیں۔ ❶ مفعول مُطلق مقام اثبات میں ہو ورنہ عامل کا حذف واجب نہیں ہوگا۔ جس طرح مَا سِرْتُ سَيْرًا اس میں مقام اثبات نہیں، تو حذف بھی واجب نہیں۔ ❷ نفی کے بعد واقع ہو۔ ورنہ عامل کا حذف واجب نہیں ہوگا۔ جس طرح سِرْتُ سَيْرًا یہاں مقام اثبات ہے۔ لیکن نفی کے بعد نہیں۔ اس لیے عامل بھی حذف نہیں۔ ❸ نفی اسم پر داخل ہو۔ ورنہ حذف واجب نہ ہوگا۔ جس طرح مَا سِرْتُ اِلَّا سَيْرًا اس میں مفعول مُطلق مقام اثبات میں بھی ہے، نفی کے بعد بھی ہے۔ لیکن نفی اسم پر داخل نہیں، فعل پر داخل ہے۔ ❹ جس اسم پر نفی داخل ہو اس پر مفعول مُطلق خبر واقع نہ ہو سکے۔ ورنہ عامل کا حذف واجب نہیں ہوگا۔ جس طرح مَا سَيْرِىْ اِلَّا سَيْرًا اس میں سَيْرًا کلام مثبت میں بھی ہے اور نفی بھی داخل ہے۔ اور نفی اسم پر داخل ہے۔ لیکن مفعول مُطلق کا اس اسم پر حمل ہو سکتا ہے۔ اس لیے عامل کا حذف واجب نہیں۔ مثال اتفاقی: مَا اَنْتَ اِلَّا سَيْرًا اس میں سَيْرًا مفعول مُطلق ہے۔ کیونکہ کلام مثبت میں ہے۔ نفی کے بعد ہے اور اسم پر داخل ہے۔ اور مفعول مُطلق کا اس پر حمل بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا اس کے عامل کا حذف وجوبی قیاسی ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: مَا اَنْتَ اِلَّا تَسِيْرُ سَيْرًا یہ نکرہ کی مثال تھی اور معرفہ کی مثال مَا اَنْتَ اِلَّا سَيْرَ الْبَرِيْدِ، اِنَّمَا اَنْتَ سَيْرًا یہ معنی نفی کی مثال ہے۔ یہاں پر فعل کے حذف پر قرینہ یہ ہے کہ مَا اَنْتَ اور اِنَّمَا اَنْتَ میں اَنْتَ مُبتدا ہے۔ اور اِلَّا سَيْرًا اور سَيْرًا اس کی خبر نہیں بن سکتی، تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس کی خبر فعل محذوف ہے۔ جو کہ تَسِيْرُ ہے۔ اور اِلَّا اور اِنَّمَا فعل محذوف کے قائم مقام ہیں۔

قولہ وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا اس عبارت میں مقصود دوسرا ضابطہ اور دوسرا مقام ہے۔

دوسرا مقام اور دوسرا ضابطہ: ہر وہ مقام جہاں پر مفعول مُطلق مکرر ہو اس سے پہلے کوئی ایسا اسم ہو جس سے مفعول مُطلق خبر واقع نہ ہو سکتا ہو، اس مقام پر بھی مفعول مُطلق کے عامل

کو حذف کرنا واجب ہوگا۔ جس طرح زَیْدٌ سَیْرًا سَیْرًا اس میں مفعول مُطلق سَیْرًا مکرر لایا گیا ہے۔ اس کے بعد والے اسم کا حمل نہیں ہوسکتا۔ تو یہاں بھی فعل کا حذف کرنا واجب ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: زَیْدٌ تَسِیْرُ سَیْرًا قرینہ یہاں پر بھی ماقبل کی طرح ہے۔

سوال آپ نے ان دو مقامات کو اکٹھے کیوں بیان کیا؟ حالانکہ یہ دونوں مستقل مقامات ہیں۔

جواب یہ دونوں اس بات میں شریک تھے کہ ان سے پہلے ایک اسم ہو اور اس مفعول مُطلق کا اس پر حمل نہ ہوسکے۔ اس مشارکت کی بنا پر ہم نے دونوں کو اکٹھا بیان کر دیا۔

سوال دَاخِلٍ کو نفی اور معنی نفی دونوں کی صفت قرار دینا غلط ہے: کیونکہ

قاعدہ یہ ہے کہ جب کلمہ اَوْ کے ذریعے عطف کیا جائے اور معطوف علیہ اور معطوف سے ایک مراد ہو تو ضمیر کا مفرد لانا واجب ہوتا ہے۔ جیسے: زَیْدٌ اَوْ عَمْرٌو قَائِمٌ تو یہاں پر قَائِمَانِ کہنا غلط ہے۔ اگر دونوں مراد ہوں تو اس عبارت کی اس مقام میں مطابقت ضمیر واجب ہوتی ہے۔ تاکہ دونوں مرجع بن سکیں۔ کما فی حاشیۃ مولانا عبد الحکیم و حاشیۃ عبد الغفور ﷫ نقل عن صاحب الرضی) لہٰذا یہاں پر دَاخِلَیْنِ لانا چاہیے تھا۔ نہ کہ دَاخِلٍ

جواب یہ بات آپ کی درست ہے۔ لیکن یوں بھی ہوسکتا ہے کہ داخل کا مرجع نفی اور معنی نفی کو بتاویل کل واحد قرار دیا جائے۔ (کما اختارہ العارف الجامی)

سوال اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا یہاں تو مفعول مُطلق مکرر ہے۔ لیکن فعل تو محذوف نہیں۔ لہٰذا یہ قاعدہ غلط ہوا۔

جواب اس قاعدہ اور ضابطہ کے لیے قید بقرینہ سابق محذوف ہے۔ وہ یہ کہ بعد الاسم لا یکون الاسم خبراً عنہ یعنی مفعول مُطلق مکرر واقع ہو ایسے اسم کے بعد جو خبر کا طالب ہو۔ مفعول مُطلق اس کی خبر نہ بن سکے۔ مثال مذکورہ میں دَکًّا طالبِ خبر اسم کے بعد نہیں۔ کیونکہ ماقبل میں مذکورہ اسم اَلْاَرْضُ نائب فاعل ہے، جو خبر چاہتا ہی نہیں۔

سوال دونوں قاعدوں میں فعل کے وجوبی حذف ہونے کی کیا وجہ ہے۔

جواب **وجہ اول:** یہ ہے کہ ضابطۂ اولیٰ میں حصر سے، اور ضابطۂ ثانی میں تکرار سے ثبوتِ فعل علیٰ سبیل الدوام مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ادعائی ہے برائے مبالغہ۔ گویا کہ وہ شئے فعلِ دیگر کے ساتھ اصلاً متصف نہیں۔ اور تکرار سے اس لیے کہ وہ پے در پے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔ پے در پے ثبوت اور دوام ہوتا ہے۔ اور ذکر فعل اس لیے منافی ہے کہ وہ

وضعاً حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ دوام اور حدوث منافی ہیں۔ لہٰذا حذف واجب ہوا۔
وجہ دوم: قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں۔ جن کی موجودگی میں حذف واجب ہوا کرتا ہے۔ دونوں ضابطوں میں قرینہ مفعول مُطلق کا نصب ہے۔ جو ناصب کا مُقتضی ہے۔ اور وہ عبارت میں موجود نہیں۔ تو لامحالہ محذوف ہے۔ اور محذوف کا حتی الامکان مذکور ہونا اَولیٰ ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ مفعول مُطلق کا فعل ہے۔ اور قائم مقام خود مفعول مُطلق ہے۔ لہٰذا فعل کا ذکر کرنا جائز نہیں۔ ورنہ عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا۔

سوال مِنهَا مَا وَقَعَ سے کیا مراد ہے؟۔ مفعول مُطلق مراد لیتے ہو، یا موضع مقام اور مراد لیتے ہو؟۔ دونوں غلط ہیں۔ اول اس لیے صحیح نہیں کہ معنی یہ ہوگا کہ ان مواضع اور مقامات میں سے وہ مفعول مُطلق ہے۔ یہ معنی بالکل غلط ہے۔ ثانی اس لیے غلط ہے کہ معنی یہ ہوگا کہ ان مواضع میں سے وہ موضع ہے جو مثبت واقع ہو۔ حالانکہ موضع مثبت واقع نہیں ہوتا۔

جواب یہاں پر لفظ اسم محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ بعض ان مواضع میں سے وہ اسم ہیں لہٰذا فاندفع الاشکال

قولہ وَمِنهَا مَا وَقَعَ تَفصِيلًا لِاَثَرِ مَضمُونِ جُملَةٍ مُقَدِّمَةٍ مِثلُ فَشُدُّ الوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا م بَعدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ اس عبارت سے مُصنفؒ تیسرے ضابطے اور تیسرے مقام کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔
تیسرا مقام اور تیسرا ضابطہ: ہر ایسا مقام جہاں مفعول مُطلق کو جملہ سابقہ کے مضمون کی غرض کی تفصیل بیان کرنے کے لیے لایا جائے تو وہاں عامل کو حذف کرنا واجب ہے قیاسًا۔ جیسے: فَشُدُّ الوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا م بَعدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ مَنًّا اور فِدَآءً مفعول مُطلق ہیں۔ جس سے پہلے اس قسم کا جملہ موجود ہے۔ جس کے نتیجہ کی غرض کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی تم باندھو ان کی گردنوں کو کیونکہ یا ہم احسان کریں گے۔ یا فدیہ لے کر چھوڑیں گے۔ اس میں مفعول مُطلق ماقبل کا نتیجہ واقع ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں اس کا عامل وجوبی طور پر حذف کیا گیا ہے۔ تو تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: فَاِمَّا تَمُنُّونَ مَنًّا بَعدُ وَاِمَّا تَفدُونَ فِدَآءً۔ یاد رکھیں کہ یہاں چند شرطیں ہیں۔ **پہلی شرط** یہ ہے کہ مفعول مُطلق مضمونِ جملہ کی تفسیر کرے۔ لہٰذا اس سے زَیدٌ یُسَافِرُ سَفرًا خارج ہو جائے گا۔ **دوسری شرط** یہ ہے کہ تفسیر بھی مضمونِ جملہ کی کر رہا ہو تو اس سے یہ مثال خارج ہو جائے گی۔ زَیدٌ یُسَافِرُ سَفرًا القَرِیبِ۔ وَیُسَافِرُ سَفرًا البَعِیدِ نفسِ حذف پر قرینہ مَنًّا اور فِدَآءً کا منصوب ہونا ہے۔ اور نفسِ محذوف کا قرینہ بھی یہی

ہے کہ یہ اپنے فعل کی حذفیت پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور سدِّ مسد یہی مفعول مُطلق بھی بن سکتے ہیں۔ اور پہلا جملہ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ والا بھی بن سکتا ہے۔ پہلا جملہ بعد والے جملے پر اجمالی طور پر مشتمل ہے۔ **دلیل:** جب پہلا جملہ بعد والے جملہ کے مضمون کی اجمالاً تفصیل کر رہا ہو' اور آگے دوسری تفصیل مفعول مُطلق بھی کر رہا ہو' تو اگر دوبارہ فعل کو ذکر کیا جائے تو صورۃً تکرار لازم آجاتا ہے۔ اور شیخ رضی نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جب کسی امر کے صیغے کے ذریعے کسی امر کا مطالبہ کیا جائے اس فعل کی غرض جس مفعول مُطلق سے بیان کی جائے اس وقت فعل کا حذف کرنا وجوبی ہوگا۔ مثال: روٹی کھانا' اس کی غرض کلام کرنا یا سونا ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کُلِ الطَّعَامِ اِمَّا نَوْمًا وَاِمَّا کَسْبًا ہو سکتے ہیں۔

قولہ وَمِنْهَا مَا وَقَعَ لِلتَّشْبِيْهِ عِلَاجًا بَعْدَ جُمْلَةٍ مُّشْتَمِلَةٍ عَلٰى اِسْمٍ بِمَعْنَاهُ یہاں سے مُصنّفؒ کی غرض چوتھا ضابطہ اور چوتھا مقام بیان کرنا ہے۔ جس کے لیے چار شرطیں ہیں۔ **چوتھا مقام اور چوتھا ضابطہ:** ❶ مفعول مُطلق تشبیہ کے لیے ہو' ورنہ اس کے عاملِ فعل کا حذف کرنا واجب نہیں ہوگا۔ مثلاً: مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ، صَوْتٌ حَسَنٌ یہاں تشبیہ کے لیے مفعول مُطلق نہیں۔ ❷ افعالِ جوارح میں سے ہو' ورنہ عامل کا حذف واجب نہ ہوگا۔ جیسے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ فَاِذَا لَهٗ عِلْمٌ، عِلْمُ الْفُقَهَاءِ یہاں پر مفعول مُطلق تشبیہ کے لیے تو ہے لیکن افعالِ جوارح میں سے نہیں۔ ❸ اس کے ماقبل ایک جملہ ہو' جو ایک ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ جو مفعول مُطلق کے ہم معنی ہو' اگر ہم معنی نہ ہو تو اس وقت مفعول مُطلق کا عامل ناصب حذف نہیں کیا جائے گا۔ جیسے: مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ، صَوْتَ حِمَارٍ یہاں پر مفعول مُطلق تشبیہ کے لیے ہے۔ اور افعالِ جوارح میں سے ہے۔ اور اس سے قبل ایک جملہ بھی ہے جو اسم پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کے ہم معنی نہیں ہے۔ ❹ اس جملہ میں ایک ایسی ضمیر ہو جو ایک ایسی ذات کی طرف راجع ہو جس سے مفعول مُطلق پیدا ہو رہا ہو۔ اگر وہ ضمیر ذات کی طرف راجع نہ ہو تو پھر مفعول مُطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوگا۔ جیسے: مَرَرْتُ بِبَلَدٍ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ یہاں پر تمام شرائط موجود ہیں لیکن اس میں ضمیر اس ذات کی طرف راجع نہیں جس سے مفعول مُطلق پیدا ہو' لہٰذا یہاں عامل کا حذف کرنا واجب نہیں۔ اتفاقی مثال' جیسے: مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ، صَوْتَ حِمَارٍ تو یہاں تمام شرائط موجود ہیں۔ یہ نکرہ کی مثال ہے۔ **ترجمہ** گزرا میں زید کے پاس' تو اچانک اس کی آواز گدھے کی آواز کی طرح تھی۔ معرفہ کی مثال: مَرَرْتُ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلٰى **ترجمہ** گزرا میں

زید کے پاس تو اچانک زید کے لیے آواز تھی عورت کی آواز کی طرح۔ ثکلی وہ عورت جو گم شدہ بچے پر رو رہی ہو۔ نفس حذف کا قرینہ مفعول مطلق صراخ اور صوت کا منصوب ہونا ہے۔ اور تعیین محذوف کا قرینہ صراخ اور صوت دلالت کر رہا ہے کہ اس جیسا فعل محذوف ہے جو یَصْرُخُ اور یَصُوْتُ ہے۔ اور سدِ مسد کا قرینہ پہلا جملہ ہے۔

سوال جب یہ شرائط پائی جائیں تو آپ اس فعل کو کیوں حذف کرتے ہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب جب فعل محذوف والی تینوں چیزیں پہلے جملے میں پائی جاتی ہیں تو پھر فعل کو ذکر کرنے سے تکرار لازم آتا ہے۔ تو تکرار سے جان بچانے کے لیے ہم فعل کو حذف کرتے ہیں۔ کیونکہ تکرار شنیع ہے۔

سوال آپ نے دو مثالیں کیوں پیش کیں۔ جب کہ ایک مثال وضاحت کے لیے کافی ہوتی ہے۔

جواب دو نکتوں کے حصول کے لیے دو مثالیں ذکر کی ہیں۔

پہلا نکتہ: مصنف نے اشارہ کر دیا کہ مفعول مطلق کبھی مضاف الی النکرہ ہوتا ہے۔ اور کبھی مضاف الی المعرفہ۔ جیسے مثالوں سے واضح ہے۔ پہلا نکرہ دوسرے میں معرفہ کی طرف مضاف ہے۔

دوسرا نکتہ: مصنفؒ نے اشارہ کر دیا کہ مفعول مطلق مضاف کبھی ذوی العقول کی طرف ہوتے ہیں، اور کبھی غیر ذوی العقول کی طرف۔

سوال لفظ صوت کیسے مفعول مطلق بن سکتا ہے؟۔ حالانکہ یہ صفت ہے موصوف کی، صَوْتٌ مِثْلَ صَوْتَ حِمَارٍ تو مفعول مطلق کس طرح ہوا؟۔

جواب صفت موصوف کے حکم میں ہوتی ہے۔ یہاں جب مثل موصوف ہے اور وہ مفعول مطلق ہے۔ گویا اس کی صفت کو مجازاً مفعول مطلق قرار دیا گیا۔

سوال مفعول مطلق تو مصدر ہوتا ہے۔ اور صوت تو مصدر نہیں۔ کیونکہ مصدر کا معنی ہوتا ہے: آواز کرنا۔ حالانکہ صوت کا معنی یہاں تو آواز ہے۔

جواب یہاں صوت بمعنی تصویت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ کیونکہ یہاں سوال کا

تیسرا نکتہ دو مثالوں کے ذکر کرنے کا یہ ہے کہ مفعول مطلق کبھی مصدر حقیقی ہوتا ہے۔ جیسے: صُرَاخُ الثَّكْلٰى والی مثال میں، اور کبھی تاویلی ہوتا ہے۔ جیسے پہلی مثال میں۔

قولہ وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُوْنَ جُمْلَةٍ لَا مُحْتَمِلَ لَهَا غَيْرُهٗ نَحْوُ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ اِعْتِرَافًا۔

ضابطہ خامسہ کا بیان: پانچواں مقام جہاں پر مفعول مطلق کے

عامل کا حذف کرنا واجب ہے۔

ضابطہ ہر وہ مقام جہاں پر مفعول مُطلق ایسے جملے کا مضمون اور خلاصہ اور ماحصل واقع ہو کہ اس میں مفعول مُطلق کے معنیٰ کے سوا دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو۔ جیسے: لَہٗ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْھَمٍ اِعْتِرَافًا میں اعترافاً مفعول مُطلق ہے۔ جو کہ لَہٗ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْھَمٍ کا خلاصہ، ماحصل ہے۔ اور وہ ایسا جملہ ہے جس میں مفعول مُطلق کے سوا کوئی دوسرا احتمال نہیں۔ اس لیے کہ مقصود متکلم کا اس جملہ سے ایک ہزار درہم کا اقرار کرنا ہے۔ لہٰذا اس جملہ میں اس حیثیت سے اعتراف کے علاوہ کوئی احتمال نہیں۔ ہاں جملہ خبریہ ہونے کے اعتبار سے صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے۔ لہٰذا فقہی مسئلہ یہ ہوا کہ قاضی کے سامنے اگر کوئی شخص یوں کہدے کہ لِزَیْدٍ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْھَمٍ اِعْتِرَافًا تو اس پر ایک ہزار درہم قرض لازم آئے گا۔

سوال اس مقام میں فعل کو حذف کرنا کیوں واجب ہے؟۔

جواب حذف کی دلیل یہ ہے کہ پہلے اقرار کا اجمالی طور پر ذکر ہو چکا ہے۔ جملہ میں اگر فعل کو ذکر کیا جائے تو تکرار لازم آئے گا۔ تو اس تکرار سے بچنے کے لیے فعل کو حذف کر دیا۔

قولہ وَیُسَمّٰی تَاکِیْدًا لِنَفْسِہٖ

سوال تاکید تو اپنے نفس ہی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تسمیہ کا کیا فائدہ؟۔

جواب یہاں مؤکِّد اور مؤکَّد کے درمیان شدّتِ اتحاد تھا۔ حتیٰ کہ تغایر اعتباری بھی نہیں تھا۔ تو اس لیے تاکید لنفسہٖ کہدیا۔ یاد رکھیں یہ مفہوم مدلول ہے۔ اور مفعول مُطلق دال ہے۔ تو اس لیے مفعول مُطلق کو تاکید لنفسہٖ سے موسوم کرنا یہ از قبیلِ تسمیۃ الدال باسم المدلول ہے۔ (کذا یستفاد من محرم آفندی)

سوال یُسَمّٰی بصیغہ فعل مضارع لایا ہے۔ حالانکہ بصیغہ ماضی لانا چاہیے تھا کیونکہ یہ تسمیہ زمانہ تکلم سے پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشریؒ نے یہ تسمیہ مفصل میں بیان کیا ہے۔ جب کہ اس کی وفات مُصنفؒ کی ولادت سے بتیس سال پہلے ہے۔ ان کی وفات ۵۳۸ ہجری میں، اور مُصنفؒ کی ولادت ۵۷۰ ہجری میں ہے۔

جواب امام سیبویہ نے اس مفعول مُطلق کو تاکیدِ خاص اور آنے والے کو تاکیدِ عام سے موسوم کیا۔ اور سیبویہ سے مُتاخرین نحاۃ نے اس کو تاکید لنفسہٖ اور بعد والے کو تاکید لغیرہٖ سے موسوم کیا ہے۔ مُصنفؒ نے اس پر تنبیہ کرنے کے لیے مضارع کا صیغہ اختیار فرمایا۔ یہ تسمیہ بنظرِ اول زمانہ

استقبال میں ہوا ہے۔

فائدہ یہ دونوں مفعول مُطلق برائے تاکید ہیں، اور مفعول مُطلق تاکید کے حکم مذکور سے مستثنیٰ ہیں۔

فائدہ مفعول مُطلق جو تاکیدی ہے وہ مفرد کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ اور یہ جملہ کی تاکید کے لیے آتا ہے۔

متن وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُوْنَ جُمْلَةٍ لَهَا مُحْتَمِلٌ غَيْرُهٗ نَحْوُ زَيْدٌ قَـائِمٌ حَقًّا۔ اس عبارت میں ضابطۂ سادسہ چھٹے مقام کا بیان ہے۔

چھٹا مقام اور چھٹا ضابطہ ہر وہ مقام جہاں مفعول مُطلق ایسے جملے کا مضمون یعنی خلاصہ اور لُبِ لباب واقع ہو کہ اس جملہ میں مفعول مُطلق کے علاوہ غیر کا بھی احتمال پایا جاتا ہو، تو ایسے مقام میں مفعول مُطلق کے عامل ناصب کو قیاساً حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے: زَيْدٌ قَـائِمٌ اس میں جملہ خبریہ ہونے کی وجہ سے سچ کا بھی احتمال تھا، اور جھوٹ کا بھی، تو حَقًّا نے سچ والے احتمال کی تاکید کردی۔

متن وَيُسَمّٰى تَاكِيْدًا لِغَيْرِهٖ اس کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں۔ کیونکہ مؤکَّد اور تاکید میں مغایرت اعتباری موجود ہے۔ اور پچھلے مقام میں مغایرت اعتباری بھی نہیں تھی۔ یا یوں کہو کہ اس میں غیر کی نفی اور اپنے اثبات کی تاکید کرنا ہے۔ اور غیر کے احتمال کو دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اسے تاکید لغیرہ کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ: یہ بیان کی جائے کہ حَقًّا مفہوم دو مرتبہ ذکر ہوا۔ اولاً جملہ سابق، ثانیاً لفظ حَقًّا سے، تو ثانی مفہوم اول کے لیے تاکید ہے۔ دونوں مفہوم ایک ہیں۔ مگر اعتباری تغایر ہے۔ کیونکہ اول محتمل ہے اور ثانی منصوص ہے۔ یہ تسمیہ تسمية الدال باسم المدلول کی قبیل سے ہے۔

فائدہ مفعول مُطلق کی یہ دونوں قسمیں نکرہ بھی آتی ہیں اور معرفہ بھی۔ پھر معرفہ عام ہے، خواہ باللام ہو یا بالاضافۃ ہو۔ دونوں قسم کی مثال: نکرہ کی مثال متن میں گزر گئی، اور معرفہ کی مثال اَللّٰهُ وَاحِدٌ الْحَقّ اور اَللّٰهُ وَاحِدٌ حَقَّ الْيَقِيْنِ۔ دوم کی مثال زید قائم الحق اور زَيْدٌ قَائِمٌ حَقَّ الْيَقِيْنِ اور دونوں قسموں میں بعض الفاظ التزاماً معرف باللام مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: اَنْتِ طَالِقٌ اَلْبَتَّةَ یا کہا جاتا ہے: لَا اَفْعَلُهٗ اَلْبَتَّةَ تو اس کا عامل فعل مقدر ہے وجوباً اَبِتُّ۔ اَلْبَتَّةَ کے ہمزہ میں

اہلِ عرب سے قطع مسموع ہے نہ کہ وصل۔ اور بعض نحاۃ نے البتۃ کے الف لام کا حذف بھی جائز بتایا ہے۔ (کما فی ھمع الھوامع وحاشیۃ الصبان)

فائدہ مضمونِ جملہ کے دو معنی آتے ہیں۔ ❶ "لغوی عرفی" ❷ "اصطلاحی"۔ "لغوی عرفی" معنیٰ خلاصہ اور لُبِّ لباب اور ماحصل ہے۔ "اصطلاحی" معنی جملہ سے جو مصدر سمجھا جاتا ہے اس کا مضاف ہونا فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف ان دونوں ضابطوں میں مضمونِ جملہ کا لغوی عرفی معنی مراد ہے۔ اور پہلے ضابطہ میں گذر چکا ہے اس میں اصطلاحی معنی مراد ہے۔

قولہ وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى مِثْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ۔ اس عبارت میں مصنفؒ ضابطہ سابعہ یعنی ساتواں مقام بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ساتواں مقام اور ساتوں ضابطہ ہر وہ مقام جہاں مفعول مُطلق تثنیہ کی صورت پر تکرار اور کثرت بتانے کے لیے واقع ہو اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف بھی ہو ایسے مقام میں مفعول مُطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ۔

سوال یہ مجرد کا مصدر ہے یا مزید کا۔ اگر مجرد کا مصدر ہے تو ٹھیک ہے لیکن اس میں تکثیر اور تکریر پر دلالت نہیں ہوگی حالانکہ مقصود یہاں تکثیر و تکریر ہے اور اگر اس سے مراد یہ مزید کا مصدر ہے تو بالکل غلط ہے۔ کما ھو الظاھر۔

جواب یہاں مراد مزید کا مصدر ہے۔ لَبَّيْكَ اصل میں اُلِبُّ لَكَ اِلْبَابَيْنِ۔ تھا "اُلِبُّ" فعل کو حذف کر کے مفعول مُطلق کو اس کی جگہ ٹھہرا دیا تو عبارت یہ بن گئی اِلْبَابَيْنِ لَكَ" پھر مزید کے مصدر کو مجرد کی طرف لوٹا دیا تو "لَبَّيْنِ لَكَ" بن گیا پھر لام کو حذف کر دیا اور "لَبَّيْنِ" کی اضافت کر دی تو نون بھی گر گیا۔ "لَبَّيْكَ" بن گیا۔ اسی طرح "سَعْدَيْكَ" اصل میں "اَسْعِدُكَ اِسْعَادَيْنِ" تھا فعل کو حذف کر کے مفعول مُطلق کو اس کی جگہ ٹھہرا دیا پھر مزید کو مجرد کی طرف لوٹا کر کاف کی طرف اضافت کر دی تو نون تثنیہ بھی اضافت کی وجہ سے گر گیا تو "سَعْدَيْكَ" ہو گیا۔

سوال اس مقام کو حذفِ وجوبی سے شمار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ضَرَبْتُ، ضَرْبَتَيْنِ میں مفعول مُطلق تثنیہ ہے۔ لیکن حذف واجب نہیں۔

جواب مثنٰی سے مراد صورتِ مثنٰی ہے حقیقۃً مثنٰی مراد نہیں اور اس مثال میں حقیقۃً مثنٰی ہے۔

سوال قرآن مجید میں ہے: فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ اس میں صورتِ مثنٰی ہے اور معنی تثنیہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد تکثیر ہے۔ لیکن پھر بھی فعل مذکور ہے محذوف نہیں۔

جواب صورۃً مثنیٰ کے ساتھ اس قاعدہ میں ایک قید محذوف ہے۔ جو معتبر ہے۔ کہ وہ مضاف ہو فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف اور اس میں کَرَّتَیْنِ کی اضافت نہیں۔

سوال اس ضابطہ میں جب یہ اضافت الی الفاعل او المفعول کی قید معتبر ہے تو مصنف کو چاہیے تھا کہ قاعدہ مذکورہ میں اس قید کو ذکر کرتے تو لہٰذا یہ قاعدہ ناقص ہوا؟۔

جواب اس اعتراض کا فاضل ہندی نے جواب دیا کہ قاعدہ مذکورہ ناقص نہیں، مثال کے ضمن میں اضافت کے موجود ہونے کی وجہ سے مثال پر اکتفا کرتے ہوئے اضافت والی قید کو صراحۃً بیان نہیں کیا۔ لیکن مولانا جامیؒ نے فاضل ہندی کے اس جواب کو رد کر دیا اس لیے کہ مثال کو قاعدہ کا تتمہ قرار دینا سراسر تکلف ہوتا ہے۔ کیونکہ مثال توضیح ممثل کے لیے ہوتی ہے نہ کہ تتمہ ہوتی ہے۔

فائدہ مولانا جامیؒ پر البتہ یہ اعتراض وارد ہوگا کہ مثال کو قاعدہ کا تتمہ قرار دینا تکلف ہے تو اسمائے ستہ مکبرہ کے اعراب کے بیان میں خود مولانا جامیؒ نے اس تکلف کو کیوں اختیار کیا ہے؟

جواب ۱ بعض نے جواب دیا ہے کہ اسمائے ستہ مکبرہ کی بحث کی کل مثالیں چھ ہیں۔ جن میں سے تین مثالیں توضیح کے لیے کافی ہیں اور تین مثالیں قاعدہ کا تتمہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ بخلاف اس مقام کے کہ یہاں فقط دو مثالیں ہیں جو توضیح قاعدہ کے لیے ہیں، تتمہ نہیں بن سکتیں۔

جواب ۲ دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اسمائے ستہ مکبرہ کی بحث میں امثلہ توضیح قاعدہ کے لیے نہیں بلکہ قاعدہ کی تعیین کے لیے ہیں، ایسی امثلہ جن سے مقصود تعیینِ محل قاعدہ ہو ان کو قاعدہ کا تتمہ بنایا جاسکتا ہے۔ بخلاف ان مثالوں کے جو تعیینِ محل قاعدہ کے لیے نہ ہوں۔ بلکہ توضیح قاعدہ کے لیے ہوں ان کو قاعدہ کا تتمہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اور اس مقام میں مثالیں دوسری قسم کے قبیل سے ہیں۔

جواب ۳ امثلہ دو قسم پر ہوتی ہیں۔ ❶ جو لفظ مثل اور لفظ نحو کے ساتھ مُصَدَّر ہوں۔ ❷ جو لفظ مثل اور لفظ نحو کے ساتھ مُصدّر نہ ہو۔ قسم ثانی کو قاعدہ کا تتمہ قرار دینا صحیح ہے۔ اور اسمائے ستہ مکبرہ میں امثلہ قسم ثانی سے ہیں۔ اور پہلی قسم کے امثلہ کو قاعدہ کا تتمہ قرار دینا صحیح نہیں ہوتا۔ اور یہاں پر مثالیں از قسم اول کے قبیل سے ہیں۔ (خُذْ هٰذَا وَاشْكُرْ وَافْهَمْ وَاسْتَقِمْ فَإِنَّ بَيَانَ هٰذِهِ الْمَبَاحِثِ لِغُمُوْضِهٖ يَحْتَاجُ إِلَى تَأَمُّلٍ دَقِيْقٍ وَلَا يَنْحَلُّ إِلَّا بِفِكْرٍ عَمِيْقٍ)

سوال آپ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مفعول مطلق برائے تاکید کا تثنیہ نہیں لایا جاتا اور یہاں پر مفعول مطلق کے تثنیہ کا اثبات کر رہے ہیں آپ کے کلام میں تو تضاد ہے؟۔

جواب یہاں تثنیہ سے مراد تثنیہ حقیقی نہیں بلکہ یہاں شکل تثنیہ مراد ہے کہ صورت تثنیہ والی ہو اور معنی میں تکرار پایا جاتا ہو۔

قولہ اَلْمَفْعُوْلُ بِہٖ ھُوَ مَا وَقَعَ عَلَیْہِ فِعْلُ الْفَاعِلِ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَیْدًا۔ مفعول مُطلق کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد مُصنفؒ مفعول بہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ **پہلا درجہ' مفعول مُطلق کی تعریف:** مفعول مُطلق ایسی چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو یعنی فاعل کے فعل کا تعلق بغیر حرفِ جر کے واسطہ کے ہو' خواہ تعلق ایجابی ہو یا سلبی عام ازیں وقوع حسی ہو یا حکمی عام ازیں فاعل حقیقی ہو یا حکمی۔ **دوسرا درجہ' فوائد و قیود:** مَا جنس ہے اور وَقَعَ عَلَیْہِ یہ قید ہے اس سے مفعول فیہ' مفعول لہ' مفعول معہ خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان کے اوپر فعل واقع نہیں ہوتا اور فعل الفاعل اس قید سے مفعول مُطلق بھی خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب ہم نے مفعول بہ کی تعریف کی کہ مفعول بہ اس کو کہتے ہیں جس پر فاعل کا فعل واقع ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فعل اور شے ہے اور مفعول اور شے ہے۔ اور مفعول مُطلق بھی فاعل کا بعینہٖ فعل ہوتا ہے اس لیے وہ مفعول بہ کی تعریف سے نکل جائے گا۔ **تیسرا درجہ' سوالات و جوابات:**

سوال مفعول بہ تو لفظ ہے اور جس چیز پر فاعل کا فعل واقع ہوگا وہ تو ذات ہوتی ہے لفظ نہیں' تو حمل کیسے درست ہوگا۔ حالانکہ تعریف کا مُعرَّف پر حمل ضروری ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے اس کا جواب دیا کہ لفظ اسم یہاں مقدر ہے اور آگے بھی یہی مقدر ہوگا کہ مُصنف نے مَا سَبَقَ پر اکتفاء کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا۔

سوال مفعول بہ کی تعریف مذکور جامع نہیں کیونکہ (خَلَقَ اللّٰہُ الْعَالَمَ) میں (اَلْعَالَمَ) پر صادق نہیں آتی' کیونکہ وقوع فعل اثبات کا تقاضا کرتا ہے کہ مفعول پہلے سے موجود ہو اور جب کہ عالم کا وجود خلق سے پہلے نہیں؟

جواب وقوع فعل سے مراد یعنی وقوع فعل پر مفعول سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور خَلَقَ اللّٰہُ الْعَالَمَ میں وقوع فعل اگرچہ حقیقی نہیں لیکن حکمی ہے۔

سوال مفعول بہ کی تعریف پھر بھی مذکور جامع نہیں کیونکہ۔ مَا ضَرَبْتُ زَیْدًا۔ میں زَیْدًا پر صادق نہیں آتی؟

جواب وقوع سے مراد تعلق ہے عام ازیں وہ تعلق ایجابی ہو یا سلبی ہو۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں مَرَرْتُ بِزَیْدٍ۔ میں زَیْدٍ پر صادق آتی ہے کیونکہ فعل

مُرُوْر کا زید کے ساتھ تعلق ہے۔

جواب تعلق سے مراد تعلق عام نہیں بلکہ تعلق سے مراد ہے کہ حرفِ جر کے واسطے کے بغیر ہو اور بزیدٍ میں باَ حرفِ جر کے واسطے سے تعلق ہے لہٰذا ہماری تعریف دخول غیر سے مانع ہوئی۔

سوال مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ ضَرَبْتُ ضَرْبًا میں ضَرْبًا پر صادق آتی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ تعلق فعل کا بغیر حرفِ جر کے واسطے سے ہے۔

جواب مفعول بہ اور فاعل کے فعل کے درمیان مغایرت ہوتی ہے بخلاف مفعول مُطلق کے کہ اس میں مغایرت نہیں ہوتی بلکہ مفعول مُطلق اور فعل کے درمیان اتحاد ہوتا ہے۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ ضُرِبَ زَیْدٌ میں زَیْدٌ پر صادق آتی ہے کیونکہ زَیْدٌ کے ساتھ فاعل کے فعل کا تعلق بغیر واسطہ حرفِ جر کے ہے۔ حالانکہ زَیْدٌ مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ ہے۔

جواب فعل فاعل سے مراد ایسا فعل ہے جو عبارت اور لفظوں میں فاعل کی طرف مسند ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ فِیْمَا نَحْنُ فِیْہِ میں ایسا نہیں۔ کیونکہ ضُرِبَ فعل ماضی مجہول ہے جو عبارت اور لفظوں میں فاعل کی طرف مسند نہیں۔

سوال اُعْطِیَ زَیْدٌ دِرْھَمًا۔ کی ترکیب میں دِرْھَمًا پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ کیونکہ اُعْطِیَ صیغہ فعل ماضی مجہول کا ہے۔ جس کا اسناد لفظوں میں فاعل کی طرف نہیں۔ حالانکہ دِرْھَمًا یقیناً مفعول بہ ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ فعل کے فاعل میں تعمیم ہے خواہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی اور اس مثال میں زَیْدٌ فاعل حقیقی نہیں بلکہ فاعل حکمی ہے لہٰذا تعریف ہماری جامع بن جائے گی۔

سوال مفعول بہ کی تعریف میں اتنا کہہ دینا کافی تھا: ھو ما وقع علیہ الفعل اس میں جو اختصار مطلوب تھا وہ بھی حاصل ہو جاتا جس سے فاعل خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس لیے کوئی فعل بغیر فاعل کے ممکن نہیں۔

جواب اس عبارت میں اختصار ضرور ہو جاتا۔ لیکن فاعل میں جو مقصود تعمیم بیان کرنی تھی کہ فاعل حقیقی یا حکمی، یہ تعمیم سمجھ میں نہ آتی، اور تعمیم نہ ہو سکتی۔

سوال مَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں آپ نے کہا زَیْدٍ مفعول بہ نہیں کیونکہ زید کے ساتھ فعل کا تعلق بواسطہ بحرفِ جر کے ہے حالانکہ ذَھَبْتُ بِزَیْدٍ میں زَیْدٍ کو تم مفعول بہ کہتے ہو جب کہ یہاں پر بھی

بواسطہ حرفِ جر کے تعلق ہے۔

جواب ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ میں باَ حرفِ جر تغییر معنی کے لیے ہے اور تغییر معنی کے بعد فعل کا تعلق زید کے ساتھ بلاواسطہ حرفِ جر کے ہے اس لیے کہ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ میں اس کا معنی ہے اَذْهَبْتُ زَيْدًا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اَذْهَبْتُ زَيْدًا میں زید کے ساتھ ذِهَاب کا تعلق بغیر حرفِ جر کے واسطہ کے ہے لہٰذا ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ میں زید کا مفعول بہ ہونا درست ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کی ترکیب میں باَ حرف جار تغییر معنی کے لیے نہیں۔

قولہ وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفِعْلِ نَحْوُ زَيْدًا ضَرَبْتُ کبھی کبھی مفعول بہ کو فعل پر بھی مقدم کر دیا جاتا ہے۔

ضابطہ فاعل کی تقدیم فعل سے مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ فاعل کو مقدم کرنے سے التباس بالمبتداء لازم آتا ہے اور مفعول کے مقدم کرنے سے یہ التباس لازم نہیں آتا اس لیے مفعول کی تقدیم جائز ہے تقدیم کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ بعض اوقات واجب ہوگا۔ ❷ بسا اوقات جائز ہوگا۔ ❸ بسا اوقات ناجائز ہوگا۔ واجب اس وقت ہوگا جب کوئی باعث ہو۔ مثلاً: مفعول بہ معنی استفہام یا معنی شرط کو متضمن ہو۔ جیسے: مَنْ رَأَيْتَ اور شرط کی مثال: مَنْ يُكْرِمْنِيْ اُكْرِمْكَ۔ جائز اس وقت ہوگا جب کوئی مانع ہو۔ جیسے: مِنَ الْبَرَانِ تَكُفُّ لِسَانَكَ اور ناجائز اس وقت ہوگا جب نہ کوئی باعث ہو اور نہ کوئی مانع ہو۔ جیسے: زَيْدًا ضَرَبْتُ۔

سوال یہ حکم مفعول بہ کے ساتھ خاص نہیں بجز مفعول معہ کے دیگر مفاعیل بھی مقدم ہوتے ہیں پھر اس حکم کو خصوصیت کے ساتھ یہاں پر ذکر کیوں فرمایا۔ دیگر مفاعیل کی بحث میں بھی ذکر کیوں نہیں۔

جواب یہاں پر اس حکم کی تخصیص ایک وہم کو دفع کرنے کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ فعل مُتعدّی کا تعقل جس طرح بغیر مفعول بہ کے نہیں ہوتا اسی طرح فاعل کے بغیر بھی نہیں ہوتا اور فاعل کا تقدم جائز نہیں تو مفعول بہ کا تقدم بھی جائز نہ ہوگا' اس وہم کو دور کر دیا کہ تعقل فعل بے شک دونوں پر موقوف ہے لیکن تقدم میں دونوں کا حکم یکساں نہیں۔

سوال مفعول معہٗ کا تقدم کیوں جائز نہیں؟

جواب بنا بر رعایت اصل کیونکہ واو اصل عطف کے لیے ہے جس کا مقام درمیان کلام ہے اگر مقدم کیا جائے تو معطوف کا معطوف علیہ پر مقدم ہونا لازم آئے گا۔

قولہ وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا۔ اس عبارت میں مُصَنِّفؒ دوسرا حکم بیان کرنا

چاہتے ہیں کہ کبھی مفعول بہ کے فعل کو جوازی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔ قرینہ مقالیہ ہو۔ جیسے کسی نے سوال کیا: مَنْ اَضْرِبُ تو جواب دیا زَیْدًا یہاں پر بقرینہ سوال اِضْرِبْ محذوف ہے یا قرینہ حالیہ ہو۔ جیسے کوئی آدمی مکہ کی طرف ساز و سامان کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہو تو اسے کہا جائے اَمَکَّۃَ تو مَکَّۃَ مفعول بہ اس کا فعل محذوف ہے۔ اَتُرِیْدُ مَکَّۃَ۔

فائدہ مفعول بہ اور فعل کے حذف ہونے میں عقلی طور پر چھ احتمال ہیں۔ ❶ دونوں کا حذف جوازی۔ ❷ دونوں کا حذف وجوبی۔ ❸ فقط مفعول کا حذف جوازی۔ ❹ فقط مفعول کا حذف وجوبی۔ ❺ فقط فعل کا حذف جوازی۔ ❻ فقط فعل کا حذف وجوبی۔ ان میں سے ایک صورت کلامِ عرب میں موجود نہیں۔ یعنی دونوں کا حذف وجوبی۔ باقی پانچ میں فعل کے حذف کی دو صورتیں مذکور فی الکتاب ہیں باقی تین صورتیں کتاب میں مذکور نہیں۔ کتاب میں جو مذکور ہیں وہ یہ ہیں کہ دونوں کا حذف جوازی ہو جیسے کسی نے سوال کیا: اَضَرَبْتَ زَیْدًا۔ جواب دیا نَعَمْ اس کے ضمن میں دونوں یعنی فعل اور مفعول محذوف ہیں آگے فقط مفعول کا حذف جوازی جیسے: ضَرَبَ زَیْدٌ۔ اس کے آخر میں عَمْرًوا محذوف ہے۔ ❸ فقط مفعول کا حذف وجوبی جس طرح تنازع الفعلین میں بصریین کے مذہب کے مطابق جب پہلا عامل مفعول کا تقاضا کرے اور افعال قلوب میں سے نہ ہو تو وہاں پر مفعول کا حذف وجوبی ہوتا ہے اور مذکور فی الکتاب فقط فعل کا حذف کرنا جائز ہوگا۔

قولہ وَ وُجُوْبًا فِیْ اَرْبَعَۃِ مَوَاضِعَ حذف کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ حذف وُجوبی۔ ❷ حذف جوازی۔ حذف جوازی کی مثال تو گذر گئی اور حذف وجوبی کے لیے کل چار مقام ہیں۔

قولہ اَلْاَوَّلُ سِمَاعِیٌّ نَحْوُ اِمْرَأً وَنَفْسَہٗ وَانْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاَھْلًا وَسَھْلًا۔ پہلا مقام وجوبی میں سے سماعی ہے جس طرح اِمْرَأً وَنَفْسَہٗ کہ یہ مفعول بہ ہے جس کے لیے فعل محذوف ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: اُتْرُكْ اِمْرَأً وَ نَفْسَہٗ دوسری مثال: اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اصل میں اِنْتَھُوْا عَنِ التَّثْلِیْثِ وَاقْصِدُوْا خَیْرًا لَّکُمْ تھا۔

سوال آپ نے قرآن پاک کی مثال کو سب سے پہلے کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب ۱ کیونکہ اس مثال میں ایک اور ترکیب کا بھی احتمال تھا اس کی تقدیرِ عبارت یہ ہوگی: اِنْتَھُوْا اِنْتِھَاءً لَکَانَ خَیْرًا لَّکُمْ جس ترکیب میں اور احتمال نہیں تھا اس کو مقدم کر دیا۔

جواب ۲ یہاں پر قرآن مجید کی عظمت کی بحث نہیں بلکہ بحث قرآن مجید کے علاوہ ہے اس لیے قرآن مجید کی مثال کو مؤخر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اَھْلًا وَسَھْلًا اصل میں تھا اَتَیْتَ اَھْلًا وَ

طَابَتْ سَهْلاً یہ مہمان کے آنے کے وقت کہا جاتا ہے۔ اَتَیْتَ اَهْلاً اہل بمعنی آباد گھر یا بمعنی غیر اجنبی۔ وَطَئْتَ سَهْلاً روندا ہے تونے نرم زمین کو۔

قولہ وَالثَّانِي الْمُنَادٰى دوسرا مقام مقامات اربعہ میں سے جہاں پر مفعول بہ کے عاملِ ناصب کو حذف کیا جاتا ہے وجوبی طور پر وہ منادیٰ ہے۔

ضابطہ جو منادی ہوگا وہ ہمیشہ حقیقت کے لحاظ سے منصوب ہو کر مفعول بہ ہوگا اور اس کا فعل ہمیشہ کے لیے محذوف ہوگا اور وہ فعل بھی ہمیشہ اَدْعُوا ہوگا' اور اَدْعُوا کے قائم مقام ہمیشہ حرف ندا کا ہوگا فعل کا کسی جگہ ظاہر کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے قائم مقام حرف ندا رکھڑا ہوگا ہر مقام پر۔

منادیٰ کی تعریف: منادیٰ ایسے اسم کو کہا جاتا ہے جس کے مسمی کی توجہ کو ایسے حرف کے ذریعہ طلب کیا جائے جو اُدْعُوا کے قائم مقام ہو خواہ توجہ بالوجہ کو طلب کیا جائے یا توجہ بالقلب کو بہر تقدیر توجہ حقیقی کو طلب کیا جائے یا توجہ حکمی کو عام ازیں کہ طلب لفظی ہو یا تقدیری ہو۔

سوال اِقْبَال کا لفظ اس تعریف میں آیا ہے اقبال کی نقیض اِدْبَار ہے لہذا **مقبل** بالوجہ یعنی متوجہ بالوجہ کی تعریف شامل نہ ہوگی۔ کیونکہ جو پہلے ہی سے متوجہ ہو تو اس میں طلب اقبال نہیں اسی طرح اس شخص کی ندار کو بھی یہ تعریف شامل نہیں جو مثلاً دیوار کے پیچھے ہو' کیونکہ اس کی توجہ بالوجہ ممکن ہی نہیں لہذا منادیٰ کی تعریف جامع نہیں۔

جواب اقبال سے مراد توجہ ہے خواہ توجہ بالوجہ ہو یا توجہ بالقلب ہو لہذا **مقبل** بالوجہ کی ندار میں ،اقبال سے توجہ بالقلب مطلوب ہوگی جو پہلے حاصل نہ تھی۔ اور توجہ بالوجہ اگرچہ پہلے حاصل تھی لیکن مطلوب نہیں۔

سوال منادیٰ کی تعریف جامع نہیں یا سماء' یاجبال ' یا ارض وغیرہ' کی ندار کو شامل نہیں۔ کیونکہ ان اشیار میں نہ تو توجہ بالقلب ہو سکتی ہے اور نہ توجہ بالوجہ۔

جواب توجہ سے مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی۔ ان اشیار مذکورہ میں اگرچہ توجہ حقیقی متحقق نہیں لیکن توجہ حکمی یقیناً موجود ہے۔ بایں طور کے اولاً ان اشیار مذکورہ کو ایسی چیز کے مرتبہ میں اتارا جائے گا اور عرض کیا جائے گا جن میں ندار اور اقبال کی صلاحیت موجود ہو بعد میں ان کی ندار کی جائے گی اور حرف ندار کو داخل کیا جائے گا۔

سوال منادیٰ کی یہ تعریف جامع نہیں اس لیے باری تعالیٰ کے لیے قلب ہی نہیں تو توجہ بالوجہ یا توجہ بالقلب کیسے مطلوب ہو سکتی ہے؟ اور نیز منادی حکمی کا تحت مندرج مانا جائے تو

سوئے ادبی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

جواب باری تعالیٰ کا مطلوب الاقبال ہونا بمعنی مطلوب الاجابۃ کے ہے۔ فاندفع الاشکال۔

سوال منادیٰ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں یہ مندوب پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ مندوب ایسے اسم کا نام ہے جس کی توجہ حکمی مطلوب ہوتی ہے۔ حالانکہ علامہ ابن حاجبؒ کے نزدیک مندوب منادیٰ علیحدہ علیحدہ ہیں ایک چیز نہیں۔

جواب مندوب پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مندوب کے لیے مندوب پر حرف ندا کا ادخال محض تفجّع اور غم کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ وہاں مطلوبِ اقبال نہیں ہوتا لہٰذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع ہوئی۔

سوال آپ کی تعریف جامع نہیں۔ یَا زَیْدُ لَا تُقْبِلْ یہ منادیٰ ہے لیکن یہاں توجہ مطلوب نہیں بلکہ عدم توجہ مطلوب ہے۔ حالانکہ منادیٰ ہے۔

جواب آپ کی پیش کردہ مثالوں میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس کو نہی کی کلام سنائی جائے تو اس حیثیت سے منادیٰ ہے تو تعریف بھی صادق آتی ہے دوسری حیثیت سے اس کو منع کیا جارہا ہے تو اس حیثیت سے یہ منادیٰ نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو مقصود بالندا ہے۔

سوال آپ نے مفعول بہ کے وجوباً حذف ہونے کے مقامات چار بیان کیے ہیں۔ حالانکہ اس کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں۔ مثلاً: ❶ باب اغراء، ❷ باب ترحم، ❸ باب ذم، ❹ باب مدح۔ باب اغراء میں بھی مفعول بہ کا عامل وجوبی طور پر حذف ہوتا ہے۔ جیسے: اخاك اخاك اس میں اِلْزَمْ فعل محذوف ہے۔ باب ترحم کی مثال: اِرْحَمْ بِزَیْدِ نِ الْمِسْکِیْنِ اے اَعْنِی الْمِسْکِیْنَ۔ اس میں اعنی فعل محذوف ہے۔ باب ذم کی مثال: مَرَرْتُ بِزَیْدِ نِ الْفَاسِقِ اے اَعْنِی الْفَاسِقَ۔ باب مدح کی مثال: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْحَمِیْدَ۔

جواب ۱ مُصنفؒ نے جو مشہور مقامات تھے ان کو بیان کردیا۔ باقی کو ترک کردیا۔

جواب ۲ یہ مقام بھی ضمناً بیان ہوگئے ہیں۔ جس طرح نحویوں نے بابِ اغراء کو تحذیر میں شامل کیا ہے اور باقی تمام کو منادیٰ میں، تو وہ منادیٰ میں ضمناً بیان ہوگئے۔

جواب ۳ ان مقاماتِ اربعہ کی تخصیص حصر کے لیے نہیں بلکہ کثرتِ مباحث کی وجہ سے ہے۔ یعنی مباحث کثیرہ ان کے متعلق تھیں۔ اس لیے ان چار مقامات کو بیان کردیا۔

سوال منادیٰ میں فعل کو کیوں حذف کیا جاتا ہے؟۔

جواب منادیٰ کثیر الاستعمال ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ: الکثرۃ یقتضی الخفۃ کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے لفظاً او تقدیراً۔ اس کا تعلق حرفِ ندا اور منادیٰ دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یعنی حرفِ ندا کبھی لفظوں میں ہوگا' جیسے: یَا زَیْدُ یا مقدر ہوگا' جیسے: یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا البتہ اس پر سوال ہوگا۔

سوال تمھارے پاس کیا قرینہ ہے کہ یُوْسُفُ پر حرفِ ندا حذف ہے؟۔ بلکہ یہ ترکیب ہو سکتی ہے کہ یُوْسُفُ کو مبتدا بنایا جائے۔ اور اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا کو خبر بنایا جائے۔

جواب یہ ترکیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اَعْرِضْ یہ جملہ انشائیہ ہے۔ جو کہ عمدہ کے لیے خبر نہیں بن سکتا۔ تو لہٰذا یہی قرینہ ہے کہ یہاں حرفِ ندا محذوف ہے۔ اصل میں یا یوسف ﷺ تھا۔ اور اس کا تعلق منادیٰ کے ساتھ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ منادیٰ موجود ہو لفظوں میں۔ جیسے: یا زید' یا محذوف ہو۔ جیسے: اَلَا یَسْجُدُ۔ اصل میں تھا اَلَا یَا قَوْمِ اسْجُدُوْا۔ تو ترکیبیں دو ہو گئیں۔ پہلی ترکیب میں حرف سے حال بنایا جائے لفظاً اور تقدیراً کو۔ اور دوسری ترکیب لفظاً اور تقدیراً ان دونوں کو منادیٰ سے حال بنایا جائے۔

سوال آپ کا یہ کہنا کہ حرفِ ندا کو بھی حذف کیا جاتا ہے' یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں تو قائم مقام کا حذف کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ قائم مقام حذف نہیں ہو سکتا۔

جواب کبھی کبھی قائم مقام بھی حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے: ضَرْبِیْ زَیْدًا قَائِمًا۔ یہاں پر اصل میں ضَرْبِیْ زَیْدًا حَاصِلٌ اِذَا کَانَ قَائِمًا تھا۔

سوال حرفِ ندا کو قائم مقام اَدْعُوْا کے بنانا درست نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا جملہ ندائیہ کا جملہ خبریہ ہونا کیونکہ اَدْعُوْا تو جملہ خبریہ ہے حالانکہ یہ بات مُسلم ہے کہ جملہ ندائیہ انشائیہ ہوتا ہے۔

جواب اَدْعُوْا بھی جملہ انشائیہ ہے کہ اپنے فعل کی خبر اور انشاء ہونا قصدِ متکلم پر موقوف ہوا کرتا ہے۔ اور یہاں پر متکلم کا مقصد انشاء ہے۔ جیسے بابِ قسم میں اُقْسِمُ انشاء ہے' اخبار نہیں۔

فائدہ منادیٰ کے عامل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں تین مذاہب ہیں۔ ❶ سیبویہ کا مذہب۔ ❷ ابو العباس مبرد کا مذہب۔ ❸ ابو علی کا مذہب۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ منادیٰ میں عامل اَدْعُوْا فعل ہے۔ اور اَدْعُوْا کو حذف کیا گیا ہے کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ ابو العباس

مبرد کہتے ہیں کہ یہ حرفِ ندا فعل کے قائم مقام ہے۔ لیکن عامل ناصب بھی حرفِ ندا ہے۔ تیسرا مذہب ابوعلی کا ہے۔ ان کے نزدیک یہ حروفِ ندا اسماءِ افعال ہیں۔ جس طرح اسمائے افعال امر حاضر کے معنی پر ہو کر بعد والے اسم کو بنا بر مفعولیت نصب دیتے ہیں اسی طرح یہ حروفِ ندا بھی منادیٰ کو بنا بر مفعولیت نصب دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ان دونوں مذہبوں کے مطابق یہ فی ما نحن فیہ سے نکل جائے گا۔ تو یہ بھی یاد رکھیں کہ ان میں سے راجح مذہب سیبویہ کا ہے۔

فائدہ منادیٰ کے منصوب ہونے میں منادیٰ کے عامل میں دو اختلاف ہیں۔ سو ہیں، مگر یہ بات سب کے ہاں مُسلم ہے کہ یا زیادہ جملہ ہے۔ اور اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ منادیٰ جملے کا جزء نہیں۔ کیونکہ یہ نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ البتہ جملہ ہونے کی توجیہ میں اختلاف ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں کہ جملہ کے دونوں جزء فعل اور فاعل مقدر ہیں ادعو اور اس کے اندر ضمیر متکلم۔ اور یہ حرفِ ندا نہ جملے کا جزء ہیں اور نہ ہی منادیٰ جزء ہے۔ مبرد کے نزدیک حرفِ ندا جملہ کے دو اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ اور فاعل اس کا مقدر ہوتا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس سے تنہا فاعل کا حذف لازم آتا ہے۔ ابوعلی کے نزدیک ایک جزء تو یہ حرفِ ندا فعل ہے۔ دوسرا جزء اس میں ضمیر مُستتِر ہے۔ بہرحال منادیٰ کسی کے نزدیک جملہ کا جزء نہیں۔ ان مذاہب میں مختار مذہب مُصنفؒ کے نزدیک امام سیبویہ کا ہے۔ اسی وجہ سے منادیٰ کو اسی باب میں ذکر کیا، جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے۔

قولہ وَيُبْنىٰ عَلىٰ مَا يُرْفَعُ بِهٖ اِنْ كَانَ مُفْرَدًا مَعْرِفَةً نَحْوُ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ وَيَا زَيْدَانِ وَ يَا زَيْدُوْنَ اس عبارت میں مُصنفؒ منادیٰ کے اقسام بتانا چاہتے ہیں کہ منادیٰ کی کُل چار قسمیں ہیں۔ یا یوں کہو کہ منادیٰ کے اعراب بتانا چاہتے ہیں۔ منادیٰ کی چار قسمیں ہیں: ❶ منادیٰ مبنی بر علامتِ رفع۔ جب کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو۔ ❷ منادیٰ معرب مجرور، جب کہ مُستغاث بالام ہو۔ ❸ مبنی علی الفتح، جب کہ مُستغاث بالالف ہو۔ ❹ منادیٰ معرب منصوب، جب کہ ان مذکورہ میں سے نہ ہو۔ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوگا علامتِ رفع پر، علامتِ رفع عام ہے، خواہ ضمہ کے ساتھ ہو، جیسے: یَا زَيْدُ، يَا رَجُلُ یا الف کے ساتھ ہو۔ جیسے: یَا زَيْدَانِ، يَا رَجُلَانِ یا واو کے ساتھ ہو۔ جیسے: یَا زَيْدُوْنَ۔ اور معرفہ سے مراد بھی عام ہے کہ خواہ قبل از ندا معرفہ ہو یا بعد از ندا معرفہ ہو۔ نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ مفرد چند چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے۔ یہاں پر مفرد مقابل ہے مضاف اور شبہ مضاف کے۔ لہٰذا تثنیہ اور جمع وہ اسی مفرد کے تحت داخل ہیں۔

سوال منادیٰ علامتِ رفع اور منادیٰ معرب مجرور کو منادیٰ معرب منصوب پر کیوں مقدم کیا؟ حالانکہ منصوبات کی بحث میں مقصُود بالذات منادیٰ معرب منصوب ہی ہے۔

جواب ۱ منادیٰ غیر منصوب قلیل ہے۔ اور منادیٰ منصوب معرب کثیر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ایسے کیا گیا کہ غیر منصوب کو منصوب پر مقدم کیا گیا۔

جواب ۲ منادیٰ معرب منصوب چونکہ مقصُود تھا' اور باقی غیر مقصُود تھے۔ اس میں یہ وہم تھا کہ سامع کے ذہن سے کہیں نکل نہ جائے اس لیے غیر مقصُود کو مقدم کر دیا' اور مقصُود کو مؤخر کر دیا۔ کیونکہ مقصُود کا ذہن سے نکلنے کا احتمال ہی محال ہے۔

سوال آپ نے کہا: يُبْنیٰ عَلیٰ مَا يُرْفَعُ مبنی پڑھا جائے گا علامتِ رفع پر۔ رفع پڑھنا اور مبنی پڑھنا' یہ تو اجتماعِ ضدین اور نقیضین ہے۔

جواب ۱ فاضل ہندی نے جواب دیا کہ يُبْنیٰ کی ضمیر مبنی کی طرف لوٹتی ہے۔ اور يُرْفَعُ کی ضمیر مُطلق اسم کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ مبنی پڑھا جائے گا اس علامتِ رفع پر جو کہ مُطلق اسم پر پڑھی جاتی ہے۔

جواب ۲ مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہے کہ یہاں پر تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ تناقض کے لیے وحدتِ زمان شرط ہے۔ جب کہ یہاں زمانہ مختلف ہے۔ کیونکہ یبنی بعد از ندا ر' اور یرفع قبل از ندا ہے۔

سوال منادیٰ مفرد معرفہ مبنی کیوں ہے؟ حالانکہ اصل اسم میں معرب ہونا ہے۔

جواب منادیٰ مفرد معرفہ کاف اسمی کی جگہ میں واقع ہوتا ہے۔ اور کاف اسمی' کاف حرفی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ لفظاً بھی اور معنیً بھی۔ اور چونکہ کاف حرفی مبنی الاصل ہے اور

قاعدہ ہے کہ کسی اسم کا ایسی جگہ واقع ہونا جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو تو یہ مناسبت مُعتبرہ مؤثرہ فی البنا ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یَا زَیْدُ بمنزلِ اَدْعُوْا کے ہے۔ لہٰذا کلمہ یا قائم مقام فعل اَدْعُوْا کے واقع ہے۔ اور زید جو کہ منادیٰ ہے کاف خطاب اسمی کی جگہ واقع ہوا ہے۔ اور کاف خطاب اسمی کاف خطاب حرفی کے مشابہ ہے۔ لفظوں میں بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی۔ لفظوں کے اعتبار سے مشابہت ظاہر ہے۔ شکل اور صورت دونوں کی ایک جیسی ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے مشابہت بایں طور ہے کہ جیسے کاف خطاب حرفی مفرد معرفہ خطاب کے لیے ہوتا ہے۔

اسی طرح کاف خطاب اسمی بھی مفرد معرفہ خطاب کے لیے ہوتا ہے۔

سوال کاف خطاب حرفی کو معرفہ کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ معرفہ تو اسم کی قسم ہے۔

جواب کاف خطاب حرفی کا معرفہ کہنا ما بغیر التعیین کے اعتبار سے ہے۔ اور اس معنی کے اعتبار سے معرفہ ہونا اسم کو مُستلزم نہیں۔

فائدہ کاف خطاب اسمی، جیسے اَدْعُوْكَ کا کاف۔ کاف خطاب حرفی، جیسے ذٰلِكَ کا کاف۔ کاف خطاب اسمی وہ ہوتا ہے جس کی جگہ اسم کا واقع ہونا صحیح ہو۔ اور کاف خطاب حرفی وہ ہوتا ہے جس کی جگہ اسم کا واقع ہونا صحیح نہ ہو۔

سوال ذٰلِكَ کا کاف اسمی کیوں نہیں ہو سکتا؟۔

جواب کاف خطاب اسمی کا محلِ اعراب ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ذٰلِكَ کے کاف کا محلِ اعراب نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذٰلِكَ کا کاف کافِ خطاب حرفی ہے۔

سوال منادیٰ کے مبنی ہونے کی وجہ تو معلوم ہو گئی۔ لیکن منادیٰ مبنی علی الحرکت کیوں ہوتا ہے؟۔ جب کہ بنار میں اصل مبنی علی السکون ہونا ہے۔

جواب مبنی بر سکون ہونا مبنی الاصل کے احکام میں سے ہے۔ اور منادیٰ مفرد معرفہ کی بنار عارضی ہے۔ اس لیے بنار عارضی اور بنار اصلی میں فرق کرنے کے لیے اس کو مبنی علی الحرکت کر دیا گیا ہے۔

سوال چلو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الحرکت ہے۔ لیکن یہ بتائیں کہ حرکاتِ ثلاثہ میں سے مبنی علی الضم کیوں کر دیا ہے؟۔ مبنی علی ما یرفع کیوں کیا گیا ہے۔

جواب منادی مفرد معرفہ کو اگر مبنی علی الفتح کیا جاتا تو منادیٰ منصوب کے ساتھ التباس لازم آتا۔ اور اگر مبنی علی الکسر کیا جاتا تو اس کا التباس اس منادیٰ کے ساتھ لازم آتا۔ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ اور یائے متکلم کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفا کر لیا گیا۔ جیسے: یا غلامی میں یا غلامِ اس لیے منادیٰ مفرد معرفہ کو حرکاتِ ثلاثہ میں سے حرکتِ ضمہ یا علی ما یرفع ضمہ الف اور یا پر مبنی کیا گیا ہے۔

سوال جس وقت عَلَم کا تثنیہ لایا جائے تو اس پر الف لام داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ تثنیہ کی وجہ سے تعدد پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں نکارت آجاتی ہے۔ تو آپ نے الف لام یہاں داخل کیوں نہیں کیا؟۔

جواب زیدان کی نکارت حرفِ ندا کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔ اگر الف لام بھی داخل کر دیتے

تو دو معرفے جمع ہو جاتے۔ حالانکہ ان کا جمع ہونا ناجائز ہے۔

سوال یَا زَیْدُ میں زید پہلے سے معرفہ ہے۔ اس میں کوئی نکارت نہیں۔ پھر حرفِ ندا داخل کر دیا گیا تو دو معرفے جمع ہو گئے۔ حالانکہ آپ نے کہا کہ معرفتین کا اجتماع ناجائز ہے۔

جواب ایک آلۂ تعریف اور معرفہ جمع ہو سکتے ہیں۔ ہم نے جو کہا اس کا مقصد یہ ہے کہ دو آلۂ تعریف جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یا زید ان میں الف لام کی وجہ سے الف لام اور یا حرفِ ندا دو آلۂ تعریف جمع ہو جاتے۔

قولہ وَ یُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ نَحْوُ یَالَلزَّیْدِ اس عبارت میں مُصنّفؒ منادیٰ کی دوسری قسم یا منادیٰ کے اعراب کی دوسری قسم بیان فرما رہے ہیں کہ وہ مکسور ہے۔ منادیٰ مکسور اس وقت پڑھا جائے گا جب کہ اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو۔ اور لامِ استغاثہ وہ ہوتی ہے جو منادیٰ مُستغاث پر داخل ہو۔ اور منادیٰ مُستغاث وہ ہوتا ہے کہ مُستغیث مُستغاث کو مُستغاث لہ کی مدد کے لیے پکارے۔

سوال یہ منادیٰ کا قسم مُستغاث باللام مبنی کیوں نہیں ہوتا؟ حالانکہ عِلّتِ بنا یعنی کاف ضمیرِ خطاب اسمی کی جگہ واقع ہونا موجود ہے۔

جواب یہ لامِ استغاثہ لامِ جارہ ہے۔ اسم کے عظیم خواص میں سے ہے جس کی وجہ سے منادیٰ کی مشابہت ضعیف ہو چکی ہے۔ جو کہ مؤثر فی البنا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اس لیے منادیٰ معرب ہی رہے گا۔ کیونکہ اصل اسماء میں معرب ہونا ہے۔

سوال اگر لام جارہ کے دخول کی وجہ سے مناسبت مبنی الاصل کے ساتھ ضعیف ہو جاتی ہے تو پھر حرف جار کے غیر مُنصرف پر داخل ہو جانے سے وہ اسم مُنصرف ہو جانا چاہیے تھا۔ حالانکہ غیر مُنصرف بدستور باقی رہتا ہے۔

جواب غیر مُنصرف کی جو مناسبت ہے وہ مناسبتِ قویہ ہے۔ جو لام جارہ کے غیر مُنصرف پر داخل ہونے کے باوجود باقی رہتی ہے۔ جب کہ منادیٰ مفرد معرفہ کی مناسبت مبنی الاصل کے ساتھ بالواسطہ ہونے کی بنا پر ضعیف تھی۔ جو کہ لام جارہ اسم کا خاصہ ہونے کی وجہ سے مزید ضعیف ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ مؤثر فی البنا نہیں ہو سکتی۔

سوال آپ نے کہا یَالَلزَّیْدِ یہ منادی مُستغاث باللام کا لام جارہ ہے، حالانکہ لام جارہ مکسور ہوتا ہے۔ تو یہاں پر مفتوح کیوں ہے۔

جواب چونکہ منادیٰ کاف ضمیر خطاب کی جگہ واقع ہے۔ اور کاف ضمیر خطاب پر لام جارہ داخل ہو تو وہ مفتوح ہوتا ہے۔ اس لیے جو کاف ضمیر خطاب کی جگہ واقع ہوگا اس پر جو لام جارہ داخل ہوگا وہ بھی مفتوح ہوگا۔

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ ضمیروں پر لام جارہ مفتوح ہوتا ہے؟۔

جواب آپ یہ سوال مت کریں کہ لام جارہ مفتوح کیوں ہوتا ہے؟۔ بلکہ یہ سوال کریں کہ لام جارہ مکسور کیوں ہوتا ہے۔ کیونکہ لام جارہ کا مکسور ہونا عارضی ہے۔ اور مفتوح ہونا اصل ہے۔ مکسور اس لیے پڑھا گیا تا کہ لامِ تاکید کے ساتھ التباس لازم نہ آئے۔ کیونکہ لامِ تاکید مفتوح ہوتا ہے۔ اگر اس کو بھی مفتوح پڑھا جائے تو التباس لازم آئے گا۔ اور چونکہ لام تاکید ضمیروں پر داخل نہیں ہوتا اس لیے ضمیروں پر جو لام جارہ آئے گا وہ اپنے اصل پر یعنی مفتوح ہونے پر باقی رہے گا۔

سوال آپ نے کہا ضمیروں پر لامِ تاکید داخل نہیں ہوتا۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ لامِ تاکید ضمیر پر داخل ہے۔ جیسے: اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہاں پر لامِ تاکید هُوَ ضمیر پر داخل ہو گیا ہے۔

جواب ضمیر سے مراد ضمیر مُتّصِل ہے نہ کہ ضمیر مُنفصِل۔ اور ضمیر مُتّصِل پر لامِ تاکید داخل نہیں ہوسکتا، اور آپ نے جو مثال پیش کی ہے اس میں ضمیر مُنفصِل پر لامِ تاکید داخل ہے۔

سوال لامِ استغاثہ، لام جارہ ہے۔ لام جارہ کے جو معنی ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے کس معنی میں ہے؟۔

جواب یہ لامِ تعلیل ہے۔ (كما في حاشية العصام) چنانچہ يَا لَزَيْدٍ سے یہ مراد ہوتی ہے اَغِثْنِيْ لِنَفْعِكَ يا لِاَجْلِكَ اور يا اللّٰه سے یہ مراد ہوتی ہے اَغِثْنِيْ لِكَرَمِكَ اور بعض نے لامِ اختصاص بمعنیٰ کثر کہا ہے۔

سوال منادیٰ بلامِ تعجب بھی مجرور ہوتا ہے۔ يَا لَلْمَاءِ اور بلامِ تہدید بھی۔ جیسے: يَا لَزَيْدٍ لَاَقْتُلَنَّكَ تو مُصنّفؒ نے ان دونوں کو ذکر کیوں نہیں کیا؟۔ نیز ان دونوں کو ذکر نہ کرنے سے آئندہ آنے والا قول وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا صادق نہیں آتا کہ ماسوا میں منادیٰ مُتعجّب اور منادیٰ مہدد داخل ہے۔ حالانکہ یہ منصوب نہیں ہوتا۔

جواب ۱ یہ دونوں لام، لامِ استغاثہ میں داخل ہیں۔ اول اس لیے کہ گویا مُتعجّب بصیغہ اسم فاعل مُتعجّب منہ سے استغاثہ کرتا ہے کہ وہ اپنے حالِ کثرت کو بدل دے۔ تا کہ اس کا تعجب زائل

ہوجائے۔ اور دوم اس لیے کہ مُسْتَغِیث بصیغہ اسم فاعل مُسْتَغَاث سے یہ استغاثہ کرتا ہے کہ وہ اپنے حال میں تبدیلی کرلے۔ اور موجبِ قتل خصلت کو چھوڑدے، تاکہ وہ اثمِ قتل میں گرفتار نہ ہوجائے۔ (کمافی حاشیۃ العصام)

جواب ۲ یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: وَ یُخْفَضُ بِنَحْوِ لَامِ الْاِسْتِغَاثَۃِ۔

سوال اس لام کا مُتعلّق کون ہے؟۔

جواب بعض کے نزدیک زائدہ ہے۔ اس لیے مُتعلّق کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اس کا مدخول منصوب محلاً ہے۔ اور علامہ مبرد کے نزدیک حرفِ ندا سے مُتعلّق ہے۔ کیونکہ وہ قائم مقام ہے فعل کے۔ تولہٰذا یہ ظرف لغو ہوا۔ اور امام سیبویہ اور علامہ ابنِ عصفور کے نزدیک فعل مقدر سے مُتعلّق ہے۔ تولہٰذا یہ ظرف مُستقر ہوگا۔

سوال اَدْعُوْا مُتعدی بنفسہٖ ہے لہٰذا لام تعدیہ کیسے لایا گیا ہے؟

جواب بےشک۔ لیکن بوجہ تقدیری ضعف پیدا ہوگیا تو لام برائے تعدیہ ہے برقولِ دوم۔ اور برقولِ اول قائم مقام ہے۔ یا خود ضعیف ہے تو اب بھی لام برائے تعدیہ کا ہوگا۔ (کمافی حاشیۃ المولوی عبدالحکیم)

قولہ وَیُفْتَحُ لِاِلْحَاقِ اَلِفِھَا وَلَا لَامَ فِیْہِ نَحْوُ یَازَیْدَاہُ۔ اس عبارت میں منادیٰ کی قِسمِ ثالث کا بیان یا حکمِ سوم کا بیان، یا یوں کہو کہ منادیٰ کے تیسرے اعراب کا بیان ہے کہ منادیٰ الف اِستغاثہ کے الحاق کے وقت منادیٰ علی الفتحہ ہوگا۔

سوال یہ مبنی بر فتحہ کیوں ہوگا؟۔

جواب مبنی تو اسی عِلّت کی بناپر جو ماقبل میں بیان کردیگئی ہے کہ یہ منادیٰ مُستغاث بالالف، کاف ضمیر خطاب اسمی کی جگہ پر واقع ہے۔ اور باقی رہا مبنی علی الفتحہ کیونکہ اس کی عِلّت یہ ہے کہ اس کے آخر میں الف اِستغاثہ کا ہے جو ماقبل کے فتح کا مُقتضی ہے۔ اس لیے مبنی بر فتحہ کردیا ہے۔

سوال وَلَا لَامَ فِیْہِ۔ آپ نے کہا اس منادیٰ مُستغاث بالالف پر لامِ اِستغاثہ داخل نہیں ہوگا، اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب لام کا مُقتضیٰ جر ہے۔ الف کا مُقتضیٰ فتح ہے اور ظاہر ہے کہ جر اور فتح دونوں میں منافات ہیں۔ لہٰذا لام کا الف کے ساتھ اجتماع نہیں ہوسکتا۔

سوال مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ میں جر تو فتح کے تابع ہے، اسی طرح رَئَيْتُ مُسْلِمَاتٍ نصب جر کے تابع ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ جر اور فتح میں کوئی منافات نہیں؟۔

جواب جر اور فتح کے درمیان منافات تب ہوتی ہے جب کہ فتح جر کے حکم میں نہ ہو۔ اور جر فتح کے حکم میں نہ ہو۔ اور اگر جر فتح کے حکم میں ہو ہیں۔ اور فتح جر کے حکم میں ہو تو اس صورت میں منافات نہیں ہوتی۔

فائدہ بہتر یہ ہے کہ عدمِ اجتماع لام مع الالف کی علت یوں بیان کی جائے کہ لامِ استغاثہ منادیٰ کے معرب ہونے کا مُقتضی ہے۔ اور الف استغاثہ کا منادیٰ کے مبنی ہونے کا مُقتضی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ معرب اور مبنی میں یقیناً منافات ہے۔ اس لیے الف استغاثہ کے ساتھ لامِ استغاثہ کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ منادیٰ مُستغاث بالالف کی مثال: یَا زَيْدَاهُ! یہ مُستغاث مبنی بر فتحہ ہے۔ الف برائے استغاثہ ہے۔ ہُ برائے وقف ہے۔

قولہ وَ يُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا نَحْوُ يَا عَبْدَ اللهِ وَ يَا طَالِعًا جَبَلًا وَ يَا رَجُلًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ۔

اس عبارت میں منادیٰ کے حکمِ چہارم کا بیان اور اعراب کی چوتھی قسم کا بیان ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مُستغاث مذکور کے ماسوا منادیٰ منصوب ہوتا ہے، لفظاً یا تقدیراً، بشرطیکہ ماسوا قبل از ندا معرب ہو۔

سوال کافیہ میں تو صرف نصب کا ذکر ہے اور تم نے لفظاً اور تقدیراً کی قید کیوں بڑھائی ہے؟

جواب اس لیے کہ منصوب تو ہر منادیٰ ہوتا ہے۔ خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً ہو یا محلاً۔ کیونکہ وہ مفعول بہ ہے۔ پھر ماسوا کی کیسے تخصیص ہو سکتی ہے؟۔ اس لیے یہ قید مُعتبر ہے۔

سوال قبل از ندا معرب ہونے کی کیوں قید لگادی ہے۔ جب کہ کافیہ میں تو نہیں۔

جواب اس لیے کہ ماسوا اگر قبل از ندا مبنی ہے تو منصوب محلاً ہوگا۔ لفظاً اور تقدیراً نہیں۔ اس لیے یہ دونوں قیدیں مُعتبر ہیں۔ قرینہ بھی تخصیص ہے کہ ماسوا کے ساتھ اس حکم کی تخصیص بدوں قیودِ مذکورہ درست نہیں۔

سوال منادیٰ مفرد معرفہ کی طرح ماسوا بھی کاف خطاب بھی ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے تو پھر مبنی کیوں نہیں۔

جواب مبنی اس لیے نہیں کہ ماسوا میں جو بنا کا سبب تھا اس کی ایک جزء مفقود ہے۔ اور وہ افراد اور تعریف میں مماثلت ہے۔ کیونکہ ماسوا کی چار قسمیں بنتی ہیں۔ ❶ مضاف معین ہو۔

جیسے: یَا عَبْدَاللّٰہِ ❷ شبہ مضاف معین ہو۔ جیسے: یَا طَالِعًا جبلًا ان دونوں میں افراد مفقود ہے نہ کہ تعریف۔ اول میں اس لیے کہ معرفہ ہے۔ دوم اس لیے کہ معین مراد ہے۔ ❸ نکرہ مفردہ غیر معینہ۔ جیسے یَا رَجُلًا اس میں تعریف مفقود ہے، نہ کہ افراد۔ ❹ مضاف یا شبہ مضاف غیر معین ہو، جیسے: یَا غُلَامَ رَجُلٍ ضَعِیفًا یا حُسنًا وَجْهُهٗ ظَرِیفًا ان میں افراد اور تعریف دونوں مفقود ہیں۔ افراد تو اس لیے کہ اول مضاف ہے، دوم اس لیے کہ شبہ مضاف ہے، اور تعریف اس لیے کہ غیر معین مراد ہے۔

سوال مُصنّفؒ نے مُتعدد مثالیں کیوں دی ہیں۔ حالانکہ توضیح کے لیے تو ایک مثال کافی تھی۔

جواب منادیٰ مفرد معرفہ کے ماسوا منادیٰ کی چار قسمیں بنتی ہیں۔ کیونکہ قیدوں کے مجموعہ کا انتفاء دو طرح کا ہوتا ہے۔ ❶ ہر قید کا علیٰ سبیلِ البدلیت انتفاء ہو۔ ❷ قیدوں میں سے ہر قید منتفی ہو۔ عام یہ کہتے ہیں کہ فقط مفرد کی قید کے انتفاء سے دو قسمیں نکل آتی ہیں۔ ❶ منادیٰ مضاف ہو۔ ❷ مشابہ بالمضاف ہو۔ اور معرفہ کی قید کے انتفاء سے ایک قسم نکل آتی ہے۔ یعنی منادیٰ مفرد ہو اور نکرہ ہو اور دونوں قیدیں مفرد معرفہ کے مجموع کے انتفاع سے ایک قسم اور نکل آتی ہے۔ یعنی جو مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو۔ کُل چار قسمیں ہو گئیں۔ اس لیے مُصنّف نے مُتعدد مثالیں دی ہیں۔

سوال مُصنّفؒ نے پھر قسم چہارم کی مثال کیوں نہیں دی؟۔

جواب اس لیے کہ قسم دوم کی مثال یا طالعا جبلا دونوں کی بن سکتی ہے۔ اگر طالعا سے معین مراد ہوں تو قِسمِ دوم۔ اور اگر طالعا سے غیر معین مراد ہوں تو قِسمِ چہارم کی مثال بنے گی۔ کیونکہ نکرہ کی تعیین اور عدمِ تعیین کا مدار تو متکلم کے قصد پر ہے۔

سوال یا طالعا جبلا یہ مثال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس میں فاعل کے عمل کے لیے شرط اعتماد ہے۔ جو کہ یہاں مفقود ہے۔ اسی طرح حَسَنٌ صفت مُشبّہ ہے اس کے عمل کے لیے بھی اعتماد شرط ہے۔

جواب ۱ بر مذہبِ علامہ اخفش اور نحاۃ کوفیہ ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں اعتماد شرط نہیں۔

جواب ۲ علامہ ابنِ مالک یعنی صاحبِ الفیہ کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں اعتماد ان اشیائے ستہ پر منحصر نہیں۔ بلکہ یَا حرفِ ندا پر بھی اعتماد ہو سکتا ہے۔

جواب ۳ بر مذہبِ مُصنّفؒ کہ یہاں اعتماد بر موصوف مقدر ہے۔ اصل میں تھا: یَا رَجُلًا طَالِعًا جَبَلًا تو یہاں طَالِعًا رَجُلًا موصوف مقدر پر اعتماد ہے۔ لہٰذا دونوں کی مثال ہو گئی۔

سوال صاحبِ کافیہ نے منادیٰ مفرد معرفہ کے ماسویٰ کی امثلہ کو پیش کیا ہے۔ لیکن منادیٰ مُستغاث کے ماسویٰ کی امثلہ کو کیوں پیش نہیں کیا؟

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ بھائی یہی امثلہ جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ کے ماسویٰ کی مثالیں ہیں بالکل ایسے ہی یہ امثلہ منادیٰ مُستغاث کے ماسویٰ کی بھی ہیں۔ لہٰذا منادیٰ مُستغاث کے ماسویٰ کی امثلہ کو تلاش کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

قوله وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيُّ الْمُفْرَدَةُ مِنَ التَّاكِيْدِ وَالصِّفَةِ وَعَطْفِ الْبَيَانِ وَالْمَعْطُوْفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُوْلُ يَا عَلَيْهِ تُرْفَعُ عَلٰى لَفْظِهٖ وَتُنْصَبُ عَلٰى مَحَلِّهٖ مِثْلُ يَا زَيْدُ نِ الْعَاقِلُ الْعَاقِلَ اس عبارت سے مُصنّفؒ منادیٰ کے توابع کو بیان کرتے ہیں۔ جس طرح منادیٰ کے سات احتمال تھے اسی طرح منادیٰ کے توابع کے بھی سات احتمالات ہیں۔ منادیٰ کی سات صورتیں یہ ہیں۔ ❶ مفرد معرفہ۔ ❷ مُستغاث باللام۔ ❸ مُستغاث بالالف۔ ❹ منادیٰ مضاف۔ ❺ منادیٰ شبہ مضاف۔ ❻ منادیٰ نکرہ غیر معین۔ ❼ منادیٰ مفرد ہو نہ مضاف ہو نہ شبہ مضاف نہ معرفہ ہو۔ منادیٰ کی سات توابع ہیں۔ ❶ تابع تاکید معنوی۔ ❷ تابع تاکید لفظی۔ ❸ تابع صفت۔ ❹ تابع عطف بیان۔ ❺ تابع بدل۔ ❻ ایسا معطوف بالحرف جس پر حرف ندا کا داخل کرنا ممتنع ہو۔ ❼ تابع ایسا معطوف بالحرف جس پر حرف ندا کا داخل کرنا ممتنع نہ ہو جائز ہو۔ یہی سات توابع منادیٰ کی سات صورتوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ملیں گے۔ سات کو سات سے ضرب دی جائے تو انچاس ۴۹ توابع بن جاتے ہیں۔ منادیٰ کی سات قسموں میں سے پہلی قسم منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الرفع کے توابع میں سے اربع یعنی تاکید، صفت، عطف بیان اور معطوف معرف باللام کا حکم بیان کیا جارہا ہے اس عبارت میں کہ ان توابع مذکورہ میں دو وجہیں جائز ہیں۔ ❶ رفع ❷ نصب۔ نصب تو منادیٰ کے لفظ پر محمول کرتے ہوئے پڑھیں گے۔ اور رفع اس لیے پڑھنا جائز ہے کہ محل پر حمل کیا جائے۔ یاد رکھیے اس میں تین قیدیں ہیں اور ایک تعمیم ہے۔ **پہلی قید:** منادیٰ کے ساتھ مبنی ہونے کی ہے۔ **دوسری قید:** مبنی کے ساتھ علی ما یرفع بہ کی قید ہے۔

تیسری قید: توابع کے ساتھ مفردہ ہونے کی ہے اور ایک تعمیم ہے کہ مفردہ توابع مفردہ میں حقیقتاً یا حکماً۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ان قیودات ثلاثہ میں سے قید ثانی کا اضافہ مولانا جامیؒ نے کیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں عطف بیان سے مراد عام ہے کہ معرف باللام ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح صفت سے بھی مراد عام ہے صفت بحالہ ہو یا صفت بحال متعلقہ ہو۔ البتہ تاکید سے مراد تاکید معنوی

والمضافة تنصب		
تاکید	صفة	عطف بیان
یَا تَمِیْمُ کُلُّهُمْ	یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ	یَا رَجُلُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

والبدل			
مفرد	مضاف	شبہ مضاف	نکرہ غیر معین
یَا زَیْدُ عَمْرُو	یَا زَیْدُ اَخَا عَمْرٍو	یَا زَیْدُ طَالِعًا جَبَلًا	یَا زَیْدُ رَجُلًا صَالِحًا

والمعطوف غیر ما ذکر حکمه حکم المستقل مطلقًا			
مفرد	مضاف	شبہ مضاف	نکرہ غیر معین
یَا زَیْدُ وَعَمْرُو	یَا زَیْدُ وَاَخَا عَمْرٍو	یَا زَیْدُ وَطَالِعًا جَبَلًا	یَا زَیْدُ وَرَجُلًا صَالِحًا

مقدورات
↓

	مقادیر	حقیقی معنی	مثال	مجازی معنی	مثال	
قوله	عِشْرُوْنَ	ذات عدد جو ۱۹ سے زائد اور ۲۱ سے کم ہے	عِشْرُوْنَ ضِعْفُ عَشَرَةٍ	معدود	عِنْدِیْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا	ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًو
المراد	رِطْلٌ	وزن	رِطْلٌ نِصْفُ مَنٍّ	موزون	عِنْدِیْ رِطْلٌ زَیْتًا	
بالمقادیر	قَفِیْزَان	مکیال	قفیزان ضِعْفُ قَفِیْزٍ	مکیل	عِنْدِیْ قَفِیْزَانِ بُرًّا	رِطْلٌ زَیْتًا
... الخ	زِرَاعٌ	آلہ	زِرَاعِیْ جَیِّدٌ مِنْ زِرَاعِكَ	مزروع	عِنْدِیْ زرع ثَوْبًا	
جامی ص۱۲۶	مقیاس	آلہ قیاس کردن	مقیاسی اَحْسَنُ مِنْ مقیاسك	مقیس	عَلَی التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا	

ہے نہ کہ تاکید لفظی کیونکہ تاکید لفظی بھی الفاظ کے تابع ہوتی ہے۔

سوال توابع کا باب تو مستقل آگے آرہا تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ منادیٰ کے توابع کو ان سے علیحدہ کرکے یہاں کیوں ذکر کیا؟

جواب منادیٰ کے توابع کے احکام عام توابع جیسے نہیں تھے مخصوص تھے اس لیے مُصنّفؒ نے منادیٰ کے توابع کو منادیٰ کے ساتھ ذکر کردیا۔

سوال منادیٰ کے ساتھ مبنی کی قید کیوں لگائی ہے۔؟

جواب یہ حکم آتی جواز الوجہین چونکہ منادیٰ معرب کے توابع میں جاری نہیں ہوتا تھا اس لیے صاحبِ کافیہ نے منادیٰ کو مبنی کی قید کے ساتھ مُقید کردیا۔ اس لیے کہ منادیٰ معرب خواہ مجرور ہو یا منصوب توابع صرف لفظ کے تابع ہونگے۔ اس لیے کہ لفظ محل سے اقویٰ ہے۔ کیونکہ لفظ ظاہر ہے اور محل مخفی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ خفی ظاہر کے معارض نہیں ہوتا۔ البتہ یہ یاد رکھیں کہ معرب غیر منادیٰ کا تابع کبھی محل کا تابع ہوتا ہے جیسے: اِنَّ کے اسم کے معطوف کا حکم ہے۔

سوال عَلٰی مَا یُرفَعُ کی قید آپ نے منادیٰ مبنی کے ساتھ کیوں لگائی ہے؟

جواب اس لیے کہ یہ حکم آتی جواز الوجہین منادی مُستغاث بالالف کے توابع میں جاری نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے مولانا جامی نے منادیٰ مبنی کے ساتھ عَلٰی مَا یُرفَعُ کی قید لگادی ہے۔

سوال یہ حکم مذکور صحیح نہیں۔ کیونکہ منادیٰ مُبہم مبنی بر ضم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا تابع ہمیشہ لفظ ہی کے تابع ہوتا ہے محل کے تابع نہیں۔ جیسے: یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ؟

جواب منادیٰ مُبہم کا تابع اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

سوال توابع کے ساتھ مفردہ کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب اس لیے کہ حکم آتی جواز الوجہین مضاف جاری نہیں ہوتا تھا بلکہ مضاف ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ قید لگادی۔

سوال مضاف باضافت لفظی میں دونوں وجہیں جائز ہیں۔ جیسے: یَا زَیدُ الحَسَنَ الوَجهِ اور یَا زَیدُ الحَسَنُ الوَجهِ پھر مفردہ کے تقیید کس طرح درست ہے۔

جواب المفردہ کو المضافۃ کے مقابلہ میں قرار دیا ہے مُصنّفؒ نے، اور المضافۃ

سے مراد مضاف باضافت معنوی ہے۔ اور آپ نے جو یہ مثال پیش کی ہے یہ مضاف باضافت لفظی ہے۔ اور مضاف باضافت لفظی اور شبہ مضاف دونوں المفردہ میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان میں اضافت معنوی نہیں۔

سوال توابع تو مشہور تھے پھر من التاکید والصفۃ اس تفصیل کی کیا ضرورت تھی حالانکہ آپ تو اختصار کے مدعی ہیں؟

جواب یہ تفصیل کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ بعض توابع اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا جب یہ حکم بعض توابع کا ہوا تو ان کی تصریح کرنے کی ضرورت تھی کہ یہ کس کا حکم ہے اور کس کا نہیں؟

سوال حکم مذکور سے جس طرح بعض توابع مستثنیٰ ہیں اسی طرح بعض مذکورہ توابع بھی مستثنیٰ ہیں جیسے توابع میں سے تاکید کا ذکر کیا' یہاں پر مُصنّفؒ نے تاکید لفظی اور معنوی دونوں کو شامل کیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم تاکید لفظی کا نہیں تاکید معنوی کا ہے؟

جواب مُصنّفؒ نے شرح مفصل میں اس کی تصریح کی ہے کہ تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے' البتہ اس کو ترک کر دیا ہے کیونکہ یہ بات ذہن میں خود بخود آجاتی ہے کہ تاکید لفظی لفظاً اور معناً عین اول ہوا کرتی ہے اس لیے حکم بھی اول والا ہوگا۔ (کذافی حاشیۃ عبدالحکم) اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مُصنّف نے امام سیبویہ کا مذہب قبول کیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ حکم تاکید لفظی اور معنوی دونوں کا ہے۔

سوال آپ کا دعویٰ اختصار کا ہے تو یہ عبارت آپ کو یوں کہہ دینی چاہیے تھی کہ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ۔

جواب اگر مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کہہ دیا جاتا تو پھر شرط تو بیان ہو جاتی۔ لیکن اس شرط میں مسئلہ تو بیان نہ ہو جاتا اور ہماری اس عبارت میں سے اَلْمُمْتَنِعُ دُخُوْلُ (باء) عَلَيْهِ اس میں شرط بھی بیان ہو گئی اور مسئلہ بھی بیان ہو گیا کہ معرف باللام پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ امثلہ: منادیٰ مفرد مبنی علیٰ ما یُرفع کا تابع تاکیدِ معنوی ہو۔ اس کی مثال: یَا تَيْمُ اَجْمَعُوْنَ اور یَا تَيْمُ اَجْمَعِيْنَ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ دوسری مثال کہ اس کا تابع صفت ہو۔ جیسے یَا زَيْدُ نِ الْعَاقِلُ و الْعَاقِلَ تیسری مثال کہ منادیٰ مفرد کا تابع عطفِ بیان ہو۔ جیسے: یَا غُلَامُ بِشْرٌ اور بِشْرًا چوتھی مثال کہ منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع معطوف بالحرف ہو' ایسا جس پر حرف ندا کا داخل کرنا ممتنع ہو۔ جیسے: یَا زَيْدُ وَ

اَلْحَارِثُ اور یَا زَیْدُ وَالْحَارِثَ۔

سوال مصنفؒ نے چار توابع میں سے ایک کی مثال بیان کیوں فرمائی ہے۔

جواب اختصار کے پیشِ نظر ایک ہی مثال بیان فرمائی ہے۔

سوال صاحبِ کافیہ نے صرف صفت کی مثال پر اکتفاء کیا ہے۔ صفت کی مثال کا انتخاب کیوں کیا؟۔

جواب امام اصمعیؒ پر رد مقصود ہے کہ ان کے نزدیک منادیٰ مبنی کے توابع مفردہ میں سے صفت ہو ہی نہیں سکتی تو مصنفؒ نے تابع متنازع فیہ کی مثال کو بیان کر کے امام اصمعیؒ پر اہتمام سے رد کر دیا۔

سوال منادیٰ مبنی کا تابع ہو تو ہمیشہ محل کا تابع ہوتا ہے۔ لفظ کے تابع تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تو تمہارا یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ: تُرْفَعُ عَلٰی لَفْظِہٖ وَتُنْصَبُ عَلٰی مَحَلِّہٖ۔

جواب یہ حکم بناء اصلی کا ہے۔ یعنی مبنی بینا اصل کا تابع ہمیشہ محل ہی کا تابع ہوتا ہے۔ اور یہاں پر مبنی ببنا عارضی کا حکم بتانا مقصود ہے کہ منادیٰ مبنی ببنا عارضی کہ یہ جس طرح محل کے تابع ہوتا ہے ایسے ہی لفظ کے تابع بھی ہوتا ہے۔ جیسے پہلے بتا دیا ہے۔

فائدہ بعض کے نزدیک منادیٰ نہ کسی کی صفت واقع ہوتا ہے اور نہ اس کی صفت لائی جا سکتی ہے۔ ان مذہب والوں کی دلیل یہ ہے کہ منادیٰ کاف ضمیر کی جگہ پر واقع ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ اَلضَّمِیْرُ لَا یُوْصَفُ وَلَا یُوْصَفُ بِہٖ اور نہ ضمیر کی صفت لائی جا سکتی ہے۔ اور نہ ضمیر خود صفت واقع ہو سکتی ہے۔ یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ لہٰذا منادیٰ بھی ضمیر کی جگہ واقع ہونے کی وجہ سے نہ اس کی صفت لائی جا سکتی ہے اور نہ یہ خود صفت واقع ہو سکتا ہے۔

جواب ۱ منادیٰ ضمیر کی جگہ پر واقع ہوتا ہے۔ لیکن اس کا قائم مقام نہیں ہوتا۔ اگر قائم مقام ہوتا تو ضمیر کے تمام احکام اس پر جاری ہوتے۔ کیونکہ ضمیر کے قائم مقام نہیں بلکہ اس کی جگہ پر واقع ہے۔ اس لیے تمام احکام ضمیر پر جاری نہیں ہو سکتے۔

جواب ۲ منادیٰ اگرچہ ضمیر کی جگہ پر واقع ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسم ظاہر ہے۔ اور اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کی صفت لائی جا سکتی ہے۔

قولہ وَالْخَلِیْلُ فِی الْمَعْطُوْفِ یَخْتَارُ الرَّفْعَ وَ اَبُوْ عَمْرٍو النَّصْبَ وَ اَبُوالْعَبَّاسِ اِنْ کَانَ کَالْحَسَنِ فَکَالْخَلِیْلِ وَاِلَّا فَکَاَبِیْ عَمْرٍو۔ اس عبارت سے مصنفؒ امام خلیل اور قاری ابو عمرو سوسیؒ کے درمیان ایک اختلاف کو بیان فرما رہے ہیں۔ اور یاد رکھیں کہ یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کے

بارے میں نہیں۔ بلکہ اختیار اور عدمِ اختیار کے بارے میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ معطوف مذکور یعنی معرف باللام میں اختلاف ہے کہ رفع پڑھنا بہتر ہے یا نصب۔ امام خلیل کا مذہب، ہے کہ رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ **پہلی دلیل** یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ اگرچہ منادیٰ مستقل تو نہیں لیکن مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے۔ اور جب منادیٰ مستقل کے حکم میں ہوا تو چاہیے یہ تھا کہ اس پر منادیٰ والے احکام جاری ہوں۔ اور منادیٰ مفرد معرفہ کا حکم یہ تھا کہ وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ اس لیے، اس کو مبنی علی الضم پڑھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ معرف باللام ہونے کی وجہ سے مستقل منادیٰ نہیں بن سکا اس لیے مبنی علی الضم نہیں پڑھیں گے۔ البتہ مرفوع پڑھنا بہتر ہے۔ ابو عمرو کا مذہب یہ ہے کہ نصب پڑھنا اولیٰ ہے۔ **دوسری دلیل** یہ ہے کہ معرف باللام ہونے کی وجہ سے منادیٰ مستقل بن سکتا ہی نہیں۔ جب منادیٰ مستقل ہونے کی حَیثیت ختم ہو چکی ہے تو لامحالہ تابع ہونے کی حَیثیت ہی باقی ہے۔ اور منادیٰ مبنی کا تابع محل کا تابع ہوتا ہے۔ اور محل چونکہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اس لیے اس پر نصب پڑھنا اولیٰ ہے۔ ابو العباس مبرد نے ان دونوں کے درمیان محاکمہ کیا ہے کہ اگر معطوف معرف باللام اَلْحَسَنُ کی طرح ہے۔ یعنی اس سے الف لام جدا ہو سکتا ہے۔ تو پھر خلیل کا مذہب مُختار ہے۔ یعنی رفع پڑھنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ جب اس کا الف لام حذف کیا جا سکتا ہے تو ہم ذہن میں یہ خیال کر لیں گے کہ بھائی گویا کہ الف لام اس پر داخل نہیں۔ اور یہ منادیٰ مستقل کا حکم رکھتا ہے۔ اس لیے اسے مرفوع پڑھیں گے اور اگر یہ معطوف معرف باللام اَلْحَسَنُ کی طرح نہ ہو، یعنی اس کا الف لام حذف نہ کیا جا سکتا ہو تو پھر ابو عمرو کا مذہب مُختار ہے۔ کیونکہ جب الف لام حذف ہی نہیں ہو سکتا تو اس کے اندر منادیٰ مستقل ہونے کی حَیثیت بالکل مفقود ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ منادیٰ کے تابع ہونے کی حَیثیت سے اس پر نصب پڑھنا مُختار ہوگا۔

فائدہ امام خلیل کی وجہِ اولیت بنظرِ معنی ہے۔ اور ابو عمرو کی بنظرِ لفظ ہے۔ لہٰذا رفع اور نصب میں سے ہر ایک کا اولیٰ اور غیر اولیٰ دونوں ہونا ایک جہت سے لازم نہ آیا۔

فائدہ عَلَم پر دخولِ لام اور نزعِ لام کے بارے میں ضوابط۔

ضابطہ اگر عَلَم الف لام کے ساتھ وضع نہیں کیا گیا تو اس پر الف لام کا دخول صحیح ہے۔ اور نزع بھی صحیح ہے۔ بشرطیکہ وہ عَلَم اصل وضع میں صفت ہو۔ جیسے: حَسَنٌ یا مصدر ہو۔ جیسے: فَضْلٌ اس کو اَلْحَسَنُ، اَلْفَضْلُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسے عَلَم پر الف لام کا دخول بقصدِ تعریف نہیں ہوتا۔

کیونکہ وہ تو وضعِ عَلَمی کی وجہ سے پہلے سے حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن یاد رکھیں یہ قاعدہ کُلّی نہیں۔ جیسے مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کا یہ عَلَم جس کو اَلْمُحَمَّدُ پڑھنا' اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عَلَم جس کو اَلْعَلِیُّ پڑھنا باوجود اس کے کہ یہ اصل وضع کے اعتبار سے صفت ہے۔ لیکن الف لام کا دخول ان پر جائز نہیں۔

ضابطہ وہ عَلَم جو باعتبار اصل وضع کے معنی کُلّی کے لیے موضوع ہوں جن سے مدح یا ذم اس بنا پر مقصود ہو کہ وہ معنی کُلّی کسی صفتِ مدح یا صفتِ ذم کے ساتھ مشہور ہے' جیسے: اَسَدٌ اور کَلْبٌ ان دونوں پر الف لام کا دخول اور نزع صحیح ہے۔

ضابطہ اگر عَلَم کی وضع الف لام کے ساتھ ہے تو اس سے الف لام کا نزع ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ الف لام عَلَم کی جزء بن چکا ہے۔

سوال ابو عمرو کا عطف ہے الخلیل پر۔ اور اَلْخَلِیْلُ کا عامل معنوی رافع ہے۔ اور النصب کا عطف الرفع پر ہے۔ جس میں عامل یَخْتَارُ ہے۔ تو عاملین مختلفین کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے عطف کے لیے معمول مجرور کا مقدم ہونا ضروری ہے۔ جو کہ یہاں بالکل منتفی ہے۔ فکیف یصح العطف۔

جواب ابو عمرو مُبتدا ہے۔ جس کی خبر یختار محذوف ہے۔ لہٰذا یہ عطف الجملة علی الجملة کے قبیل سے' نہ کہ عطف المفرد علی المفرد کے قبیل سے ہے۔

قولہ وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ' وَالْمُضَافَةُ کا عطف ہے اَلْمُفْرَدَةُ پر' تو منادیٰ مفرد معرفہ کے ان چار توابع کے حکم کا بیان ہے' جب کہ ان کے توابع مضاف ہوں' پہلے مفرد کا بیان تھا' اب ان چار توابع کا بیان ہے۔ جب کہ مضاف ہوں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان پر نصب پڑھنا واجب ہے۔

دلیل اگر یہ توابع خود مضاف ہوتے تو ان پر نصب پڑھنا واجب تھا۔ لہٰذا جب یہ توابع ہو کر مضاف ہیں تو ان پر نصب پڑھنا بطریقِ اولیٰ واجب ہوگا۔ اس لیے کہ منادیٰ مستقل ہونے کی صورت میں تو علتِ بنا موجود تھی' اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہ تھی۔ اور تابع ہونے کی صورت میں وہ ضعیف بھی باقی نہ رہی۔ لہٰذا ان کا نصب بطریقِ اولیٰ واجب ہوگا۔ مثالیں: ❶ منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع تاکید معنوی مضاف ہو' جیسے: یَا تَیْمُ کُلُّھُمْ ❷ تابع صفت مضاف ہو' جیسے: یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ ❸ تابع عطفِ بیان مضاف ہو' جیسے: یَا رَجُلُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ یاد رکھیں چوتھی قسم تابع معرف باللام مضاف کی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ معرف باللام واقع نہیں ہو سکتا۔

سوال منادیٰ مفرد معرفہ کے توابع مضاف باضافتِ لفظیہ ان کا حکم فقط نصب نہیں۔ بلکہ حکم سابق جواز الوجہین ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا ہے کہ اس کا یہاں پر مضاف سے مراد مضاف باضافۃ حقیقیہ ہے۔ اور جس پر قرینہ یہ ہے کہ ماقبل میں مضاف باضافۃ لفظیہ کا حکم بیان ہو چکا ہے۔ کیونکہ ماقبل میں لفظ اَلْمُفْرَدَۃُ میں تعمیم مراد تھی۔ خواہ مفردہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔ یعنی مضاف بہ اضافۃ لفظیہ ہو۔

سوال مجرورات میں الف لام تعریف کا ذکر آئے گا کہ اس کا دخول مضاف باضافۃ معنویہ پر ممتنع ہے۔ اور معطوف پر الف لام زائد بھی آتا ہے۔ جیسے الحسن میں۔ یہ برائے تعریف نہیں (تکملہ) اس واسطے المعطوف بحرف میں معرف باللام نہیں کہا۔ بلکہ وہ معطوف جس پر الف لام داخل ہو، تاکہ دونوں کو شامل ہو۔

سوال پس اگر معطوف پر الف لام زائد ہو تو اس کو مضاف باضافۃ معنویہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب چونکہ الف لام زائد صورۃً الف لام تعریف کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بھی حکمِ امتناع دے دیا گیا۔

قولہ وَ الْبَدَلُ وَ الْمَعْطُوْفُ غَیْرَ مَا ذُکِرَ حُکْمُہٗ حُکْمُ الْمُسْتَقِلِ مُطْلَقًا اس عبارت میں مُصنفؒ منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع بدل اور معطوف معرف باللام کا حکم بتانا چاہتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع بدل واقع ہو عام ہے کہ بدل الکل یا بدل البعض ہو یا بدل الاشتمال ہو یا بدل الغلط ہو۔ اور اسی طرح جس وقت منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع ایسا معطوف بالحرف ہو جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز ہو تو ان دونوں توابع کا یعنی بدل اور معطوف بالحرف کا حکم منادیٰ مستقل کی طرح ہے۔ مُطلقاً سے مراد یہ ہے کہ جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم پڑھا جاتا ہے اسی طرح اگر بدل اور معطوف بالحرف مفرد معرفہ ہوں تو یہ بھی مبنی علی الضم پڑھے جائیں گے۔ اور جس طرح منادیٰ مضاف یا شبہ مضاف یا منادیٰ نکرہ غیر معین یہ تینوں منصوب پڑھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر بدل یا معطوف مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو یا نکرہ غیر معین ہو تو یہ بھی منصوب پڑھے جائیں گے۔

دلیل بدل اور معطوف بالحرف کے اعراب کا حکم منادیٰ مستقل کے حکم کی طرح کیوں ہے۔ اس لیے کہ جس طرح منادیٰ مستقل مقصود بالندا ہوتا ہے اسی طرح بدل بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور

مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح معطوف اور معطوف علیہ کے حکم کے اندر دونوں مستقل اور مقصود ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب بدل اور معطوف دونوں مستقل ہو گئے تو اسی وجہ سے ان کا حکم منادیٰ مستقل کی طرح ہے۔

سوال صاحبِ کافیہ نے مطلقاً بدل کو منادیٰ مستقل کے حکم میں قرار دیا ہے۔ خواہ اس پر الف لام داخل ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ بصورتِ دخول الف لام اس کا بحکمِ منادیٰ مستقل ہونا درست نہیں جیسے معطوف کا۔ پھر اس کی تقیید عدمِ دخول الف لام کے ساتھ کیوں نہ فرمائی؟۔

جواب اس لیے کہ منادیٰ سے ذی لام بدل آتا ہی نہیں۔ جیسے نکرہ مقصودہ اور اسم اشارہ منادیٰ سے بدل واقع نہیں ہوتا۔ ذی لام کے بدل نہ آنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ بدل بحکمِ تکریرِ عامل ہوتا ہے۔ اور عامل یہاں پر حرفِ ندا ہے۔ اور وہ ذی لام پر داخل نہیں ہوتا۔

سوال معطوف مذکور کی بناء واجب ہے' جب کہ مفرد معرفہ ہو۔ بخلاف لائے نفی جنس کے اسم کے معطوف مفرد کے کہ اس کا مبنی ہونا جائز نہیں۔ تو وجہ فرق کیا ہے؟۔

جواب منادیٰ کے معطوف مذکور کی بناء مبنی ہونا اس لیے واجب ہے کہ وہ منادیٰ مستقل کے حکم میں ہے۔ (کمامر) اور اسمِ لائے نفی جنس کے معطوف مذکور میں شروطِ بناء مفقود ہیں۔ اس لیے حذفِ بنا جائز نہیں۔ (كما سيأتي في بحثه ان شاء الله تعالىٰ)

قولہ وَالْعَلَمُ الْمَوْصُوْفُ بِابْنٍ اَوِ ابْنَةٍ مضافاً اِلىٰ عَلَمٍ اٰخَر يُخْتَارُ فَتْحُهٗ۔ اس عبارت سے چند مسائل ماسبق سے بطورِ استثناء کے بیان کیے جا رہے ہیں۔ یا یوں کہو کہ سوال مقدر کا جواب واقع ہو رہا ہے۔

سوال آپ نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ جب منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم پڑھا جائے گا۔ ہم آپ کو مثال دکھاتے ہیں کہ جس پر ضمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور فتحہ بھی' اور فتحہ پڑھنا مختار ہے۔ جیسے: یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو اس کو یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو پڑھنا بھی جائز ہے۔ تو آپ کا قاعدہ درست نہ ہوا۔

جواب یہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ جب منادیٰ مفرد معرفہ موصوف ہو جس کی صفت لفظ اِبْنٌ و اِبْنَةٌ ہو۔ اور وہ مضاف ہو لفظ اِبْنٌ و اِبْنَةٌ دوسرے عَلَم کی طرف تو ایسے منادیٰ مفرد معرفہ پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ اسی قاعدہ کی بنا پر۔ اور فتحہ پڑھنا اولیٰ اور مختار ہے یعنی تابع کا لحاظ کرتے ہوئے۔

دلیل: ایسا منادیٰ جو ان مذکورہ شرطوں سے مقصود ہے وہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرۃ استعمال مقتضی

ہے خفت کا اور خفت فتحہ میں ہے کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اس لیے اس پر فتحہ پڑھنا مختار ہے۔ یاد رکھیں اس کے لیے تین شرطیں ہونگی۔ ❶ منادی مفرد معرفہ علم ہو کر موصوف ہو۔ ❷ جس کی صفت ابن وابنہ ہو۔ ❸ وہ لفظ ابن وابنہ دوسرے عَلَم کی طرف مضاف ہوں۔

قولہ وَاِذَا نُوْدِیَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ قِیْلَ یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ وَیَا هٰذَا الرَّجُلُ وَیَا اَیُّهٰذَ الرَّجُلُ

یہ مسئلہ بھی بطور استثناء کے واقع ہے سوال مقدر کا جواب ہی سمجھو۔

سوال آپ نے ضابطہ بتا دیا کہ ماقبل میں معرف باللام پر حرف نداء کا داخل ہونا جائز نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے: یَا اَیُّهَا النَّاسُ، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اسی طرح کلامِ عرب میں یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ، یَا هٰذَا الرَّجُلُ ان میں حرف نداء داخل ہے۔

جواب قاعدہ یہی ہے کہ معرف باللام پر حرف نداء کا داخل ہونا منع ہے۔ لیکن جب کسی جگہ ضرورت ہو تو درمیان میں کسی اسم مُبہم کا فاصلہ کر دیا جائے تب معرف باللام پر حرف نداء کا داخل کرنا جائز ہے۔ اور فاصلے کے لیے اسمائے مبہمات میں سے تین الفاظ منتخب کیے گئے ہیں۔

❶ اَیُّ ❷ بمع ھا تنبیہ کے اور ھذا ❸ دونوں کو ملا کر اَیُّهٰذَا۔

سوال آپ نے کہا اِذَا نُوْدِیَ جب کہ نداء کیا گیا ہو جب پہلے نداء کیا جا چکا ہو گا تو معرف باللام کو بعد میں اَیُّهٰذَا لانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟

جواب اِذَا نُوْدِیَ سے مجاز بالمشارفت کے ماتحت معنی مراد لیں گے۔ اِذَا اُرِیْدَ بِالنِّدَاءِ جب نداء کا ارادہ کیا جائے۔

سوال اِذَا حرف شرط ہے۔ نُوْدِیَ یہ شرط ہے۔ اور قِیْلَ یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ جزا ہے قانون یہ ہے کہ جزا شرط پر مُنطبق ہوا کرتی ہے۔ کہ جب شرط ہوگی تو جزا ضرور ہوگی حالانکہ یہاں پر جزا شرط پر مُنطبق نہیں کیونکہ ضروری نہیں کہ جہاں منادیٰ معرف باللام پر دخول حرف نداء ہوگا تو اس جگہ یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ والی مثال ہی آئے گی اس عبارت کو جزاء بنانا غلط ہے۔

جواب اس عبارت میں قِیْلَ کے بعد یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ سے پہلے لفظ محذوف ہے مَثَلًا مثلاً تو یہ مثال بطور تمثیل کے دی گئی ہے۔ نہ یہ مثال دوامی ہے۔

سوال معرف باللام کی نداء کے لیے ان فاصلے اور وسیلے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب تا کہ دو آلہ تعریف کا اجتماع بدون فاصلہ نہ آئے جو کہ جائز نہیں باقی رہی وجہ عدم جواز کیا ہے اس کا اصل یہ ہے کہ حرف نداء آلہ تعریف ہے اور الف لام بھی جب ایک نے

تعریف کا فائدہ دے دیا تو دوسرے کی ضرورت ہی نہ رہی۔

سوال جس منادیٰ پر الف لام زائد ہو، جیسے: الحسن کہ اس کی ندار کے لیے فاصلے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ اس کے لیے بھی فاصلہ لانا ضروری قرار دیا ہے؟

جواب کیونکہ الف لام زائد الف لام تعریف کی صورت مشابہ ہے اسی وجہ سے اسے بھی یہی الف لام تعریف کا حکم دے دیا گیا۔

سوال معرفہ قبل از ندار پر بھی حرف ندار کا داخلہ بغیر فاصلے کے درست نہیں ہونا چاہیے حالانکہ داخل ہو جاتا ہے۔ جیسے: یَا عُمَرُ

جواب دو تعریف کا اجتماع باطل نہیں دو آکہ تعریف کا اجتماع باطل ہے۔

قولہ وَالْتَزَمُوْا رَفْعَ الرَّجُلِ لِاَنَّهُ الْمَقْصُوْدُ بِالنِّدَاءِ اس عبارت میں بھی ماسبق سے بطور استثنار اور سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال ماقبل میں آپ نے یہ ضابطہ بتایا ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ کا تابع صفت مفرد ہو تو اس کا حکم تُرْفَعُ عَلٰی لَفْظِهٖ وَتُنْصَبُ عَلٰی مَحَلِّهٖ لیکن یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ میں اَلرَّجُلُ تابع صفت مفرد ہے اس پر رفع پڑھنا واجب ہے نصب سرے سے جائز ہی نہیں۔

جواب یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ میں الرَّجُلُ باعتبار حقیقت کے منادیٰ ہے کیونکہ یہی مقصود بالندار ہے اور اَیُّهَا یہ تو فاصلہ کے لیے لایا گیا ہے۔ البتہ چونکہ یہ منادیٰ مستقل نہیں اس لیے مرفوع ہو کر معرب ہے مبنی بر ضم نہیں ہے۔

سوال جب یہ معرب باللام مقصود بالندار ہوا تو اس کو صفت کی بجائے بدل قرار دے کر مبنی بر ضم کہنا چاہیے کیونکہ اب اس پر بدل کی تعریف صادق آتی ہے وہ بھی مقصود بالندا ہوتا ہے اور مبدل منہ وسلیہ اور تمہید ہوتی ہے۔

جواب معرف باللام کو بدو وجہ بدل قرار نہیں دے سکتے اولاً اس لیے دونوں باعتبار حقیقت مقصود بالندار ہونے میں اگرچہ متساوی الاقدام ہیں مگر باعتبار ذکر لفظی دونوں میں تغایر ہے کہ ذکر میں بدل مقصود ہوتا ہے نہ معرف باللام کہ اس کو اسم مُبہم مذکور کے ابہام کی توضیح کے لیے لاتے ہیں تو یہ وہ صفت ہے جو معنی فی المتبوع پر دلالت کیا کرتی ہے۔ اور وہ مقام ندار میں باعتبار ذکر طبعاً مذکور ہوتی ہے نہ قصداً مقصود بالندار ذکر میں اس کا موصوف ہوا کرتا ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ بدل قرار دینے سے دو آکہ تعریف کا اجتماع لازم آئے گا کیونکہ بدل تکریر عامل

کے حکم میں ہوتا ہے۔ کمامر۔

قولہ وَتَوَابِعِهٖ لِاَنَّهَا تَوَابِعُ مُعْرَبٍ۔ اس عبارت میں بھی بطور استثناء ماسبق سے ایک مسئلہ کا بیان ہے۔

سوال آپ نے یا ایھا الرجل العالم میں بتایا ہے کہ الرجل منادیٰ ہے لہٰذا اس کی العالم جو صفت ہے اس پر پہلے ضابطہ کے بناپر دو اعراب جائز ہونے چاہیں۔ تُرْفَعُ عَلٰی لَفْظِهٖ وَ تُنْصَبُ عَلٰی مَحَلِّهٖ حالانکہ یا ایھا الرجل العالم کی ترکیب میں رفع ہی متعین ہے؟

جواب ٹھیک ہے کہ العالم الرجل کے تابع ہے لیکن الرجل یہ منادیٰ معرب ہے اور وہ جو ہم نے حکم بیان کیا تھا تُرْفَعُ عَلٰی لفظہ و تُنْصَبُ علی مَحَلِّهٖ وہ منادیٰ مبنی کے تابع کے لیے بیان کیا تھا۔

قولہ وَقَالُوْا یَا اللّٰهُ خَاصَّةً اس عبارت میں بھی ایک مسئلہ کا ماسبق سے بطور استثناء کے بیان کیا گیا ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ نے قاعدہ بتایا ہے ماقبل میں کہ معرف باللام پر حرف ندا کا داخل ہونا جائز نہیں ہم آپ کو ایک مثال دیکھاتے ہیں جس میں معرف باللام پر حرف ندا م بلاواسطہ براہ راست داخل ہے۔ جیسے: یَا اللّٰهُ

جواب یہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور یہ ایک اور قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ مقام کہ جس جگہ الف لام عوضی بھی ہو اور کلمہ کو لازم بھی ہو تو اس کلمہ پر حرف ندا م کا بلاواسطہ داخل کرنا جائز ہے۔ جیسے: یَا اللّٰهُ یہاں الف لام عوضی بھی ہے اور لازمی بھی ہے۔

سوال جب یا اللہ قاعدہ پر مبنی ہے تو قاعدہ کلیہ ہوتا ہے لہٰذا اس طرح کی اور مثالوں پر بھی حرف ندا م کا داخل ہونا چاہیے۔

جواب یہ قاعدہ صرف فرد واحد یعنی لفظ اللہ ہی پر صادق آتا تھا۔ اور اسی میں منحصر تھا اسی وجہ سے تو صاحب کافیہ نے خَاصَّةً کے لفظ سے اشارہ کر دیا۔

سوال اگر یا اللہ پر بھی ای اور ھذا کا فاصلہ لاتے تو انہیں کیا حرج تھا؟

جواب شریعت نے اس قسم کے الفاظ مثلاً: ھذا، ای ھذا کے داخل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

سوال کیوں اجازت نہیں دی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اَیُّ تعدد کے لیے آتا ہے اور ھذا اسم اشارہ یہ اشارہ حسیہ کے لیے آتا ہے اور ھَا

تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ اور یاد رکھیں لفظ اللہ پر ایٌ داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کی ذات تعدد سے پاک ہے۔ اسی طرح ھذا بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اشارہ حسیہ سے بھی پاک ہے۔ اور ھَا تنبیہ بھی داخل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ رب العزت کو تنبیہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ تنبیہ تو غافل کو کی جاتی ہے۔

سوال آپ نے کہا کہ اللہ پاک اشارہ حسیہ سے پاک ہے ہم تمھیں دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ کی طرف اشارہ حسیہ کیا گیا ہے۔ جیسے: ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ۔

جواب اللہ تعالیٰ اپنے آثار قدرت کی وجہ سے واضح ہے تو اس شدتِ وضوح اور فرطِ ظہور کی وجہ سے اس کو محسوس اور مُبصَر فرض کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا ہے۔

سوال جیسے آپ نے یہ تاویل ذالکم اللہ ربکم میں کی ہے یہی تاویل ھذا یہاں داخل کر کے کر دیتے؟

جواب ہم نے لفظ اللہ پر ایک قاعدہ کو توڑا ہے کہ معرف باللام پر براہ راست حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا چند وجوہ کی بنا پر ہم دوسرے قاعدہ کو بھی یعنی اللہ کی طرف اشارہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس دوسرے قاعدے کو نہیں توڑنا چاہتے۔

تحقیق مقام: لفظ اللہ سے صرف یہی خصوصیت مُتعلق نہیں۔ جیسے مُصنفؒ نے بیان کیا بلکہ جس طرح ذات ذو الجلال والاکرام، خالق الکونین والانام، مسخر الشمس والقمر، مبداء الجن و البشر، مدبر الامور مالك یوم النشور جمیع صفات کمالیہ اور خصوصیاتِ باہرہ کو جامع ہے اسی طرح لفظ اللہ جو ذات رب القدوس حاکم علی کل رؤس پر دال ہے یہ بھی خصوصیاتِ عظمیٰ اور مُستثنیات علیا پر مشتمل ہے۔ ہم اپنے ذہن نارسا اور اپنے پر خطاء اور بساط حقیر اور سعی کثیر کے موافق چند ایک خصوصیات عرض کرتے ہیں۔ ❶ باوجودیکہ لفظ اللہ معرف باللام ہے لیکن اس پر براہ راست حرف ندا داخل ہو جاتا ہے۔ اسی کو مُصنف نے و قالو یا اللہ خاصةً سے بیان کیا ہے۔

تحقیق خصوصیت: یہ خصوصیت اس لیے کہ لفظ "یا" ہر ایسے معرف باللام پر داخل ہو سکتا ہے جس پر داخل ہونے والا الف لام عوضی اور لازمی ہو اگر لازمی نہیں جب بھی "یا" حرف ندا براہ راست داخل نہیں ہوگا۔ جیسے: الناس ہے۔ یا الناس نہیں کہہ سکتے، اگر عوضی نہیں تب بھی براہ راست حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسے: النجم و المحق کو یا الساق،

یاالنجم نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ لفظ اللّٰہ ہی ایک ایسا کلمہ ہے جس کا الف لام عوضی اور لازمی ہے اس لیے صرف اسی پر حرف ندار داخل ہوگا تو اس شرط تحقیق کی وجہ سے لفظ اللّٰہ پر "یَا" کا داخل ہونا لفظ اللّٰہ کی خصوصیت ٹھہرا۔

سوال حرف ندار کا براہ راست لفظ اللّٰہ پر داخل ہونا یہ خصوصیت ہماری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کے خلاف دو شعر ہیں۔

فیا الغلامان اللذان فـالـراء
ایـاکـما ان تکسبا شرا
من اجلك یا التی تیمت قلبی
و انت بخیلة بـالوصل عنی

جواب حرف ندا کے داخل ہونے کی شرط قطعی ہے جو بیان ہو چکی ہے پیش کردہ شعر خلاف قاعدہ و قیاس ہے۔

خصوصیت اول: پہلے شعر میں لفظ الغلامان پر الف لام کا داخل ہونا شاذ ہے کیونکہ یہ الف لام کلمہ کو لازم ہے مگر عوضی نہیں ہے۔ دوسرے شعر میں لفظ التی پر الف لام اشذ الشذوذ کے قبیل سے ہے۔

خصوصیت دوم: کہ لفظ اللّٰہ پر حرفِ ندار میں سے فقط "یَا" داخل ہوسکتا ہے۔

خصوصیت سوم: باوجودیکہ لفظ اللّٰہ کا ہمزہ وصلی ہے جس کا درج کلام میں حذف ہونا ضروری ہے لیکن باب ندار میں یہ ہمزہ قطعی ہے اور حذف نہیں ہوسکتا۔ اس کا **خلاصہ** یہ ہے کہ مقام ندار میں ہمزہ قطعی سمجھ کر حذف نہیں کیا جائے گا اور غیر مقام ندار میں غیر منادیٰ مین ہمزہ کو وصلی سمجھ کر حذف کیا جائے گا۔

خصوصیت چہارم: اس میں یہ بھی جائز ہے کہ "یَا" حرف ندا۔ کو حذف کردیا جائے اور اس کے عوض میں میم مشدد آخر میں لاحق کردیا جائے۔ جیسے: اَللّٰهُمَّ پڑھا جاتا ہے۔

قوله وَلَكَ فِيْ مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ الضَّمُّ وَالنَّصْبُ یہ بھی بطور استثنار کے ماقبل سے ایک مسئلے کا بیان، اور سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ ماقبل میں منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہوتا ہے ہم

دکھاتے ہیں کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے لیکن اس پر ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ جیسے: یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِیٍّ۔

جواب یہ مثال اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور اس کے لیے الگ قانون ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب منادیٰ مفرد معرفہ تکرار کے ساتھ واقع ہو اور اس منادیٰ کے بعد ایک اسم مضاف الیہ ہونے کے بنا پر مجرور ہو تو ایسے منادیٰ مفرد معرفہ پر ضمہ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس منادیٰ کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت میں یہ مفرد معرفہ اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے یہ منادیٰ مضاف ہے۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے ضمہ اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے نصب پڑھی جاسکتی ہے۔ جس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ مرفوع پڑھنا تو اس لیے کہ مفرد معرفہ ہے اور منصوب پڑھنا سیبویہ کے نزدیک اس لیے ہے کہ چونکہ حقیقت میں یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِیٍّ میں پہلا تَیْمُ مضاف ہے۔ عَدِیٰ کی طرف۔

سوال مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ آرہا ہے تیم ثانی کا جو کہ جائز نہیں۔

جواب یہ فاصلہ بالاجنبی نہیں جو کہ جائز ہے اور مبرد کے نزدیک منصوب اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ پہلا تیم عدی محذوف کی طرف مضاف ہے۔ جس وجہ سے منصوب ہے۔ دوسرے تیم عدی مذکور کی طرف مضاف ہے۔ تو یہ دو اعراب یاد رکھیں پہلے تَیْمُ میں ہیں۔ دوسرا تَیْمَ تمام مذاہب کے نزدیک بالاتفاق منصوب ہے۔

قولہ وَالْمُضَافُ اِلٰی یَاءِ الْمُتَکَلِّمِ یَجُوْزُ فِیْهِ یَا غُلَامِیْ وَیَا غُلَامِیَ وَیَا غُلَامِ وَیَا غُلَامَا اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان ہے کہ جب منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف تو ایسے منادیٰ کو چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ **پہلا طریقہ:** یاء مضاف الیہ کو ساکن پڑھا جائے۔ جیسے: یَا غُلَامِیْ۔ **دوسرا طریقہ:** یاء کو مفتوح پڑھا جائے۔ جیسے: یَا غُلَامِیَ۔ **تیسرا طریقہ:** یاء کو محذوف کر کے اس کے قائم مقام کسرہ کو باقی رکھا جائے۔ جیسے: یَا غُلَامِ **چوتھا طریقہ:** یاء کو الف سے بدل کر کے لکھ کر پڑھا جائے۔ جیسے: یَا غُلَامَا۔

سوال آپ نے یہ قاعدہ بتایا ہے ہم اس قاعدہ کے خلاف مثال دکھاتے ہیں۔ جیسے: یَا عَدُوِّیْ اس میں منادیٰ مضاف ہے۔ یاء ضمیر متکلم کی طرف لیکن اس کو وجوہ اربعہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں بلکہ صرف دو وجہ سے پڑھنا جائز ہے۔

جواب عرب والے جو تھے ان کے غلام زیادہ ہوا کرتے تھے ان کو کثرت سے پکارا جاتا تھا اور

کثرت خفت کا تقاضا کرتا ہے اور خفت اس میں ہے کہ جب منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف تو ان کو وجوہ اربعہ سے پڑھنا جائز ہے اور غلام کی بنسبت دشمن کو کم پکارا جاتا ہے اس لیے یہاں پر صرف دو وجہ پڑھنا جائز ہے۔ یاد رکھیں کہ وجوہ اربعہ میں سے وجہین اولین قاعدہ کی بنا پر ہے قاعدہ کے ماتحت ہے اور وجہین آخرین کثرت کے ماتحت ہیں۔ وَبِالْهَاءِ وَقْفًا غلای کے اندر وصل کی چار صورتیں جو ذکر ہو گئی ہیں اور وقف کی صورت میں پانچویں وجہ بھی جائز ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ چاروں صورتوں کے آخر میں وقف کرتے ہوئے ھا کو ملا دیا جائے۔ جیسے: یَا غُلَامِیَهْ، یَا غُلَامِیَهْ، یَا غُلَامِهْ، یَا غُلَامَاهْ۔

ترجمہ وَقَالُوا یَا اَبِیْ وَیَا اُمِّیْ وَیَا اَبَتِ وَیَا اُمَّتِ فَتْحًا وَکَسْرًا وَبِالْاَلِفِ دُوْنَ الْیَاءِ۔ اس میں بھی ایک قاعدہ کا بیان ہے کہ اگر لفظ اَبٌ یا لفظ اُمٌّ منادیٰ کی صورت میں مضاف ہو جائے یاء ضمیر کی طرف تو ان کو غلامی کی طرح چار وجوہ سے پڑھنا جائز ہے۔ یَا اَبِیْ، یَا اُمِّیْ، یَا اَبِیَ، یَا اُمِّیَ، یَا اَبِ، یَا اُمِّ، وَیَا اَبَا وَیَا اُمَّا۔ اور ان چاروں طریقوں کے علاوہ دوسرے چار طریقے بھی جائز ہیں ان چار طریقوں میں مضاف الیہ واقع ہونے والی یاء متکلم کو حذف کر کے تاء کو لگا دیا جائے اس تاء پر بھی فتحہ پڑھنا جائز ہے۔ جیسے: یَا اَبَتَ وَیَا اُمَّتَ فتحہ اس لیے پڑھنا جائز ہے تاکہ یہ فتحہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس میں منادیٰ مضاف واقع ہے۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ کسرہ پڑھا جائے۔ جیسے: یَا اَبَتِ وَیَا اُمَّتِ پھر کسرہ پڑھنا اس لیے جائز ہے تاکہ کسرہ دلالت کرے یا محذوف پر البتہ کسرہ کی صورت میں یاء پڑھنا جائز نہیں یوں نہیں کہہ سکتے یا ابت یا امت پھر تاء کے ساتھ یاء کو پڑھنا اس لیے ناجائز ہے کیونکہ یاء اصل ہے تاء اس کے قائم مقام اگر تاء کے ساتھ یاء کو پڑھا جائے تو پھر اصل اور قائم مقام دونوں اکٹھے ہو جائیں اور یہ بات صحیح نہیں اَبٌ اور اُمٌّ کا ساتواں طریقہ یہ ہے کہ تاء کے ساتھ الف کو پڑھا جائے۔ جیسے: یَا اَبَتَا، یَا اُمَّتَا آٹھواں طریقہ یہ ہے کہ الف کو حذف کر کے تاء پر فتحہ کو باقی رکھا جائے تاکہ دلالت کرے الف محذوفہ پر یَا اَبَتَ وَیَا اُمَّتَ ان آٹھ طریقوں کے ساتھ حالت وقف میں ھا ملانا بھی جائز ہے۔ پہلا طریقہ: یَا اَبِیَهْ وَیَا اُمِّیَهْ۔ دوسرا طریقہ: یَا اَبِیْ وَیَا اُمِّیْ۔ تیسرا طریقہ: یَا اَبِهْ وَیَا اُمِّهْ۔ چوتھا طریقہ: یَا اَبَاهْ وَیَا اُمَّاهْ۔ پانچواں طریقہ: یَا اَبَتَهْ وَیَا اُمَّتَهْ۔ چھٹا طریقہ: یَا اَبَتِهْ وَیَا اُمَّتِهْ۔ ساتواں طریقہ: یَا اَبَتَاهْ وَیَا اُمَّتَاهْ۔ آٹھواں طریقہ: یَا اَبَتَهْ وَیَا اُمَّتَهْ۔

جب لفظ اَبٌ یا اُمٌّ منادیٰ کی صورۃ میں یاء متکلم کی طرف مضاف ہو رہے ہوں تو پھر

اس لفظ اَبَ اور اُمَّ کو سولہ طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں میں تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔ آٹھ طریقے وصل کی صورۃ میں اور آٹھ طریقے وقف کی صورۃ میں۔

تنبیہ: حالت وصل میں پانچویں اور آٹھویں صورت اسی طرح حالتِ وقف میں پانچویں اور آٹھویں صورۃ کو وصل کے اعتبار سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ظاہری طور پر یہ پانچویں اور آٹھویں صورت دونوں ایک جیسی ہیں ان دونوں صورتوں کو ایک جیسا نہ سمجھنا چاہیے۔

سوال لفظ غلام جب منادیٰ کی صورۃ میں یاء متکلم کے طرف مضاف ہو تو اس کو چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے اور لفظ اَبَ اور اُمَّ کو آٹھ طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ اس میں وجہ فرق کیا ہے؟

جواب ماں باپ ہر آدمی کے ہوتے ہیں۔ ان کی نداء کثرت سے ہوتی ہے۔ اور غلام بعض کے ہوتے ہیں۔ اور بعض کے نہیں ہوتے۔ تو اس کا استعمال اس کی نسبت کم ہوتا ہے۔ تو کثرتِ استعمال کی وجہ سے اب اور ام کے اندر آٹھ طریقے اور غلام کے اندر چار طریقے جائز ہیں۔

قولہ وَقَالُوْا یَا اِبْنَ اُمِّ وَیَا ابْنَ عَمِّ۔ یہاں پر بھی ایک قاعدے کا بیان ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب لفظ ابن منادیٰ کی صورت میں مضاف ہو تو عم اور ام کی طرف پھر وہ لفظ عم اور ام ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد یا متکلم کی طرف مضاف ہو تو ایسی مثال کو پانچ طریقوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ خاص طور پر چار طریقے یا غلامی کی طرح ہیں۔ ❶ یَا ابنَ اُمِّیْ وَیَا ابنَ عَمِّیْ۔ ❷ یَا ابنَ اُمِّیَ وَیَا ابنَ عَمِّیَ ❸ یَا ابنَ اُمِّ وَیَا ابنَ عَمِّ ❹ یَا ابنَ اُمَّا وَیَا ابنَ عَمَّا ❺ الف کو حذف کر کے اس کے قائم مقام فتحہ کو باقی رکھا جائے۔ جیسے: یَا ابنَ اُمَّ وَیَا ابنَ عَمَّ اور یہ پانچواں طریقہ یا غلامی والی مثال میں ہرگز جائز نہیں تھا۔

فائدہ اگر لفظ ابن یا لفظ بنت منادیٰ کی صورت میں مضاف ہو رہے ہوں تو لفظ اُمِّ یا لفظ عَمِّ کی طرف۔ لفظ اُمِّ یا لفظ عَمِّ مضاف الیہ ہوں پھر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ایسی مثال کو پانچ طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ مثالیں ذکر ہو چکی ہیں۔ اور اگر لفظ ابن اور لفظ بنت منادیٰ کی صورت مضاف ہو جائیں لفظ ام اور لفظ عم کے علاوہ کسی اور لفظ کی طرف یعنی خال یا اخ تو لفظ ابن اور لفظ بنت کے مضاف الیہ واقع ہو رہے ہوں اور مابعد یا مُتکلم کی طرف مضاف ہو رہے ہوں تو اس قسم کی مثالوں کو یا غلام کی طرح چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ ❶ یَا ابنَ اَخِیْ وَیَا ابنَ خَالِیْ ❷ یَا ابنَ اَخِیَ وَیَا ابنَ خَالِیَ الخ

سوال یا غلامِ والی مثال کو چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے اور یا ابی اور یا امی والی مثال کو آٹھ طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ اور یا ابن ام اور یا ابن عم والی مثال کو پانچ طریقوں سے پڑھنا کیوں جائز ہے۔

جواب دشمن کی نسبت غلام زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے یا غلامی والی مثال کو چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ اور غلاموں کی بہ نسبت ماں باپ زیادہ ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کے ہوتے ہیں اس لیے یا اب اور یا ام والی مثال کو آٹھ طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ اور بھائی اور چچازاد بھائی کسی کا ہوتا ہے اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اس لیے یا ابن اخی اور یا ابن خالی والی مثال کو چار طریقوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

قولہ وَتَرْخِيمُ الْمُنَادىٰ جَائِزٌ وَفِي غَيْرِهٖ ضَرُوْرَةً اس عبارت میں مصنفؒ منادیٰ کی ایک خصوصیت بیان کررہے ہیں کہ منادیٰ میں ترخیم جائز ہے۔ اور غیر منادیٰ میں بھی ترخیم جائز لیکن ضرورت کی بنا پر۔ یہاں پر اصل میں چند درجات بیان ہوں گے۔ اس عبارت میں پہلا درجہ یعنی حکم بیان کیا جارہا ہے کہ منادیٰ میں ترخیم جائز ہے۔ آگے دوسرے درجہ میں تعریفِ ترخیم، تیسرے درجہ میں شرائطِ ترخیم، چوتھے درجہ میں مقدارِ ترخیم، پانچویں درجہ میں منادیٰ مرخم کا حکم۔ تو سب سے پہلے یہاں پر مصنفؒ نے پہلا درجہ بیان کیا ہے یعنی حکم۔

سوال آپ نے کہا ترخیم یہ منادیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ حالانکہ آپ ہی کی عبارت میں یہ بات ہے کہ منادیٰ کے غیر میں بھی ترخیم جائز ہے۔ تو یہ خصوصیات میں سے کیسے ہوا؟۔

جواب منادیٰ کی خصوصیت بایں طور ہے کہ ضرورت اور بلا ضرورت منادیٰ میں ترخیم جائز ہے۔ بخلاف غیر منادیٰ کے کہ وہاں ضرورت کی بنا پر ترخیم جائز ہے۔

سوال ہمیشہ سے دستور یہی چلا آرہا ہے مصنف کا، اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ اولاً شئے کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ ثانیاً اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن مصنفؒ نے یہاں پر اپنا اسلوب کیوں بدلا ہے کہ پہلے حکم بیان کیا، بعد میں ترخیم کی تعریف کریں گے۔

جواب یہاں پر چونکہ مقصود بالذات کا حکم بیان کرنا ہے، اس لیے حکم کو مقدم کردیا اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں تعریف بعد میں آتی ہے اور حکم مقدم موجود ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آیا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ یہ تعریف بعد میں وھو حذف فی آخرہٖ تخفیف اس درجۂ ثانیہ میں تعریفِ ترخیم کا بیان ہے۔ یاد

رکھیں اس تعریف میں شراح کے دو نظریے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ تعریف مُطلق ترخیم کی ہے' اس وقت اس کے آخر کی ضمیر کا مرجع مُطلق اسم بنائیں گے کہ ترخیم یعنی حذف کرنا اسم کے آخر میں محض تخفیف کے لیے ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ تعریف منادیٰ کے ترخیم کی ہے۔ اس وقت اٰخِرِہٖ کی ضمیر کا مرجع منادیٰ بنائیں گے۔ بہر کیف اس میں دونوں احتمال موجود ہیں۔ منادیٰ کی ترخیم یا مُطلق اسم کی ترخیم۔ اگر منادیٰ کی ترخیم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ترخیم منادیٰ کے آخر میں تخفیف کے لیے حذف کرنا ہوتا ہے تو اس وقت تخفیف اپنے حال پر ہوگی۔ اور مُطلق اسم کی تعریف کو اس پر قیاس کرلیا جائے۔ اور یہ تخفیفًا مفعول لہ ہے۔

سوال تخفیفًا کو جائز سے مفعول لہ بنانا درست نہیں۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ فعل مُعلّل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر جائز کا فاعل ترخیم منادیٰ ہے۔ اور تخفیفًا کا فاعل متکلم ہے۔

جواب تخفیفًا یہ ترخیم منادیٰ سے مفعول لہ ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ترخیم کا فاعل بھی متکلم اور تخفیف کا فاعل بھی متکلم ہے۔ لہٰذا اس کا مفعول لہ بننا درست ہے۔

سوال آپ کا دعویٰ ہے کہ مُصنّفؒ اختصار کے درپے ہیں' تو هُوَ حَذْفٌ فِیْ اٰخِرِہٖ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ بلکہ یوں کہہ دیتے هُوَ حَذْفُ اٰخِرِہٖ۔

جواب اگر حَذْفُ اٰخِرِہٖ کہہ دیا جاتا تو وہ منادیٰ مرخم نکل جاتا۔ جس کی ترخیم دو حرفوں پر ہوتی ہے۔ یعنی دو حرفوں کو حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے یَا مَنْصُوْرُ کو یَا مَنْصُ اس لیے یہ عبارت اختیار فرمائی ہے کہ وَهُوَ حَذْفٌ فِیْ اٰخِرِہٖ۔

فائدہ تخفیف سے ایک تقسیم کی طرف اشارہ ہوگا کہ اسم کے آخر میں جو حرف حذف ہوتا ہے بعض اوقات حذف بر علّتِ تخفیف ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات حذف بر علّتِ سماع ہوتا ہے۔ جس طرح یَدٌ اور دَمٌ میں' اور بعض اوقات حذف بر علّتِ تصریف ہوتا ہے۔ جس طرح دَاعٍ اور رَامٍ۔

قولہ وَشَرْطُهٗ اَنْ لَّا یَکُوْنَ مُضَافًا وَّلَا مُسْتَغَاثًا وَّلَا جُمْلَةً وَّیَکُوْنَ اِمَّا عَلَمًا زَائِدًا عَلٰی ثَلٰثَةِ

اَحْرُفٍ وَّ اِمَّا بِتَاءِ التَّانِیْثِ اس عبارت میں تیسرے درجے کا بیان ہے۔ **تیسرا درجہ شرائطِ ترخیم:** ترخیم کے لیے چھ شرطیں ہیں۔ جن میں سے پانچ عدمی ہیں اور ایک وجودی ہے۔ ❶ منادیٰ مضاف نہ ہو' احترازی مثال یَا اَمِیْنَ اللّٰهِ ❷ منادیٰ مُستغاث نہ ہو' اور منادیٰ مُستغاث سے عام ہے کہ مُستغاث بالالف' یا مُستغاث باللام ہو۔ احترازی مثال یَا زَیْدَاہ یا

لِزَیْدٍ۔ ❸ منادیٰ جملہ نہ ہو' جیسے: یَا تَأَبَّطَ شَرًّا، یَا شَابَ قَرْنَاهَا۔ ❹ منادیٰ شبہ مضاف نہ ہو' احترازی مثال یَا طَالِعًا جَبَلًا ❺ مندوب نہ ہو' احترازی مثال یَا وَیْلَتَا۔

سوال مُصنفؒ نے تو چار شرطیں بیان کی ہیں۔ عدمی کی تین شرطیں بیان کی ہیں۔ دو شرطیں بیان نہیں کیں۔ ❶ شبہ مضاف کو بیان نہیں کیا؟ ❷ مندوب کو بیان نہیں کیا۔

جواب مضاف میں تعمیم ہے۔ یہ مضاف حقیقی اور حکمی اور شبہ مضاف دونوں کو شامل ہے۔ اور مندوب کو اس لیے مُصنفؒ نے بیان نہیں کیا کہ مندوب منادیٰ میں داخل ہی نہیں۔ اب شرائط کے لیے تفصیل:

پہلی شرط یہ ہے کہ منادیٰ مضاف نہ ہو۔ اس لیے کہ منادیٰ مضاف ہو تو ترخیم کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ یا تو مضاف کے آخر میں ترخیم کی جائے۔ ❷ یا مضاف الیہ کے آخر میں۔ اور دونوں صورتیں غلط ہیں۔ اگر مضاف کے آخر میں ترخیم کی جائے تو مضاف کا آخر تو وسط کلمہ میں آچکا ہے۔ حالانکہ ترخیم تو آخر میں ہوتی ہے۔ اور اگر مضاف الیہ کے آخر میں ترخیم کی جائے تو یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ مقصود بالندار تو مضاف ہی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جب مقصود بالندار مضاف الیہ نہیں ہوتا تو اس کے آخر مین ترخیم کیسے ہو سکتی ہے؟۔ اس لیے شرط لگائی کہ منادیٰ مضاف نہ ہو۔

دوسری شرط: منادیٰ مُستغاث نہ ہو۔ یہ شرط اس لیے لگائی کہ مُستغاث کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ مُستغاث بالالف' ❷ مُستغاث باللام۔ مُستغاث بالالف یہ نہ ہو تو اس میں ترخیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ترخیم کی جائے تو الف کو حذف کرنا پڑے گا۔ تو پھر معلوم نہیں ہوگا کہ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے یا منادیٰ مُستغاث بالالف۔ اور نیز مقصود کے بھی خلاف ہے۔ اور منادیٰ مُستغاث باللام اس میں بھی ترخیم نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی شرط لگائی کہ اگر آخری حرف حذف کیا جائے یعنی ترخیم کی جائے تو لامِ استغاثہ کو جو اثر ہے جر والا وہ ختم ہو جائے گا۔ اب یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ لام مُستغاث کا ہے یا مُستغاث لہ کا ہے۔

تیسری شرط: منادیٰ جملہ نہ ہو۔ اس لیے کہ جملہ کی واقعہ خاصہ پر دلالت ہوتی ہے۔ جب اس میں ترخیم کردی جائے گی تو واقع خاصہ پر اس کی دلالت اور مقصد فوت ہو جائے گا۔ اس لیے اس میں ترخیم جائز نہیں۔

چوتھی شرط: شبہ مضاف نہ ہو۔ اس لیے دلیل وہی ہوگی جو مضاف نہ ہونے کی تھی۔

پانچویں شرط: مندوب نہ ہو۔ اس لیے کہ ترخیم مندوب میں ناممکن ہے۔ اس لیے ناممکن

ہے کہ اگر الف مدبہ ختم کیا جائے تو مقصد فوت ہو جائے گا۔

چھٹی شرط (وجودی): وہ یہ ہے کہ عَلَم ہو۔ کیونکہ اگر علم ہو تو تصرف سے محفوظ رہے گا۔ پھر اگر عَلَم ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ● زائد علی الثلاث ہو۔ اس کے آخر میں تائے تانیث ہو۔ زائد علی الثلاث کی شرط اس لیے لگائی کہ جب زائد علی الثلاث ہوگا تو ترخیم کے بعد بھی تین حرف باقی رہ جائیں گے۔ جس سے یہ بات لازم نہ آئے گی کہ اسم معرب کی بناء تین حرفوں سے کم پر ہے۔ کیونکہ حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ اسم معرب کی بناء تین حرفوں پر ہی ہو۔ تاکہ مبنی کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔ جس طرح یَا مَنْصُوْ میں یَا مَنْصُ پڑھنا جائز ہے۔ تائے تانیث کی شرط اس لیے لگائی کہ تائے تانیث ٹھیک ہے سکوت میں ہوتی ہے۔ تو ترخیم کی وجہ سے بڑی آسانی کے ساتھ حذف ہو جائے گی۔

سوال اگر کوئی ایسا کلمہ ہو جس سے تائے تانیث حذف کرنے کے بعد دو حرف باقی رہیں تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ اسم معرب کی بنا دو حرف پر ہے۔ اس کے لیے بھی زائد علی الثلاث کی شرط لگادیتے۔

جواب اگر کسی اسم سے تائے تانیث حذف کرنے سے یہ بات لازم آئے کہ اسم معرب کی بناء تین حرفوں سے کم پر ہے تو یہ بات ترخیم سے لازم نہیں آئے گی۔ بلکہ اس اسم معرب کی بناء ہی تین حرفوں پر ہوگی۔

متن فَاِنْ كَانَ فِيْ اٰخِرِهٖ زِيَادَتَانِ فِيْ حُكْمِ الْوَاحِدَةِ كَاَسْمَاءَ وَمَرْوَانَ اَوْ حَرْفٌ صَحِيْحٌ قَبْلَهٗ مَدَّةٌ وَهُوَ اَكْثَرُ مِنْ اَرْبَعَةِ اَحْرُفٍ حُذِفَتَا. مصنفؒ اس عبارت سے چوتھا درجہ مقدارِ ترخیم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی کُل تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کی دو صورتیں ہیں۔ ● کسی اسم کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہوں، جو کہ ایک ہی حرف زائد کے حکم میں ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں زائدہ حروف کو اکٹھے لایا گیا ہو۔ جس طرح اسماء، اور مروان ہیں۔ اسماء میں الف اور ھمزہ جب کہ فعلاء کے وزن پر ہو۔ اس کا اصل وِسماء بنایا جائے بنا بر مذہب سیبویہ۔ اور اگر اس کو افعال کے وزن پر بنایا جائے ● جمع بنائی جائے اسم کی تو پھر یہ فی ما نحن فیہ نہیں ہوگا۔ اور مروان کے آخر میں الف اور نون یہ دو حرف زائد اکٹھے لائے گئے ہیں۔ ● دوسری صورت کہ کسی اسم کے آخر میں حرف صحیح ہو۔ اور اس کا ماقبل مدہ زائدہ ہو۔ بشرطیکہ وہ اسم زائد علی الاربعہ ہو۔ ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ دو حرفوں کو حذف کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں دو

حرفوں کو اس لیے حذف کیا جائے گا کہ دونوں کو اکٹھا لائیں۔ جب ان کو حذف کرنا ہے تو دونوں کو اکٹھا حذف کیا جائے گا۔ تو یا اَسْمَاءُ کو یَا اَسْمَ اور یا مروان کو یا مَرْوَ۔ اور دوسری صورت میں دو حرف کیوں حذف کیے جائیں گے؟۔ اس لیے کہ جب ایک آخری حرف صحیح کو حذف کیا جائے تو ماقبل جو مدہ زائدہ ہے اس کو ہم کیسے باقی رکھتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہوگا کہ سُلْتُ عَلَی الْاَسَدِ وَ بَلْتُ عَلَی نَقْدٍ۔ شیر پر تو حملہ کر دیا' اور بکری کے بچے کو دیکھ کر پیشاب کر دیا۔ یَا مَنْصُوْرُ کو یَا مَنْصُ پڑھا جائے گا۔

سوال ہم تمھیں ایک مثال دکھاتے ہیں جس کے آخر میں حرف صحیح ہے اور ماقبل مدہ زائدہ ہے بھی وہ چار حروف سے زائد پر مشتمل۔ لیکن مقدارِ ترخیم ایک حرف ہے۔ یعنی ایک حرف حذف کیا جائے گا۔ جس طرح: یَا شُعْلَاتٌ ہے۔ اس کو یا شُعْلَا پڑھا جاتا ہے' الف کے حذف کے ساتھ۔ یا شُعْلَ نہیں پڑھا جاتا۔

جواب صحیح سے مراد یہ ہے کہ اصلی ہو' اور آپ کی مثال میں تا زائدہ ہے' اصلی نہیں۔

سوال ہم آپ کو ایک مثال دکھاتے ہیں کہ جس کا آخری حرف حرفِ صحیح نہیں بلکہ حرفِ عِلّت ہے' البتہ ماقبل میں مدہ زائدہ ہے۔ آپ ترخیم کے وقت دو حرفوں کو حذف کرتے ہیں جس طرح مَدْعُوٌّ اور مَرْمِیٌّ کو یا مَدْعُ اور یَا مَرْمِ پڑھتے ہیں۔

جواب صحیح سے مراد عام ہے۔ خواہ حقیقتاً ہو یا حُکماً' اور یہ مدعو اور مرمی اگرچہ حقیقتاً صحیح نہیں لیکن حُکماً صحیح ہیں۔ کیونکہ جس طرح صحیح تصرف سے محفوظ ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی تصرف سے محفوظ ہے۔

سوال آپ نے دو صورتیں یہاں کیوں بنائیں۔ حالانکہ دونوں صورتوں کا مطلب اور مقصد ایک ہے۔ کیونکہ مثلاً اسماء اور مروان ان کو آپ نے پہلی صورت میں داخل کیا' حالانکہ دوسری صورت بھی اس پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اسماء کے آخر میں ھمزہ نحاۃ کے ہاں صحیح ہے۔ ماقبل مدہ زائدہ ہے۔ اسی طرح مروان کے اندر بھی۔

جواب ان دونوں صورتوں میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ اور جہاں یہ نسبت ہوتی ہے وہاں تین مادے ہوتے ہیں۔ ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی۔ مادہ اجتماعی کی مثال: یا اسماء اور یا مروان ہے۔ اور مادہ افتراقی کی مثال جس طرح منصور' بصری اور مصری ہے۔

قوله وَاِنْ کَانَ مُرَکَّبًا حُذِفَ الْاِسْمُ الْاَخِیْرُ اس عبارت میں دوسری قسم کا بیان ہے۔

قسم دوم: کہ منادیٰ مرکب ہو مرکب سے مراد مرکب بنائی ہے اور مرکب مزجی ہے جس طرح

اَحَدَ عَشَرَ اور بَعْلَبَكَّ ان میں ترخیم کے وقت ایک آخری اسم کو حذف کر دیا جائے گا جس طرح یا احد عشر کو یا احد' یا بعلبك کو یا بعل پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی پہلی جز کا آخری حرف درمیان میں آچکا ہے اور ترخیم تو منادیٰ کی آخر میں ہوتی ہے؟

جواب مرکب بنائی اور مرکب مزجی میں دونوں جزیں ایک کلمہ کی طرح ہو جاتی ہیں جب ایک کلمہ ہو گیا تو دوسری جز کو ترخیم کے وقت حذف کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ ان دونوں جزوں کے درمیان میں اعراب جاری نہیں ہوتا۔

قولہ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ ذَالِكَ فَحَرْفٌ وَاحِدٌ **تیسرا قسم:** اگر ان کے علاوہ ہوں یعنی اس کے آخر میں دو زیادتیاں نہ ہوں آخر میں حرف صحیح ما قبل مدہ زائدہ بھی نہ ہو اور مرکب بنائی او، مرکب مزجی بھی نہ ہو تو پھر ایک حرف کو حذف کیا جائے گا۔ جیسے: یَا ثَمُوْدُ کو یا ثَمُوْ اور یَا حَارِثُ کو یا حَارُ پڑھا جائے گا۔

فائدہ جس لفظ کو ترخیم کی وجہ سے حذف کر دیا جائے تو اس لفظ کو عربی میں مَا اُلْقِيَ کہا جاتا ہے۔ اور جس اسم سے وہ لفظ گرا دیا گیا ہو تو اس اسم کے باقی ماندہ الفاظ کو ما اُبْقِيَ کہا جاتا ہے۔

قولہ وَهُوَ فِيْ حُكْمِ الثَّابِتِ عَلَى الْاَكْثَرِ فَيُقَالُ يَا حَارِ وَيَا ثَمُوْ وَيَا كَرَا۔

پانچواں درجہ: منادیٰ مرخم کا حکم بتا رہے ہیں کہ منادیٰ مرخم میں ما القی کا اعتبار کیا جاتا ہے کثرت استعمال سے جو لفظ گر چکا ہے اس کو موجود مانتے ہیں پھر اسی اعراب پر اسے پڑھا جاتا ہے۔ جیسے: یَا حَارِثُ، ثَا کو حذف کر دیا اب حَارِ کو اسی را کے کسرہ حرکت پر باقی پڑھا جاتا ہے کیونکہ اس میں ثا جو گزر چکا ہے اس سے مَا اُلْقِيَ کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ اب بھی موجود ہے۔

قولہ وَقَدْ يُجْعَلُ اِسْمًا بِرَأْسِهٖ فَيُقَالُ يَا حَارُ وَيَا ثَمِيْ وَيَا كَرَا قلب استعمال میں منادیٰ مرخم کو بمنزل اسم مستقل کے کرتے ہیں یعنی ما القی کا اعتبار نہیں کرتے۔ ما ابقی کا اعتبار جو باقی ہے گویا کہ یہی منادیٰ ہے جب یہی منادیٰ مستقل ہے تو اس کو منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم پڑھا جائے گا تو یا حارث' ثا حذف ہو جائے تو کیا پڑھا جائے گا۔ اور یا ثمود دال حذف ہو گئی یا ثمو جیسے: یا ثمی کیونکہ یہ اسماء متمکنہ میں سے ایک اسم ہے جس کے آخر میں واو ما قبل اس کے ضمہ ہے بقاعدہ قانون صرفی واو کو یا سے بدل دیں گے اور ضمہ کو کسرہ سے یا کرو کو یا کرا کہیں گے اس لیے کہ یا متحرک ما قبل مفتوح ہے لہذا قَالَ والے قانون سے واو کو الف سے بدل دیں گے۔

قولہ وَقَدِ اسْتَعْمَلُوْا صِيْغَةَ النِّدَاءِ فِي الْمَنْدُوْبِ مصنفؒ منادیٰ کے احکام وغیرہ بیان کرنے کے بعد یہاں سے مندوب کو بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا: وقد استعملوا یعنی عربی حضرات صیغہ ندار کو مندوب میں استعمال کرتے ہیں اور صیغہ ندار میں سے صرف یار حرف ندار ہے کیونکہ یہی حروف ندار میں سے اعرف اور اشھر یہی یا ہی ہے۔

سوال صیغہ ندار تو مطلق ہے آپکے پاس کیا قرینہ ہے کہ یہاں صیغہ ندار سے فقط یا مراد ہے؟

جواب قاعدہ مشہورہ ہے المُطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اور یہ بات ظاہر ہے کہ فرد کامل حروف ندار میں سے فرد کامل یا ہی ہے۔

سوال اگر یاء ہی مراد تھی تو مصنف یوں ہی فرمادیتے قد استعملوا یاء المندوب اور صیغہ النداء ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب افادہ متعلم کے لیے یہ عبارت ہے اور یہ عبارت کدعوی الشئ ببینتہٖ و برھانہ کی طرح ہے وہ اس طرح کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ صیغۃ النداء سے مراد یا ہے دلیل بھی صیغہ ندار ہی ہے۔ کیونکہ یا ہی فرد کامل ہے اس لیے یہ کدعوی الشئ ببینتہ و برھانہ کی طرح ہے۔

قولہ وھو المتفجع علیہ۔ **تعریف مندوب:** مندوب ندبہ سے ماخوذ ہے ندبہ کا معنی ہے آہ وزاری کرنا۔ مندوب اس میت کو کہتے ہیں جس پر ندبہ اور آہ وزاری کی جائے اس کے محاسن اور محامد کو ذکر کیا جائے اس پر رونے والے کو رونے میں معذور سمجھا جائے اور اوروں کو یہ ٹھیک ہے رونے والوں میں شریک کیا جائے اور اس کی موت کو امرِ عظیم سمجھا جائے۔

اصطلاحی تعریف: ھو المتفجع علیہ بیا او واو یعنی جس پر اظہارِ افسوس کیا جائے۔ یا اور واو کے ساتھ۔

سوال المتفجع لازمی باب ہے اس کا صلہ لام واقع ہوتا ہے نہ کہ علی آپ نے صلہ علی کیوں لایا ہے؟

جواب تفجع، بکاء کے معنی کو متضمن ہے اور بکاء کا صلہ علی ہوتا ہے نہ کہ لام۔ اور بعض اوقات تو کسی چیز کے پائے جانے پر تفجع ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات معدوم ہونے پر تفجع ہوتا ہے۔ موجود ہونے کی مثال جس طرح وَا حَسْرَتَاہْ یاد رکھیں واو اور یاء پر با الصاقی ہے۔ باء استعانت اور باء سببیۃ کی نہیں مطلب یہ ہوگا کہ مندوب وہ ہے جس پر اظہارِ افسوس کیا جائے جو کہ ملصق بالیاء یا ملصق بالواو ہو۔

قولہ واختص بواؤ خاص کیا گیا ہے واو کو مندوب کے ساتھ۔

سوال مندوب واو کے ساتھ مختص نہیں کیونکہ اس پر واو بھی آتی رہتی ہے اور یاء بھی آتی رہتی ہے۔ اس لیے واختص بواو کہنا غلط ہے۔

جواب ۱ اختص کی ضمیر اس کا فاعل بلکہ باء زائدہ ہے اور واو، اختص کا فاعل ہے مطلب یہ ہوگا کہ واو خاص ہے مندوب کے ساتھ۔

جواب ۲ ایک ہوتا ہے مختص اور ایک ہوتا ہے مختص بہ اس میں اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ مختص بہ پر باء داخل ہو لیکن بعض اوقات مختص پر بھی باء داخل ہو جاتی ہے جس طرح کہا جاتا ہے خَصَصْتُ فُلَانًا بِالذِّکْرِ یہاں پر ذکر مختص اور فلانا مختص بہ ہے اور مختص پر باء داخل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے فلان کو یاد کے ساتھ خاص کر دیا یعنی میں اس کی یاد ہی کرتا ہوں اور کچھ ہی نہیں۔ لیکن صحیح مطلب یہ ہے کہ میں نے ذکر کو فلاں کے ساتھ خاص کر دیا یعنی اگر میں یاد کرتا ہوں تو فلاں ہی کو یاد کرتا ہوں اور کسی کو نہیں۔ اسی طرح ایاك نعبد و ایاك نستعین مفسرین اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں اَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ وَالْاِسْتِعَانَةِ یہاں پر اللہ تعالیٰ مختص بہ ہے اور عبادت اور استعانت مختص ہے جن پر باء داخل ہے تو ان مثالوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ بعض اوقات باء مختص پر بھی داخل ہو جاتی ہے اسی طرح اختص بواو میں مختص تو واو ہی ہے۔ اور مندوب مختص بہ ہے۔ لیکن مختص پر باء داخل ہے۔ یعنی واو مندوب کے لیے خاص ہے۔

قولہ وَحُكْمُهُ فِي الْاِعْرَابِ حُكْمُ الْمُنَادٰى اس عبارت سے مُصنّفؒ مندوب کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مندوب کا حکم معرب ہونے میں منادیٰ کی طرح ہے جس طرح یاء کے داخل ہونے میں مندوب منادیٰ کے تابع ہے کہ اس پر بھی یا داخل ہے۔ جو دراصل منادیٰ پر داخل ہوتی ہے۔ اس لیے مندوب پر احکام بھی وہی جاری ہوں گے جو منادیٰ پر جاری ہوتے ہیں۔

سوال ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ منادیٰ کا حکم مندوب کی طرح ہے منادیٰ کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ منادیٰ نکرہ واقع ہو سکتا ہے حالانکہ مندوب ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے نکرہ واقع نہیں ہو سکتا۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مندوب منادیٰ کی اقسام میں سے جس قسم پر بھی ہو تو اس کو اعراب اور بناء میں وہی حکم ملے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جتنی اقسام منادیٰ کی آئی ہیں اتنی ہی اقسام مندوب کی بھی آئیں گی۔

قولہ وَلَكَ زِيَادَةُ الْاَلِفِ فِيْ اٰخِرِہٖ اور مندوب کے آخر میں الف کو زائد کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ مندوب میں آواز کو لمبا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

قولہ فَاِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ قُلْتَ وَاغُلَامَكِيْهِ وَاغُلَامَكُوْهُ یہاں سے ایک مسئلے کا بیان ہے کہ اگر مندوب کے آخر میں الف کے بڑھانے کے ساتھ التباس کا خوف ہو مذکر کو مؤنث کے ساتھ التباس ہو، تثنیہ کو جمع کے ساتھ التباس ہو تو ایسی صورت میں الف کو ماقبل کی حرکت کے موافق حرف علّت کے ساتھ تبدیل کر دینا جائز ہے۔ جیسے مذکر مخاطب کے غلام پر ندبہ کیا جائے تو یوں کہا جائے گا: وَاغلامکاہ اور مؤنث مخاطب کے غلام پر ندبہ کرنا ہو تو واغلامکہ اب اس کے آخر میں الف لایا جائے تو کاف کے کسرہ کو فتحہ سے بدلنا پڑیگا کیونکہ الف چاہتا ہے کہ میرا ماقبل مفتوح ہو یہ بھی بن جائے گا واغلامکاہ اب پتہ نہیں چلے گا کہ مؤنث کے غلام پر یا مذکر کے غلام پر ندبہ کیا جارہا ہے۔ تو ایسی صورت میں الف کو یاء سے بدل دیا جائے گا: واغلامکیہ اور اسی طرح تثنیہ کو جمع کے ساتھ التباس کا خوف ہو۔ جیسے تثنیہ مذکر مخاطبین کے غلام پر ندبہ کیا جائے واغلامکما اب جمع مذکر مخاطبین کے غلام پر ندبہ کیا جائے واغلامکم اب اس کے آخر میں الف لایا جائے تو میم کو فتح کے ساتھ بدل دیا جائے۔ تو وَاغلامکما بن جائے گا۔ اب پتہ نہیں چلے گا کہ یہ تثنیہ یا جمع کس پر ندبہ کیا جارہا ہے تو ایسی صورت میں جمع میں الف کو واو سے بدل دیا جائے گا۔ واغلامکموہ۔

قولہ وَلَكَ الْهَاءُ فِي الْوَقْفِ۔ اور وقف کی صورت میں ھا کو لاحق کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے: وَاغُلَامَكَاهُ اور وَاغُلَامَكِيْهِ، وَاغُلَامَكُمَاهُ، وَاغُلَامَكُوْهُ۔

قولہ وَلَا يُنْدَبُ اِلَّا الْمَعْرُوْفُ فَلَا يُقَالُ وَارَجُلَاہُ۔ اس میں ایک قاعدہ کا بیان ہے کہ ندبہ معروف اور مشہور پر کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر معروف مشہور نہ ہو نکرہ ہو تو رونے والے کو رونے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اور اسی طرح کیونکہ معروف نہیں اور رونے میں اوروں کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ معروف نہیں۔ اور اس کی موت کو امر عظیم بھی نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ وہ معروف نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ مندوب معروف ہو۔ معروف سے مراد عام ہے کہ خواہ وہ خود معروف ہو۔ جس طرح وَازَیْدَاہُ یا اس کا وصف معروف ہو۔ جیسے: یَامَنْ حَفَرَ بِئْرًا زَمْزَمَاہُ۔

سوال آپ نے ندبہ کے لیے یہ شرط لگائی کہ جس پر ندبہ ہو وہ نکرہ نہ ہو۔ جس طرح وا حسرتاہ، وامُصیبتاہ یہ نکرہ ہیں۔

جواب یہ شرط مطلق ندبہ کے لیے نہیں۔ بلکہ مندوب کی دو قسموں میں سے ایک قسم جس میں متفجع علیہ عدمی ہو' اس کے لیے شرط ہے۔

ترجمہ وَامْتَنَعَ وَازَيْدُ الطَّوِيْلَاهُ خِلَافًا لِيُوْنُسَ اس عبارت میں ایک اختلاف بیان کر رہے ہیں کہ یونس نحوی کے نزدیک موصوف کی بجائے صفت پر ندبہ کیا جا سکتا ہے۔ الف ندبہ کی صفت کے آخر میں لایا جاسکتا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک موصوف کی بجائے صفت پر ندبہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ مضاف کی بجائے مضاف الیہ پر ندبہ کیا جاسکتا ہے۔

جمہور کی دلیل اول: مضاف اور مضاف الیہ میں تعلق قوی ہوتا ہے بہ نسبت موصوف صفت کے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ نہیں لایا جاسکتا' بخلاف موصوف صفت کے۔ جس طرح اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ۔ قَسَمٌ موصوف اور عظیم صفت ہے۔ درمیان میں فاصلہ ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تعلق قوی ہے۔

دلیل ثانی: مضاف سے اضافت کی وجہ سے تنوین اور قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ و جمع حذف ہوجاتے ہیں۔ بخلاف موصوف صفت کے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مضاف مضاف الیہ کا تعلق قوی ہے بہ نسبت موصوف صفت کے۔

دلیل ثالث: مضاف پر کلام تمام نہیں ہوتی۔ بلکہ مضاف الیہ کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بخلاف موصوف صفت کے کہ موصوف پر کلام تمام ہوجاتی ہے۔ اور صفت کا ذکر تخصیص اور توضیح کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے مضاف الیہ کے آخر میں ندبہ کیا جاسکتا ہے۔ الف ندبہ کالایا جاسکتا ہے۔ لیکن صفت کے آخر میں نہیں۔ یونس نحوی دو دلیلیں پیش کرتا ہے۔ دلیل عقلی اور دلیل نقلی۔ **دلیل عقلی** یہ ہے کہ ایک ہے امتزاج لفظی' اور ایک ہے امتزاج معنوی۔ آپ کی یہ دلیلیں امتزاج لفظی سے متعلق ہیں۔ اور موصوف صفت کے درمیان امتزاج معنوی ہے۔ وہ اس طرح کہ موصوف کی جگہ صفت کو لایا جاسکتا ہے۔ لیکن مضاف کو مضاف الیہ کی جگہ نہیں لایا جاسکتا۔ جیسے: جَاءَنِيْ زَيْدُنِ الْعَالِمُ کی جگہ جَاءَنِيْ زَيْدٌ کہنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ بات آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امتزاج معنوی امتزاج لفظی سے قوی ہوتا ہے۔ اس لیے میری ایک دلیل تمھاری سب دلیلوں سے قوی ہے۔

جواب تمھارا یہ کہنا صحیح نہیں کہ امتزاج معنوی امتزاج لفظی سے قوی ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ ہم الفاظ سے بحث کر رہے ہیں یا معانی سے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ الف ندبہ کا اور الف استغاثہ کا منادی کے الفاظ کے ساتھ لاحق ہوتا ہے نہ کہ معانی کے ساتھ۔ لہٰذا یہاں پر امتزاج لفظی کا اعتبار ہی کیا جائے گا۔

دلیل نقلی یہ ہے کہ ہم تمھیں ایک ایسی مثال دکھاتے ہیں جس میں موصوف کی بجائے صفت پر ندبہ کیا جا رہا ہے۔ جیسے ایک شخص کا قول ہے:

وَاجُمْجُمَتَیَ الشَّامِیَتَیْنَاهُ اس میں بجائے موصوف کے صفت پر ندبہ کیا گیا ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ایک عام آدمی ایک عام انسان کے قول پر اعتبار بڑے بڑے نحاۃ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

متن وَ يَجُوْزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ اِلَّا مَعَ اِسْمِ الْجِنْسِ وَ الْاِشَارَةِ وَ الْمُسْتَغَاثِ وَ الْمَنْدُوْبِ نَحْوُ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ وَ اَيُّهَا الرَّجُلُ۔ **مصنفؒ** منادیٰ اور مندوب کے احکام بیان کرنے کے بعد یہاں سے ایک عمومی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حرفِ نداء کا حذف کرنا بھی جائز ہے۔ جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو۔ البتہ چار ایسے مقام ہیں جن میں حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ ❶ اسم جنس، ❷ اسم اشارہ، ❸ مستغاث، ❹ مندوب۔ ہر ایک کی تفصیل: **اسم جنس** اس سے مراد نکرہ ہے۔ پھر نکرہ میں تعمیم ہے کہ وہ قبل از نداء نکرہ ہو۔ اور بے شک بعد از نداء معرفہ ہو جائے۔ جس طرح کسی بینا آدمی کا قول یا رجل قبل از ندا بھی نکرہ ہو اور بعد از نداء بھی نکرہ ہو۔ جس طرح نابینا کا قول یا رجل۔ باقی رہی یہ بات کہ اسم جنس سے حرفِ نداء حذف کیوں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے تین دلیلیں ہیں۔ **دلیل اول**: اسم جنس سے اگر حرفِ نداء حذف کر دیا جائے تو اس کا غیر منادیٰ کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ یہ معلوم نہیں ہو گا کہ یہ منادیٰ ہے یا نہیں۔ کیونکہ قرینہ موجود نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسم جنس سے حرفِ نداء کو حذف نہ کیا جائے۔ **دلیل ثانی**: اگر اسم جنس سے حرفِ نداء کو حذف کر دیا جائے تو اس کا نکرہ کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔ کیونکہ یہ اصل میں نکرہ ہی ہے۔ اور منادیٰ کی وجہ سے معرفہ ہوا ہو گا یا نہیں، اس پر کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لیے حرفِ نداء کو حذف نہیں کیا جائے گا۔ **دلیل ثالث**: اگر اسم جنس سے حرفِ نداء کو حذف کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ نائب اور منیب دونوں کا حذف کر دینا۔ حالانکہ یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ حرفِ نداء اَدْعُ اور اَطْلُبُ فعل محذوف کے قائم مقام تھا اور نائب تھا۔ پھر اس کو بھی حذف کر دیا جائے تو نائب اور منیب

دونوں کا اکٹھا حذف ہونا لازم آئے گا' جو کہ جائز نہیں' اس لیے اسمِ جنس سے حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز نہیں۔

سوال آپ نے کہا نائب اور منیب دونوں کا حذف کرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ ناجائز ہے تو اس سے پھر حرفِ ندا کو بالکل حذف ہی نہیں ہونا چاہیے۔

جواب اسمِ جنس میں تو حرفِ ندا حذف ہوتا ہے لیکن باقی منادیٰ میں حذف نہیں ہوتا بلکہ مقدر ہوتا ہے۔ یعنی صرف لفظوں میں موجود نہیں ہوتا' مراد میں باقی ہوتا ہے۔

فائدہ حذف اور مقدر میں ایک فرق ہے۔ اس سے پہلے ایک تمہید جان لیں۔ ❶ ملفوظ محض ❷ ملفوظ زائد ❸ محذوف ❹ مقدر۔ اگر کوئی اسم لفظاً ملفوظ ہو اور معنیً منوی ہو تو اس کو ملفوظ محض کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی اسم لفظاً ملفوظ ہو اور معنیً منوی نہ ہو تو اس کو ملفوظ زائد کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی اسم لفظاً ملفوظ نہ ہو اور معنیً منوی بھی نہ ہو تو اس کو محذوف کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی اسم لفظاً ملفوظ نہ ہو لیکن معنیً منوی ہو تو اس کو مقدر کہتے ہیں۔

① منادیٰ میں حرفِ ندا حذف نہیں ہوتا' بلکہ مقدر ہوتا ہے۔ کیونکہ نیت میں باقی ہوتا ہے۔ لیکن اسمِ جنس میں حرفِ ندا محذوف ہوتا ہے مقدر نہیں ہوتا۔

② اسمِ اشارہ۔ اس میں بھی حرفِ ندا حذف نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اسمِ اشارہ اسمِ جنس کی طرح مُبہم ہوتا ہے۔

③ منادیٰ مُستغاث۔

④ مندوب۔

ان سے بھی حرفِ ندا کو حذف نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ منادیٰ مُستغاث بالف الاستغاثہ میں الف استغاثہ اور مندوب میں الف ندبہ کا مدِّ صوت کے لیے لایا جاتا ہے۔ جو کہ دراصل اس میں داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ زائدہ ہوتا ہے۔ لیکن یا حرفِ ندا اصل ہوتا ہے۔ تو ہم زائدہ کو باقی رکھ کر اصلی کو حذف کردیں تو یہ ناجائز ہے۔ اس لیے مُستغاث اور مندوب سے حرفِ ندا کا حذف کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ ہاں جہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو تو حرفِ ندا کو حذف کردیا جاتا ہے۔ پھر یا تو حذف بالبدل ہوگا' یا بغیرالبدل ہوگا۔ حذف بالبدل ہو تو اس کی مثال جیسے: یَا اَللّٰہُ اس کے آخر میں یا کے عوض میم مشدد لائی جاتی ہے۔ جیسے: اَللّٰھُمَّ۔

حذف کی دوسری قسم حذف بغیرالبدل۔ اس کی مثال جیسے: یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا۔ اس کا

حرفِ ندا محذوف ہے۔ جس پر قرینہ یہ ہے کہ اگر حرفِ ندا محذوف نہ مانا جائے تو پھر یُوْسُفُ کو مُبتدا بنانا پڑے گا۔ جس کے لیے خبر ضروری ہے۔ اور اس کی خبر تلاش کرنی ہوگی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اَعْرِضْ کو خبر نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ یہ جملہ انشائیہ ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جملہ انشائیہ خبر واقع نہیں ہوسکتا۔ اس لیے یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں یُوْسُفُ سے پہلے یا حرفِ ندا محذوف ہے۔

دلیل ثالث: جب منادیٰ معرف باللام ہو اور ایھا فاصلہ کے لیے لایا گیا ہو تو اس وقت بھی حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز ہے۔ اور قرینہ ایھا ہے۔ کیونکہ ایھا ہمیشہ فاصلہ کے لیے لایا جاتا ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں پر حرفِ ندا محذوف ہے۔

دلیل رابع: بعض نحوی کہتے ہیں ضمیروں سے بھی یا حرفِ ندا حذف کرنا جائز ہے۔ جس طرح یا انت میں صرف انت کہنا بھی جائز ہے۔

قولہ وَشَذَّ اَصْبِحْ لَيْلُ وَافْتَدِ مَخْنُوْقُ وَاَطْرِقْ كَرًا۔ اس عبارت سے مُصنّفؒ سوالِ مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال آپ نے کہا اسم جنس سے حرفِ ندا حذف نہیں ہوسکتا۔ ہم آپ کو ایسی مثال دکھاتے ہیں جس میں حرفِ ندا اسم جنس سے حذف کیا گیا ہے۔ جیسے: اَصْبِحْ لَيْلُ اَفْتَدِ مَخْنُوْقُ اَطْرِقْ كَرًا۔ ان میں حرفِ ندا حذف ہے۔

جواب آپ نے جتنی مثالیں دی ہیں' یہ سب شاذ ہیں۔ اَصْبِحْ لَيْلُ واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک شاعر امرءُ القیس نامی تھا' جو کہ عجمی تھا۔ عربی میں بہت زیادہ مہارت حاصل کرلی تھی۔ اس نے دعویٰ کیا ہوا تھا کہ میں بڑا فصیح بلیغ ہوں۔ کیونکہ اپنی فصیح بلیغ کلام پیش کرتا تھا' لوگ یقین کرلیتے تھے کہ یہ عربی ہے۔ یعنی وہ عربی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور کلام بھی بڑی فصیح اور بلیغ پیش کرتا تھا۔ اور لوگ اس پر اعتماد کرلیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ عرب میں گیا اور جا کر عربی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی فصاحت اور بلاغت سے بھرپور کلام پیش کیا۔ ایک عربی شاعر نے اس کے مُتعلق سنا تو اس نے امرءُ القیس کی دعوت کی' تو امرءُ القیس اس کے پاس گیا اور اپنی فصیح اور بلیغ کلام پیش کی جس کو سُن کر وہ عش عش کر اٹھا' اور اس کو اپنی لڑکی دے دی۔ اس کا نکاح کردیا' اور وہ لڑکی بڑی فصیحہ اور بلیغہ تھی۔ ایک دن امرءُ القیس اور اس کی بیوی سوئے ہوئے تھے امرءُ القیس نے اپنی بیوی سے کہا اُقْتُلِی السِّرَاجَ چونکہ لڑکی بڑی فصیحہ اور بلیغہ تھی اس لیے امرءُ القیس کی بات سُن کر کہنے لگی تیری فصاحت

اور بلاغت کا یہ عالم ہے کہ تجھے چراغ بجھانے کی عربی بھی نہیں آتی۔ تو اس نے ارادہ کرلیا کہ صبح میں تجھے طلاق دوں گی۔ یعنی تجھ سے اپنی جان چھڑاؤں گی۔ اس لیے صبح ہونے کی خواہش کرنے لگی۔ اور کہنے لگی اصبح لیل یہ جملہ عموماً مصیبت کے وقت بولا جاتا ہے۔ دوسرا جملہ وَافْتَدِ مَخْنُوقُ، مخنوق کا معنی گلا گھونٹا ہوا۔ تو ایک بڑا ہی ظالم شخص تھا، جو کہ لوگوں کے گھروں میں جا کر کہتا کہ فدیہ دو۔ ورنہ میں گلا گھونٹ دوں گا۔ اور مخنوق کا اطلاق باعتبار مایؤول الیہ کے ہے۔ اصل عبارت یوں بنے گی: اِفْتَدِ یَا مَخْنُوْقُ فدیہ دے دیں: ای مَخْنُوْقُ، اَطْرِقْ، کرا اصل میں کَرَوَانَ تھا ایک پرندے کا نام ہے عربی لوگ اس کو باعتبار تعویذ کے استعمال کرتے تھے منتر کے طور پر استعمال کرتے تھے اس سے ایک بڑا پرندہ نُعَامَہ ہے جو کَرَوَانَ سے قوی ہے تو چنانچہ کروان کو کہا کرتے تھے۔ اطرق کرا ان النعامۃ فی القریٰ کروان تو بھی اتر آ۔ کیونکہ تجھ سے زبردست پرندہ نُعامہ بھی اتر آیا ہے تو یہ سن کر کرا زمین پر اتر آیا کرتا تھا۔ یاد رکھیں اس میں تین شذوذ ہیں۔ **شاذ اول:** اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کردیا گیا ہے۔ **شاذ ثانی:** ترخیم کے لیے علمیت شرط ہے لیکن کروان میں علمیت نہ پائے جانے کی وجہ سے ترخیم کرنا یہ دوسرا شاذ ہے۔ **شاذ ثالث:** کسی اسم سے ترخیم کرکے اس کے آخر میں ایک اعراب جاری نہ کیا جائے یہ اصل ہے۔ خلاف اصل اور اعراب کا جاری ہونا اعراب بھی اصل ہے یہاں پر اعراب جاری کردیا گیا ہے۔ کیونکہ واو کو الف سے تبدیل کرکے پڑھا جارہا ہے۔

قولہ وَ قَدْ یُحْذَفُ الْمُنَادیٰ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ جَوَازًا مِثْلُ اَلَا یَا اسْجُدُوْا اس عبارت سے مُصنفؒ ایک قاعدہ بتاتے ہیں کہ کبھی کبھی منادیٰ کو حذف کردیا جاتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہے لیکن یہ حذف جوازاً ہوتا ہے وجوباً کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مثال اس کی جس طرح اَلَا یَا اِسْجُدُوْ اصل میں تھا الا یا قَوْمِ اسْجُدُوْ قرینہ کیا ہے یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ یَا حرف ندا اسم پر داخل ہوتا ہے فعل پر داخل نہیں ہوتا اور یہاں پر فعل پر داخل ہے تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں پر منادیٰ محذوف ہے لیکن اس صورت میں جب کہ اَلَا کو مشدد نہ پڑھا جائے اگر مشدد پڑھا جائے تو اس کی اور ترکیب ہوگی۔ اَلَّا، اَنْ ناصبہ لَا نافیہ یَا کو سین سے ملا کر پڑھا جائے گا اور نون اعرابی اَنْ مصدریہ کی وجہ سے گرا ہوا ہوگا۔

قولہ وَالثَّالِثُ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ عَلٰی شَرِیْطَةِ التَّفْسِیْرِ مُصنفؒ دوسرے مقام کے بیان کرنے کے بعد اب ان مقامات اربعہ میں سے تیسرے مقام کو بیان کرنا چاہتے ہیں جہاں پر مفعول بہ کے

عامل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے قیاسی طور پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر یعنی وہ اسم کہ جس کا عامل پوشیدہ ہو تفسیر کی شرط پر۔

سوال علیٰ کا مُتعلّق کیا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اُضْمِرَ کے سوا تو کوئی مُتعلّق بن نہیں سکتا اور باقی رہا اضمر وہ بھی نہیں بن سکتا اس لیے کہ اضمر کا صلہ علیٰ نہیں آتا۔

جواب یہ علیٰ بنائیہ ہے۔ علیٰ بنایہ اس کو کہتے ہیں جس کا مُتعلّق لفظ بناء مقدر ہو اور یہاں پر بناءً، مَبْنِیًا کے معنی میں ہو کر مفعول مُطلق مقدر کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ اِضْمَارًا مَبْنِیًا عَلٰی شَرِیْطَةِ التَّفْسِیْرِ۔

سوال شریطہ التفسیر یہ مضاف مضاف الیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مضاف مضاف الیہ میں باعتبار مصداق کے مغایرت ہوتی ہے۔ حالانکہ شَرِیْطَةُ التَّفْسِیْرِ میں مغایرت نہیں۔

جواب یہ قاعدہ اس وقت ہے جب اضافت بیانیہ نہ ہو یہاں اضافت بیانیہ ہے مطلب یہ ہوگا کہ مفعول بہ عامل کی تقدیر ایک شرط پر مبنی ہے اور وہ شرط تفسیر ہے۔

سوال آپ لفظ شرط بول رہے ہیں مُصنّف نے لفظ شریطۃ کو بولا ہے کیا دونوں کا معنیٰ ایک ہے؟

جواب جی ہاں دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔

سوال پھر لفظ شرط مُصنّفؒ بولتے کیونکہ اس میں اختصار ہے۔ اور جو کہ مُصنّف کا مطلوب ہے۔

جواب لفظ شریطۃ کے لانے میں دو وجہیں اور دو مصلحتیں ہیں۔ ❶ کہ شریطۃ کی تاء اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس میں تاء تانیث ہے کہ یہ تاء تانیث ہو اب شریطۃ کی لانے کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو کہ مؤنث ہے۔ عبارت کی تقدیر یوں ہوگی: علی علۃٍ شریطۃ التفسیر۔ ❷ شریطۃ پر تا نقل کی ہے یعنی وصف پہلے ہر موقوف کے موقوف علیہ کو شرط کہتے تھے لیکن اب خاص کر ما اضمر عاملہ کی تفسیر کا نام ہو چکا ہے یہ اور یہ نقل من الوصفیۃ الی العلمیۃ ہے۔

سوال یہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا کیوں واجب ہے۔

جواب حذف کرنا اس لیے واجب ہے کیونکہ اس میں مُفسّر موجود ہے اگر مُفسّر کو ذکر کر دیا جائے تو لازم آئے گا مُفَسِّر اور مُفَسَّر کا جمع ہونا۔

سوال ہم آپ کو دکھاتے ہیں۔ مُفَسِّر اور مُفَسَّر جمع ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: رَاَیْتُ اَحَدَ

عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سَاجِدِيْنَ۔ اس میں راءیت پہلے کے لیے مُفَسِّر ہے اور دونوں مُفَسِّر اور مُفَسَّر موجود ہیں۔

جواب ۱ اس مُفَسِّر اور مُفَسَّر پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے اور مُفَسَّر کے بارے میں کلام کررہے ہیں۔ جس کا مُفَسِّر اور مُفَسَّر کی کلام کے بعد ہو۔ اور آپ نے جو مثال دی ہے اس میں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کی کلام کے درمیان میں آچکا ہے۔ کیونکہ ساجدین پہلے راءیت کا مفعول ثانی ہے۔

جواب ۲ پہلا جواب اس وقت چل سکتا ہے جب ساجدین کو پہلے راءیت کا مفعول ثانی بنائیں ورنہ اس کا دوسرا جواب یہ ہوگا کہ یہ راءیتھم بعد والا جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ گویا کہ سوال یہ ہوتا تھا كَيْفَ مَارَأَيْتَهُمْ تو نے کس حال میں ان کو دیکھا تو جواب دیا یوسف علیہ السلام نے راءیتھم لی ساجدین۔

سوال جاء رجلٌ ای زیدٌ کی ترکیب میں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کا اجتماع ہے۔

جواب ابہام دو قسم پر ہوتا ہے۔ ❶ جس کا منشاء حذف ہو۔ ❷ ابہام جس کا منشاء مادہ حروف ہو اور وہ مفسر جو ابہام کے قسم اول کے لیے رافع ہو اس کا مفسر کے ساتھ اجتماع نہیں ہوسکتا۔ بخلاف قسم ثانی کے اور جاء رجل ای زیدٌ میں قسم ثانی ہے۔

قوله وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ اَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيْرِهٖ اَوْ مُتَعَلِّقِهٖ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ اَوْ مُنَاسِبُهٗ لَنَصَبَهٗ مِثْلُ زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ وَ زَيْدًا مَرَرْتُ بِهٖ وَ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهٗ وَ زَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ يُنْصَبُ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهٗ مَا بَعْدَهٗ اَیْ ضَرَبْتُ وَ جَاوَزْتُ وَ اَهَنْتُ وَ لَابَسْتُ۔ اس عبارت میں مُصنّفؒ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف کررہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس کی ضمیر یا مُتعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس ما اُضمِرَ اس اسم سے اعراض کررہا ہو۔ بایں طور کہ اس فعل یا شبہ فعل کو ما اضمر عاملہ والے پر مسلّط کیا جائے یا اس فعل یا شبہ فعل کے مناسب مرادف گویا اس فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کو مسلّط کردیا جائے تو وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کو نصب دے سکے۔ چند باتیں فوائد جو اس تعریف کے مُتعلق ہیں۔ ان سے مراد عام ہے خواہ فعل ماضی ہو یا فعل مضارع ہو۔ معروف ہو یا مجہول۔ شبہ فعل سے مراد اسم فاعل اسم مفعول وغیرہ اور مشغلاً اشغال سے مُشتق ہے۔ اِشْتَغَلَ يَشْتَغِلُ باب کے بعد اگر فِیْ آجائے تو پھر اشتغال کا معنی ہوگا

محبت کرنا اور اگر اشتغال کے بعد عَنْ، عَلٰی آجائے تو اس کا معنی ہوگا اعراض کرنا۔ یہاں پر بھی اشتغال کا معنی اعراض کرنا ہے۔ اور ضمیرہٗ کا مطلب یہ بھی ہے کہ مَا اُضْمِرَ عَامِلُہٗ والے اسم کے بعد جو فعل ہے اس فعل کا مفعول ایسی ضمیر ہو جو مَا اُضْمِرَ عَامِلُہٗ والے اسم کی طرف عائد ہو اور اَوْ بمتعلقہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک اسم کا دوسرے اسم کے ساتھ کسی قسم کا تعلق ہو۔ یہاں مُتعلق سے مراد جار مجرور نہیں۔ بلکہ عام تعلق مراد ہے۔ خواہ رشتہ داری کا تعلق ہو یا بھائی ہونے کا تعلق ہو یا غلام ہونے کا تعلق ہو۔

فائدہ اس تعریف میں کل پانچ شرطیں ہوئیں: ❶ اس اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو۔ اگر فعل یا شبہ فعل نہ ہو تو اس میں داخل نہیں۔ زَیْدٌ اَبُوْكَ ❷ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرنے والا ہو۔ احترازی مثال: زَیْدًا ضَرَبْتُ۔ ❸ فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر اگر مسلّط نہ کیا جائے تو اس میں داخل نہیں۔ جس طرح: اَزَیْدٌ هَلْ ضَرَبْتَہٗ۔ ❹ اس فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو مسلّط کیا جائے تو نصب بھی دے سکے۔ اگر نصب نہ دے سکے گا تو بھی اس میں داخل نہیں۔ جس طرح: اَزَیْدٌ ذُهِبَ بِہٖ ❺ تسلیط سے معنی بھی فاسد نہ ہو اور مقصود کے خلاف بھی نہ ہو۔ اگر معنی فاسد ہو یا مقصود کے خلاف ہو تو اس کو بھی ما اضمر عاملہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح: كُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ۔ مُصنّفؒ نے چار مثالیں دی ہیں۔ حالانکہ عقلی طور پر چھ مثالیں بنتی ہیں۔ وہ چھ صورتیں اس طرح بنتی ہیں۔ ❶ فعل یا شبہ فعل ما اضمر والے اسم سے اعراض کر کے اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو اور خود اس کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکے۔ ❷ فعل یا شبہ فعل اس ما اضمر والے اسم سے اعراض کر کے اس کے مُتعلق میں عمل کر رہا ہو اور خود اس کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکے۔ ❸ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے اعراض کر کے اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو۔ اگر اس کے اس فعل یا شبہ فعل کے مناسب مترادف کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکے۔ ❹ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے اعراض کر کے مُتعلق میں عمل کر رہا ہو اور اس کے مناسب مترادف کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکے۔ ❺ فعل یا شبہ فعل ما اضمر والے اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو اور اس کے کسی مناسب لازم کو مسلّط کیا جائے تو نصب دنے سکے۔ ❻ فعل یا شبہ فعل اسم کے کسی مُتعلق میں عمل کر رہا ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکے۔ ان چھ صوتوں میں سے چونکہ مُعتبر چار تھیں اس لیے مُصنّفؒ نے چار مثالیں دیں۔ دوسری صورۃ کی مثال بن نہیں سکتی اس لیے کہ مقصد فوت ہو جاتا

ہے اور چوتھی صورۃ کی مثال بھی ممتنع ہے کیونکہ مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ باقی تمام مثالیں مذکور ہیں۔ پہلی صورۃ کی مثال: زَیدًا ضَرَبتُہٗ اور اسی ضربت کو بعینہٖ مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکتا ہے۔ اور مقصد بھی فوت نہیں ہوتا اس لیے ضربت زیدًا کہہ سکتے ہیں۔ تیسری صورۃ کی مثال: زَیدًا مَرَرتُ بِہٖ اس میں بھی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن خود مررت کو مسلّط کیا جائے تو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ باب مرور کا بغیر باء کے استعمال نہیں ہوتا اور باء کے ساتھ استعمال کریں تو جر دے گا۔ البتہ اس کے مناسب مترادف جَاوَزتُ کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکتا ہے۔ تو لہذا جاوزتُ زیدًا کہنا درست ہے۔ پانچویں صورۃ کی مثال: حُبِستُ علیہ یہاں پر بھی ساری شرطیں موجود ہیں البتہ فعل بعینہٖ تسلیط ناصب نہیں۔ لیکن اس سے مناسب لازم کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکتا ہے۔ یعنی لَا بَسْتُ زَیدًا کہہ سکتے ہیں۔ چھٹی صورۃ کی مثال: زَیدًا ضَرَبتَ غُلَامَہٗ یہاں پر زَیدًا اسم ہے لیکن اس کے بعد ضَرَبتُ فعل موجود ہے۔ زید عمل کرنے سے اعراض کر کے متعلق میں عمل کر رہا ہے اگر بعینہٖ اس ضَرَبتُ کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکتا ہے۔ لیکن خلافِ مقصود ہے۔ کیونکہ مار زید پر واقع نہیں ہوئی بلکہ اس کے غلام پر واقع ہوئی ہے۔ لیکن اس کے لازمی معنی کو مسلّط کیا جائے تو نصب دے سکتا ہے۔ کہ اَھَنتُ زَیدًا کہہ سکتے ہیں کیونکہ زید کے غلام کو مارنے سے زید کی توہین لازمی ہے۔ اس لیے اَھَنتُ زَیدًا مناسب ہے۔

قوله وَیُختَارُ الرَّفعُ بِالاِبتِدَاءِ عِندَ عَدَمِ قَرِینَۃِ خِلَافِہٖ اَو عِندَ وُجُودِ اَقوٰی مِنھَا کَاَمَّا مَعَ غَیرِ الطَّلَبِ وَاِذَا لِلمُفَاجَاۃِ یہاں تک مصنفؒ نے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کو بیان کیا۔ اب یہاں سے وہ اسم جن میں یہ احتمال تھا کہ وہ تمام کے تمام ما اضمر والوں میں داخل ہو تو مصنفؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کون کونسے ما اضمر والوں میں داخل ہیں اور کون کونسے داخل نہیں۔ اس کو مضان ما اضمر عاملہ علی شریطہ التفسیر کہتے ہیں اس کے کل پانچ مقام ہیں۔ پہلے میں رفع مختار ہے۔ دوسرے مقام میں نصب مختار ہے۔ تیسرے میں دونوں برابر ہیں۔ چوتھے میں نصب واجب ہے۔ پانچویں میں رفع واجب ہے مصنفؒ نے رفع کے مختار کے مقام کو سب پر مقدم کیا ہے۔

سوال اس بحث میں نصب کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے رفع جو غیر مقصود تھا مقدم کردیا اس مقام پر؟

جواب نصب مقصود تھا۔ رفع غیر مقصود تھا تو رفع میں غیر مقصود ہونے کی وجہ سے یہ احتمال تھا کہ اس کا ذہول نہ ہو جائے اس لیے اس کو مقدم بیان کیا۔ پہلے مقام کو وَیَخْتَارَ الرَّفْعَ کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی کی دو صورتیں ہیں دوسری صورۃ کی بھی پھر دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ وقت مصحح للرفع قرینہ موجود ہو اور مصحح للنصب بھی موجود ہو اور مرجح للرفع قرینہ موجود ہو لیکن مرجح للنصب قرینہ موجود نہ ہو تو اس وقت رفع پڑھنا مختار ہوگا۔ دوسری صورۃ کہ مصحح للرفع قرینہ موجود ہو مصحح للنصب بھی قرینہ موجود ہو اور مرجح للرفع قرینہ موجود ہو اور مرجح للنصب بھی قرینہ موجود ہو لیکن مرجح للرفع قرینہ مرجح للنصب سے اقویٰ ہو تو اس وقت بھی رفع مختار ہوگا۔ پہلی صورۃ کو مصنف نے یختار سے بیان کیا یعنی رفع مختار ہے۔ بوجہ مبتداء ہونے کے رقت نہ ہونے کی قرینہ کے خلاف رفع کے۔

سوال آپ کے بیان سے توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ آپ کا بیان مصنف کی عبارت کے خلاف ہے۔ کیونکہ مصنف کی عبارت تو یہ ہے: یختار الرفع بالابتداء عند عدم قرینۃ خلافہ یعنی جس وقت رفع کے خلاف کے لیے قرینہ بھی موجود نہ ہو یعنی نصب پر کوئی قرینہ نہ ہو تو اس وقت رفع مختار ہوگا لیکن آپ کہتے ہیں کہ مصحح للرفع قرینہ موجود ہو اور مصحح للنصب قرینہ بھی موجود ہو۔ حالانکہ مصنف کی عبارت یہ ہے کہ کوئی قرینہ بھی نصب پر نہ ہو۔

جواب قرینہ کا مضاف الیہ اور خلافہ کا مضاف مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی عند عدم قرینۃ اختیارِ خلافہ یعنی رفع کے خلاف پسندیدگی کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو مضاف کے مقدر ہونے پر قرینہ یختار الرفع یعنی پسندیدہ ہے رفع کہ پسندیدہ ہے۔ تو فرماتے ہیں: عند عدم قرینۃ اختیار خلافہ جس وقت رفع کے خلاف پسندیدگی کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس وقت تو رفع واجب ہوتا ہے نہ کہ مختار۔ یختار رفع اس کی دلیل ہے کہ یہاں پر اختیار مضاف مقدر ہے۔ مثال جس طرح: زَیْدًا ضَرَبْتُہٗ زید کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں منصوب بھی۔ کیونکہ مصحح للرفع قرینہ موجود ہے۔ کہ رفع پڑھنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی مصحح للنصب قرینہ موجود ہے کہ نصب پڑھنے سے بھی کوئی خرابی لازم نہیں آتی لیکن مرجح للنصب قرینہ موجود نہیں جب کہ مرجح لِلرفع قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ اگر مرفوع پڑھا جائے تو کوئی کلام مقدر نہیں ماننی پڑتی۔ لیکن منصوب پڑھنے میں کلام مقدر بھی ماننی پڑتی ہے تو مرجح

للرفع قرینہ ہونے کی وجہ سے رفع پڑھنا مختار ہے۔ و عند وجود اقویٰ منہا۔ دوسری صورۃ یہ ہے کہ مصحح للرفع قرینہ موجود ہو اور مصحح للنصب بھی ہو۔ مرجح للرفع قرینہ موجود ہو اور مرجح للنصب بھی قرینہ موجود ہو لیکن مرجح للرفع قرینہ مرجح للنصب سے اقویٰ ہو تو اس وقت بھی رفع مختار ہوگا۔ اس کی دو صورتیں ہیں پھر دوسری صورۃ کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ❶ یہ کہ کوئی اِمَّا طلب کے بعد واقع ہو تو مرفوع پڑھنا بہتر ہے اِمَّا طلب کا مطلب یہ ہے کہ اِمَّا کے بعد کوئی ایسا فعل نہ ہو جس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہو۔ یعنی استفہام، تمنّی ترجی وغیرہ نہ ہو تو جس وقت اِمَّا طلب کے لیے نہ ہوا یعنی اس کے بعد مندرجہ ذیل چیزیں نہ ہوئیں تو اس وقت رفع پڑھنا مختار ہے اور نصب پڑھنا بھی صحیح ہے کہ کوئی خرابی لازم نہیں آتی رفع پڑھنا بھی صحیح ہے کوئی خرابی لازم نہیں آتی لہذا مصحح لِلرَّفع اور مصحح للنصب موجود ہے۔ مرجح لِلرَّفع قرینہ موجود ہے اور مرجع للنصب بھی کہ اِمَّا ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے۔ اس کی مثال: قَامَ زَیْدٌ اِمَّا فَضَرَبْتُہٗ یہاں عمرو کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی اور مرجح قرینہ بھی موجود ہے اِمَّا ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے اس لیے یہاں پر اسم پر داخل ہے تو اس کو مُبتدا ء بنا دیا جائے گا اور کوئی چیز محذوف نہ ماننی پڑے گی۔ اور مرجع للنّصب قرینہ بھی موجود ہے کہ جملہ فِعلیّہ کا جملہ فِعلیّہ پر عطف ڈالا جائے گا مناسب یہ ہے کہ جملہ فِعلیّہ کا جملہ فِعلیّہ پر عطف ہو تو مرجع للنّصب کا قرینہ اقویٰ ہے وہ اس طرح کہ ٹھیک ہے کہ جملہ اسمیّہ کا عطف جملہ فِعلیّہ پر عطف ڈالنا مناسب نہیں لیکن جملہ اسمیّہ کا عطف جملہ فِعلیّہ پر عطف اکثر پڑتا رہتا ہے بخلاف اِمَّا کے کہ اِمَّا اسم پر ہی داخل ہوتا ہے اور فعل پر داخل ہونا بہت ہی شاذ اور نادر ہے اس لیے جو اسم اِمَّا طلبیہ کے بعد واقع ہو اس کو مرفوع پڑھنا بہتر ہے۔

فائدہ طَلَب سے مراد خاص ہے کہ اِمَّا کے بعد امر نھی اور دعا واقع نہ ہو کیونکہ اگر اِمَّا کے بعد امر نہی، یا دعا واقع ہو تو اس کو منصوب پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اگر اِمَّا کے بعد استفہام، تمنّی، ترجی وغیرہ واقع ہو تو اس وقت نصب پڑھنا مُختار ہوتا ہے۔ امر نہی وغیرہ میں منصوب پڑھنا واجب اس لیے ہے کہ اگر مرفوع پڑھا جائے تو امر نہی وغیرہ خبر واقع ہوں گے۔ حالانکہ جملہ انشائیہ خبر واقع نہیں ہو سکتا استفہام وغیرہ میں نصب اس لیے مُختار ہے کہ استفہام صدارت کا تقاضا کرتا ہے تو اس کی کوئی خبر مقدم نہیں ہو سکتی اور جو مقدم ہو وہ استفہام وغیرہ کا معمول نہیں بن سکتا اور اِذَا مفاجاتیہ کے بعد بھی کوئی اسم واقع ہو تو اس کو مرفوع پڑھنا بہتر ہوگا۔ قرینہ مذکورہ موجود ہوتے ہیں۔ مرفوع پڑھنا بہتر اس لیے ہے کہ اِذَا عموماً اور اکثر اسم پر دخل ہوتا ہے۔ جس طرح خرجت اِذَا

زَیْدٌ فَضَرَبْتَہٗ۔

قولہ: وَیُخْتَارُ النَّصَبُ بِالْعَطْفِ عَلٰی جُمْلَۃٍ فِعْلِیَّۃٍ لِلتَّنَاسُبِ اس مقام سے مصنفؒ اُس مقام کو بیان کرنا چاہتے ہیں جہاں پر نصب مختار ہے۔ یہ اس وقت ہوگا کہ کوئی اسم ہو اور اس سے پہلے جملہ فِعلیہ ہو تو تناسب قائم کرنے کے لیے اس پر نصب پڑھنا مختار ہو۔ مصحح لِلرّفع قرینہ بھی موجود ہو۔ اور مصحح للنصب قرینہ بھی موجود ہو۔ کیونکہ دونوں کے پڑھنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اور مرجح للنصب قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے نصب پڑھنا مختار ہے۔

سوال: جس طرح مرجح للنصب قرینہ موجود ہے تو اسی طرح مرجح لِلرّفع قرینہ بھی موجود ہے وہ سلامتی عن الحذف ہے۔ اس لیے رفع اور نصب دونوں برابر ہونے چاہییں۔

جواب: ہماری مراد یہ ہے کہ جس وقت تناسب مقصود ہو تو اس وقت نصب مختار ہوگا۔ کیونکہ تناسب نصب کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم نے شرط لگائی کہ جملہ فِعلیہ للتناسب کی علیٰ جملۃ فعلیۃ للتناسب اگر تناسب مختار نہ ہو تو نصب بھی مختار نہ ہوگا۔ مثلاً اگر سلامت عن الحذف مقصود ہو تو پھر رفع مختار ہوگا۔

قولہ: وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْیِ وَالْاِسْتِفْہَامِ وَاِذَا الشَّرْطِیَّۃِ وَحَیْثُ وَفِی الْاَمْرِ وَالنَّہْیِ اِذْ ھِیَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ حرف نفی سے مراد خاص ہے یعنی مَا و لَا اور اِنْ مراد ہے۔ باقی مراد نہیں۔ اس لیے اگر وہ فعل پر داخل ہوں تو وہاں پر نصب پڑھنا مختار نہیں ہوتا۔ بلکہ واجب ہوتا ہے۔ حرفِ استفہام۔ کے بعد بھی نصب مختار ہوتا ہے۔ اِذَا شرطیہ اور حَیْثُ کے بعد بھی نصب مختار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شرط ہمیشہ فعل ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ فعل ہی اس لیے ہوتی ہے کہ شرط میں تردد پایا جاتا ہے۔ اور تردد فعل ہی میں پایا جاتا ہے۔ اور امر نہی میں بھی نصب مختار ہے۔ کیونکہ اگر مرفوع پڑھا جائے تو امر نہی وغیرہ خبر واقع ہوں گے۔ حالانکہ جملہ انشائیہ کی وجہ سے خبر واقع نہیں ہو سکتے۔ ان تمام میں نصب مختار اس لیے ہے کہ یہ فعل کے مواقع ہیں۔ جب یہ فعل کے مواقع ہیں تو نصب مختار ہے۔

قولہ: وَعِنْدَ خَوْفِ لُبْسِ الْمُفَسِّرِ بِالصِّفَۃِ مِثْلُ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ اس عبارت میں مصنفؒ نصب کے مختار ہونے کے آخری مقام کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی اسم ہو اور اس کے بعد کوئی کلمہ خبر واقع ہو رہا ہو اور اگر اس اسم کو مرفوع پڑھا جائے تو اس کے بعد خبر کا صفت کے ساتھ التباس لازم ہے۔ یعنی اس خبر کو صفت بنا دیا جائے اور اس کے بعد کوئی اور اسم خبر واقع ہو رہا ہو تو ایسے مقام پر نصب مختار ہے۔ جیسے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ اس کو

منصوب پڑھا جائے جو کہ اصل ترکیب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر ایک چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا۔ اور اگر کُلَّ شَیْءٍ مرفوع پڑھا جائے تو پھر بھی اصل اور صحیح ترکیب یہی ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ مبتدا خَلَقْنَاہُ خبر واقع ہے۔ جس طرح کہ منصوب کی صورت میں تھا۔ لیکن کوئی کم فہم انسان اس میں ایک اور ترکیب بھی کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ خَلَقْنَاہُ جو کہ اصل میں خبر ہے اس کو صفت بنائے شَیْءٍ کی، تو مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز ہم نے بنائی وہ اندازے سے ہے۔ تو اس طرح معتزلہ کے مذہب کی توثیق اور تایید ہو جائے گی اس لیے نحویوں نے یہ قاعدہ بنا دیا کہ اگر کوئی اسم ہو اور اس کے بعد کوئی کلمہ خبر واقع ہو رہا ہو اور اس اسم کو مرفوع پڑھنے سے خبر کا صفت کے ساتھ التباس لازم آتا ہے تو ایسی صورت میں منصوب پڑھنا مختار ہوگا۔

تشریح وَ يَسْتَوِي الْاَمْرَانِ فِيْ مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَ عَمْرًوا اَكْرَمْتُهٗ اس عبارت سے مُصنّفؒ ما اضمر عامله کے تیسرے مقام کو جہاں پر رفع اور نصب دونوں برابر ہیں، اس کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ اس وقت ہوگا جب کوئی اسم ہو اور اس سے پہلے جملہ فِعلیہ بھی ہو اور جملہ اسمیہ بھی۔ اگر اس اسم کا جملہ اسمیہ پر عطف ڈالا جائے تو اس وقت منصوب پڑھنا جائز ہے تو جملہ اسمیہ پر عطف ڈال کر اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور جملہ فِعلیہ پر عطف ڈال کر منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ جس طرح قام زید و عمروا اکرمته یہاں پر عمرو کا عطف زید پر ڈال کر مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور جملہ فِعلیہ پر عطف ڈال کر یعنی قام پر عطف ڈال کر منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

سوال آپ کی پیش کردہ مثال میں رفع اور نصب دونوں برابر نہیں بلکہ رفع مختار ہونی چاہیے کیونکہ مرجح لِلترفع قرینہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ مرفوع پڑھنے میں سلامت عن الحذف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

جواب اگر مرجح لِلترفع قرینہ موجود ہے تو مرجح للتصب قرینہ بھی تو موجود ہے۔ وہ یہ کہ جملہ فِعلیہ صغریٰ ہے۔ اور جملہ اسمیہ کبریٰ ہے۔ عطف مناسب یہ ہے کہ عطف صغریٰ پر ڈالا جائے نہ کہ کبریٰ پر۔ اس لیے رفع اور نصب دونوں دخول میں برابر ہیں۔

سوال جملہ صغریٰ اگر اسم عمروا کے قریب ہے تو جملہ کبریٰ بھی تو قریب ہے۔ کیونکہ صغریٰ بھی تو کبریٰ کی ایک جزء ہے۔ اس لیے رفع ہی مختار ہونا چاہیے۔

جواب جملہ کبریٰ باعتبار مبدا کے بعید ہے۔ اور باعتبار منتہیٰ کے قریب ہے۔ لیکن جملہ صغریٰ باعتبار مبدا کے قریب ہے اور باعتبار منتہیٰ کے بھی۔ اس لیے قرب قرب میں فرق ہے۔ تو ثابت ہوا کہ رفع اور نصب دونوں برابر ہیں۔

فائدہ وَ یَجِبُ النَّصبُ بَعدَ حَرفِ الشَّرطِ وَ حَرفِ التَّحضِیضِ مِثلُ اِن زَیدًا ضَرَبتَهٗ ضَرَبَكَ وَالَّا زَیدًا ضَرَبتَهٗ اس عبارت میں مُصنفؒ مضان کے چوتھے مقام کو بیان کرتے ہیں۔ جہاں پر نصب واجب ہے یہ نصب حرفِ شرط کے بعد ہوگی۔ اور حرف تحضیض کے بعد ہوگی، حرف شرط کے بعد اس لیے کہ شرط ہمیشہ فعل ہوتی ہے۔ تحضیض کے بعد اس لیے کہ جس وقت حرف تحضیض ماضی پر داخل ہوتا ہے تو تندیم کے لیے مضارع پر داخل ہو تو ترغیب کے لیے ہوتی ہے اور تندیم اور ترغیب فعل میں پائی جاتی ہے اس لیے حرف تحضیض کے بعد بھی نصب واجب ہوگی۔

فائدہ وَلَیسَ اَزَیدٌ ذُهِبَ بِهٖ مِنهُ فَالرَّفعُ اس عبارت سے مُصنفؒ مَحنَاتِ مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ کے پانچویں مقام کو بیان کرتے ہیں۔ جہاں پر رفع واجب ہے۔ یہاں پر مُصنف نے طرز بدل دیا تاکہ ایک سوال مقدر کا جواب بھی ہو جائے اور مقام بھی بیان ہو جائے تو فرمایا: اَزَیدٌ ذُهِبَ بِهٖ، مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ کی قبیل سے نہیں یہ دراصل سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ نے بیان کیا ہے کہ کوئی اسم ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو تو اس کو منصوب پڑھنا مختار ہوتا ہے۔ ہم تمھیں ایک مثال دکھاتے ہیں جہاں پر رفع واجب ہے حالانکہ وہ اسم ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہے؟

جواب ۱ باب ذہاب لازمی ہے اور بغیر تاویل کے مُتعدی نہیں ہوتا اور اس کو باتعدیہ سے مُتعدی کیا جاتا ہے۔ تو جس وقت ذُهِبَ کو زَیدٌ پر مسلط کیا جاتا ہے تو لامحال بَا کا ہونا ضروری ہوگا۔ اور اگر بَا کو لایا جائے تو بَا جر دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے منصوب نہیں پڑھا جاتا اور رفع ہی پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ کی ایک شرط مفقود ہو چکی ہے۔

جواب ۲ یہ باب لازمی ہے لیکن ہم اس سے قطع نظر کر کے باقی وجہ سے مُتعدی نہیں کرتے بلکہ پہلے سے مُتعدی مان لیتے ہیں بغیر تاویل کے مُتعدی مانتے ہیں پھر بھی اگر ذُهِبَ کو زَیدٌ پر مسلط کیا جائے تو ماضی مجہول ہونے کی وجہ سے یہ رفع دیگا۔ کیونکہ یہ نائب فاعل بنے گا اور یہ مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ سے خارج ہو جائے گا تو ہر وہ مقام جہاں پر کوئی اسم ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو اور اس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو جو کہ اس میں عمل کرنے سے اعراض کر کے اس کی کسی ضمیر یا کسی مُتعلق میں عمل کر رہا ہو، اگر فعل یا شبہ فعل مسلط ہونے کی وجہ سے نصب نہ دے سکے تو وہ مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ سے خارج ہوتا ہے اور مرفوع پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

فائدہ وَکَذٰلِكَ کُلُّ شَیءٍ فَعَلُوهُ فِی الزُّبُرِ اس عبارت سے مُصنفؒ دوسرے مقام کو بیان

کرتے ہیں جہاں پر رفع واجب ہے یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ اور کَذَالِکَ کا اشارہ بھی ماقبل کی طرف ہے کہ جس طرح وہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے اسی طرح یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال مَا اُضْمِرَ عَامِلُہٗ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ آپ اس کو منصوب نہیں پڑھتے بلکہ کہتے ہیں کہ رفع واجب ہے جیسے: کُلُّ شَیْئٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ اس سے پہلے ایک تمہید جان لیں کہ اس کی موجودہ ترکیب کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کُلُّ شَیْئٍ مُبتدا ہے فَعَلُوْہُ شَیْئٍ کی صفت ہے اور فی الزبر ثابت کے مُتعلق ہو کر خبر ہے، مطلب یہ ہوگا کہ تمام کام جو لوگ کرتے ہیں وہ زبر اور کتابوں میں موجود ہیں۔

جواب جواب یہ ہے کہ اگر اس کو منصوب پڑھا جائے تو فی الزبر کی دو ترکیبیں ہیں۔ ❶ فی الزبر ظرف لغو ہو کر فَعَلُوْہُ کے مُتعلق ہو جائے۔ ❷ فی الزبر ظرف مُستقر ہو کر کَائِنٌ یا ثَابِتٌ کے مُتعلق ہو کر کُلُّ شَیْئٍ سے حال بن جائے۔ اگر پہلی ترکیب کی جائے یعنی ظرف لغو بن کر تو پھر معنی فاسد ہو جاتا ہے دوسری ترکیب سے مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے۔ پہلی ترکیب میں معنی اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام کام جو لوگ کرتے ہیں وہ کتابوں میں کرتے ہیں یعنی افعالِ عباد کتابوں میں ہیں۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ دوسری ترکیب کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ تمام کام جو لوگ کرتے ہیں وہ کام تو کتابوں میں ہونے والے ہیں یعنی پہلے وہ کام کتابوں میں موجود ہوتے ہیں بعد میں بندے نقل کر کے کام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں۔ بلکہ پہلے لوگ کام کرتے ہیں پھر فرشتے ان کے افعال کو کتابوں میں درج کرتے ہیں۔ تو اس لیے یہ ترکیب بھی صحیح نہیں جب یہ دونوں ترکیبیں صحیح نہیں تھیں اس لیے ہم نے کہہ دیا کہ کل شئَ کو مرفوع پڑھنا واجب ہے بلکہ ہم نے قاعدہ بنا دیا کہ ہر وہ مقام کہ جہاں پر مَا اُضْمِرَ عَامِلُہٗ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں لیکن اسم پر فعل یا شبہ فعل کے مسلط کرنے سے معنی فاسد ہوتا ہو یا مقصود کے خلاف ہو تو وہاں نصب جائز نہیں ہوگی بلکہ رفع واجب ہوگا۔

قولہ وَنَحْوُ الزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ، اَلْفَاءُ بِمَعْنَی الشَّرْطِ عِنْدَ الْمُبَرِّدِ وَجُمْلَتَانِ عِنْدَ سِیْبَوَیْہِ وَاِلَّا فَالْمُخْتَارُ النَّصْبُ

اس عبارت سے مُصنفؒ رفع کے وجوب کے پانچویں مقام کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ نے پہلے بیان کیا کہ کوئی صیغہ امر کا ہو اس سے پہلے کوئی اسم ہو تو اس کو منصوب پڑھنا واجب ہے لیکن آپ الزانیۃ و الزانی فاجلدوا میں وجوب نصب کے قائل نہیں بلکہ آپ کہتے ہیں کہ رفع واجب ہے حالانکہ یہاں پر مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں صیغہ امر بھی موجود ہے۔

جواب قراء سبعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ الزانیۃ والزانی میں رفع واجب ہے صرف ایک قاری عیسیٰ بن عمر نصب کے وجوب کے قائل ہیں تو اب نحویوں کے قاعدے کے مطابق تو اس کو منصوب پڑھنا واجب ہے حالانکہ قراء سبعہ رفع کے قائل ہیں تو اس سے لازم آئے گا قراء سبعہ کا اتفاق ایک غیر مختار روایت پر غیر مختار قرارت پر تو قرآن مجید کے متعلق اس قسم کی بات کرنا بڑی دلیری اور جرارت کا کام ہے اس لیے نحویوں کو ضرورت پڑی کہ ایسا حل نکالیں کہ الزانیۃ و الزانی کو اپنے قاعدے سے خارج کردے اور مستثنیٰ کردے تو نحویوں نے اس کا محمل نکالا جس میں دو مذہب ہیں۔ ❶ ابو العباس مبرد کا ❷ دوسرا مذہب سیبویہ کا دونوں کا مقصد یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نکال دیا جائے لیکن راہ اور طریقہ دونوں کا مختلف ہے۔ ابو العباس مبرد کہتا ہے کہ فاجلدوا پر فا شرطیہ ہے اور یہ ایک سبب اور جزاء پر داخل ہے۔ الزانیۃ و الزانی پر الف لام موصول ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب الف لام موصول اسم فاعل اور مفعول پر داخل ہو تو معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے۔ اس لیے الزانیۃ والزانی بھی شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوا۔ اس لیے اب فاجلدوا جزاء بن جائے گی۔ اور یہ بھی قاعدہ اور قانون ہے کہ جزاء اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتی اس لیے عمل نہیں کرسکتی کہ شرط اور جزا کا التباس لازم آتا ہے وہ اسطرح کہ وہ چیز مقدم ہونے کے لحاظ سے تو شرط کا معمول بنے گی لیکن جزا کی کبھی کسی جز کے معمول ہونے کی وجہ سے جزاء کی قبیل سے ہوگی۔ اس التباس سے بچنے کے لیے شرط لگادی جزا ماقبل میں عمل نہیں کرسکتی۔ یہ قاعدہ بنادیا البتہ اگر فاء کے ماقبل و مابعد میں شرطیت اور جزائیت کا تعلق نہ ہو تو فاء کا مابعد ماقبل میں عمل کرسکتا ہے۔ جیسے: رَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (الآیۃ) اور اگر شرطیت اور جزائیت کا تعلق ہو تو کسی غرض کی وجہ سے جزاء کی جز ماقبل میں عمل کرسکتی ہے، تو مبرد کے ہاں یہ ایک جملہ ہے سیبویہ کہتے ہیں کہ یہ دو جملے ہیں الزانیۃ و الزانی علیحدہ ہے اور فاجلدوا یہ جملہ علیحدہ ہے۔ الزانیۃ دراصل مضاف الیہ ہے مضاف محذوف ہے کہ: حکم الزانیۃ و الزانی یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مُبتداء ہے۔ جس کی خبر سیتلی عَلَيْكُمْ محذوف ہے۔ سیبویہ بھی یہ بات مانتے ہیں کہ فاجلدوا پر فاء شرطیہ ہے۔ اور

شرط اور جزار پر داخل ہے۔ البتہ النزانیۃ کی جزار النزانی الی آخرہ کی جزار نہیں بلکہ اس کی شرط محذوف ہے۔ ان ثبت زنا ھما باربعۃ شھداء او باقرار ثلاثِ مراۃٍ فاجلدو اجب یہ دو علیحدہ علیحدہ جملے ہوئے تو اب ایک جملے کی جز دوسرے جملہ کی جز پر عمل نہیں کر سکتی۔ اس لیے النزانیۃ ما اضمر عاملہ سے خارج ہو گیا۔ اور اس کا مرفوع ہونا واجب ہو گیا۔ وَاِلاَّ (الی آخرہ) اگر اس طرح نہ ہو یعنی جس پر مبرد اور سیبویہ نے محمول کیا۔ نہ محمول کیا جائے تو پھر نصب پڑھ مختار ہوگا۔ مصنفؒ کی یہ کلام قیاسِ استثنائی پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ قیاس اقترانی ❷ قیاس استثنائی۔ قیاس اقترانی یہ ہے، صغریٰ: ان لم تکن الفاء بمعنی الشرط او الایت جملتین فھی داخلۃ تحت ضابطۃ۔ کبریٰ: کلما کانت داخلۃ تحت الضابطۃ فالمختار حینئذ النصب۔ نتیجہ: ان لم تکن الشرط بمعنی الفاء او الایت جملتین فالمختار حینئذ النصب۔ **قیاس استثنائی صغریٰ:** قیاس استثنائی سے حاصل شدہ نتیجہ کو بنایا جائے اور نقیض تعلیق کی استثنار کر لی جائے اور یوں کہا جائے۔ ان لم تکن الفاء بمعنی الشرط و لم تکن الایت جملتین فالمختار حینئذ النصب و لکن اختیار النصب باطل۔ نتیجہ الفاء بمعنی الشرط او الایت جملتین کیونکہ عین تعلیق کا استثنار نقیض مقدم کے لیے نتیجہ ہوتی ہے۔

قولہ اَلرَّابِعُ التَّحْذِيْرُ وَ هُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ تَحْذِيْرًا مِمَّا بَعْدَهٗ اَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا۔ تیسرے مقام سے فراغت کے بعد مصنفؒ چوتھے مقام کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں مفعول بہ کے عامل ناصب کو قیاسی طور پر حذف کیا جاتا ہے۔ چوتھا مقام تحذیر ہے۔

سوال تحذیر میں مفعول بہ کے عامل کو وجوبی طور پر کیوں حذف کیا جاتا ہے؟

جواب اس لیے کہ تنگی کا مقام ہوتا ہے فرصت کم ہوتی ہے۔ مصیبت سامنے ہوتی ہے اگر متکلم فعل کے تکلّم میں مشغول ہو جائے تو خطرہ ہے یا محذر مصیبت میں واقع ہو جائے اس لیے فعل کو حذف کر دیا ہے۔ تحذیر کا لغوی معنی ڈرانا ہے۔ جو ڈرانے والا ہے اس کو مُحَذِّر کہتے ہیں اور جس کو ڈرایا جائے اس کو مُحَذَّر کہتے ہیں۔ اور جس سے ڈرایا جائے اس کو مُحَذَّر منہ کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہے لیکن اصطلاح میں تحذیر قسم اول اور قسم ثانی کو کہتے ہیں۔

تحذیر کی تعریف: التحذر و ھو معمول بتقدیر اتق۔ مُحَذِّر اور مُحَذَّر مِنْہُ تحذیر کی دو قسمیں مُحَذِّر اور مُحَذَّر منہ دونوں عبارتیں موجود ہوں اور تحذیر وہ معمول ہے جو منصوب ہوتا ہے مفعول بہ ہونے کے بنار پر اس کے لیے فعل اِتَّقِ یا اس جیسا محذوف ہوا کرتا ہے۔ تحذیر کی دو قسمیں

ہیں۔ ❶ قسم اول: مُحذَّر اور مُحذَّر منه دونوں کلام میں موجود ہوں۔ ❷ قسم ثانی: کلام میں فقط مُحذَّر منه موجود ہو اور اس کو تکرار سے لایا جائے۔

سوال قسم اول اور قسم ثانی کی تمام امثلہ میں اِتَّقِ فعل کو مقدر نہیں کیا جاتا۔

جواب یہاں پر اِتَّقِ کا ذکر بطور تمثیل کے ہے۔

سوال توضیح کے لیے تو ایک مثال کافی ہوتی ہے۔ مُصنف نے پانچ مثالیں کیوں دیں؟

جواب کل احتمالات عقلیہ آٹھ تھے وہ اس طرح کہ محذر منه دو حال سے خالی نہیں اسم صریح ہوگا یا اسم تاویلی، پھر تقدیر پر ایک دو حال سے خالی نہیں مُستعمل بلفظ واو ہوگا یا بلفظ مِنْ ہوگا یہ کل چار احتمال ہو گئے۔ ❶ محذر منه اسم صریح مُستعمل بلفظ واو ہو۔ ❷ محذر منه اسم صریحي مُستعمل بلفظ مِنْ ہو۔ ❸ محذر منه اسم تاویلی مُستعمل بلفظ واو ہو۔ ❹ محذر منه اسم تاویلی مُستعمل بمِنْ ہو۔ ان احتمالات اربعہ میں سے ہر ایک میں پھر دو احتمال ہیں کہ واو ملفوظ کے ساتھ ہو یا واو مقدر کے ساتھ ہو اس طرح مِنْ ملفوظ کے ساتھ ہو یا مِنْ مقدر کے ساتھ ہو تو کل آٹھ احتمال ہو گئے جن میں سے حسب ذیل احتمال خمسہ صحیح ہیں۔ ❶ محذر منه اسم صریحي مُستعمل بواو ملفوظ ہو۔ جیسے: اِيَّاكَ وَالْاَسَدَ۔ ❷ محذر منه اسم صریحي مُستعمل بمِنْ ملفوظ۔ جیسے: اياك من الاسد ❸ محذر منه اسم تاویلی مُستعمل بواو ملفوظ ہو۔ جیسے: اِيَّاكَ وَاَنْ تَحذِفَ الْاَرْنَبَ۔ ❹ محذر منه اسم تاویلی مُستعمل بمِنْ مقدر ہو۔ جیسے: اياك ان تحذف الارنب۔ باقی احتمالات ثلاثہ حسب ذیل مُستعمل نہیں ہوتے۔ ❶ محذر منه اسم صریحي مُستعمل بواو مقدر ہو۔ ❷ محذر منه اسم صریحی مُستعمل بمِن مقدر ہو۔ ❸ محذر منه اسم تاویلی مُستعمل بواو مقدر ہو۔ چونکہ احتمالات خمسہ۔ مُعتبر تھیر مُستعمل تھے اس لیے پانچ کی مثال دی ہے۔ پہلی صورۃ کی مثال: اياك و الاسد اصل میں تھا اتقك من الاسد و الاسد منك۔ اور قاعدہ ہے کہ دو ایسی ضمیریں مُتصِل ہوں جو کہ ایک ذات سے تعبیر ہوں ان کا جمع ہونا سوائے افعال قلوب کے جائز نہیں اس لیے کاف ضمیر خطاب سے پہلے لفظ نفس سے آئے۔ پھر یہ ہو گیا اتق نفسك من الاسد و الاسد من نفسك پھر ضیق مقام کی اور ضیق وقت کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا تو باقی بچ گیا: نفسك من الاسد و لاسد من نفسك پھر لفظ نفس کو بھی حذف کر دیا کیونکہ اس کے لانے کی جو ضرورت تھی وہ ختم ہو گئی اور کاف ضمیر یہ ضمیر مُتصِل ہے۔ اس کو ضمیر مُنفصِل کے ساتھ بدل دیا کیونکہ کاف ضمیر مُتصِل علیحدہ استعمال نہیں ہو سکتی تھی تو یہ اِيَّاكَ سے بدل گئی۔ اور کاف ضمیر خطاب کو ضمیر

منفصل کے ساتھ بدل دیا تو ایاك من الاسد والاسد من نفسك پھر فعل کے متعلقات کو بھی حذف کردیا تو بن گیا: ایاك والاسد اور محذر منہ مکرر کی مثال: اَلطَّرِیْقَ الطَّرِیْقَ اصل میں تھا: اِتَّقِ الطَّرِیْقَ، اِتَّقِ الطَّرِیْقَ، پھر تنگی وقت کی وجہ سے اِتَّقِ فعل کو حذف کردیا تو اَلطَّرِیْقَ، الطَّرِیْقَ ہو گیا۔ پہلا الطریق قائم مقام المحذر اور دوسرا اَلطَّرِیْقَ یہ محذر منہ ہے۔ اور یہ دونوں مثالیں اسم صریح کی تھیں۔ اور اسم تاویلی کی مثال: ایاك وان تحذف الارنب اصل عبارت تھی اتق نفسك من ان تحذف الارنب، وان تحذف الارنب من نفسك یا باعد نفسك تو پھر ما قبل کی طرح باقی عبارت رہ گئی: ایاك وان تحذف الارنب کہ دور رکھ تو اپنے آپ کو خرگوش کے مارنے سے اور خرگوش کو اپنے آپ سے۔

فائدہ تحذیراً کی تین ترکیبیں ہیں:

پہلی ترکیب: یہ مفعول مطلق ہے جس کا فعل محذوف ہے تقدیرِ عبارت یہ ہوگی: هُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِیْرِ اِتَّقِ وَحُذِرَ تَحْذِیْرًا۔

دوسری ترکیب: تحذیراً تقدیر سے مفعول لہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا۔ تحذیر معمول ہوتا ہے۔ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ۔ تقدیر کا سبب یعنی مابعد سے ڈرانے کے لیے۔

سوال تحذیراً کو تقدیر اِتَّقِ سے مفعول لہ نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تقدیر تحذیر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حالانکہ تقدیر کا سبب تحذیر نہیں بلکہ تنگی مقام ہے۔

جواب تحذیراً تقدیر ہی سے مفعول لہ واقع ہے لیکن بواسطہ اِتَّقِ کے یعنی تقدیر کا سبب تو تحذیر نہیں لیکن اِتَّقِ کے تقدیر کا سبب تحذیر ہے۔

تیسری ترکیب: تحذیراً مفعول فیہ ہے۔ تقدیر اِتَّقِ سے جس وقت اس کو مفعول فیہ بنایا جائے گا تو اس کا مضاف مقدر ماننا پڑیگا لفظ حین یا وقت۔ مطلب یہ ہوگا کہ مُحَذَّر معمول ہوگا۔ اِتَّقِ کے تقدیر کے ساتھ جس وقت مابعد سے ڈرانا مقصود ہو۔

وَذُكِرَ الخ اس کی دو ترکیبیں ہیں۔ کیونکہ اس کے صیغے میں دو احتمال ہیں۔ ذُکِرَ مصدر کا صیغہ ہوگا یا ماضی مجہول کا صیغہ ہوگا۔ اگر اس کو مصدر بنایا جائے تو اس کا عطف ہوگا معمول پر اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ محذر اِتَّقِ کے تقدیر کے ساتھ معمول ہوتا ہے۔ یا محذر منہ کا تکرار سے ذکر کرنا ہوتا ہے۔ اور ماضی مجہول کا صیغہ بنایا جائے تو اس کا عطف ہوگا معمول پر، مطلب یہ ہوگا کہ محذر منہ کو تکرار سے ذکر کیا جائے۔

سوال یہ دونوں احتمال اور دونوں روایتیں غلط ہیں پہلی اس لیے غلط ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ محذر منہ کا تکرار سے ذکر کرنا۔ حالانکہ محذر منہ کا ذکر تو معمول بھی نہیں ہوتا اور مفعول بہ بھی نہیں، بلکہ محذر منہ خود معمول ہوتا ہے اور مفعول بہ ہوتا ہے۔ دوسری روایت پر سوال۔

سوال ذُکِرَ جملہ فِعلیَہ ہے جس سے پہلے جملہ فِعلیَہ نہیں تو اس کا عطف جملہ اسمیہ پر ڈالنا یہ تناسب کے خلاف ہے۔

سوال یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی اسم کا کسی دوسرے اسم پر اَوْ حرفِ عطف کے ذریعے عطف ڈالا جائے اور وہ باعتبار اسمیت اور فعلیت کے کمی اور زیادتی کے اعتبار سے مختلف ہو تو وہاں اَوْ حرف بَلْ اضرابیہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے: اَنَا مُقِیمٌ اَوْ اَمشِیْ اب یہاں اسمیت اور فعلیت کا اختلاف ہے تو یہاں اَوْ بمعنی بَلْ اضرابیہ کے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ میں کھڑا ہوں نہیں بلکہ میں تو چل رہا ہوں کمی اور اور زیادتی کے اعتبار سے اختلاف کی مثال قرآن مجید میں ہے: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یہاں پر اَوْ کے ذریعے اٰثِمًا پر كَفُوْرًا کا عطف ہے اور بَلْ اضرابیہ کا معنی ہے۔ اور یہاں کمی زیادتی بھی ہے کہ اٰثِمًا میں معصیت کم ہے اور کفر میں معصیت اعلی درجے کی ہے تو یہاں بھی بَلْ اضرابیہ کے معنی میں ہے کہ آپ کسی گناہ گار کی اطاعت نہ کریں نہیں نہیں گناہ گار کو چھوڑو بلکہ کسی کافر کی اطاعت نہ کیجیے۔ لہذا ذُکِرَ کا معمول پر عطف ڈالا جا رہا ہے۔ اَوْ حرفِ عطف کے ذریعے جو باعتبار اسمیت اور فعلیت کے مختلف ہے تو یہاں پر بھی اس قاعدے کی بناء پر اَوْ، بَلْ اضرابیہ کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ محذر اتق کے تقدیر کے ساتھ معمول ہوتا ہے نہیں نہیں اس کو چھوڑو بلکہ محذر وہ ہے کہ محذر منہ کا تکرار سے ذکر کیا جائے یہ تو مقصود کے بالکل خلاف ہے۔

جواب **روایت اول،** اگر یہ مصدر اس کو پڑھا جائے تو آپ کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے اور منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اگر مرفوع پڑھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَثِيَابُ اَخْلَاقٍ۔ یعنی صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ قَطِيفَةٌ موصوف ہے اور جَرْدٌ صفت ہے۔ اسی طرح ثِيَابُ اَخْلَاقٍ، ثِيَابٌ موصوف اَخْلَاقٍ صفت تھی۔ لیکن پھر صفت کی موصوف کی طرف اضافت کردی گئی اسی طرح یہاں پر لفظ ذُکِرَ مصدر مبنی للمفعول بمعنی مذکور یہ صفت ہے المحذر منہ کی۔ تقدیر عبارت یوں ہے: المحذر منہ المذکور پھر صفت مذکور کی محذر منہ کی طرف اضافت کردی گئی۔ لہذا مرفوع پڑھنا صحیح ہے۔

❷ منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت اس کا عطف تحذیر پر ہوگا اور اس ترکیب میں تحذیراً کو مفعول فیہ بنائیں گے۔ یہ ترکیب اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ تحذیراً کی ترکیب مفعول فیہ والی کی جائے۔

سوال بر صورۃ مرفوع کہ لفظ أوْ احد المذکورین کے لیے ہوتا ہے۔ احد الامرین کے لیے ہوتا ہے۔ جس کا ماقبل مابعد سے تقابل ہوتا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ اس کا تقابل ذُکِرَ محذر منہ کا کس کے ساتھ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کا تقابل تقدیر اِتَّقِ سے ہوگا اب مطلب یہ ہوگا کہ پہلی صورۃ میں اِتَّقِ مقدر ہوتا ہے اور دوسری صورۃ میں اتق مقدر نہیں ہوتا۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ دوسری صورۃ میں اگر اِتَّقِ کی تقدیر کو نہ مانا جائے تو یہ اس مقام رابع یعنی تحذیر سے خارج ہو جائے گی۔

سوال بر صورت منصوب: منصوب پڑھنا بھی غلط ہے کیونکہ اس کا عطف تحذیراً پر ہوگا اور اس سے پہلے مضاف لفظ حِیْنَ یا لفظ وقت مقدر ماننا پڑیگا۔ اور اس میں مجاز لازم آئے گا۔ حالانکہ تعریف میں مجاز کو ذکر کرنا غلط ہوتا ہے۔

جواب سوال[۱] سے ہم دوسری صورۃ میں اِتَّقِ کی تقدیر کو مانتے ہیں لیکن تقابل ایک اور قید کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ پہلی صورۃ میں مابعد سے ڈرانا ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ لہذا مرفوع پڑھنا صحیح ہے۔ سوال ثانی کا جواب۔ مجاز کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ مجاز بالحذف ❷ مجاز معنوی۔ تعریف میں مجاز معنوی کا استعمال کرنا مکروہ ہوتا ہے لیکن مجاز بالحذف جائز ہوتا ہے لہذا یہاں پر مجاز بالحذف ہے جو کہ جائز ہے۔

جواب **روایت ثانی:** ذُکِرَ کا عطف فعل محذوف پر ہے جو کہ ذُکِرَ ہے۔ یعنی ذُکِرَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِیْرِ اِتَّقِ۔

سوال اگر ذوالحال کا حال جملہ ہو اسی طرح موصوف کی صفت جملہ ہو اور موصول کا صلہ جملہ ہو مُبتدا کی خبر جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی صورۃ میں تو عائد موجود ہے کہ مابعدہ کی ضمیر مُبتدامر کی طرف راجع ہے لیکن دوسری صورۃ میں عائد نہیں ہے۔

جواب دوسری صورت میں وضع المظہر موضع المضمر کے قبیل سے ہے یعنی اصل میں تو ذُکِرَ کی ضمیر معمول کی طرف لوٹ رہی تھی لیکن ہم نے اس کو ظاہر کر دیا اور یہ اس لیے کیا کہ اگر ضمیر بھی جو کہ معمول کی طرف راجع ہوتی ہے تو دونوں صورتوں کا التباس لازم نہیں آتا تھا لیکن

مقصود کے خلاف تھا کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ محذر منہ تکرار سے لایا جائے لیکن اس وقت مطلب یہ ہوتا کہ محذر تکرار سے لایا جائے حالانکہ یہ مقصد کے خلاف ہے اس لیے ہم نے ضمیر کو اسم ظاہر کے ساتھ تبدیل کر دیا۔

سوال ہم تمھیں ایک مثال دکھاتے ہیں جو نہ تحذیر کی پہلی قسم سے ہے اور نہ دوسری قسم سے ہے لیکن مفسرین نے وہاں پر اِتَّقِ فعل مقدر مانا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں: نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا تو یہاں پر اِتَّقِ فعل مقدر ہے۔

جواب نحوی ایک علیحدہ طائفہ ہے مفسرین کا علیحدہ طائفہ ہے تو یہاں پر اگر مفسرین اتق فعل مقدر مانتے رہیں تو مانتے رہیں۔ جواب۲ مُصنّفؒ نے تحذیر کو ان دو قسموں میں منحصر نہیں کیا بلکہ اس کے علاوہ کوئی تیسری قسم بھی نکل سکتی ہے۔

قولہ اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ. مُصنّفؒ مفعول بہ کی بحث سے فراغت کے بعد اب منصوبات کا تیسرا قسم مفعول فیہ کی بحث کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس عبارت میں مفعول فیہ کی تعریف کی ہے۔ جس میں تین درجے ہیں۔ **پہلا درجہ مختصر مفہوم:** کہ مفعول فیہ وہ اسم ہے جس میں فعل مذکور واقع ہو۔ **دوسرا درجہ فوائد قیود:** مَا اسم جنس ہے کہ تمام اسماء اور ظروف زمان اور مکان کو شامل ہے۔ فُعِلَ یہ ظروف زمان اور مکان کے علاوہ تمام اسماء کے لیے فصل ہے۔ ان کے لیے مخرج ہے اور ظروف زمان اور مکان کے لیے جنس بعید ہے اور مذکور یہ جنس قریب ہے اس سے وہ ظروف زمان و مکان نکل جائیں گے۔ جن سے پہلے فعل موجود نہ ہو۔ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ. کیونکہ اس سے پہلے فعل موجود نہیں ہے۔

تیسرا درجہ سوالات وجوابات:

سوال مُعَرِّف کے لیے شرط ہے کہ وہ مُعَرَّف سے اعرف اور اَشْهَر ہو۔ اور یہاں پر تعریف بالمثل لازم آرہی ہے کیونکہ جو مفعول کو نہیں سمجھتا وہ فعل کو بھی نہیں سمجھتا یہ تعریف بالمثل ہے جس میں مُعَرِّف اور معرَّف معرفت اور جہالت کے اندر برابر ہوتے ہیں۔

جواب تعریف کی دو قسمیں ہیں۔ تعریف لفظی اور تعریف معنوی۔ تعریف معنوی میں تو یہ شرط ہے کہ معرف اعرف اور اشہر ہو لیکن تعریف لفظی میں یہ شرط نہیں ہے کہ معرف باعتبار معرفت اور جہالت کے برابر نہ ہو بلکہ اس میں معرف کے لیے معمولی سا اوضح ہونا ہی کافی ہوتا ہے اور یہاں پر بھی تعریف لفظی مراد ہے اور وَفُعِلَ فِيْهِ مُعَرِّف مفعول فیہ مُعَرَّف سے معمولی سا اوضح ہے۔

کیونکہ فعل اسم سے اوضح بھی ہوتا ہے۔

سوال مَا سے کیا مراد ہے اسم مراد ہے یا مسمی مراد ہے کِلَاهُمَا بَاطِلٌ۔ اول اس لیے کہ معنی یہ ہوگا کہ اسم میں فعل کیا جاتا ہے حالانکہ اسم میں کوئی فعل نہیں کیا جاتا اور دوسرا اس لیے باطل ہے کہ مفعول فیہ اسم ہوتا ہے مسمی نہیں ہوتا۔ لہذا یہ تعریف ہی غلط ہے۔

جواب بقرینہ سابق لفظ اسم مقدر ہے اور اس سے مراد اسم منصوب ہے کیونکہ بحث اسمائے منصوبہ کی ہے؟

سوال فُعِلَ فِيهِ فِعْلٌ اس میں فِعْلٌ سے فعل لغوی مراد ہے یا فعل اصطلاحی۔

جواب فعل لغوی مراد ہے کیونکہ جب یوں کہا جائے ضَرَبْتُ اَمْسِ تو ضَرَبْتُ فعل اصطلاحی کا تکلم اَمْسِ میں نہیں کیا وہ تو آج ہوا ہے اور اَمْسِ میں تو ضرب واقع ہوئی ہے جو فعل لغوی ہے۔

سوال یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ تم نے فعل کے ساتھ مذکور کی قید لگائی ہے اس تعریف سے اَمْسِ کا مفعول فیہ سے نکلنا لازم آئے گا۔ کیونکہ فعل لغوی جو اس میں کہا گیا ہے وہ مذکور نہیں ہے۔

جواب مذکور عام ہے کہ خواہ مذکور مطابقۃً ہو۔ جیسے: ضَرْبِيْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ شَدِيْدًا میں۔ خواہ مذکور ضمناً ہو۔ جیسے ضَرَبْتُ اَمْسِ میں۔ ضرب جو کہ ضَرَبْتُ کے ضمن میں مذکور ہے۔ اس لیے کہ فعل لغوی فعل اصطلاحی کا جز ہوا کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کل مذکور ہو تو جز ضمناً مذکور ہوتا ہے۔ پھر یاد رکھیے مذکور ضمناً میں بھی تعمیم ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں مذکور ہو (کما مر) خواہ شبہ فعل کے ضمن میں ہو۔ جیسے: انا ضاربٌ زیداً اَمْسِ میں۔ کیونکہ فعل لغوی فعل اصطلاحی کے شبہ فعل کا بھی جزء ہوتا ہے اور جب کل ضَارِبٌ مذکور ہے تو اس کا جز فعل لغوی بھی ضمناً مذکور ہوا۔

سوال اب بھی تعریف جامع نہیں کیونکہ یوم الجمعة صمت فيه میں لفظ یوم مفعول فیہ ہونے سے نکل جاتا ہے کیونکہ فعل لغوی جو اس میں کہا گیا ہے نہ وہ مطابقۃً مذکور ہے نہ ضمناً۔ مطابقۃً کی مثال تو واضح ہے۔ ضمناً اس لیے نہیں کہ فعل اصطلاحی اور فعل شبہ فعل دونوں یہاں موجود ہی نہیں۔ حتی کہ ان کے ضمن میں مذکور قرار دیا جاسکے حالانکہ یہ مفعول فیہ ہے۔

جواب فعل اصطلاحی اور فعل شبہ فعل سے مراد عام ہے خواہ مذکور ہو یا مقدر ہو اور مثال مذکور میں فعل اصطلاحی وجوباً مقدر ہے۔ کیونکہ یہ مثال: مَا اُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے قبیل

سے ہے۔ (کَمَا سَيَأْتِيْ)

سوال اب اس تفصیل اور بیان سے تعریف کی جامعیت تو حاصل ہو گئی مگر دخول غیر سے مانع نہیں۔ کیونکہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں یوم مفعول بہ ہے۔ کیونکہ فعل مذکور اس پر واقع ہے۔ حالانکہ مفعول فیہ کی تعریف مذکور بھی اس پر صادق آرہی ہے۔

جواب تعریفات میں حَیثیت کی قید ملحوظ اور معتبر ہوتی ہے اور یہاں پر حَیثیت کی قید من حیث انہ فعل فیہ اس حَیثیت سے کہ مفعول فیہ ہی کے لیے فعل کو ذکر کیا گیا ہو۔ یعنی فعل کو ذکر ہی اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ مفعول فیہ میں واقع ہے۔ اور یہاں پر شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں ایسے نہیں بلکہ متکلم کا مقصود یہاں یہ نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ میرا حضور جُمعہ پر واقع ہوا ہے۔

سوال اس حَیثیت کی قید سے بے شک شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کی ترکیب خارج ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ایسے ہی يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ بھی مفعول فیہ کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مذکور کی قید یعنی فعل کے ساتھ مذکور کی قید سے يَوْمٌ طَيِّبٌ کو خارج کرنا یہ اخراج المخرج ہے یہ قید لغو اور مُستدرک بن جاتی ہے۔

جواب ہر تعریف کی جمیع قیودات کا احترازی ہونا کوئی ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ بعض قیود محض توضیح اور کشف کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ ایسے ہی یہاں مذکور کی قید توضیح کے لیے ہے۔ بعنوان دیگر جواب یوں دیا جاسکتا ہے اس حَیثیت کی قید لگانے سے مذکورؔ کی قید کا مُستدرک ہونا لازم آتا ہے لیکن مذکورؔ کی قید کو حذف کر دینے سے بطلان لازم آتا ہے۔ کیونکہ مذکور شرط ہے اور شرط کے حذف کرنے سے بطلان لازم آیا کرتا ہے اور بطلان یہ زیادہ قبیح ہے۔ اور استدارک یہ کم درجے کا قبیح ہے اور یہ قاعدہ ہے اِذَا ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ فَلْيَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا اور چونکہ استدراک اَهْوَن تھا تو مُصنّفؒ نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔

قولہ مِنْ زَمَانٍ اَوْ مَكَانٍ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ مَا کا بیان ہے اس عبارت کے دو تعلق ہیں ایک ماقبل سے ایک مابعد سے ماقبل سے تقسیم کا تعلق ہے اور مابعد سے احکام کا تعلق۔ پہلا تعلق جو ماقبل سے ہے تقسیم کا وہ یہ ہے کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ زمان ❷ مکان، زمان سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حُکماً یعنی تقدیراً اور اسی طرح مکان سے مراد بھی عام ہے کہ حقیقی ہو یا تقدیری ہو۔ ظرف زمان حقیقی کی مثال: صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ تقدیری کی مثال: قُمْتُ قُدُوْمَا زَيْدٍ۔ یہاں پر قدوما مفعول فیہ تو نہیں لیکن تقدیراً بن سکتا ہے کہ یہاں پر لفظ حِيْنَ یا وقت مضاف کو مقدر مانا

جائے۔ ظرف مکان حقیقی کی مثال۔ جس طرح جَلَسْتُ خَلْفَكَ اور مکان تقدیری کی مثال جَلَسْتُ شَمْسَ شمس کا معنی دھوپ ہو اور حین یا وقت مقدر ہو تو یہ ظرف مکان بن سکتا ہے۔

قولہ وَ شَرْطُ نَصْبِهٖ تَقْدِيْرُ فِيْ: مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ فِیْ مقدر ہو اس عبارت میں مُصنّفؒ نے جمہور نحاۃ کی اصطلاح کی مخالفت کی ہے کہ مُصنّفؒ نے مفعول فیہ کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ ❶ مفعول فیہ جس میں لفظ فِیْ ملفوظ ہو۔ ❷ مفعول فیہ جس میں لفظ فِیْ مقدر ہو۔ حالانکہ جمہور نحاۃ کی اصطلاح میں مفعول فیہ کی صرف ایک ہی قسم ہے کہ مفعول فیہ جس میں لفظ فِیْ مقدر ہو اگر لفظ فِیْ ملفوظ ہو تو اس کو مفعول فیہ نہیں کہتے۔ اس پر دلیل ہے کہ صاحب کافیہ کا یہ قول ہے کہ شرط نَصْبِهٖ کیونکہ صاحب کافیہ نے تقدیر فِیْ کو مفعول فیہ کے لفظوں میں منصوب ہونے کی شرط قرار دی ہے۔ نہ کہ نفس مفعول فیہ ہونے کی اس سے واضح ہو گیا کہ اگر یہ شرط یعنی لفظ فِیْ مقدر نہ ہو بلکہ ملفوظ ہو تو بھی مفعول فیہ ہوگا۔ لیکن لفظوں میں منصوب نہ ہوگا۔ بلکہ مجرور ہوگا۔ ورنہ اگر نحاۃ کی مخالفت نہ ہوتی تو عبارت یہ ہوتی و شرطه تقدیر فی۔

سوال مُصنّفؒ نے تقدیر فی فرمایا۔ حذف فی کیوں نہیں فرمایا؟

جواب حذف اور تقدیر میں فرق ہے۔ حذف کے معنی یہ ہے کہ لفظ نہ تو عبارت میں مذکور ہو اور نہ نیت میں ملحوظ ہو' اور تقدیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لفظ عبارت میں مذکور نہ ہو لیکن نیت میں ملحوظ ہو۔ اور چونکہ یہاں پر یہی مراد ہے اس لیے کہ اگر نیت میں بھی فِیْ باقی نہ رہے تو ظرفیت پر دلالت نہ رہے گی اور اسم کا ظرف ہونا مفہوم نہ ہوگا۔ اسی لیے فِیْ کی تقدیر کو اختیار کیا گیا ہے۔

سوال تقدیر کے لیے فِیْ کو اختیار کیوں کیا گیا ہے۔ حالانکہ بَا بھی ظرفیت کے لیے آتی ہے۔

جواب فِیْ ظرفیت میں کثیر الاستعمال ہے۔

قولہ وَظُرُوْفُ الزَّمَانِ كُلُّهَا تَقْبَلُ ذَالِكَ وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ اِنْ كَانَ مُبْهَمًا قَبِلَ ذَالِكَ وَاِلَّا فَلَا۔ اس عبارت میں مُصنّفؒ احکام بیان فرماتے ہیں کہ تقدیر فِیْ کہاں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں؟ ظرف زمان کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ محدود ❷ مُبہم۔ محدود اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو اور مُبہم اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد ہو ظرف زمان محدود کی مثال: شَهْرٌ، سَنَةٌ، اُسْبُوْعٌ، غَدًا وغیرہ۔ ظرف زمان مُبہم کی مثال۔ جیسے: حِيْنٌ، دَهْرٌ وغیرہ۔ ظروف مکان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ❶ مکان مُبہم ❷ مکان محدود۔ ظرف مکان مُبہم کی مثال جس طرح: خَلْفَ، قُدَّامَ، تَحْتَ، فَوْقَ۔ مکان

محدود کی مثال جس طرح: مَسْجِدٌ، دَارٌ، شَهرٌ۔ وغیرہ ان کا حکم یہ ہے کہ ظروف زمان مطلقاً خواہ مُبہم ہوں یا محدود تقدیر فِی کو قبول کرتے ہیں اور ظرف مکان اگر مُبہم ہوں تو تقدیر فِی کو قبول کرتا ہے لیکن اگر مکان محدود ہو تو فِی کی تقدیر کو قبول نہیں کرتا۔

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ ظروف زمان تو مطلقاً تقدیر فِی کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظروف مکان ایسا نہیں کرتے؟ لیکن ظروف مکان مطلقاً فِی کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ مُبہم ہو تو تقدیر فِی کو قبول کرتے ہیں محدود ہو تو قبول نہیں کرتے؟

جواب ظرف زمان مُبہم کا فعل کے ساتھ قوی تعلق ہے کیونکہ فعل کی جزء ہوا کرتا ہے فعل کی تین جزیں ہوتی ہیں۔ ● اشتقاق من المصدر ● نسبت الی الفاعل ● زمانہ حدثی۔ اور چونکہ زمانہ حدث ظرفی زمان میں پایا جاتا ہے اس لیے جزء بنتا ہے اسی وجہ سے ان کے درمیان غیر کا فاصلہ نہیں آسکتا جب ظرف زمان مُبہم تقدیر فِی کو قبول کرتا تھا تو ظرف زمان محدود کو اسی پر محمول کیا گیا۔ کیونکہ زمان میں تو دونوں شریک ہیں اور باقی رہا ظرف مکان اس میں سے جو ظرف مکان مُبہم ہے اس کو ظرف زمان مُبہم پر قیاس کیا اور اس پر محمول کر دیا جو کہ وصف ابہام میں دونوں شریک ہیں۔ باقی رہا ظرف مکان محدود یہ ظرف زمان مُبہم کے ساتھ نہ تو ذاتِ زمان میں شریک تھا اور نہ وصف ابہام میں اس لیے ان کو اس پر محمول نہیں کیا اور قاعدہ بنا دیا کہ یہ ظرف مکان محدود تقدیر فِی کو قبول نہیں کرتا۔

سوال ظرف زمان کو ظرف مکان پر مقدم کیوں کیا ہے؟

جواب چونکہ ظرف زمان مُبہم ہو یا محدود تقدیر فِی کو قبول کرتا ہے لیکن مکان مُبہم ہو تب تو تقدیر فِی کو قبول کرتا ہے اگر مکان محدود ہو تو تقدیر فِی کو قبول نہیں کرتا۔ تو مصنفؒ نے مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زمان کو مقدم کر دیا۔

سوال ان کان مبہما میں کَانَ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ ● ظروف ● مکان۔ اول اس لیے کہ مرجع نہیں بن سکتا کیونکہ راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہتی اور مکان اس لیے نہیں بن سکتا کہ مطابقت تو بے شک ہے لیکن عائد الی المبتداء باقی نہیں رہتا؟

جواب دونوں مرجع بن سکتے ہیں۔ ظروف بھی اور مکان بھی ظروف مرجع بنایا جائے تو یہ بتاویل اِسمٌ کے ہو کر مرجع بنے گا۔ اب راجع مرجع کی مطابقت ہو جائے گی اور مکان بنائیں تو پھر جواب یہ ہے کہ ظروف المکان میں اضافت بیانیہ ہے۔ تو ظروف مُبین اور مکان مُبین بن جائے گا تو پھر

مُبین کی طرف ضمیر کالوٹنا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح مُبین کی طرف عائد ہو۔ لہذا عائد موجود ہوگا۔

قولہ وَفُسِّرَ الْمُبْهَمُ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ اس عبارت میں مصنفؒ مکان مبہم کی تفسیر بر قول اکثر متقدمین بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ چھ جہات سے عبارت ہے یعنی اَمَامَ، خَلْفَ، یمین، شِمال، فَوْقَ، تحت اور جو ان کے ہم معنی ہو وہ بھی مکان مبہم ہے۔ جیسے: قُدَّامُ، قَبْلُ، قبل امام کے معنی میں ہے دُبُرَ، خَلْفُ کے معنی میں ہے اور یَسَارَ، شمال کے معنی میں اور علو، فوق کے معنی میں اور سفل، تحت کے معنی میں ہے۔ اور اس عبارت سے بعض نحویوں کی تردید بھی ہوتی ہے۔ جو کہتے ہیں مکان مُبہم اور محدود کا مدار نکرہ اور معرفہ پر ہے اگر نکرہ ہو تو ظرف مکان مُبہم اگر معرفہ ہو تو مکان محدود ہوتے ہیں۔ مصنفؒ نے اسے رد کر دیا کہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ خَلْفَ تقدیرِ فِیْ کو قبول کرتا ہے بالاتفاق اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جو تقدیرِ فِیْ کو قبول کرے وہ مکان مُبہم ہوتا ہے اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خَلْفَ مکان مُبہم ہے۔ حالانکہ یہ نکرہ نہیں۔ اگر آپ کی بات مان لی جائے تو ان دونوں اصولوں کی مخالفت ہوتی ہے لہذا یہ تعریف و تنکیر کو مدار بنانا مُبہم اور محدود کے لیے درست نہیں۔

قولہ وَحُمِلَ عَلَيْهِ عِنْدَ وَلَدٰى وَشِبْهُهُمَا لِإِبْهَامِهِمَا۔ اس عبارت میں مصنفؒ نے سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال عند، لدیٰ، دون، سوائے یہ جہت ستہ میں سے نہیں۔ حالانکہ ظرف مکان مُبہم ہے۔ جن میں فِیْ مقدر ہے۔

جواب عند، لدیٰ ان کے مشابہ کو بھی مکان مُبہم پر محمول کیا جائے گا اس لیے کہ یہ وصفِ ابہام میں شریک ہے۔ جس طرح خَلْفَ وغیرہ مُبہم ہے اسی طرح عند، لدیٰ، وغیرہ بھی مُبہم ہے۔

قولہ وَلَفْظُ مَكَانٍ لِكَثْرَتِهٖ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ کا قاعدہ درست نہیں۔ کیونکہ ظرف مکان محدود ہے باوجود اس کے کہ اس میں فِیْ مقدر ہے اور یہ منصوب پڑھا جاتا ہے۔

جواب لفظ مکان کو بھی ظرف مکان مُبہم پر محمول کر دیا اس لیے کہ لفظ مکان کثرت استعمال میں جہت ستہ کی طرح ہے۔

قولہ وَمَا بَعْدَ دَخَلْتُ عَلَى الْأَصَحِّ۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال آپ کا قاعدہ دَخَلْتُ کے مابعد سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے: دَخَلْتُ الدَّارَ یہ الدَّارِ مکان

محدود، مکان مُبہم ہے۔ لیکن اس کے باوجود فِیْ مقدر ہے اور یہ منصوب ہے۔

جواب دَخَلْتُ کے مابعد کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی کثرت استعمال میں جہت ستہ کی طرح ہے۔ علی الاصح: یہاں پر اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بَعْدَ دَخَلْتُ کو مکان مُبہم پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اصح مذہب یہی ہے کہ اس کو مکان مُبہم پر محمول کیا جائے گا۔ اس لیے مُصنّفؒ نے علی الاصح کی قید لگادی۔

سوال مفعول فیہ کا یہ خاصہ ہے کہ اس کا وقوع فعل کے مفعول بہ کی تمامیت کے بعد ہو۔ اور دخول کا معنی تمام دارہ کے ساتھ ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں۔

جواب دخول فعل لازمی ہے اور فعل لازمی مفعول بہ میں نصب نہیں دیتا مفعول بہ میں عمل نہیں کرتا۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ مفعول فیہ ہے۔

قولہ وَيُنْصَبُ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ وَعَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ یہاں پر مُصنّفؒ مفعول فیہ کے دو حکم بیان فرمارہے ہیں۔ **پہلا حکم:** یہ ہے کہ کبھی مفعول فیہ کا عامل بدون شرط تفسیر مقدر ہوتا ہے۔ جوازاً اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے سوال کیا: متی صُمْتَ تو جواب دیا یوم الجمعۃ تو یوم الجمعۃ کا عامل صمت بقرینہ سوال مقدر ہے۔ **حکم دوم:** کبھی اس کا عامل بشرط تفسیر مقدر ہوتا ہے وجوباً اور یہ مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے جیسے: یوم الجمعۃ، صمت فیہ اس میں یوم الجمعۃ مفعول فیہ ہے۔ جس کا عامل صمت بقرینہ تفسیر مقدر ہے۔ اور اس کا مقدر ہونا واجب ہے تاکہ مُفَسَّر اور مُفَسِّر کا اجتماع لازم نہ آوے۔

قولہ اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِاَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مُصنّفؒ مفعول فیہ کے بیان کے بعد اب چوتھا قسم مفعول لہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس عبارت میں مفعول لہ کی تعریف ہے۔

پہلا درجہ، مختصر مفہوم: مفعول لہ وہ اسم ہے جس کے لیے فعل مذکور ہو۔

دوسرا درجہ، فوائد و قیود: مَا جنس ہے تمام قسم کے اسماء کو شامل ہے۔ فعل لاجلہ فعل یہ فصل اول ہے اس سے تمام مفاعیل سواء مفعول لہ کے نکل گئے مذکورٌ کی قید سے اَعْجَبَنِی التأدیب اس جیسی مثالیں نکل گئیں کیونکہ اس میں تأدیب سبب تعجب کا تو ہے لیکن تأدیب کو تعجب کے لیے ذکر نہیں کیا گیا۔

فائدہ لِاَجْلِهِ کا نام برائے سببیت ہے جس کا مدخول کسی چیز کے لیے سبب اور علت ہوتا

ہے کبھی علت ذہنی جو معلول پر باعتبار تصور مقدم ہوتا ہے اور باعتبار وجود کے مؤخر ہوتا ہے اور اس اعتبار سے فعل پر مرتب ہوتی ہے اس کو علت غائیہ کہتے ہیں۔ جیسے: ضَرَبْتُهٗ تَأْدِيْبًا میں تاء دیب جو ضرب پر مرتب ہے اور کبھی علت خارجی جو معلول پر باعتبار وجود مقدم اس کو علت باعثہ کہتے ہیں۔ جیسے: قعدت عن الحرب جبنا اس میں جبنا باعتبار وجودی قعود پر مقدم ہے۔

سوال تأدیب کو ضرب پر مترتب کہنا غلط ہے۔ کیونکہ ضرب اور تأدیب دونوں متحد بالذات ہیں وجود ایک ہے۔ کیونکہ متکلم سے ایک ہی فعل ضرب کا صدور ہوا ہے پھر ایک ہی چیز کو مترتب اور مترتب علیہ کیسے کہہ سکتے ہو؟

جواب فعل ایک ہے لیکن اس میں حیثیتیں دو ہیں پہلی حیثیت یہ ہے کہ معلم ہے اسے ضرب کہتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ مؤخر تادیب ہے اس کو تادیب کہتے ہیں تو اول کی اعتبار سے مترتب علیہ اور ثانی کے اعتبار سے مترتب ہے۔

سوال تعریف میں فعل سے جو فعل واقع ہے اس سے لغوی معنی مراد ہے یا اصطلاحی معنی۔

جواب ہم ماقبل میں بتا چکے ہیں کہ فعل کا لغوی معنی مراد ہے کیونکہ مفعول لہ فعل لغوی کی علت ہوتا ہے۔ مفعول لہ کی مثال جس طرح: ضربته تأدیبا اور قعدت عن الحرب جبنا۔

سوال مُصنّفؒ نے دو مثالیں کیوں دیں حالانکہ توضیح ممثل کے لیے ایک مثال کافی ہوتی ہے؟

جواب ۱ مُصنّفؒ نے مفعول لہ کی تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دو مثالیں دیں۔ ❶ مفعول لہ قصد حصول کے لیے ہوتا ہے۔ ❷ مفعول لہ قصد نہیں ہوتا بلکہ وقوع کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے: ضربته تأدیبًا میں ضربته تادیبا پہلی قسم کی مثال ہے کہ اس میں ادب حاصل کرنے کے لیے مفعول لہ واقع ہوا ہے اور قعدت عن الحرب جبنا دوسری قسم کی مثال ہے کہ اس میں قعود بزدلی کی وجہ سے ہے۔

جواب ۲ از شیخ رضی مُصنّفؒ نے دو مثالیں دے کر تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ تقسیم اور ہے مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ مفعول لہ باعتبار وجود کے فعل سے مؤخر ہوتا ہے۔ ❷ مفعول لہ باعتبار وجود کے مقدم ہوتا ہے پہلی مثال مؤخر ہونے کی ہے دوسری مثال مقدم ہونے کی ہے۔ کیونکہ پہلے بزدلی واقع ہوئی پھر قعود کا تحقق ہوا۔

سوال مُصنّفؒ کو یہ دوسری مثال: قعدت عن الحرب جبنًا یہ نہیں دینی چاہیے تھی۔ بلکہ اور مثال مشہور ہے وہ دینی چاہیے تھی۔ حاربته شجاعة کہ میں اس کے ساتھ بہادری کی وجہ

سے لڑا اور یہ مثال احسن بھی ہے۔ انسب بھی ہے احسن اس لیے کہ شریف لوگ معزز لوگ اپنی طرف ایسی چیز کی نسبت کرتے ہیں جس کی عزت ہو نہ کہ ذلت۔ اور انسب اس لیے ہے کہ اس مقام کے مناسب ہے۔ کیونکہ مصنفؒ کا زجاج نحوی کے ساتھ مقابلہ تھا تو حاربتہ شجاعة یہ مثال دیتے تاکہ زجاج نحوی پر چوٹ بھی لگ جاتی کہ میں زجاج کے ساتھ لڑا کیونکہ میں بہادر تھا۔

جواب یہ مثال قعدت عن الحرب جبناً یہ احسن بھی ہے انسب بھی اولی بھی ہے۔ اولی اس طرح کہ اگر یہ کہا جائے کہ میں فلاں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑا اس سے متکلم کی بہادری تو معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ شاید مد مقابل اور مخالف بھی بہادر ہو لیکن قعدت کی نسبت زجاج کی طرف کی جائے جس طرح کہ کی گئی ہے تو اس میں مقابل اور مخالف کی بزدلی ثابت ہو جاتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے جب مقابل کمزور ہو تو مقابل کا مقابل قوی ہوگا۔ اور بہادر ہوگا تو اس طرح زجاج پر چوٹ بھی لگ جاتی ہے۔ اور زجاج بزدلی سے بیٹھ گیا اور اس کے مقابل میں مصنف بہادر موجود تھا اس لیے مصنف کی پیش کردہ مثال عمدہ ہے۔

ف خِلَافًا لِلزَّجَاجِ فَإِنَّهُ عِنْدَهُ مَصْدَرٌ زجاج نحوی مفعول لہ کے وجود کو مانتا ہی نہیں وہ کہتا ہے کہ کلام عرب میں جو مفعول لہ استعمال ہوتے ہیں وہ دراصل مفعول مطلق ہی ہیں جس پر وہ دلیلیں پیش کرتا ہے۔ **دلیل اول:** مفعول لہ کو تاویل کے ذریعے جب مفعول مطلق بنایا جا سکتا ہے تو ہمیں نئی قسم بنانے کی ضرورت نہیں جس طرح ضربتہ تأدیبا یہ ہم معنی ہے ضَرَبْتُهُ ضَرْبَ التَّأْدِيبِ کے۔ **دلیل ثانی:** مفعول لہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور جس سے پہلے فعل مذکور کے مصدر ذی اعلیٰ ہوتے ہیں کبھی ذی اعلیٰ کو حذف کر کے اعلیٰ کو اس کے قائم مقام بھی کر دیا جاتا ہے لیکن اعتبار اصل ہی کا ہوتا ہے لہذا ضربتہ تأدیبا میں بھی تادیب اعلیٰ ہے اور ضرب مصدر ذی اعلیٰ کے قائم مقام ہے اور اعتبار ضرب مصدر ہی کا ہوگا اور ضرب مفعول مطلق ہے اس لیے مفعول لہ دراصل مفعول مطلق ہی ہوتا ہے۔

ج ۱ علی سبیل الترقی کہ ہم تاویل کو مانتے ہی نہیں اس لیے کہ کسی اسم کی تاویل کر کے اس کو اپنی نوعیت اور ماہیت سے خارج کر دیا جائے اس لیے کہ ضربتہ تأدیبا، ضربتہ للتادیب کے معنی میں ہے۔ اور کوئی نحوی بھی للتادیب کو مفعول مطلق نہیں کہتا اور لہذا اس کے ہم معنی ہے وہ بھی مفعول مطلق نہیں قرار پا سکتا۔

ج ۲ علی وجہ التسلیم، علی وجہ التنزل چلو ہم مان لیتے ہیں مفعول لہ کو تاویل کے ذریعے مفعول

مُطلق میں داخل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی اسم کسی اسم کے ہم معنی ہو تو ہم معنی ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی نوعیت سے نکالا جائے تو یہ اچھا نہیں، صحیح نہیں جس طرح حال بھی مفعول فیہ کے ہم معنی میں ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح کوئی کہے جَاءَنِی زَیْدٌ رَاکِبًا بمعنی جَاءَنِی زَیْدٌ وَقْتَ الرُّکُوْبِ تو اب حال کو مفعول فیہ کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے اپنی نوعیت اور ماہیت سے نکال دینا یہ صحیح نہیں لہذا جس حال کو مفعول فیہ میں داخل کرنا صحیح نہیں اسی طرح مفعول لہ کو مفعول مُطلق میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ جواب دلیل ثانی: ذی اعلیٰ کو حذف کر کے اعلیٰ کو قائم مقام کرنا صحیح تو ہے لیکن یہ امر عظیم میں ہوتا ہے نہ کہ مفعول لہ میں کیونکہ یہ امر عظیم نہیں۔

ف وَشَرْطُ نَصْبِهٖ تَقْدِیْرُ اللَّامِ مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو صاحب کافیہ نے اس مقام پر بھی جمہور نحاۃ کی مخالفت کی ہے کہ ان کے نزدیک مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں۔ ● مفعول لہ جس میں لام ملفوظ ہو۔ ● مفعول لہ جس میں لام مقدر ہو۔ جب کہ جمہور کے ہاں صرف ایک قسم ہے جس میں لام مقدر ہو اگر لام ملفوظ ہو تو مفعول بہ ہوگا بالواسطہ اسی وجہ سے مُصنّفؒ نے یوں کہا ہے وہاں مفعول لہ بالواسطہ ہے بخلاف صاحب کافیہ کے کہ صاحب کافیہ کے نزدیک وہ دونوں قسمیں مفعول لہ کی ہیں کیونکہ مفعول لہ کی تعریف دونوں قسموں میں سے ہر ایک قسم پر صادق آتی ہے اس لیے کہ جیسے منصوب بتقدیر لام فی المذکور کی علت ہے اس لیے مجرور باللام بھی فعل مذکور کی علت ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ف وَاِنَّ مَا یَجُوْزُ حَذْفُهَا اِذَا کَانَ فِعْلًا لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهٖ وَمُقَارِنًا لَهٗ فِی الْوُجُوْدِ

اس عبارت سے پہلے ایک سوال

سوال آپ نے صرف تقدیر لام کو خاص کیا حالانکہ من اور فی اور باء بھی مفعول لہ پر داخل ہوتے ہیں۔ من کی مثال: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔ خَاشِعًا مفعول لہ ہے مِنْ اس پر داخل ہے۔ باء کی مثال: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا۔ ظُلْمٍ مفعول لہ ہے۔ باء اس پر داخل ہے۔ فاء کی مثال: اِنَّ امْرَاَةً کَانَتْ دَخَلَتِ النَّارَ فِیْ هِرَّةٍ اَیْ فِیْ قَتْلِ هِرَّةٍ یہاں پر مفعولہ لہ پر فی داخل ہے۔

جواب تعلیلات کے باب میں چونکہ لام اغلب تھا اس لیے مُصنّفؒ نے اس کو ذکر کیا۔

ف وَاِنَّ مَا یَجُوْزُ حَذْفُهَا اِذَا کَانَ فِعْلًا لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهٖ وَمُقَارِنًا لَهٗ فِی الْوُجُوْدِ

مُصنّفؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مندرجہ ذیل شرطیں مفعول لہ میں پائی جائیں گی تو اس

وقت مفعول لہ کے لام کو حذف کرنا جائز ہوگا جس کے لیے لام کو حذف کرنے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ **پہلی شرط:** وہ فعل ہو، یعنی ذات نہ ہو۔ احترازی مثال: جِئْتُكَ لِلثَّمنِ۔ **دوسری شرط:** مفعول لہ اور فعل مُعلّل بہ کا فاعل ایک ہو احترازی مثال: جِئْتُكَ لِمُحَبَّتِكَ۔ **تیسری شرط:** مفعول لہ فعل کے ساتھ مُقترن ہو باعتبار وجود کے پھر مقارنت سے مراد عام ہے خواہ مقارنت باعتبار کل اجزاء ہو یا باعتبار بعض اجزاء کے کل اجزاء کی مثال: قعدت عن الحرب جبنًا اور بعض اجزاء کی مثال: جئت فی الحرب ایقاعًا للصلح۔ صُلح جنگ کے بعض اجزاء میں سے ہے۔

سوال آپ نے جو مثال دی ہے اس کا وجود ہی ضروری نہیں کیونکہ شاید صُلح نہیں ہو جب صُلح کا ہونا ضروری نہیں اَیقاعًا مفعول لہ واقع نہیں ہو سکتا۔

جواب وجود سے مراد عام ہے خواہ وہ موجود ہو باعتبار خارج کے یا قصدِ متکلم میں اور اس مثال میں اگرچہ صُلح کا وجود نہ بھی پایا جائے تو نہ پایا جائے مگر مقصد متکلم میں موجود ہے۔

فائدہ مُتاخرین نحاۃ کے نزدیک مفعول لہ سے حذفِ لام کے لیے شرائطِ مذکورہ کا ہونا لازمی اور ضری ہے لیکن مُتقدمین کے نزدیک ضروری نہیں۔ جیسے: وَيُرِيْكُمُ الْبَرقَ خَوفًا وَطَمعًا میں شرائط کے مفقود ہونے کے باوجود لام کو حذف کر دیا گیا ہے۔

جواب یہاں اتحاد فی الفاعل تقدیری ہے۔ معنی آیت کریمہ کا یہ ہے یریکم یجعل کم لیکن یہ جواب تاویل کے درجہ میں ہے جب کہ استدلال مجوزین قوی ہے۔

قولہ اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهٗ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ لِمُصَاحِبَةِ مَعْمُوْلِ فِعْلٍ لَفْظًا اَوْ مَعْنًى۔

منصوبات میں سے پانچواں قسم مفعول معہ کا بیان ہے۔ **پہلا درجہ، مفعول معہ کی تعریف:** مفعول معہ وہ مفعول ہے جو واو کے بعد مذکور ہو۔ اور فعل کے کسی معمول کا مصاحب ہو لفظًا یا معنًی۔ **دوسرا درجہ، فوائد و قیود:** مَا جنس ہے جو تمام اسماء کو شامل ہے۔ اور بعد الواو یہ فصل ہے۔ جس سے تمام مفاعیل سوائے مفعول معہ کے خارج ہو جاتے ہیں۔

تیسرا درجہ، ترکیب: اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهٗ کی دو ترکیبیں ہیں۔ ❶ یہ مُبتداء ہے: ھومذکور بعد الواو یہ خبر ہے۔ ❷ المفعول معہ مُبتداء مؤخر منہ خبر مقدم محذوف ہے۔ اس دوسری ترکیب میں هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ یہ جملہ استینافیہ ہوگا۔ جو سوال مقدر کا جواب ہوگا۔

سوال یہ ہوتا تھا ما المفعول معہ تو جواب دیا المفعول ھو مذکور الیٰ اٰخرہ۔ معہ کی

ترکیب معہ یہ مفعول کا نائب فاعل ہے۔

سوال معہ کو نائب فاعل بنانا غلط ہے۔ اگر مرفوع پڑھا جاتا تو اعراب ظاہر کیا جاتا جیسے: المفعول معہ۔

جواب یہاں پر اعراب حکائی ہے اعراب حکائی وہ ہوتا ہے کہ عرب عام میں کوئی لفظ جس طرح مُستعمل ہو بعینہٖ اس کو عبارت میں نقل کر لیا جائے اور اس پر کوئی اعراب جاری نہ کیا جائے اس کی مثال قرآن میں موجود ہے۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ یہاں پر بَيْنَكُمْ، تَقَطَّعَ کا فاعل ہے۔ تو بینکم کلام عرب جیسا ہی معروف اور مشہور مُستعمل ہوتا تھا قرآن مجید میں بھی بعینہٖ اسی طرح نقل کیا گیا۔ اور یہاں پر بھی معہ کو اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

سوال جب واو بمعنی مع ہو تو یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ ایسے اسم پر صادق آتی ہے جو واو عاطفہ کے بعد داخل ہو کیونکہ واو عاطفہ کے بعد داخل ہونے والا اسم ماقبل کے ساتھ مصاحب اور شریک ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کو معطوف تو کہا جاتا ہے مفعول معہ نہیں کہا جاتا۔

جواب مفعول معہ کی تعریف میں مصاحبت سے مراد مُطلق اشتراک نہیں بلکہ خاص اشتراک مراد ہے یعنی مفعول معہ کا فعل کے مفعول فاعل یا مفعول کے ساتھ صدور فعل یا وقوع فعل میں اس طور پر شریک ہونا کہ دونوں کا زمان اور مکان میں اتحاد ہو یا فقط زمان میں اتحاد ہو اور اس خاص قسم کی مصاحبت واو عاطفہ کے بعد کے ماقبل کے ساتھ نہیں پائی جاتی۔

سوال جب واو بمعنی مع ہے تو واو کی بجائے لفظ معہ کیوں نہیں لائے؟

جواب ۱ واو میں بنسبت معہ کے زیادہ اختصار ہے کیونکہ واو ایک حرفی ہے اور مع دو حرفی۔

جواب ۲ جس طرح واو میں اختصار ہے اس طرح بعض دوسرے حروف میں مثلاً فاء میں اختصار ہے تو باقی حروف چھوڑ کے صرف واو کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے۔

جواب ۳ محض اختصار ہی مطلوب نہیں بلکہ اختصار کے ساتھ ساتھ دونوں کے درمیان مناسبت معنوی کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ واو بمعنی مع میں پائی جاتی ہے۔ مناسبت معنوی واو اور مع لفظ کی مناسبت ہونا ضروری ہے۔ اور معنی واو کی مناسبت معنی لفظ مع کے ساتھ زیادہ ہے بنسبت دوسرے حروف کے۔

فائدہ لمصاحبة معمول فعل میں لام برائے تعلیل ہے جس مدخول میں مصاحبت عِلّتِ غائیہ

ہے اور مصدر مضاف ہے سوائے مفعول اور لفظاً معنی ملفوظاً حال ہے فعلِ سے اور معناً اس لفظاً پر معطوف ہے۔ اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا۔ کہ مفعول معہ ایسے ایسے منصوب ہیں جس کو واو بمعنی مع کے بعد ذکر کیا جائے تاکہ معلوم ہو اس اسم منصوب کو کسی فعل کے معمول کی مصاحبت یعنی معیت حاصل ہے خواہ فعل لفظی ہو اور اس کا معمول فاعل۔ جیسے: جئت وزیداً یا اس کا معمول مفعول بہ ہو۔ جیسے: کفاك وزید درھم یا فعل معنوی ہو اور اس کا معمول فاعل۔ جیسے: مالك وزیداً فعل معنوی اس فعل کو کہتے ہیں جو نہ لفظاً ہو نہ تقدیراً بلکہ اندازِ کلام سے مستنبط ہو چنانچہ مثال ہذا میں مَالَكَ وَزَیْدًا میں تصنع مستنبط کیا جاتا ہے۔ وجہ استنباط یہ ہے کہ جار و مجرور جب استفہام کے ساتھ ہوں تو وہ فعل پر دلالت کرتے ہیں اس لیے حرف جار فعل کو ایسے مدخول تک پہنچانے کے لیے وضع کے گئے ہیں اس لیے اس کو فعل کی احتیاجی ہے اور استفہام بھی فعل کا مقتضی ہے کہ مستفہم، مستفہم عنہ حقیقۃً مضمونِ فعل ہوتا ہے اسی واسطے اکثر اور بیش تر کلمہ استفہام کا دخول فعل پر ہوا کرتا ہے اس بناء پر بلحاظِ مقام یہاں تصنع مستنبط کیا گیا ہے۔ اہل عرب اس جملے کو اس وقت استعمال کرتے ہیں جب سے کام کے کرنے میں کسی شخص کے ساتھ مخاطب پر انکار مقصود ہوتا ہے جس میں فعل مستنبط استفہام کے ساتھ ما تصنع اور زیداً مفعول معہ جس کو فعل مذکور کی معمول ضمیر مخاطب مستتر کی مصاحبت حاصل ہے اور مصاحبت سے مراد مفعول معہ کا اس معمول کے ساتھ صدور فعل یا وقوع فعل میں اشتراک ہو۔ خواہ اس اشتراک کا زمان، اور مکان دونوں متحد ہوں۔ جیسے: جلست وزیداً فی المسجد بالجماعۃِ۔ یا اشتراک کا زمانہ متحد ہو فقط۔ جیسے: زیداً اَذَّنَ وَ خالداً فِیْ مِئْذَنَتَیْھِمَا۔ یا اشتراک کا مکان متحد ہو۔ جیسے: زیدٌ دَخَلَ وَ عَمْرواً فِی الْمَسْجِدِ جب کہ دخول بطور تعاقب ہو۔ اسی طرح شبہ فعل کی مثالیں بھی سنیں گی۔

متن فَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ فَالْوَجْھَانِ مِثْلُ جِئْتُ اَنَا وَزَیْدٌ وَزَیْدًا۔ مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی مفعول معہ کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد اب ان صورتوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں جن میں واو بمعنی مع جائز ہو اور اسم بعد الواو کا مفعول ہونا جائز نہ یا واجب۔ جس کی پانچ صورتیں یہاں موجود ہیں۔

پہلی صورت اگر فعل لفظی ہو اور عطف جائز ہو تو واو کو دو طرح پڑھنا جائز ہے۔ اس اسم مذکور بعد الواو کو بھی دو طرح پڑھنا جائز ہے۔ جیسے: جِئْتُ اَنَا وَزَیْدٌ وَزَیْدًا یہاں فعل لفظی ہے اور عطف

جائز ہے کیونکہ اسم ظاہر کا ضمیر مرفوع مُتّصِل پر عطف کے لیے شرط یہ تھی کہ ضمیر مرفوع مُتّصِل کے لیے تاکید ضمیر مُنفصِل کے ساتھ کی جائے یہاں پر اَنَا تاکید موجود ہے لہذا عطف کی بنا پر اسے مرفوع پڑھنا جائز ہے اور اس میں واو برائے عطف ہوگا اور واو کو بمعنی مع بنا کر اس اسم پر نصب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اس میں تقصیر کا فائدہ ہے اور پہلی صورت میں عامل بر اصل ہے فعل لفظی اس کو کہتے ہیں جو منطوق کلام سے معلوم ہو۔

سوال آپ نے کہا اگر فعل لفظی ہو عطف بھی جائز ہو تو اس کو مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے اور منصوب بھی۔ مفعول معہ کی بناء پر لیکن ضَرَبْتُ زیداً و بکراً میں فعل لفظی ہے اور عطف بھی جائز ہے لیکن اس کو صرف منصوب پڑھنا واجب ہے اور مرفوع پڑھنا جائز نہیں، نیز اس کا منصوب ہونا مفعول معہ کی بناء پر نہیں۔

جواب مفعول معہ وہ ہوتا ہے جو واو کے بعد واقع ہو اور وہ واو مصاحبت کے معنی میں ہو جب کہ یہ واو بھی دراصل واو عاطفہ ہوتا ہے۔ اور عطف سے عدول کر کے مصاحبت کا معنی لیا جاتا ہے۔ اس لیے اس وقت محض اشتراک مقصود نہیں ہوتا بلکہ مصاحبت مقصود ہوتی ہے۔ کیونکہ مصاحبت کے لیے کسی قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور قرینہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہو اور منصوب بھی۔ اور آپ نے جو مثال پیش کی ہے اس میں منصوب پڑھنا واجب ہے عطف نہیں ڈال سکتے۔ اس لیے کہ مفعول معہ نہیں۔

قولہ وَاِلَّا تَعَیَّنَ النَّصْبُ مِثْلُ جِئْتُ وَزَیْدًا۔ اس عبارت میں دوسری صورت کا بیان ہے۔

دوسری صورت: اگر فعل لفظی ہو اور عطف ڈالنا جائز نہ ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ اس کو منصوب پڑھنا واجب ہے لیکن یہ مُصنّفؒ کا مذہب ہے باقی نحویوں کے نزدیک نصب اور عطف بھی جائز ہے، البتہ نصب راجح اور عطف مرجوح ہے۔ جیسے: جِئْتُ وَزَیْدًا اس میں فعل لفظی ہے۔ لیکن عطف ڈالنا ناجائز ہے۔ اس لیے نصب مُتعیّن ہے۔

قولہ وَاِنْ کَانَ مَعْنًی وَجَازَ الْعَطْفُ تَعَیَّنَ الْعَطْفُ نَحْوُ مَا لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو۔ اس عبارت میں تیسری صورت کا بیان ہے۔

تیسری صورت: اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو اس کا حکم یہ ہے کہ عطف مُتعیّن ہوگا اور واو بمعنی مع ہونا ممتنع ہوگا۔ جیسے: مَا لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو۔ اس میں واو عطف کے لیے ہے۔ اور عمرو کا عطف ہے۔ زَیْدٌ پر اور دلیل عطف کے مُتعیّن ہونے کی یہ ہے کہ اگر عطف ڈالا جائے تو

عمرو کا عامل لفظی ہوگا اور اگر واو بمعنی مع کے بنا دیا جائے تو اس کا عامل معنوی ہوگا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ عامل لفظی قوی ہوتا ہے عامل معنوی سے اور

قاعدہ ہے کہ قوی کے ہوتے ہوئے ضعیف کو اختیار کرنا جائز نہیں ہوتا اس لیے اس صورت میں عطف ہی متعین ہوگا۔ یاد رکھیں یہ مذہب بھی مصنفؒ کا ہے۔ باقی نحویوں کے نزدیک اس صورت میں بھی عطف بھی جائز ہے اور نصب بھی البتہ عطف راجح ہے اور نصب مرجوح ہے۔ (کمافی الرضی)

قولہ وَاِلاَّ تَعیَّنَ النَّصبُ مِثلَ مَالَكَ وَزَیدًا وَ مَا شَانُكَ وَعَمرًا لِاَنَّ المَعنٰی مَا تَصنَعُ۔ اس عبارت میں چوتھی صورت کا بیان ہے۔

چوتھی صورت: اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ نصب متعین ہوگا۔ جس طرح: مالك و زیدا و مـا شانك و عمراً اس میں فعل معنوی ہے اور عطف ڈالنا ناجائز ہے کیونکہ یہ

قاعدہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر عطف ڈالا جائے عام ہے کہ مجرور بالمضاف ہو یا مجرور بحرف الجار ہو تو معطوف میں مضاف یا حرفِ جار کا اعادہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور مذکورہ مثال میں حرف جار اور مضاف کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ اس لیے اس میں نصب ہی متعین ہوگی۔ لیکن یہ بھی مصنف کا مذہب ہے باقی نحویوں کے نزدیک عطف بھی جائز ہے۔ البتہ نصب راجح ہے اور عطف مرجوح ان تمام میں فعل تَصنَعُ موجود ہے جو کہ کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ: لِاَنَّ المَعنٰی مَا تَصنَعُ کا تعلق مَاشَأنُ کے ساتھ ہے اس عبارت سے مصنفؒ دراصل ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال فعل معنوی کی جو آپ نے تین مثالیں دی ہیں فعل تینوں میں مقدر ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے تصنع کو صرف ما شان کے ساتھ مختص کر دیا۔

جواب تینوں مثالوں میں فعل معنوی مقدر تو ہے لیکن پہلی دوسری مثال میں اس قسم کے قرینے موجود ہیں جو کہ فعل پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن تیسری صورت میں کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ پہلی دونوں مثالوں میں ظرف ہے۔ ظرف کے لیے متعلق کا ہونا ضروری ہے تو ظرف قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں پر فعل مقدر ہے۔ بخلاف تیسری مثال کے۔ اس میں ظرف وغیرہ موجود نہیں بلکہ مضاف ہے اور مضاف سے پہلے کسی فعل یا اس کے متعلق کا ہونا کوئی ضروری

نہیں دوسرا قرینہ یہ ہے کہ مَا استفہامیہ ہے۔ استفہام فعل پر داخل ہوتا ہے یہ بھی پہلی مثالوں میں اس بات کی دلیل ہے کہ فعل مقدر ہے لیکن تیسری مثال میں یہ دونوں قرینے موجود نہ تھے لہذا یہاں پر فعل نہیں سمجھا جاتا تھا اس لیے مُصنفؒ نے تصریح کردی کہ تیسری مثال میں تصنع فعل مقدر ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کے مقدر ہونے کے لیے قرینہ کیا ہے' یہاں پر دو قرینے ہیں ایک یہ ہے کہ شان فعل اور حال کے ہم معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: مَا شَأْنُكَ یعنی مَا حَالُكَ اور مَا فِعلُكَ اور فعل اور حال مصدر ہیں اور مصدر کی فعل پر دلالت ہوتی ہے تو شان بھی فعل پر دلالت کرتا ہے دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ما استفہامیہ ہے۔ استفہام ذات پر داخل ہے۔ حالانکہ استفہام ذات پر داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ افعال پر داخل ہوتا ہے۔ یہ بھی فعل کے مقدر ہونے کے لیے دلیل اور قرینہ ہے۔

قولہ اَلْحَالُ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهٖ مُصنفؒ مفاعیل کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد اب منصوبات کا چھٹا قسم حال کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی ترکیب: اَلْحَالُ مُبتدا ہے۔ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهٖ یہ خبر ہے۔

دوسری ترکیب: اَلْحَالُ مُبتدا مؤخر ہے۔ جس کے لیے خبر مقدم محذوف منه ہے۔ اگر یہ ترکیب کی جائے تو پھر ما یبین الخ یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال یہ ہوتا تھا ما الحال؟

جواب حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول کی ہیئت کو بیان کرے لفظاً یا معناً۔

سوال حال کو باقی منصوبات پر کیوں مقدم کیا؟

جواب حال فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے' کیونکہ فاعل مرفوعات میں سے اصل ہے اور مفعول منصوبات میں سے اصل ہے اور حال جب ان دو اصلوں پر مشتمل تھا اس لیے مُصنف نے حال کو باقی منصوبات پر مقدم کیا۔ **فوائد قیود:** مَا جنس ہے تمام منصوبات کو شامل ہے۔ هَیْئَةٍ قید اول ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تمیز خارج ہو جائیگی' کیونکہ جنس ذات ہوتی ہے وصف نہیں۔ دوسری قید هیئة کی اضافت فاعل اور مفعول کی طرف ہے اس سے مُبتدا کی صفات خارج ہو گئیں۔ جیسے: زید العالم اخوك اس میں اَلْعَالِمُ مُبتدا کی ہیئت بیان کر رہا ہے لیکن فاعل اور مفعول کی نہیں۔

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس تعریف میں ابھی تک فاعل اور مفعول کی

حال
مفرد
جملہ
بدوں ضمیر
هذا بسرًا اطیب منه رطبا
مع ضمیر
جاءَنِی زَیْدٌ رَاکِبًا
خبریه
انشائیه
بدوں تاویل حال واقع نہیں ہوتا اور بتاویل مَقُولًا فِی حقه حال واقع ہوتا ہے جیسے جاءَنِی زَیْدٌ اِضْرِبْهُ ای مقولا فی حَقِّهٖ اِضْرِبْهُ -
اسمیة
فعلیة
حال مؤکده
بوجہ اتصال محتاج واو نہ ہوگا مثل هُوَ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِيْهِ -
ذوالحال
حال
حال منتقلة
ربط
بواو و ضمیر
جِئْتُ وَاَنَا رَاكِبٌ
بواو فقط
كُنْتُ نَبِيًّا وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ
بضمیر فقط
كَلَّمْتُهٗ فُوْهُ اِلٰى فِيَّ
مضارع
ماضی
مثبت
ہردو
جاءَنِی زَیْدٌ وَقَدْ خَرَجَ غُلَامُهٗ
واو
وَقَدْ خَرَجَ عَمْرٌو
ضمیر
وَقَدْ خَرَجَ غُلَامُهٗ
منفی
ہردو
جاءَنی زید وماخرج غلامه
تنہا واو
وَمَا خَرَجَ عَمْرٌو
تنہا ضمیر
مَا خَرَجَ غُلَامُهٗ
مثبت
بضمیر فقط
جَاءَنِی زَیْدٌ یَسْرَعُ
منفی
ہردو جاءَنِی زَیْدٌ وَمَا یَتَکَلَّمُ غُلَامُهٗ
واو وَمَا یَتَکَلَّمُ ...الخ ضمیر فقط وما یتکلم عمرو

صفات داخل ہیں۔؟

جواب تعریفات میں حیثیت کی قید معتبر اور ملحوظ ہوتی ہے یہاں پر حیثیت کی قید ہے کہ فاعل اور مفعول کی ہیئت بیان کرے فاعل اور مفعول ہونے کی حیثیت سے۔ لہذا فاعل اور مفعول کی صفات یہ ہیئت تو بیان کرتے ہیں لیکن فاعل اور مفعول ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ مثال کے طور پر جَاءَنِیْ زَیْدُ نِ الْعَالِمُ رَئَیْتُ زَیْدًا الْعَالِمَ یہاں پر العالم زید کی ہیئت بیان کر رہا ہے لیکن فاعل اور مفعول ہونے کی حیثیت سے نہیں کہ زید علم کے ساتھ متصف ہے خواہ فاعل جَاءَنِیْ، رئیت کا مفعول بہ ہو یا نہ ہو۔

سوال یہ تعریف جامع نہیں اس میں لفظ کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول کی ہیئت کے لیے مُبین ہو اس سے وہ حال خارج ہو جاتا ہے جو فاعل اور مفعول دونوں کی ہیئت کے لیے مُبین نہ ہو۔ جیسے: لَقِیْتُ رَاکِبَیْنِ اس میں رَاکِبَیْنِ دونوں کی ہیئت کے لیے مُبین ہے۔

جواب یہ عبارت قضیہ مُنفصلہ مانعۃ الخلو پر مشتمل ہے۔ جو اجتماع کے منافی نہیں، یہ آپ کا سوال تب وارد ہوگا کہ جب یہ قضیہ مانعۃ الجمع ہوتا۔

سوال یہ تعریف پھر بھی جامع نہیں اس لیے کہ اس سے وہ حال خارج ہو جاتا ہے جو مفعول معہ کی ہیئت کے لیے مُبین ہو یا مفعول مُطلق کے لیے مُبین ہو۔

جواب فاعل اور مفعول بہ میں تعمیم ہے۔ خواہ فاعل حقیقۃً ہو یا حکماً۔ اسی طرح خواہ مفعول حقیقۃً ہو یا حکماً، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ حال اُن کی ہیئت کے لیے مُبین ہو۔ وہ فاعل حکمی یا مفعول حکمی ہوتا ہے وہ فاعل حکمی یا مفعول حکمی سے حال واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر مفعول معہ فاعل کے ساتھ فعل کے صدور میں شریک ہو تو مفعول معہ حکماً فاعل ہوتا ہے اور اگر مفعول معہ مفعول بہ کے ساتھ وقوع فعل میں شریک ہو تو ایسے مفعول معہ حکماً مفعول بہ ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح مفعول مُطلق سے واقع ہونے والا حال درحقیقت مفعول بہ حکمی سے حال واقع ہوتا ہے، کیونکہ مفعول مُطلق مفعول بہ کی حکم میں ہوتا ہے۔

سوال پھر بھی یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے وہ حال خارج ہو جاتا ہے جو مضاف الیہ سے واقع ہوتا ہے۔ جیسے: فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا، حَنِیْفًا، اِبْرٰهِیْمَ سے حال واقع ہوا ہے اور ابراھیم مضاف الیہ ہے۔ اور دوسری مثال: اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ، مُصْبِحِیْنَ،

هٰٓؤُلَآءِ سے حال ہے اور هٰؤلاء مضاف الیہ ہے۔

جواب مضاف دو حال سے خالی نہیں یا تو مضاف ایسا فاعل یا مفعول ہوگا جس کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہوگا۔ جیسے: بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ۔ لہٰذا جب مضاف الیہ قائم مقام مفعول کے ہوا تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونے والا حال درحقیقت مفعول بہ سے حال واقع ہوا، نہ کہ مضاف الیہ سے۔ لہٰذا یہ مضاف الیہ ہونے کی حَیثیت سے حال واقع نہیں بلکہ مفعول بہ حکمی ہونے کی وجہ سے حال واقع ہے۔ اور اگر مضاف الیہ ایسا فاعل یا مفعول نہ ہو جس کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہو تو پھر ایسی صورت میں لامحالہ یقینی طور پر مضاف مضاف الیہ کی جزء ہوگا اور مضاف الیہ کل ہوگا۔ جیسے: اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ میں دَابِرَ، هٰٓؤُلَآءِ کی جزء ہے کیونکہ دَابِرَ الشَّیْءِ اصل شے کو کہا جاتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ دابر نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقطوع میں جو ضمیر نائب فاعل ہے اس کا مرجع دابر ہے۔ کیونکہ راجع اور مرجع میں اتحاد ہوتا ہے جب راجع نائب فاعل ہے تو مرجع بھی نائب فاعل ہوگا۔ اور نائب فاعل بھی فاعل حکمی ہوا کرتے ہیں۔

فائدہ تَبَيَّنَ میں دو نسخے اور بھی ہیں۔ ❶ باب تَفَعُّلْ سے ماضی معلوم کا صیغہ بنایا جائے۔ تَبَيَّنَ ❷ باب تَفْعِيْلْ سے ماضی معلوم کا صیغہ بنایا جائے۔ بَيَّنَ ان دونوں نسخوں کے اعتبار سے بِهٖ میں جار مجرور کا مُتعلق بَيَّنَ فعل ہوگا۔ جب کہ پہلی صورت میں بِهٖ کا مُتعلق المفعول تھا۔ اور معنی پہلے نسخے کے مطابق یہ ہوگا کہ حال ایسی چیز کا نام ہے کہ جس سے فاعل یا مفعول کی ہیئت ظاہر ہوجائے۔ اور دوسرے نسخے کے مطابق حاصل معنی یہ ہوگا کہ حال ایسی چیز کا نام ہے کہ جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی ہیئت کو بیان کیا جائے۔ اب ان دونوں نسخوں کے مطابق بِهٖ، اَلْمَفْعُوْلُ کا صلہ ہی ہوگا۔ اور تَبَيَّنَ کے ساتھ مُتعلق ہوگا لہٰذا مفعول میں تعمیم ہوگی خواہ مفعول مُطلق یا مفعول معہ ہوں یا مفعول بہ ہوں۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ مفعول معہ یا مفعول مُطلق سے واقع ہونے والے حال کو داخل کرنے کے لیے فاعل اور مفعول میں تعمیم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ مضاف الیہ سے واقع ہونے والے حال کو داخل کرنے کے لیے فاعل اور معول میں حقیقی اور حکمی کی تعمیم کرنے کی ضرورت باقی رہے گی۔

سوال اب بھی یہ تعریف جامع نہیں کہ جاءَ نی زیدٌ قَاعِدًا اَبُوْهُ میں قَاعِدًا حال ہے جو نہ فاعل کی ہیئت بیان کرتا ہے نہ مفعول کی۔

جواب جس طرح صفت میں تعمیم ہے صفة بحال الموصوف، صفة بحال متعلق الموصوف تو اسی طرح حال میں بھی تعمیم ہے۔ ❶ فاعل یا مفعول کی ہیئت بیان کریں یاان کے مُتعلق کی۔ ❷ یہ حال مُتعلق فاعل کی ہیئت کو بیان کررہے ہیں لہٰذا متن میں قید بہ مُعتبر ہے۔ (اَوْ مُتَعَلِّقَ اِحْدٰهُمَا) مقدر ہے۔

فائدہ حال اور تمیز میں امور خمسہ کے اعتبار سے اشتراک ہے۔ یعنی ما بہ الاشتراک امور خمسہ ہیں۔ ❶ اسمان ❷ نکرتان ❸ فضلتان ❹ منصوبتان ❺ رافعتان للابہام۔ اور امور سبعہ کے اعتبار سے امتیاز اور فرق ہے۔ یعنی ما بہ لامتیاز امور سبعہ ہیں۔ ❶ حال۔ جملہ اور ظرف اور مفرد تینوں طرح واقع ہوتا ہے بخلاف تمیز کے، وہ فقط اسم ہی ہوتا ہے۔ ❷ حال ہیئات کے لیے مُبین ہوتا ہے اور حال ذوات کے لیے مُبین ہوتا ہے۔ ❸ حال کبھی ایک ذوالحال سے مُتعدد بھی واقع ہوتے ہیں بخلاف تمیز کے کہ وہ مُتعدد نہیں ہوتی۔ ❹ حال اپنے عامل مُتصرف پر مقدم ہو سکتا ہے بخلاف تمیز کے (علی المذہب الاصح) کہ تمیز اپنے عامل پر مُطلقاً مقدم نہیں ہوتی۔ ❺ حال میں اصل مُشتق ہونا ہے بخلاف تمیز کے۔ جس میں اصل جامد ہونا ہے لیکن کبھی کبھی بر عکس بھی ہوجاتا ہے۔ ❻ حال اپنے عامل کے مضمون کے لیے مؤکد ہوتا ہے بخلاف تمیز کے۔ (کما فی الاشمونی)

قولہ لَفْظًا اَوْ مَعْنًا اس عبارت سے مُصنف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فاعل اور مفعول سے مراد عام ہے لفظی ہوں یا معنوی۔ یاد رکھیں اس بات میں تمام نحاۃ کا اتفاق ہے فاعل اور مفعول لفظی ہوتے ہیں لیکن فاعل مفعول لفظی کون سے ہوتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ مولانا جامی اور بعض نحویوں کا خیال ہے مولانا جامی فرماتے ہیں کہ فاعل مفعول لفظی سے مراد یہ کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت منطوق کلام سے معلوم ہوں اور فاعل اور مفعول معنوی سے مراد یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت منطوق کلام سے معلوم نہ ہو بلکہ فحوٰی کلام سے معلوم ہوں۔ اور بعض نحویوں کا خیال یوں ہے کہ فاعل مفعول لفظی وہ ہے کہ فاعل اور مفعول کا فعل منطوق کلام سے معلوم ہوں۔ اور فاعل اور مفعول معنوی وہ ہے جن کا فعل منطوق کلام سے معلوم نہ ہوں۔ بلکہ فحوٰی کلام سے معلوم ہوں۔

خلاصہ اختلاف مولانا جامی نے فاعل اور مفعول کی ذات کا اعتبار کیا ہے لفظی اور معنوی ہونے میں۔ اور بعض نحویوں نے ذات فاعل اور ذات مفعول کا اعتبار نہیں کیا بلکہ فعل کا اعتبار کیا

ہے۔ یہاں تین مثالیں ہیں دو اتفاقی اور ایک اختلافی ہے۔ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا وَهٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا تو پہلی مثال میں مفعول اور فاعل دونوں لفظی ہیں یعنی یہ مثال اتفاقی ہے۔ مولانا جامی اور بعض نحویوں کے درمیان کہ فاعل اور مفعول دونوں لفظی ہیں۔ مولانا جامی کے نزدیک اس لیے کہ تاء کی فاعلیت اور زید کی مفعولیت منطوق کلام سے سمجھا جاتا ہے اور بعض نحویوں کے نزدیک اس لیے کہ فاعل اور مفعول کے فعل منطوق کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ دوسری مثال زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا اختلافی ہے۔ مولانا جامی کے نزدیک فاعل اور مفعول لفظی کی مثال ہے' البتہ لفظی ہو کر حکمی ہے اس لیے کہ فاعل اور مفعول دونوں منطوق کلام سے سمجھے جارہے ہیں۔ اور حکمی اس لیے کہ یہ صورۃً فاعل نہیں بلکہ اس کا فعل محذوف ہے جو کہ اِسْتَقَرَّ ہے اور اسکی ضمیر زید کی طرف لوٹ رہی ہے اور اسکی ضمیر بھی ظاہر نہیں' اس لیے ہم نے کہا کہ فاعل مفعول لفظی تو ہیں لیکن حکماً ہیں۔ جب کہ بعض نحویوں کے نزدیک یہ مثال فاعل اور مفعول معنوی کی ہے۔ اس لیے کہ ان کا فعل لفظوں میں نہیں هٰذَا زَيْدٌ قَائِمٌ یہ مثال بھی اتفاقی ہے۔ دونوں کے ہاں فاعل اور مفعول معنوی کی مثال ہے۔ مولانا جامی کے نزدیک اس لیے کہ فعل اور فاعل دونوں فحوٰی کلام سے سمجھے جارہے ہیں۔ لہٰذا مرکب ہے هَاء تنبیہ اور ذَا اسم اشارہ سے اگر هَاء تنبیہ کا لحاظ کیا جائے تو اُنَبِّهُ فعل سمجھا جائے گا اور اگر ذَا اسم اشارہ کا لحاظ کیا جائے تو اُشِيْرُ فعل سمجھا جائیگا۔ تو یہاں پر زَيْدٌ مفعول معنوی ہے۔ اور بعض نحویوں کے نزدیک اس لیے مفعول معنوی کی مثال ہے کہ ان کا فعل منطوق کلام سے نہیں سمجھا جارہا بلکہ فحوی کلام سے سمجھا جارہا ہے تو اس لیے یہ معنوی ہے۔

قولہ وَعَامِلُهَا الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ أَوْ مَعْنَاهُ مُصنفؒ حال کی تعریف بیان کرنے کے بعد اسکا عامل کا بیان کررہے ہیں۔ کہ حال کا عامل کبھی فعل ہوتا ہے۔ خواہ مذکور ہو جیسے: ضربت زیدٌ قائمًا خواہ مقدر ہو۔ جیسے: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا۔ تو قائمًا کا عامل اِسْتَقَرَّ یا فعل مقدر ہے اور حال کا عامل کبھی شبہ فعل ہوتا ہے۔ شبہ فعل اس کو کہتے ہیں جو فعل جیسا عمل کرے۔ اور جس ترکیب میں واقع ہو اس میں مقصود ہو اور وہ چھ ہیں۔ ❶ اسم فاعل۔ ❷ اسم مفعول۔ ❸ اسم تفضیل۔ ❹ صفت مُشبّہ۔ ❺ مصدر۔ ❻ اسم فعل۔ یہ سب حال میں عمل کرتے ہیں مذکور ہوں تب بھی مقدر ہوں تب بھی بشرطیکہ قرینہ موجود ہو۔

قولہ وَشَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ نَكِرَةً وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً۔ یہاں سے مُصنفؒ شرط کو بیان کررہے ہیں کہ حال کے لیے نکرہ کا ہونا شرط ہے اور ذوالحال کے لیے معرفہ ہونا کثیر الاستعمال ہے۔ یعنی

ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، غالباً۔

سوال حال کا نکرہ ہونا کیوں شرط ہے؟۔

جواب نکرہ اصل ہے۔ بایں معنی کہ جب متکلم کی غرض نکرہ سے حاصل نہ ہو اس وقت معرفہ کی ضرورت آتی ہے جب نکرہ حال سے غرض حاصل ہو جاتی ہے ہو جاتی ہے کہ حدث فاعل یا مفعول بہ کے طرف منسوب ہوں اس کو حال سے مُقید کیا جائے اور یہ غرض جب نکرہ سے حاصل ہو تو معرفہ لانا بلاضرورۃ ہے۔ آگے نکرہ میں تعمیم ہے کہ نکرہ محضہ ہو یا نکرہ مختصصہ ہو۔

سوال ذوالحال کا معرفہ ہونا کثیر الاستعمال ہونا یہ شرط کیوں لگائی۔

جواب ذوالحال باعتبار معنی محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ کا کلامِ عرب میں معرفہ کا ہونا کثیر ہے اس لیے ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط کر دیا۔

سوال اس عبارت میں تناقض ہے کیونکہ صاحبہا کا ان تکون پر عطف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ حال میں یہ شرط ہے کہ نکرہ ہو اور ذوالحال میں یہ شرط ہے کہ معرفہ ہو پھر کہہ دیا غالباً۔ معرفہ ہو تو وہ اوقات جن میں حال نکرہ ہوگا تو معرفہ ہونے والی شرط ٹوٹ جائے گی کیونکہ:

قاعدہ ہے۔ (اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ) تو لازم آئے گا کوئی اسم جب نکرہ ہو ذوالحال بھی واقع نہیں ہو سکتا اور یہ بھی صحیح نہیں۔

جواب ۱ صاحبہا کا اَنْ تَکُوْنَ پر عطف ہی نہیں علیحدہ جملہ ہے اس لیے اس کا شرط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

جواب ۲ صَاحِبُھَا کا اَنْ تَکُوْنَ پر عطف ہے لیکن غالبا کا تعلق معرفہ سے نہیں بلکہ غالباً کا تعلق شرط سے ہے تو تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: شَرْطُھَا اَنْ تَکُوْنَ غَالِبَۃً وَصَاحِبُھَا مَعْرِفَۃً یعنی غالباً شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو اور یہ بات بالکل صحیح ہے۔

فائدہ **تحقیقِ مقام:** یہ ہے کہ جس طرح حال کی چھ قسمیں بنتی ہیں اسی طرح ذوالحال کی بھی چھ قسمیں بنتی ہیں۔ ❶ ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو اس میں تخصیص باعتبار صفت کے ہے جیسے: جَاءَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ فَارِسًا اس میں فارساً رجلٌ سے حال ہے جو کہ نکرہ ہے اور اس کی بنی تمیم صفت لائی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نکرہ مختصصہ بن گیا۔ ❷ ذوالحال نکرہ ہو جس میں تخصیص باعتبار استغراق کے ہو۔ جس طرح فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اس میں کل امر حکیم ذوالحال ہے۔ اس میں استغراق کی وجہ سے تخصیص پائی جاتی ہے۔ ❸ ذوالحال نکرہ ہو در

اس میں تخصیص ما اور الا کی وجہ سے ہو۔ جیسے: مَا جَاءَنِی رَجُلٌ اِلَّا رَاکِبًا ❹ ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں تخصیص حرف استفہام کی وجہ سے ہو۔ جیسے: هَلْ اَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا۔ ❺ ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں حال کی تقدیم کی وجہ سے تخصیص ہو۔ جیسے: مَا جَاءَنِی رَاكِبًا رَجُلٌ ❻ ذوالحال معرفہ ہو۔ جیسے: جَاءَنِی زَیْدٌ رَاكِبًا۔

قولہ وَاَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَمَرَرْتُ بِهٖ وَحْدَهٗ وَنَحْوُهٗ مُتَاَوَّلٌ۔ اس عبارت میں مصنفؒ سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال آپ نے کہا حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے معرفہ حال واقع نہیں ہوسکتا۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ جس میں حال معرفہ ہے۔ ❶ اَرْسَلَهُ الْعِرَاكَ میں العراك، هَا ضمیر سے حال ہے۔ لیکن معرفہ ہے۔ ❷ مررت به وَحْدَهٗ میں وحدہ، به کی ضمیر سے حال ہے لیکن معرفہ ہے۔

جواب اس قسم کی مثالوں میں تاویل کرلی جائے گی۔

تاویل اول: مذکورہ مثالیں حال نہیں بلکہ مفعول مُطلق ہیں جن کے افعال مقدر ہیں العراك کا فعل مقدر تعترك ہے وحدہ کا ینفرد ہے۔ اور یہ جملہ فعلیہ ہوکر حال واقع ہورہے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جو حال ہے وہ معرفہ نہیں نکرہ ہے اور جو معرفہ ہے وہ حال نہیں مفعول مُطلق ہے۔ یہ تاویل امام ابوعلی سے منقول ہے۔

تاویل دوم یہ امثلہ مذکورہ مادۃً صورۃً معرفہ ہیں لیکن حقیقۃً نکرہ ہیں کیونکہ نکرہ کے مقام میں مُستعمل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اَلْعِرَاكَ، مُعْتَرِكَةً کے مقام میں اور وَحْدَهٗ، مُنْفَرِدًا کے مقام میں مُستعمل ہوتے ہیں۔ یہ تاویل امام سیبویہ سے منقول ہے۔

قولہ فَاِنْ كَانَ صَاحِبُهَا نَكِرَةً وَجَبَ تَقْدِيْمُهَا مصنفؒ احکامات بیان کررہے تھے یہاں سے دوسرا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ذوالحال نکرہ ہو تو ایسی صورۃ میں حال کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔

سوال اس وجوبی تقدیم کی کیا وجہ ہے۔

جواب اس کی دو علتیں اور دو وجہیں ہیں۔

وجہ اول: ذوالحال قائم مقام مُبتدا کے ہوتا ہے۔ اور حال قائم مقام خبر کے ہوتا ہے۔ جس وقت مُبتدا نکرہ ہوتا ہے تو خبر کا مُبتدا پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ چونکہ ذوالحال بھی قائم

مقام مُبتدار کے ہے۔ اس لیے ذوالحال سے حال کا مقدم کرنا ضروری ہوگا۔

وجہ ثانی: اگر ذوالحال نکرہ ہو اور حال کو مقدم نہ کیا جائے تو بعض صورتوں میں حال، کا صفت کے ساتھ التباس لازم آتا ہے تو رفعِ التباس کے لیے حال کی تقدیم کو واجب قرار دیا تا کہ صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے تو تقدیم کی صورت میں حال ہونا متعین ہو جائے گا اس لیے کہ صفت اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہو سکتی۔

سوال عِلت ثانیہ کے مطابق تو صرف بعض صورتوں میں حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہوتی ہے اور آپ نے تمام مواد میں کیوں حال کی تقدیم کو لازم قرار دیا؟

جواب تا کہ حکم ایک ہو جائے۔

قولہ بِخِلَافِ الظَّرْفِ۔

سوال ظرف دو حال سے خالی نہیں عامل معنوی میں داخل ہے یا نہیں اگر وہ داخل ہے تو صاحب کافیہ کو بطریق استثناء عِلت ظرف کہنا چاہتے تھے۔ کیونکہ طریقہ استثناء یہ ہے اگر داخل نہیں تو اِخرَاجُ الْمَخرِجِ لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں؟

جواب ہم دوسری شق اختیار کرتے ہیں کہ ظرف عامل معنوی میں داخل نہیں لیکن چونکہ اس میں اختلاف تھا اس لیے صاحب کافیہ نے بیان کر دیا اس میں اختلاف ہے سیبویہ اور اخفش کا۔ حال اپنے عامل ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حال اپنے عامل ظرف پر مقدم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ظرف عامل ضعیف ہے اور عامل ضعیف کا معمول اس پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور اخفش کے نزدیک کہ حال اپنے عامل ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے۔ حال اپنے عامل پر مقدم ہو مثال مقدم ہونے کی۔ جیسے: زَيْدٌ قَائِمًا فِي الدَّارِ اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں۔ ❶ مُبتدا سے حال مؤخر ہو۔ جیسے: قَائِمًا زَيْدٌ۔ ❷ مُبتدار حال سے مؤخر ہونے کے ساتھ ساتھ ظرف سے بھی مؤخر ہو۔ جیسے: قَائِمًا فِي الدَّارِ زَيْدٌ ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق سیبویہ و اخفش حال کا اپنے عامل ظرف پر تقدیم جائز نہیں اور مُبتدار کے حال پر مقدم ہونے کی صورت میں اخفش جواز تقدیم کے قائل ہیں اور سیبویہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ بخلاف ظرف کے ایک وہم کا ازالہ ہے کہ صاحب کافیہ نے جب یہ مسئلہ بیان کیا کہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس سے یہ وہم ہوا کہ ظرف بھی تو حال کے مشابہ ہے لہٰذا شاید ظرف بھی اپنے عامل معنوی پر مقدم نہ ہو سکے۔ صاحب کافیہ نے جواب دیا اگرچہ ظرف اور حال

ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہیں لیکن اس کے باوجود حال کی تو اپنے عامل معنوی پر تقدیم جائز نہیں۔ لیکن ظرف کی تو اپنے عامل معنوی پر تقدیم جائز ہے۔ کیونکہ ظرف میں توسع ہے۔ یہ دو مطلب اس وقت ہیں جب کہ ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو۔ اگر ظرف کو عامل معنوی میں داخل مانا جائے تو پھر یہ دوسرا مطلب ہی متعین ہوگا۔

قوله وَلَا عَلَى الْمَجْرُوْرِ عَلَى الْاَصَحِّ اور مجرور پر بھی حال کو مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ مجرور سے مراد عام ہے۔ مجرور بالاضافۃ ہو یا مجرور بحرف الجار ہوں ایسی صرت پر بھی حال کو مقدم نہیں کیا جاسکتا یاد رکھیں مجرور بالمضاف میں تو تمام نحاۃ کا اتفاق ہے کہ حال کو مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ دلیل اور علۃ یہ ہے کہ حال تابع ہوتا ہے اور ذوالحال متبوع ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا تو مضاف الیہ کا جو تابع حال ہے وہ کیسے مقدم ہوسکتا ہے اس لیے مضاف الیہ ذوالحال ہو تو حال پر مقدم نہیں ہوسکتا۔

سوال آپ نے کہا مبتو مقدم نہ ہوسکے تابع مقدم نہیں ہوسکتا یہ آپ کا قاعدہ درست نہیں۔ جس طرح جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا۔ میں زَیْدٌ، رَاکِبًا پر مقدم نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کا معمول رَاکِبًا اس سے مقدم ہوسکتا ہے۔ یوں کہنا صحیح ہے: جَاءَنِیْ رَاکِبًا زَیْدٌ

جواب فاعل میں اصل تقدیم ہی ہے اس کو موخر اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کا مُبتدار کے ساتھ التباس لازم آتا ہے اس التباس کو دور کرنے کے لیے مُبتدار کو موخر کیا جاتا ہے تو متبوع میں اصل تقدیم ہے تو معمول اور تابع جو تابع میں بھی ہو تو ایسے متبوع کے تابع کو مقدم کیا جاسکتا ہے جب متبوع میں اصل تقدیم ہے تو ایسے متبوع کے تابع کو مقدم کیا جاسکتا ہے۔

سوال مضاف الیہ مضاف پر کیوں مقدم نہیں ہوسکتا۔ اس قاعدہ کی کیا وجہ اور علت ہے؟

جواب مضاف بمنزلۃ جار کے اور مضاف الیہ بمنزلہ مجرور کے چونکہ مجرور جار پر مقدم نہیں ہوسکتا اس لیے مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا۔

سوال مجرور جار پر کیوں مقدم نہیں ہوسکتا؟

جواب جار عامل ضعیف ہے اس وجہ سے مجرور اس پر مقدم نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھیں مجرور بحرف الجار میں نحاۃ کا اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک اور مُصنف اور اکثر نحاۃ کے نزدیک حال کو مجرور بحرف الجار پر مقدم نہیں کیا جاسکتا بعلت سابقہ۔ اور بعض کے نزدیک حال کو مجرور بحرف الجار پر مقدم کیا جاسکتا ہے۔ دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ ❶ دلیل نقلی ❷ دلیل عقلی۔

دلیل نقلی: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ یہاں پر کَافَّةً لِّلنَّاسِ مجرور بالحرف الجار سے حال ہے اور مقدم کیا ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حال مجرور بالحرف الجار پر مقدم ہو سکتا ہے اس کے لیے تین جواب ہیں۔

❶ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اس آیتِ کریمہ کے اعراب میں علماء کا اختلاف ہے۔

مذھب اول: ابو علی فارسی ابن برہان کسان ابن مالک یہ تمام علماء اس طرف چلے گئے ہیں کہ کافۃً حال ہے۔ اور للناس ذو الحال ہے ان حضرات نے اس آیت سے اس بات پر دلیل قائم کی ہے کہ مجرور بالحرف الجار ذو الحال پر حال کی تقدیم جائز ہے۔

سوال آیت مذکورہ میں کافۃً کو حال لِلنَّاسِ سے حال قرار دینے پر فساد لازم آتا ہے۔

❶ فعل ارسل کا مُتعدی باللام ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ اکثر یہ مُتعدی بحرف اِلیٰ ہوتا ہے: کما فی قولہ تعالیٰ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ۔

جواب ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ ارسل کا صلہ صرف الی ہے بلکہ جس طرح مُتعدی بالی ہوتے ہیں اسی طرح مُتعدی باللام بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا مُتعدی باللام ہے۔

مذھب دوئم: علامہ جار اللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ کافۃً مفعول مُطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے جس کا عامل ارسل ہے۔ اور اصل میں مصدر محذوف ہے مفعول مُطلق کی صفت ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رِسَالَةً كَافَّةً اَیْ مَانِعَةً وَزَاجِرَةً

مذھب سوم: بعض علماء کے نزدیک کافۃً حال ہے۔ ارسلنک کاف ضمیر خطاب سے۔ حاصل معنی یہ ہوگا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مَانِعًا وَزَاجِرًا لِّلنَّاسِ۔ اَنْ يَّرْتَكِبَ الْاٰثَامَ مذہب دوم اور مذہب سوم میں فرق یہ ہے کہ مذہب دوم پر کافۃً میں تاء تانیث اپنے اصل پر ہے اس لیے کہ موصوف مونث ہے رسالۃً مذہب سوم کی بنا پر تاء تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے۔ لیکن مذہب دوم اور سوم پر قوی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ مذہب دوم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کی جگہ قائم کرنا تب جائز ہوتا ہے کہ موصوف کا اقتران صفت مذکورہ کے ساتھ اتنا شائع ذائع ہو کہ حذف موصوف کے بعد فقط صفت کے ذکر کرنے سے موصوف کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور یہ بات واضح ہے کہ یہاں صرف صفت ذکر کرنے سے موصوف رسالۃً کی طرف ذہن نہیں چلتا۔ لہذا علامہ جار اللہ زمخشری

کے نزدیک رسالۃ موصوف ہے کافۃً کو موصوف محذوف کی صفت قرار دینا غلط ہے۔ مذہب سوم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تا مبالغہ کے لیے ہونا سماع پر موقوف ہے نیز تمام وہ کلمات جن میں تا مبالغہ کے لیے ہو وہ سوائے ندرۃ او شذوذ سب مبالغہ کے صیغے ہوتے ہیں لہٰذا مذہب اول راجح ہے۔ لہٰذا اس لیے ملا جامیؒ نے بقایا مذاہب کے مُتعلق تکلف کہہ کر انتہائی بلیغ انداز میں رد کیا ہے مذہب اول کے راجح ہونے پر دلیل و جاءو علیٰ قمیصہ بدمٍ کَذِبٍ میں عَلیٰ قَمِیْصِہٖ جار مجرور محذوف کے مُتعلق ہے اور وہ محذوف دَمٌ مجرور بالباء سے حال واقع ہو رہے ہیں اور تقدیر کلام یہ ہے کہ: وَجَاءُوْا بِدَمٍ کَذِبٍ فِیْ حَالٍ کونہ علیٰ قمیصہ تو یہ آیتِ کریمہ ذو الحال مجرور بالحرف الجار پر مقدم ہو گیا ہے۔ (ھٰکذا قال ابو البقاء) لیکن علامہ زمخشری نے فرار کے لیے حیلہ سازی اختیار کرتے ہوئے یہ کہا کہ علی قمیصہ جار مجرور جاءو کے ساتھ مُتعلق ہے۔

قولہ وَکُلُّ مَا دَلَّ عَلٰی ھَیْئَۃٍ صَحَّ اَنْ تَقَعَ حَالاً مِثْلُ ھٰذَا بُسْرًا اَطْیَبُ مِنْہُ رُطَبًا۔ اس عبارت میں مُصنفؒ جمہور نحاۃ کی تردید کرنا چاہتے ہیں جمہور نحاۃ کا مسلک یہ تھا کہ حال کے لیے مُشتق ہونا ضروری ہے اور اسم جامد بغیر تاویل مُشتق حال واقع نہیں ہو سکتا مُصنف نے اس کی تردید کردی کہ ہر وہ اسم جو حالت پر دلالت کرے خواہ وہ مُشتق ہو یا جامد ہو حال بن سکتا ہے۔ اس کو مُشتق کی تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے: ھذا بُسْرًا اَطْیَبُ مِنْہُ رُطَبًا اس میں بُسْرًا اور رُطَبًا اسم جامد ہونے کے باوجود حال واقع ہیں۔ بُسْرًا نیم پختہ کھجور کو کہتے ہیں۔ جس میں قدرے ترشی باقی ہو تو اس کی دلالت نیم پختگی پر ہوئی اور رُطَبًا پختہ کھجور کو کہتے ہیں۔ جس میں خالص مٹھاس ہو۔ تو اس کی دلالت پختگی پر ہوئی اور نیم پختگی اور پختگی حالت ہے۔ جب یہ حالت پر دلالت کر رہے ہیں تو ان کا حال واقع ہونا درست ہے۔

سوال یہ مثال صحیح نہیں کیونکہ اس مثال میں اسم تفضیل عامل ہے اور اس کا معمول اس سے مقدم ہے حالانکہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور عامل ضعیف کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا۔

جواب قاعدہ ہے کہ جب کسی ذات سے دو حال واقع ہوں باعتبارِ مختلفین تو ہر حال کا اپنے مُتعلق کے ساتھ مُتصل رہنا ضروری ہے۔ یہاں پر بُسْرًا اور رُطَبًا دونوں ایک ذات یعنی خوشہ سے حال واقع ہو رہے ہیں اس لیے اس قاعدہ کی بناء پر یہ اپنے اپنے مُتعلق کے ساتھ انھیں مُتصل رکھا گیا ہے۔ اسی غرض کی بنا پر بسرًا اپنے عامل یعنی اطیب اسم تفضیل پر مقدم کیا گیا

ہے۔ بعنوان دیگر قاعدہ ہے کہ جب کوئی عامل مشتمل ہو دو حدثوں پر یعنی دو طرفوں پر اور اس کے نتیجے دو حال ہوں تو ہر ایک حال کا اپنے اپنے حدث کے ساتھ مُتصِل رہنا ضروری ہے۔ تو اس مثال میں اطیب عامل ہے جو دو حدثوں پر رہنا مشتمل ہے اور اس کے نتیجے دو حال ہے۔ بسراً اور رطباً تو ان میں سے ہر ایک حال کا اپنے حدث کے ساتھ مُتصِل رہنا ضروری ہے۔ بسراً کا حدث ھذا اس لیے بسراً اپنے حدث ھذا مفضل کے ساتھ مُتصِل ہے اور رطباً کا حدث منہ ہے اس لیے رطباً کا اپنے حدث منہ کے ساتھ یعنی مفضل علیہ کے ساتھ مُتصِل رہنا ضروری ہے۔ اسی غرض پر بسراً کو اطیب پر مقدم کر دیا گیا ہے۔

قولہ وَقَدْ تَكُوْنُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً فَالْاِسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيْرِ اَوْ بِالْوَاوِ اَوْ بِالضَّمِيْرِ عَلٰى ضُعْفٍ۔
مُصنّفؒ حال مفرد کو بیان کرنے کے بعد جملہ کے حال ہونے کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کبھی کبھی حال جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے۔

سوال جملہ حال کیوں واقع ہوتا ہے؟

جواب ہم بتا چکے ہیں کہ جو چیز ہیئت اور حالت پر دلالت کرے وہ حال واقع ہو سکتی ہے اور جملہ خبریہ بھی۔ چونکہ جملہ ہیئت اور حالت پر دلالت کرتا ہے اس لیے یہ حال واقع ہو سکتا ہے۔

سوال جملہ کے ساتھ خبریہ کی قید کیوں لگائی گئی کیا جملہ انشائیہ حال نہیں واقع ہو سکتا۔

جواب جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ذو الحال بمنزلہ مُبتدا کے ہے اور حال بمنزلہ خبر کے ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہوا ہے یہ قاعدہ کہ جملہ انشائیہ خبر واقع نہیں ہو سکتا۔ جب خبر واقع نہیں ہو سکتا تو حال بھی واقع نہیں ہو سکتا باقی رہا یہ خبر کیوں واقع نہیں ہو سکتا اس لیے کہ خبر محکوم بہ ہوتی ہے۔ اور جملہ انشائیہ: وَالْجُمْلَةُ الْاِنْشَائِيَّةُ لَا تَصْلُحُ اَنْ يُّحْكَمَ بِهَا عَلٰى شَيْءٍ۔ جملہ انشائیہ میں محکوم بہ کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ جملہ خبریہ جو حال واقع ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ابتداءً۔ ❶ جملہ اسمیہ ❷ جملہ فِعلیہ۔ پھر جملہ فِعلیہ کی چار قسمیں ہیں۔ ❶ جملہ فِعلیہ ماضی مثبت۔ ❷ جملہ فِعلیہ ماضی منفی۔ ❸ جملہ فِعلیہ مضارع مثبت۔ ❹ جملہ فِعلیہ مضارع منفی۔

قاعدہ جملہ خبریہ جب حال واقع ہو تو اس کو ماقبل کے ساتھ ارتباط کے لیے رابط کا ہونا ضروری ہے۔ رابط دو ہیں۔ ❶ واو ❷ ضمیر۔

قاعدہ یاد رکھیں جملہ اسمیہ کے روابط کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ جملہ اسمیہ سے روابط واو اور ضمیر دونوں ہوتے ہیں۔ واو تو اس لیے کہ جملے مستقل بنفسہٖ ہوتا ہے تو واو لا کر اس کو ماقبل کے

ساتھ ارتباط کے لیے رابط کا ہونا ضروری ہے۔ رابط دو ہیں۔ ❶ واو ❷ ضمیر۔

قاعدہ یاد رکھیں، جملہ اسمیّہ کے روابط کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ جملہ اسمیّہ کے روابط واو اور ضمیر دونوں ہوتے ہیں۔ واو تو اس لیے کہ جملے مستقل بنفسہٖ ہوتا ہے تو واو لا کر اس کو ماقبل کے ساتھ ارتباط قائم کیا جاتا ہے اور ضمیر اس لیے کہ جملہ غایت استقلال میں ہوتا ہے اور ربط کو انتہائی قوی کرنے کے لیے ضمیر کو لایا جاتا ہے۔ ❷ رابط فقط واو ہو۔ ❸ رابط فقط ضمیر ہو۔ یاد رکھیے رابط فقط واو ہو تو واو پر اکتفاء کرنا بغیر ضعف کے جائز ہے یعنی ضعف نہ ہوگا۔ اور اگر رابط ضمیر پر اکتفاء کیا جائے تو یہ ضعیف ہے۔

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ اگر فقط واو پر اکتفاء کیا جائے تو اس میں ضعف نہیں ہوتا اور اگر فقط ضمیر پر اکتفی کیا جائے تو اس میں ضعف ہوتا ہے۔

جواب پہلی وجہ یہ ہے کہ واو اوّلی طور پر ارتباط پر دلالت کرتی ہے بخالف ضمیر کے کہ وہ اوّلی طور پہ ربط پر دلالت نہیں کرتی اس لیے ضمیر پر اکتفاء کرنا یہ ضعف کے ساتھ ہوگا دوسری وجہ واو ربط خاص پر دلالت کرتی ہے جو کہ حالیہ ہونا ہے اور ضمیر ربط عام پر دلالت کرتی ہے اس لیے ضمیر پر ضعف کے ساتھ اکتفاء جائز ہے۔

سوال وَهُوَ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِيهِ کی ترکیب میں لا شك فيه جملہ اسمیّہ حالیہ ہے لیکن اس کے باوجود واو پر اکتفاء کرنا تو در کنار یہاں واو کا ذکر کرنا جائز ہی نہیں۔

جواب جملہ اسمیّہ حالیہ سے مراد وہ جملہ اسمیّہ حالیہ ہے جو حال مُنتقلہ کی قبیل سے ہو۔ اور یہ مثال مذکورہ اس سے نہیں بلکہ یہ حال مؤکدہ کے قبیل سے ہے اور حال مؤکدہ میں یہ حکم نہیں اس لیے کہ واو مُؤَكَّدْ اور مُؤَكِّدْ کے درمیان میں داخل نہیں ہو سکتی۔ شدتِ اتصال کی وجہ سے۔

قولہ وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهٗ جملہ فِعلیّہ مضارع مثبت اس کے لیے رابط فقط ایک ضمیر ہے اس کے لیے واو رابط کا لانا جائز نہیں۔

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ مضارع مثبت کے لیے رابط فقط ضمیر ہے واو نہیں؟

جواب فعل مضارع کی مشابہت ہے اسم فاعل کے ساتھ اور چونکہ اسم فاعل جب حال واقع ہوتا ہے تو داخل نہیں ہوتی، اسی طرح فعل مضارع بھی جب حال واقع ہوگا تو واو رابط نہیں لائی جائے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ فعل مضارع کی مشابہت اسم فاعل کے ساتھ کیسی ہے، یہ دو قسم کی

مشابہت ہے۔ ❶ **مشابہت لفظی:** مشابہت لفظی تین وجوہ سے ہے۔ ❶ حرکات و سکنات میں مضارع اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ جس طرح یَضْرِبُ اور یَسْتَخْرِجُ مشابہ ہے۔ ضَارِبٌ اور مُسْتَخْرِجٌ کے ساتھ۔ ❷ جس طرح اسم فاعل پر لام تاکید داخل ہوتی ہے اسی طرح مضارع پر بھی لام تاکید داخل ہوتی ہے۔ جیسے: اِنَّ زَیْدًا لَیَقُوْمُ مشابہ ہے اِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ کے۔ ❸ فعل مضارع اسم فاعل کے ساتھ تعداد حروف میں مسابہ ہوتا ہے۔ جیسے: یَضْرِبُ، ضَارِبٌ کے مشابہ ہے۔

مشابہت معنوی: جس طرح اسم فاعل میں خارجی طور رحال اور استقبال کا زمانہ پایا جاتا ہے اسی طرح فعل مضارع میں بھی حال اور استقبال کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے جس طرح اسم فاعل حال واقع ہو تو واو رابطہ نہیں لائی جاسکتی۔ اسی طرح فعل مضارع حال واقع ہو تو یہاں بھی ضمیر نہیں لائی جاسکتی۔

سوال قرآن مجید میں ہے: وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ اس آیت کریمہ میں جملہ فِعلیّہ مضارعہ مثبتہ کے شروع میں واو رابطہ لائی گئی ہے۔ حالانکہ یہ حالیہ ہے۔

جواب وہ جملہ فِعلیّہ مضارع مثبتہ جس کے شروع میں لفظ قَدْ ہو وہ جملہ فِعلیّہ ماضیہ مثبتہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ مضارع ہوتا ہی نہیں۔

قولہ وَمَا سِوَاھُمَا بِالْوَاوِ وَالضَّمِیْرِ اَوْ بِاَحَدِھِمَا۔ ماقبل میں دو جملے جملہ اسمیّہ اور جملہ فِعلیّہ مضارع مثبتہ کے علاوہ کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تو بقایا ان پانچ جملوں میں سے تین رہ گئے۔

❶ جملہ فِعلیّہ مضارعہ منفیہ۔ ❷ جملہ فِعلیّہ ماضیہ مثبتہ۔ ❸ جملہ فِعلیّہ ماضیہ منفیہ ہر ایک میں تین روابط ہوسکتے ہیں۔ ❶ واو اور ضمیر دونوں کا مجموعہ۔ ❷ فقط واو۔ ❸ فقط ضمیر۔ لیکن یاد رکھیں جملہ اسمیّہ حالیہ میں تنہا ضمیر کا رابطہ ہونا وجہ مذکور کی بنا پر ضعیف تھا لیکن ان تین جملوں میں ضمیر کا رابطہ ہونا بغیر کسی ضعف کے ہے اگر مضارع منفی ماضی منفی ہو۔ تو اس وقت واو اور ضمیر دونوں کو اس لیے لایا جاتا ہے۔ کہ واو تو اس لیے لائی جائے گی کہ مضارع منفی کی اور ماضی منفی کی اسم فاعل کے ساتھ مشابہت منقطع ہو چکی ہے لہٰذا واو لائی جاسکتی ہے اور ضمیر اس لیے لائی جائے گی کہ حال جملہ ہے تاکہ اس کا تعلق اور ربط باقی رہ جائے اگر ان دونوں میں کسی ایک کا اعتبار کیا جائے تو وہ ایک ہی لائی جاسکتی ہے۔ اگر ماضی مثبت ہو تو واو کو اس لیے لائی جائے گی کہ یہ حال کے مخالف ہے اور قَدْ کو لا کر حال کے قریب کردیا جائے گا۔ اور واو سے ربط جوڑا جائے گا۔ ضمیر اس لیے

لائیں گے کہ حال جملہ ان میں سے کسی ایک کا اعتبار کیا جائے گا تو ایک کو لایا جائے گا۔

قولہ وَلَا بُدَّ فِي الْمَاضِي الْمُثْبَتِ مِنْ قَدْ ظَاهِرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ جملہ حالیہ اگر ماضیہ مثبتہ ہو تو ماضی کے شروع میں قَدْ کا ہونا واجب اور ضروری ہے۔ اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ قَدْ کا لانا ضروری نہیں۔ کیونکہ قَدْ تو مقاربت کے لیے آتا ہے۔

سوال قَدْ کو نہیں لانا چاہیے کیونکہ قَدْ تو مقاربت کے لیے آتا ہے۔ حالانکہ یہاں تو مقارنت مقصود ہے۔

جواب قَدْ واقعی مقاربت کے لیے ہوتا ہے لیکن مقارنت مقاربت کو لازم ہے۔ آگے مصنفؒ نے تعمیم بیان کردی کہ قَدْ خواہ ملفوظ ہو یا مقدر ہو' یہ جمہور نحاۃ کا مذہب ہے جب کہ سیبویہ اور ابوالعباس کے نزدیک قَدْ مقدر نہیں ہوسکتا۔ یعنی جو حضرات جملہ حالیہ مثبتہ ماضیہ کے شروع میں لفظ قَدْ کا ہونا واجب اور ضروری سمجھتے ہیں ان کا باہمی اختلاف ہے۔ جمہور نحاۃ کے نزدیک لفظ قَدْ مقدر بھی ہوسکتا ہے کوئی ملفوظ ہونا ضروری نہیں اور سیبویہ اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ لفظ قَدْ کا ملفوظ ہونا ضروری ہے مقدر ہونا جائز نہیں۔ چنانچہ سیبویہ اور مبرد کے مذہب پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ آیت کریمہ میں حَصِرَتْ جملہ فعلیہ مثبتہ ماضیہ حال واقع ہورہا ہے۔ حالانکہ لفظ قَدْ شروع میں ملفوظ نہیں۔ سیبویہ اور مبرد اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ جملہ حالیہ ہے ہی نہیں۔ سیبویہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ موصوف محذوف کے لیے یہ جملہ صفت ہے اور مبرد یہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ حالیہ نہیں بلکہ جملہ دعائیہ ہے۔ بددعا مقصود ہے۔

قولہ وَيَجُوزُ حَذْفُ الْعَامِلِ كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ رَاشِدًا مَهْدِيًّا اس عبارت میں مصنفؒ حال کے ایک اور حکم کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حال کے عامل کا حذف کرنا بھی جائز ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو۔ خواہ قرینہ یا تو مقالیہ ہوگا یا حالیہ' قرینہ حالیہ کی مثال جس طرح مسافر کو کہا جائے راشداً مھدیًا یہاں پر سِرْ فعل محذوف ہے یعنی سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا کہ تو سیدھا جا یا ہدایت یافتہ جا۔ راشداً مھدیًا یہ حال مترادفہ بھی بن سکتا ہے اور حال متداخلہ بھی بن سکتا ہے۔ اگر یہ سِرْ کی ضمیر سے حال ہو تو حالین مترادفین بنیں گے۔ اگر مھدیًا راشداً کی ضمیر سے ہو تو حالین متداخلین بن جائیں گے۔ قرینہ مقالیہ کی مثال اگر کوئی شخص کسی شخص کو کہے كَيْفَ جِئْتَ تو وہ جواب میں کہے گا۔ رَاكِبًا تو یہاں پر جئت فعل محذوف ہے۔ جس پر قرینہ سوالیہ کلام ہے۔ اور اسی

قبیل سے ہے۔ اَیَحسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰی قَادِرِیْنَ۔ قادرین کے لیے عامل محذوف ہے۔ نَجْمَعُ ای بلٰی نجمعها قَادِرِیْنَ۔

قولہ وَیَجِبُ فِی الْمُؤَكَّدَةِ مِثْلُ زَیْدٌ اَبُوْكَ عَطُوْفًا ای اُحِقُّهٗ۔ اس عبارت میں مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس مقام میں حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ چنانچہ فرمایا حال مؤکدہ میں حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ حال مؤکدہ کی وہ مشہور تعریف مراد نہیں کہ حال مؤکدہ وہ ہوتا ہے جو ماقبل کے جملے کے کسی جز کی تاکید کرے بلکہ یہاں پر حال مؤکدہ حال مُنتقلہ اور دائمہ کی ضد ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ جو ذوالحال سے عموماً زائل نہ ہو اور جو مُنتقلہ ہوتا ہے وہ جدا ہوتا رہتا ہے۔ ان میں ضد ہو گئی اور دائمہ کی ضد اس طرح ہے کہ حال دائمہ میں زوال بالکل نہیں ہوتا اور حال مؤکدہ میں عموماً زوال نہیں ہوتا۔ مثال جس طرح: زَید اَبُوْكَ عَطُوْفًا۔ یہاں پر عطوفاً حال ہے ذوالحال جس کے لیے حال محذوف ہے۔ ای اُحقه تقدیرِ عبارت: ای زَیْدٌ اَبُوْكَ اُحِقُّهٗ عَطُوْفًا یہ حال مؤکدہ اس لیے کہ باپ کی مہربانی اور شفقت بیٹے سے عموماً زائل نہیں ہوتی اور یہاں پر ذوالحال بھی حذف واجب ہوتا ہے ذوالحال کا حذف کرنا اس لیے واجب ہوتا ہے کہ حال مؤکدہ فعل کے عوض میں ہوتا ہے اور فعل کو حذف کردیتے ہیں۔ اب اگر فعل کو ذکر کردیا جائے تو عوض اور معوض کا جمع ہونا لازم آتا ہے اس لیے عامل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

قولہ وَ شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ مُقَرِّرَةً لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ اِسْمِيَّةٍ۔ اس عبارت میں مصنفؒ حال مؤکدہ کے عامل کے حذف کرنے کے لیے چند شرطیں بیان کرتے ہیں۔ ❶ وہ مضمون جملہ کو ثابت کرتا ہو۔ ورنہ اگر کسی جزء کو ثابت کرتا ہو تو وہ اس سے خارج ہوگا۔ جیسے: هُوَ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِیْهِ۔ ❷ جملہ اسمیہ کو ثابت کرتا ہو اگر جملہ فعلیہ کو ثابت کرے تب بھی عامل کا حذف واجب نہ ہوگا۔ جس طرح شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ۔ یہاں لفظ قَآئِمًا، لفظ اللہ سے حال واقع ہے۔ کیونکہ یہ جملہ کو ثابت کرتا ہے اس لیے عامل حذف نہیں کیا گیا۔ ❸ وہ جملہ اسمیہ ایسے دو جملوں سے مرکب ہو جن میں عامل بننے کی صلاحیت نہ ہو۔ لہٰذا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ میں رَسُوْلًا حال مؤکدہ ہے۔ لیکن جملہ کے مضمون کے لیے مؤکدہ نہیں کیونکہ جملہ کا مضمون ارسال لہ ہے اور یہ رَسُوْلًا مضمون جملہ کے ایک جزء ارسال کے لیے مؤکد ہے تو اس لیے اس کا عامل محذوف نہیں۔ یہ اس وقت جب رسول کا لغوی معنی مراد

ہو۔ اگر شرعی معنی مراد لیا جائے تو پھر حال مؤکدہ مضمون جملہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ رسُول بمعنی شرعی بغیر ارسال اللہ کے ہو سکتا ہی نہیں۔

قولہ: اَلتَّمِيْزُ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقَرَّ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُوْرَةٍ اَوْ مُقَدَّرَةٍ مصنفؒ حال کی بحث سے فراغت کے بعد منصوبات کے ساتویں قسم تمیز کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تمیز کے چند نام اور بھی ہیں۔ مثلاً: تبین، مُبین، ممیز، تفسیر۔ تمیز کا لغوی معنی ہے تفرقہ' اور علیحدہ ہونا' جس طرح قرآن میں ارشاد ہے: وَامْتَازُ الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ تمیز وہ اسم ہے جو ایسے ابہام کو دور کرے جو قائم ہو ذات مذکورہ کے ساتھ یا مقدرہ کے ساتھ۔

فوائد قیود: مَا جنس ہے یہ تمام اسماء کو شامل ہے۔ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ یہ قید اول ہے اس سے تمام مفاعیل خارج ہو گئے اور اسی طرح بدل بھی خارج ہو گیا بدل اس لیے کہ بدل سے مقصود متکلم رفع ابہام نہیں ہوتا۔ بلکہ مُبہم کو چھوڑ کر معین کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگرچہ کچھ نہ کچھ ابہام بھی رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مقصود متکلم نہیں ہوتا۔ اَلْمُسْتَقَرَّ: یہ قید ثانی ہے۔ فصل ثانی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے وہ الفاظ مشترکہ نکل جائیں گے جن میں اشتراک کی وجہ سے ابہام ہے۔ مثلاً: رَأَيْتُ عَيْنًا جَارِيَةً۔ یہاں پر جَارِيَةً کا لفظ اگرچہ عَيْنًا سے ابہام کو دور کر رہا ہے۔ لیکن یہ ابہام موضوع لہٗ ہونے کی حیثیت سے نہیں یعنی ابہام وضعی نہیں بلکہ یہ ابہام اشتراکی کو رافع ہے اور دوسرا اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عطف بیان بھی خارج ہو جاتا ہے کیونکہ عطف بیان معین کے ایسے ابہام کو دور کرتا ہے جو عدم اشتہار و شہرت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ابہام وضعی کے لیے رافع نہیں۔ اور اس کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اَلْمُسْتَقَرَّ کی قید کے ساتھ مبہمات کے اوصاف تمیز ہونے سے خارج ہو جائیں گے مثلاً اسم اشارہ کی وضع میں دو مذہب ہیں۔ ❶ تفتازانی۔ ❷ جمہور کا۔ علامہ صاحب کا مذہب یہ ہے کہ اسم اشارہ مثلاً ھذا کی وضع مفہوم کلی کے لیے ہوتی ہے بشرط استعمال فی الجزئیات اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اسم اشارہ مثلاً ھٰذا کی وضع مفہوم کلی کی جزئیات میں سے ہر ہر جزئی کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نہ تو مفہوم کلی میں کوئی ابہام ہے اور نہ ہی جزئیات میں سے ہر ہر جزئی میں ابہام ہے البتہ اگر ابہام ہے تو علامہ صاحب کے مذہب کی بنا پر معنی مُستعمل فیہ کے اعتبار سے ہے۔ اور جمہور کے مذہب پر تعدد موضوع لہٗ کے اعتبار سے ہے لہٰذا ھذا الرجل میں الرجل ایسے ابہام کے لیے رافع ہے جو معنی مُستعمل فیہ کے اعتبار سے ہے۔ یا معنی موضوع لہٗ کے تعدد کے

التمييز ما يرفع الابهام[1] المستقر[2] عن ذات[3]

- مقدرة عن نسبة في
  - اضافة: يُعجِبُنِي طِيبُهٗ نَفسًا وَاَبًا وَاُبُوَّةً و دَارًا وَعِلمًا
  - شبه جملة: زَيدٌ طَيِّبٌ نفسًا وابًا وابوّةً ودارًا وعِلمًا
  - جملة: طَابَ زَيدٌ نفسًا وابًا وَاُبُوَّةً ودارًا وعِلمًا
    - اَى طَابَ شَیْءٌ مَنسُوبٌ اِلٰى زَيدٍ (نسبة)
- او
- مذكورة
  - مفرد غير مقدار: عِندِی خَاتَمٌ حَدِيدًا
  - مفرد[4] مقدار[5]
    - مساحة: مَا فِي السَّمَاءِ قَدرُ رَاحَةٍ سَحَابًا
    - مقياس: عَلَى التَّمرَةِ مِثلُهَا زُبدًا
    - كيل: عِندِی قَفِيزَانِ بُرًّا
    - وزن: عِندِی رِطلٌ زيتًا وَمَنَوانِ سَمنًا
    - عدد: عِندِی عِشرُونَ دِرهَمًا

له اى ما يقابل الجملة وشبهها والمضاف ۱۲

له وهو ما يقدر به الشئ ۱۲

---

[1] فيه احترازعن البدل مثل جاءَنى زيد اخوك. [2] فيه احترازعن صفة رأيت عينًا جارية
[3] فيه احترازعن الحال نحو جاءَنى زيد راكبًا۔

اعتبار سے استعمال میں پیدا ہو چکا ہے حالانکہ تمیز کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے ابہام کے لیے رافع ہو جو معنی موضوع لہ میں موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے ہو۔ نہ کہ تعدد معنی مستعمل فیہ یا تعدد معنی موضوع لہ کے اعتبار سے۔ عن ذاتٍ یہ تیسری قید ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حال اور صفت خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مُبین تو ہوتے ہیں لیکن مُبین ذات نہیں ہوتے۔

قولہ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُوْرَةٍ اَوْ مُقَدَّرَةٍ اس عبارت سے مصنف نے تقسیم کی طرف اشارہ کیا کہ تمیز کی دو قسمیں ہیں۔

❶ یہ ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے گی۔

❷ یا ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے گی۔

قولہ فَالْاَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا مصنفؒ تمیز کی تعریف سے فارغ ہو کر اور اس کے ضمن میں تقسیم کی جانب اشارہ کرنے کے بعد یہاں سے دونوں قسموں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

قسم اول: جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کریں وہ اکثر و بیشتر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کیا کرتی ہیں۔ یاد رکھیے مفرد سے مراد جملہ اور شبہ جملہ مضاف مِنْ حَيْثُ اَنَّهٗ مضاف کے مقابلہ میں یعنی نہ نسبتِ تامہ جو جملے میں ہوتی ہے نہ نسبتِ ناقصہ جو اسم فاعل وغیرہ صفاتِ مشتقہ میں ہوتی ہے۔ نہ نسبتِ اضافی جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہوتی ہے۔ اور مقدار سے مراد مَا يُعْرَفُ بِهٖ قَدْرُ الشَّيْءِ یعنی جس سے شئے کا اندازہ معلوم ہو۔ اور جن چیزوں کا اندازہ معلوم ہوتا ہے وہ پانچ چیزیں ہیں۔

❶ عدد۔ ❷ وزن۔ ❸ کیل۔ ❹ مساحت۔ ❺ مقیاس۔ کسی صاحب نے انھیں شعر میں بند کیا ہے۔

پنج اند جانِ من تو مقادیر را شناس
کیل است وزن و عدد و ذراع است و ہم مقیاس

عدد بمعنی شمار، وزن بمعنی تول، کیل بمعنی پیمانہ، مساحت بمعنی پیمائش، مقیاس بمعنی مایقدر بہ الشیٔ بالخرس یعنی جس کے ذریعے کسی چیز کا اندازہ اٹکل سے کیا جائے۔ غالبًا اس لیے فرمایا کہ کبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ جیسے خَاتَمٌ حَدِيْدًا اس میں خاتم ذات مذکورہ بمعنی مذکور مفرد ہے۔ لیکن مقدار کی مذکورہ بالا پانچ قسموں میں سے کوئی قسم نہیں۔

قولہ اِمَّا فِيْ عَدَدٍ نَحْوُ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا وَسَيَاْتِيْ وَاِمَّا فِيْ غَيْرِهٖ نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا وَمَنَوَانِ سَمْنًا وَ

قَفِيْزَانِ بُرًّا وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا۔ مصنفؒ مقدار کے بعض اقسام کی مثالیں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مقدار کبھی عدد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے۔ جیسے: عِنْدِیْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا عدد کی تمیز کا بیان تفصیلاً آئندہ عدد کی بحث میں آئے گا۔ اس میں عشرون مشابہ بہ نون جمع کے ساتھ تام ہے۔ کبھی مقدار غیر عدد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے۔ جیسے: رِطْلٌ زَيْتًا یہ وزن کی مثال ہے رِطْلٌ ایک باٹ ہے اسی (۸۰) تولہ کے سیر سے سات (۷) چھٹانک اور ایک تولہ بھر (۳۶ تولہ) اوپر مَنَوَانِ سَمْنًا یہ بھی وزن کی مثال ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ رِطْلٌ اسم تام باعتبار تنوین کے اور مَنَوَانِ باعتبار نون تثنیہ کے اور منٌّ کا تثنیہ ہے جو کہ مَنٌّ کا ہم معنی ہے۔ اور وہ چودہ (۱۴) چھٹانک اور دو تولہ بھر (۷۲ تولہ) ہوتا ہے۔ اور ایک "مُدّ" بھی اتنے ہی کا ہے کہ وہ من کے ہم معنی ہے۔ کیل اور مساحت کی مثالیں کتاب میں موجود نہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کیل کی مثال: قَفِيْزَانِ بُرًّا ماقبل میں گزر چکی ہے۔ مصاحت کی مثال، جیسے: عِنْدِیْ ذِرَاعٌ ثَوْبًا، وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا یہ مقیاس کی مثال ہے۔

سوال مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں۔ کیونکہ ممثل لہ مفرد ہے۔ اور اس سے مراد غیر نسبت ہے۔ (تمام) اور لفظ زبداً نسبت اضافی سے ابہام دور کر رہا ہے۔

جواب جی نہیں۔ نسبت اضافی میں یہاں پر اصلاً ابہام نہیں۔ بلکہ یہ صرف لفظ مثل سے ابہام کو دور کر رہا ہے کہ ابہام صرف اسی میں ہے۔

سوال اب بھی یہ مثال درست نہیں، باقی ماندہ لفظ مثل میں ابہام نہیں کیونکہ وہ بمعنی مماثل ہے۔ اور اس کی وضع معنی مُعیّن کے لیے ہے۔ اسی طرح باقی مقادیر مُعیّن معانی کے واسطے موضوع ہے۔ پھر اس میں ابہام ہونا کس طرح ممکن ہے؟۔

جواب ہم ماقبل میں جواب کے ضمن میں اشارہ کر چکے ہیں اس کی جانب کہ مقادیر سے مراد مقدورات ہیں۔ یعنی عدد سے مراد معدود، وزن سے مراد موزون، اور کیل سے مراد مکیل، اور مساحت سے مراد ممسوح، اور مقیاس سے مراد مقیس، اور ان میں باعتبارِ جنس ابہام ہے کہ معدود کس جنس سے ہے؟۔ درهمًا نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ موزون کس جنس سے ہے؟ زیت نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ مکیل کس جنس سے ہے؟ بُرًّا نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ مقیس کس جنس سے ہے؟ زُبْدًا نے اس ابہام کو دور کر دیا۔

سوال مصنفؒ نے تمام مقادیر کی مثالیں کیوں بیان نہیں فرمائیں؟۔ بعض کی مثالیں ترک

کردی ہیں اور بعض کی دو دو مثالیں دے دی ہیں۔ جیسے وزن کی مثال، رِطْلٌ زَیْتًا، اور مَنَوَانِ سَمْنًا دو مثالیں وزن کی ہو گئیں۔

جواب مصنفؒ کے پیش نظر اس مقام پر ان چیزوں کا بیان ہے جن سے مفرد مقدار کی تمامیت ہوتی ہے، وہ چار ہیں: ❶ نون مشابہ بنون جمع جیسے عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا۔ ❷ نون تنوین، خواہ ملفوظ ہو، جیسے: رِطْلٌ زَیْتًا یا مقدر ہو، جیسے: احد عشر ❸ نون تثنیہ، جیسے: مَنَوَانِ سَمْنًا۔ ❹ اضافت، جیسے: عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا۔ اور اسم کے تمام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایسی حالت میں ہونا کہ جس کے ہوتے ہوئے اس کی اضافت درست نہ ہو۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کی موجودگی میں اسم مضاف نہیں ہوسکتا۔ خواہ نون تثنیہ ہو، یا نون تنوین ہو، یا نون مشابہ بہ نونِ جمع ہو۔ اس لیے کہ یہ اسم کے مابعد سے منقطع ہونے کی دلیل ہے۔ اور مضاف مابعد سے منقطع نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اضافت کی موجودگی میں اس لیے کہ اسم بدون عطف کے دو کی طرف مضاف نہیں ہوسکتا۔ جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ عَمْرٍو بلکہ غُلَامُ زَیْدٍ وَّعَمْرٍو بطریق عطف کیا جائے گا۔ اگر ایک کو محذوف مان لیں تو خلاف مفروض لازم آئے گا کہ ہم نے مانا تھا دو کی طرف مضاف ہے اور رہ گیا ایک کی طرف۔

سوال مصنفؒ نے متمات کو کیوں بیان کیا؟ یعنی ضرورت کیا تھی۔

جواب تمیز کے منصوب ہونے کی علت کی طرف اشارہ کیا کہ تمیز کو مشابہت ہے مفعول کے ساتھ۔ جس طرح کہ فعل فاعل کے ساتھ تام ہو کر بعد والے اسم کو مفعولیت کی بناء پر نصب دیتا ہے اسی طرح اسم بھی ان چار چیزوں کے ساتھ تام ہو کر بعد والے اسم کو شبہ مفعول میں تمیز کی بناء پر نصب دیتا ہے۔

سوال جس طرح اسم ان اشیاءِ مذکورہ اربعہ کی بناء پر تام ہو کر مستحیل الاضافت ہو کر ناصب لِلتمیز ہوتا ہے۔ ایسے ہی الف لام کے ساتھ بھی تام ہوتا ہے۔ یعنی مستحیل الاضافت ہو جاتا ہے۔ تو وہ اسم جو لام کے ساتھ مستحیل الاضافت ہو اسے بھی ناصب لِلتمیز ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا اسم جو لام کے ساتھ مستحیل الاضافت ہو ناصب لِلتمیز نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اشیاء مذکورہ اربعہ فاعل کے قائم مقام اس لیے ہوتی ہیں کہ یہ اسم کے آخر میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب اسم ان اشیاء کے ساتھ مستحیل الاضافت ہوتا ہے تو اس فعل کے مشابہ ہو جاتا ہے جس کی تمامیت فاعل کے ساتھ ہو بخلاف لام کے کہ لام چونکہ اسم کے شروع میں ہوتا

ہے جس کی وجہ سے فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اور اسم اس فعل کے مشابہ بھی نہیں ہوسکتا جو فاعل کے ساتھ تام ہو۔

سوال آپ نے نون مشابہ بالجمع کی مثال تو دی ہے لیکن نون جمع حقیقی کی مثال کیوں نہیں دی۔ جیسے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً۔

جواب بوجہ ظہور ہونے کے کہ جب نون مشابہ بنون جمع متمم ہے تو نون جمع حقیقی بدرجہ اولیٰ متمم ہوگا۔

سوال صاحبِ کافیہ کا قول: فالاول عن مفردٍ مقدار لغو اور بے فائدہ ہے۔ اس لیے مفرد مقدار ذات مذکورہ ہی ہے تو اب حاصل معنیٰ یہ ہوگا کہ ما یرفع الابہام یرفع عن ذاتٍ مذکورۃٍ وھو کَمَا تَرٰی فَاسِدٌ

جواب مطلق رفع اس خاص رفع کے ضمن میں متحقق ہے یعنی مفرد مقدار بھی اگرچہ ذات مذکورہ ہی ہے لیکن خاص ہے اور ماقبل میں ذات مذکورہ سے عام مراد ہے' جو مفرد مقدار کو شامل اور غیر کو بھی شامل ہے۔

سوال ان مقادیر میں تو کوئی ابہام ہی نہیں اس لیے کہ یہ تو معلوم متعین ہے تو تمیز ان سے ابہام کو کیسے دور کرے گی جب کہ ابہام ہے ہی نہیں۔

جواب حاصل جواب یہ ہے کہ عن سے مراد مقدورات ہیں۔ جن میں ابہام موجود ہے۔ اور تمیز ان مقدورات سے ابہام کے لیے رافع ہے۔

سوال ذات مقدرات تو معانی مجازی ہیں کیونکہ مقادیر کی وضع ان کے لیے نہیں حالانکہ تمیز کے لیے ضروری ہے کہ معنیٰ موضوع لہ سے موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے رافع ابہام ہو۔ اب مقادیر مقدار معین کے لیے اس طور پر موضوع ہے کہ وہ مقدار معین اجناس میں سے کسی جنس کی طرف منسوب ہو اور جب اضافت جنس مقادیر کے مفہوم میں معتبر ہو تو مقادیر کی وضع ایسی مقدار کے لیے ہوتی ہے جو منسوب الی الجنس ہے بایں طور مقدار وضع کے اعتبار سے جنس پر دال ہوئی جو کہ مبہم ہے۔ لہٰذا مقدار سے واقع ہونے والی تمیز ابہام وضعی کے لیے رافع ہوئی۔ فتدبر ولا تکن من الغافلین۔

قولہ فَيُفْرَدُ اِنْ كَانَ جِنْسًا مصنفؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ غیر عدد کی تمیز کو کس وقت مفرد کس وقت تثنیہ و جمع لایا جاتا ہے۔ تمیز اگر اسم جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا۔ اگرچہ اسم تام تثنیٰ

یا مجموع کیوں نہ ہو جیسے: عندی رطل زیتاً و رطلان زیتاً و ارطال زیتاً اس میں زیتاً جنس ہے۔

سوال عدد کی تمیز میں یہ حکم جاری نہیں ہوتا۔ ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک۔ کیونکہ اس کی تمیز ہمیشہ جمع ہی لائی جاتی ہے خواہ جنس ہو یا غیر جنس۔

جواب یہاں سے غیر عدد کی تمیز کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ یُفْرَدُ میں ضمیر غیر عدد کی طرف راجع ہے۔ جس پر قرینہ مصنفؒ کا یہ جملہ ہے: وَسَیَأْتِیْ

سوال اگر تمیز اسم جنس ہو تو اس کو مفرد کیوں لایا جاتا ہے، تثنیہ جمع کیوں نہیں لایا جاتا؟۔

جواب جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے کہ جس طرح یہ جنس واحد کو شامل ہوتی ہے اسی طرح تثنیہ اور جمع کو بھی شامل ہوتی ہے۔ تو تثنیہ جمع لانے کی ضرورت نہیں تھی۔

فائدہ **جنس کی تعریف:** بحسب الحقیقۃ و الماھیۃ۔ کہ جنس ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کے اجزاء میں سے ہر ہر جز کا کُل کے ساتھ نام میں اشتراک ہو۔ جیسے: ماءٌ پانی۔ سمندر کے پانی کو بھی مَــاءٌ کہا جاتا ہے اور ایک قطرہ پانی کو بھی ماءٌ کہا جاتا ہے۔ اور جنس کی تعریف: بحسب الحکم۔ جنس وہ ہے جو مجرد عن التاء ہو۔

فائدہ **جنس اور اسمِ جنس کے درمیان فرق:** جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ اور اسمِ جنس کا اطلاق واحد پر ہوتا ہے علیٰ سبیل البدلیت، ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مُطلق کی نِسبت ہے کہ ہر اسمِ جنس جنس ہے۔ ولا عکس۔

قولہ اِلَّا اَنْ یُّقْصَدَ الْاَنْوَاعُ۔ تمیز کی جب انواع مقصود ہوں تو پھر مطابقت واجب ہے کہ مثنّٰی کے لیے مثنّٰی، اور مجموع کے لیے تمیز جمع لایا جائے گا۔ جیسے: عِنْدِیْ رِطْلَانِ زَیْتَیْنِ، وَعِنْدِیْ اَرْطَالٌ زُیُوْتًا اول کا معنی میرے پاس دو قسم کا روغن اور زیتون اور رطل ہے۔ اور دوم کا معنی میرے پاس چند قسم کے روغن زیتون ہیں۔

سوال جب جنس نوعیں مقصود ہوں تو بھی تمیز مقصود کے مطابق استعمال کی جاتی ہے، جیسے عندی رطلان زیتاً حالانکہ متن کی عبارت سے قصد انواع جمع ہی کی صورت میں مطابقت کا ہونا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ انواع جمع کا لفظ بولا ہے۔

جواب متن کی عبارت میں انواع سے مراد مافوق الواحد ہے نوعین کو شامل ہے، یا یوں کہو جمع سے مراد عام ہے کہ جمع نحوی یا منطقی ہو یا جمع نحوی مافوق الاثنین کو کہتے ہیں۔ اور جمع منطقی مافوق لواحد کو کہتے ہیں۔ فاندفع الاشکال

سوال جس طرح انواع کے مقصود ہونے کی صورت میں تمیز مقصود کے مطابق لائی جاتی ہے ' ایسے ہی اعداد کے مقصود ہونے کی صورت میں بھی تمیز کی مقصود کے ساتھ مطابقت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا صاحب کافیہ کو یوں کہنا چاہیے تھا اِلا اَنْ تُقْصِدَ الْاَنْوَاعُ اَوِ الْاَعْدَادِ کیونکہ استثناء کی صرف انواع کے ساتھ تخصیص صحیح نہیں۔

جواب انواع سے حصص جنس یعنی افراد مراد ہوتے ہیں۔ خواہ وہ افراد نوعیہ ہوں یا افراد شخصیہ ہوں لہٰذا استثناء دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ افراد شخصیہ ہی اعداد ہیں۔

قولہ وَيُجْمَعُ فِي غَيْرِهٖ اگر تمیز جنس نہ ہو تو جمع لایا جائے گا۔ یاد رکھیں یہاں بھی جمع سے مراد عام ہے جمع نحوی ہو یا جمع منطقی۔ تا کہ یہ سوال وارد نہ ہو کہ ممیز کے تثنیہ ہونے کی صورت میں تمیز تثنیہ نہ لائی جاتی۔ جیسے: عِنْدِیْ عَدْلُ ثَوْبَيْنِ اَثْوَابًا۔

قولہ ثُمَّ اِنْ كَانَ بِتَنْوِيْنٍ اَوْ بِنُوْنِ التَّثْنِيَةِ جَازَتِ الْاِضَافَةُ وَاِلَّا فَلَا۔ اس عبارت سے مصنفؒ ممیز کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کب ان کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہوگی اور کب نہیں۔ اس لیے لفظ ثُمَّ اختیار فرمایا۔ جو تراخی فی الزمان کے لیے یہاں نہیں بلکہ دونوں حکموں کے تفاوت پر دلالت کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ حکم سابق تمیز کے متعلق تھا' اور یہ حکم لاحق ممیز سے متعلق ہے۔ اور مابعد ثُمَّ کا عطف ہے فَالْاَوَّلُ عَنْ مُّفْرَدٍ مِقْدَارٍ پر۔ مفرد کی مقدار کی تمامیت اگر تنوین یا نون تثنیہ سے ہو تو اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے۔ اس لیے کہ جس طرح رَطْلٌ زَيْتًا میں رَطْلُ زَيْتٍ کیونکہ تخفیف بھی حاصل ہوجاتی ہے اور مقصود بھی پورا ہوجاتا ہے۔ نون تثنیہ کی مثال مَنَوَانِ سَمْنًا قَفِيْزَانِ بُرًّا میں مَنَوَا سَمْنٍ قَفِيْزَا بُرٍّ پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر مفرد مقدار کی تمامیت مشابہ نون جمع یا اضافت سے ہو تو اضافت جائز نہیں۔ مثال: عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا میں عِشْرُوْ دِرْهَمٍ یا مِثْلُهٗ رَجُلًا میں مِثْلُ رَجُلٍ پڑھنا جائز نہیں۔ اول کی وجہ یہ ہے کہ نون مشابہ کو بصورتِ اضافت اگر حذف کر دیا جائے تو نون اصلی کا حذف لازم آئے گا جو کلامِ عرب میں معہود نہیں۔ اگر حذف نہ کیا جائے تو مشبّہ بہ یعنی نون جمع سے مخالفت لازم آئے گی کہ وہ تو بروقتِ اضافت حذف ہوجاتا ہے۔ حالانکہ نحویوں میں یہ مکروہ غیر صحیح ہے۔ دوم کی وجہ یہ ہے کہ مضاف کی اضافت دوبارہ بدوں عطف جائز نہیں۔ کیونکہ مضاف الیہ اول کو باقی رکھیں تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں اور اگر باقی نہ رکھیں تو خلافِ مفروض لازم آئے گا۔

سوال آپ نے کہا وہ اسم جس کی پہلے اضافت ہوچکی ہے اس کی اضافت جائز نہیں حالانکہ

كُلُّ فَرْدٍ فَرْدٍ کل پہلے فرد کی طرف مضاف ہے اور دوسرے کی طرف بھی۔

جواب آپ کی پیش کردہ مثال میں حرفِ عطف محذوف ہے۔ اصل میں کل فرد و فرد تھا۔

سوال آپ نے کہا نون مشابہ کا حذف کلامِ عرب میں معہود نہیں، حالانکہ کلام عرب میں معہود ہے۔ جیسے: عشر و درھم اور ستوك۔

جواب یہ فصحاء بلغاء کی کلام نہیں، اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ شاذ ہے۔ یاد رکھیں کہ شاذ جواز کے لیے علۃ نہیں بن سکتا۔

سوال اس نون کو مشابہ بہ نونِ جمع کیوں کہتے ہیں؟۔

جواب اس لیے کہ نون جمع سے اسم تام ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس سے بھی۔

قولہ وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ مِثْلُ خَاتَمٌ حَدِيْدًا وَالْخَفْضُ اَكْثَرُ عَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ اس کا عطف ہے عن مفرد مقدار پر۔ اب معنیٰ یہ ہوگا: اول یعنی ذات مذکورہ سے ابہام دور کرنے والی تمیز کبھی مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے کبھی غیر مقدار سے۔ مفرد غیر مقدار سے وہ مفرد جو وزن مساحت اور مقیاس اور عدد نہ ہو، جیسے: خَاتَمٌ حَدِيْدًا اس میں خَاتَمٌ مفرد غیر مقدار ہے۔ جس کی تمامیت تنوین سے ہو وہ جنس کے اعتبار سے اس میں ابہام تھا کہ نہ معلوم چاندی کی ہے یا سونے کی یا کسی اور چیز کی۔ تو حدیدا نے اس ابہام کو دور کردیا کہ لوہے کی ہے۔ اور یاد رکھیں کہ مفرد غیر مقدار کی تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے اضافت کی وجہ سے۔ یعنی مفرد غیر مقداری میں اکثر طور پر ممیز کی تمیز کی اضافت کردی جاتی ہے۔ جیسے: خَاتَمٌ حَدِيْدًا میں خَاتَمُ حَدِيْدٍ پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ مقصود پورا ہوتا ہے اور خفت بھی پورحاصل ہوجاتی ہے۔ غیر مقداری میں اکثر طور پر اضافت اس لیے ہوتی ہے کہ مفرد مقداری میں زیادہ ابہام ہوتا ہے بہ نسبت مفرد غیر مقداری کے تو مفرد مقداری رفع ابہام کا زیادہ مستحق ہے۔ اس لیے تمیز کی تصریح ضروری ہے۔ لیکن غیر مقداری میں تصریح کی زیادہ ضرورت نہیں تھی، اس لیے تمیز کی اکثر تمیز کی طرف اضافت ہوتی ہے کیونکہ مفرد مقدار میں ابہام کامل ہوتا ہے۔ مثلاً: عشرین کہ، اس سے مراد محدود ہے، اور محدود بے شمار اجناس ہوتی ہیں، بخلاف مفرد غیر مقدار کے کہ اس کی اجناس کا شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً: خاتم جنس کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ وہ محدود اور چند ہیں، لہٰذا اول میں ابہام کامل، دوم میں ابہام ناقص۔ اس لیے اسی کمال طلب کی بنا پر مفرد مقدار نصب کی جانب محتاج ہوا۔

قولہ وَالثَّانِيْ عَنْ نِسْبَةٍ فِيْ جُمْلَةٍ اَوْ مَاضَاهَاهَا مِثْلُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا وَزَيْدٌ طَيِّبٌ اَبًا وَاُبُوَّةً وَ

دَارًا وَعِلْمًا. مُصنفؒ اس عبارت میں تمیز کی قسم ثانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

سوال قسم دوم کو الثانی عن نسبة کے ساتھ تعبیر کرنے سے یہ تفصیل اجمال کے مخالف ہو گئی کیونکہ اجمال میں ذات مقدر کے ساتھ تعبیر تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذات مقدر اور چیز ہے، اور نِسبت اور چیز ہے۔ دونوں باعتبار مصداق ایک چیز نہیں؟

جواب یہ تسلیم ہے کہ دونوں باعتبار مصداق ایک نہیں، لیکن ذات مقدرہ میں ابہام ہونا نِسبت میں ابہام ہونے کو مُستلزم ہے۔ اور اسی طرح نِسبت سے ابہام دور ہونا ذات مقدر سے ابہام دور ہونے کو مُستلزم ہے، اس لیے یہاں پر ذات مقدرہ کو نِسبت سے تعبیر فرمایا۔

سوال الثانی عن ذات مقدرةٍ سے عدول کر کے اس تعبیر میں فائدہ کیا ہے؟۔

جواب اب بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ فالاول عن مفرد کا تقابل الثانی عن نسبة سے ہے نہ کہ عن ذات مقدرة سے۔ کیونکہ مفرد بھی کبھی ذات مقدرہ ہوتا ہے۔ جیسے: نِعْمَ رَجلاً کے رَجُلاً تمیز ہے ھُوَ ضمیر سے جو کہ نِعْمَ میں مقدر ہے۔ اور یہ تمیز اس قسم میں داخل ہے۔ (کمافی الرضی)

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تمیز قسم ثانی نِسبت سے ابہام دور کرتی ہے خواہ وہ نِسبت جملہ فِعلیہ میں ہو، جیسے: طاب زید ابا یا شبہ جملہ میں مبنی اسم فاعل بالفاعل جیسے الحوض مُمْتَلِئٌ ماءً یا اسم مفعول بنائب فاعل میں جیسے الارض مفجرةٌ عیونًا یا صفت مُشَبَہ بفاعل، جیسے زید حسنٌ وجهًا اسم تفضیل بفاعل جیسے زید افضل القوم ابًا یا مصدر بفاعل جیسے اعجبنی طیبه ابًا یا مذکر الف کے غیر میں جن سے معنی فعل مُستفاد ہوں جیسے حسبك رجلاً زیدٌ کہ حسبك سے معنی یَکْفِیْكَ مُستفاد ہوتے ہیں۔ چونکہ تمیز کا بھی عین ہوتی ہے، خواہ اضافی ہو یا غیر اضافی اور کبھی عرض، خواہ یا غیر اضافی نیز کبھی مُشَبَہ عنہ کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور کبھی اس کے مُتعلّق کے ساتھ اور کبھی دونوں کے لیے صالح ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مُصنفؒ مثالوں میں ان اقسام کی جانب اشارہ فرماتے ہیں، طَابَ زَیدٌ نَفسًا یہ اس نِسبت کی مثال ہے جو جملہ میں ہو۔ اور اس میں نفسًا تمیز نِسبت عین ہے۔ اور قائم بنفسہ کو کہتے ہیں۔ اور غیر اضافی ہے کہ اسکے مفہوم میں نِسبت الی الغیر ماخوذ نہیں اور منتصب عنہ یعنی زید کے ساتھ مخصوص ہے کہ نفسًا بمعنی ذات شی عین زید ہے۔ منتصب عنہ میں عین برائے تعلیل ہے، جس کا مدخول کسی چیز کے لیے سبب ہوتا ہے، اور اس بات میں شک

نہیں کہ مثال مذکور میں زید انتصاب نفسًا کے لیے سبب ہے، کیونکہ زید کی طرف اگر طاب کا اسناد نہ ہو تو نفسًا منصوب نہیں ہوتا، بلکہ مرفوع ہوتا ہے کہ اصل میں فاعل ہے اس لیے کہ معنی یہ ہے کہ طاب نفس زیدٍ اور زید طیبٌ ابًا اس نسبت کی مثال ہے کہ جو شبہ جملہ میں یعنی صفت مُشبّہ میں ہے۔ اور یہ تمیز ابًا عین ہے۔ کیونکہ قائم بنفسہٖ ہے۔ اور اضافی ہے کہ اب کے مفہوم اضافت الی الغیر ماخوذ ہے، کیونکہ اسکا معنی یہ ہے کہ حیوان خلق من مائہ حیوان من نوعہٖ اور یہ منتصب عنہ یعنی طیبًا میں ضمیر مُستتر فاعل سے عبارت ہے، اور اس کے مُتعلق دونوں کے لیے صالح ہے۔ جب منتصب عنہ سے تعلق ہوگا تو معنی یہ ہوں گے کہ زید اچھا باپ ہے، اور اس کے مُتعلق سے تعلق ہوگا تو معنی یہ ہوگا زید کا باپ اچھا ہے۔ اور ابوۃً یعنی زید طیبًا ابوۃً یہ اس نسبت کی مثال ہے جو نسبت جملہ میں ہو۔ اس میں ابوۃً شبہ جملہ کی نسبت سے تمیز ہے لیکن عرض قائم بالغیر اور اضافی ہے۔ کیونکہ اسکا معنی ہے صِفَةٌ تَقُوْمُ بِشَخْصٍ خُلِقَ مِنْ مَّاءِ شَخْصٍ آخَرَ مِنْ نَّوْعِهٖ اور مُتعلّق منتصب عنہ کے ساتھ مخصُوص ہے، کیونکہ اسکا اطلاق منتصب عنہ پر درست نہیں۔ اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ زید باپ ہونے میں اچھا ہے۔ اور داراً یعنی زید طیب داراً یہ بھی اس نسبت کی مثال ہے جو شبہ جملہ میں ہے لیکن یہ عین ہے۔ اور غیر اضافی ہے۔ اور یہ بھی عنہ کے مُتعلق مخصُوص ہے کہ اسکا اطلاق نسبت عنہ پر درست نہیں۔ یاد رہے کہ نفسًا کی نسبت جملہ سے تمیز واقع ہونا صحیح ہے۔ اس طرح نسبت جملہ سے بھی صحیح ہے، اور ابًا اور ابوۃً داراً، علِماً کا جس طرح نسبت شبہ جملہ سے تمیز واقع ہونا صحیح ہے اسی طرح نسبت جملہ سے بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ان کی تمیز میں کوئی فرق نہیں۔ نسبت جملہ اور شبہ جملہ ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں ہو جائیں گی، لیکن مُصنفؒ نے ابًا کو نسبت جملہ کی مثال کے ساتھ بیان کیا۔ اور باقی کو شبہ جملہ کے ساتھ بایں وجہ کہ نسبت جملہ تام ہوتی ہے اور شبہ جملہ ناقص ہوتی ہے۔ اور تام از مرتبہ اعلیٰ ہوتا ہے اور ناقص از مرتبہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ اور نفسًا بمعنی ذات شی بھی باقی ماندہ سے اعلیٰ ہے۔ الاب باعتبار مفہوم اور ابوۃ اور علم اوصاف ہے۔ اور داراً مملُوک ہے، اور شک نہیں کہ موصوف اعلیٰ ہوتا ہے وصف سے کہ وصف کا وجود اس کے تابع ہوتا ہے۔ اور مالک اعلیٰ ہوتا ہے مملُوک سے۔ اعلیٰ کو اعلیٰ کے ساتھ ذکر فرمایا اور ادنیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ۔

سوال صاحب کافیہ نے جملہ کے لیے ایک مثال ذکر کی اور شبہ جملہ کے لیے چار مثالیں ذکر کی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب دونوں کی تمیز میں کوئی فرق نہیں۔ فَکُلُّ مِثَالٍ لِلْجُمْلَةِ فهو مثال لشبه الجملة وكل مثال لشبه الجملة فهو مثال للجملة لیکن علامہ ابن حاجب نے طالب علم پر اعتماد کرتے ہوئے تمثیلات میں جملہ کی باقی امثلہ کی بناء پر اختصار ترک کر دیا۔

سوال تمثیل سے مقصود ممثل کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور وضاحت کے لیے ایک مثال کافی ہوتی ہے۔ ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں ذکر کرنے کی کیا حکمت اور راز ہے؟

جواب جملہ اور شبہ جملہ میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں ذکر کر کے صاحب کافیہ ابن حاجب نے اشارہ کر دیا کہ وہ تمیز جو رافع ابہام از نسبت ہوتی ہے اس کی اقسام کلام عرب میں مستعملہ اور محققہ فقط پانچ ہیں، اگرچہ احتمالات عقلیہ بارہ بنتے ہیں۔ وہ اسطرح کہ تمیز دو حال سے خالی نہیں عین ہو گی یا عرض، پھر تقدیر دو حال سے خالی نہیں، اضافی ہو گی یا غیر اضافی۔ بہر حال احتمالات چار ہو گئے۔ ❶ عین اضافی۔ ❷ عین غیر اضافی۔ ❸ عرض اضافی۔ ❹ عرض غیر اضافی۔ ان اقسام اربعہ میں ہر ایک میں تین تین احتمالات ہیں۔ ❶ خاص بالمنتصب عنہ۔ ❷ ۔ خاص بالمتعلق۔ ❸ محتمل لھا۔ تو چار کو تین میں ضرب دینے سے کل بارہ قسمیں حاصل ہوئیں جن میں سے صرف پانچ قسمیں معتبر اور محقق ہیں۔ باقی سات صرف عقلی احتمالات ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ❶ عین اضافی خاص بالمنتصب۔ جیسے طاب زید نفسًا یہ مستعمل اور محقق ہے۔ ❷ عین غیر اضافی خاص بالمتعلق۔ جیسے طاب زید داراً یہ بھی محقق ہے۔ ❸ عین اضافی خاص بالمنتصب عنہ۔ یہ غیر محقق ہے۔ ❹ عین اضافی خاص بالمتعلق۔ یہ بھی غیر محقق ہے۔ ❺ عرض غیر اضافی خاص بالمنتصب عنہ۔ یہ بھی غیر محقق ہے۔ ❻ عرض غیر اضافی خاص بالمتعلق، جیسے طاب زیدٌ علماً محقق ہے۔ ❼ عرض اضافی خاص بالمنتصب عنہ۔ یہ بھی غیر محقق ہے۔ ❽ عرض اضافی خاص بالمتعلق، جیسے: طاب زید ابوۃ یہ محقق ہے۔ **خلاصہ** یہ ہوا کہ عین اضافی سے ایک قسم یعنی محتمل لھا ساقط ہو گئی اور عین اضافی سے دو قسمیں ساقط ہو گئیں۔ ❶ خاص بالمنتصب عنہ ❷ محتمل لھا۔ اور خاص بالمتعلق اور عرضی غیر اضافی سے بھی دو قسمیں ساقط ہو گئیں۔ ❶ خاص بالمنتصب عنہ ❷ محتمل لھا۔ اور عرضِ اضافی سے بھی دو قسمیں ساقط ہو گئیں۔ ❶ خاص بالمنتصب عنہ ❷ محتمل لھا۔ تو کُل احتمالات سات ساقط ہوئے۔ باقی رہے پانچ احتمالات، جو مستعمل اور معتبر ہیں، جن کی امثلہ علامہ ابن حاجب نے بیان فرما دی ہیں۔

قولہ اَوْ فِیْ اِضَافَةٍ مِثْلُ یُعْجِبُنِیْ طِیْبُهٗ اَبًا وَ اُبُوَّةً وَ دَارًا وَ عِلْمًا۔ یا وہ نسبت اضافی ہو جیسے یعجبنی طیبہ الخ اور نسبت اضافی کی مثالوں میں لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا کا اضافہ فرما دیا۔ اس میں دو

فائدے ہیں۔ ❶ اس طرف اشارہ کردیا کہ تمیز کبھی مُشتَق بھی ہوتی ہے۔ ❷ اس پر تنبیہ کردی کہ فارِسًا نِسبت اضافی سے تمیز ہونے کے لیے بھی صالح ہے۔ جیسا کہ مفرد غیر مقدار سے بھی تمیز ہوسکتی ہے۔ اگر دَرُّہٗ کی ضمیر مضاف الیہ مُبہم ہو کہ اس کا مرجع معلوم نہ ہو تو یہ اس ضمیر سے تمیز ہوگی۔ اسی چیز کے پیشِ نظر صاحبِ مفصّل نے مفرد غیر مقدار کی تمیز کی مثال میں پیش کیا ہے۔ اور اگر یہ ضمیر مُبہم نہ ہو کہ اس کا مرجع معلوم ہو تو یہ نِسبت اضافی کی تمیز ہوگی، جو کہ درہٗ میں ہے۔ دَرُّہٗ کا معنی ہے کہ: "دُودھ"۔ مراد اس سے خیرِ کثیر ہے۔ لیکن مجازاً اِس سے مراد "خیر" لائے گئے ہیں۔ یہ اطلاق از قبیلِ ارادۃ اللازم اطلاق الملزوم ہے۔ فارسًا اسم فاعل فراست بالفتح سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے اسپ شناسی میں کامل ہونا۔ جب یہ کمال کسی میں ہے تو حیرت انگیزی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تو وقت تجارت اللہ تعالیٰ کی نِسبت کر کے ظاہر کیا کرتے ہیں کہ وہ عجائبات کا خالق ہے۔ اور مقصُود صرف تعجّب ہوتا ہے۔ اور اب معنی یہ ہوگا کہ وہ کیسا کامل اسپ شناس ہے اور اگر بمعنی سوار شدن ہو تو معنی یہ ہوگا کہ وہ کیسا اچھا سوار ہے۔ اور فراست کے معنی میں ظاہر دیکھ کر باطن معلوم کرلینا۔ یعنی بھانپ لینا۔ لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا کو سوال و جواب کے انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

سوال لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا کو مُصنِّفؒ نے کیوں بیان کیا ہے؟ کیونکہ نہ اس کو قسم اول کی مثالوں میں درج کیا، نہ قسم ثانی کی مثالوں میں۔

جواب اس سے دو مقصُود ہیں۔ ❶ جمہور پر رد کرنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تمیز جامد تو ہوسکتی ہے مُشتَق نہیں ہوسکتی۔ ❷ ان بعض نحاۃ پر رد کرنا ہے کہ جن کا مسلک یہ ہے کہ تمیز اگر ضمیر سے واقع ہو تو قسم اول سے ہوگی یعنی ذات مذکورہ سے۔ جیسا کہ صاحبِ مفصّل نے اس مثال کو قسم اول کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اور مُصنِّفؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر مرجع ضمیر کا معلوم ہو تو یہ تمیز ذاتِ مقدرہ سے واقع ہوگی۔ اس لیے کہ اس وقت حقیقت میں مرجع ضمیر ہے۔ اور وہ اس جگہ مذکور نہیں۔ اگر ضمیر کا مرجع معلوم نہ ہو تو اس کی تمیز ذاتِ مذکورہ سے ہوگی۔ اس لیے کہ اس حالت میں ضمیر مُبہم ہے۔ اور وہ مذکور ہے اور اس سے تمیز واقع ہے اور اصل میں مصدر ہے۔

فائدہ تمیز کو نصب دینے والا عامل فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے۔ لیکن اس فعل یا شبہ فعل کی نصب ممیز کے ذریعے آتی ہے۔ اور عربی میں اس ضمیر کو منتصب عنہ کہتے ہیں۔ عن تعلیلیہ یعنی جس کی

وجہ سے نصب دی گئی ہو۔

ق ثُمَّ اِنْ کَانَ اِسْمًا یَصِحُّ جَعْلُهٗ لِمَا انْتَصَبَ عَنْهُ جَازَ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلِمُتَعَلِّقِهٖ وَاِلَّا فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهٖ یہاں سے مُصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کونسی تمیز منتصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور کونسی اس کے مُتعلق کے ساتھ اور کونسی باعتبار لفظ ہر ایک کے لیے ہو سکتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تمیز کبھی اسم ہوتی ہے کبھی صفت ہوتی ہے۔ اور اگر اسم ہو تو اس میں دو احتمال ہیں۔ ❶ ممیز کا احتمال ہے۔ یعنی ممیز ابہام کو دور کرے۔ ❷ ممیز کے مُتعلق سے ابہام کو دور کرے تو اس صورت میں جائز ہے کہ خواہ ممیز سے تمیز بنائیں یا اس کے مُتعلق سے، دونوں سے بن سکتی ہے۔ جیسے: طَابَ زَیْدٌ اَبًا لفظ اَبًا میں دونوں احتمال ہیں۔ کیونکہ اس کا اطلاق زید پر ہو سکتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں زید اب اور اس کے مُتعلق بکر پر بھی جو اس کا والد ہو۔ کہہ سکتے ہیں: بکر اب اگر باپ کا اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک دیکھ کر کہا جائے: طاب زید ابا تو یہ منتصب عنہ کی تمیز ہوگی۔ اور معنی یہ ہوگا: زید اچھا باپ ہے۔ اور اگر زید کے باپ کی زید کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے دیکھا تو حُسنِ سلوک اس پر قرینہ ہوگا کہ اَبًا منتصب عنہ کے مُتعلق سے تمیز ہے۔ معنی یہ ہوگا: زید کا باپ اچھا ہے۔ اور اگر تمیز ایسا اسم ہے جس میں ممیز کا احتمال نہیں ہے تو وہ تمیز مُتعلق کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ جیسے طَابَ زَیْدٌ عِلْمًا کہ علم کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ یوں نہیں کہہ سکتے زید علمٌ لہٰذا معنی یہ ہوگا: زید کا علم اچھا ہے۔ یاد رکھیں تمیز نسبت دو میں منحصر ہے۔ ❶ منتصب عنہ سے واقع ہوگی۔ ❷ یا مُتعلق سے۔ لہٰذا شرطیہ سے لزومًا یہ مفہوم ہے کہ اگر تمیز کی نسبت میں مُتعلق کا احتمال نہیں تو وہ منتصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ تو اسی طرح تمیز دونوں شرطوں میں تمیز ذی نسبت اسم کی تینوں قسموں کا بیان ہو جائے گا۔ شرطِ اول میں تیسری قسم کا، اور دوم میں پہلی قسم کا، اور دوسری قسم کا، پہلی کا لزومًا، دوسری کا صراحۃً۔ فَلَا یَرِدُ اَنَّ ذِکْرَ التَّمِیْزِ الْمَخْصُوْصِ بِالْمَنْسُوْبِ عَنْهُ مَتْرُوْکٌ۔

ق فَیُطَابِقُ فِیْهِمَا مَا قُصِدَ اِلَّا اِذَا کَانَ جِنْسًا اِلَّا اَنْ یُّقْصَدَ الْاَنْوَاعُ مُصنفؒ اس عبارت میں تمیز نسبت کی تینوں قسموں کا حکم بتانا چاہتے ہیں۔ ❶ جو منتصب عنہ کے ساتھ مختص ہو: ❷ جو مُتعلق کے ساتھ مختص ہو۔ ❸ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہو سکتی ہے۔ تو مقصودِ عبارت یہ ہے کہ تمیز نسبت ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک قسم میں مقصود کے مطابق ہوگی۔ اگر واحد مقصود ہو تو واحد لائی جائے گی۔ اگر تثنیہ جمع مقصود ہو تو تثنیہ جمع لائی جائے گی۔ عام از یں کہ واحد تثنیہ جمع

منتصب عنہ کے پیشِ نظر معنی تمیز کے پیشِ نظر ہوں متکلم نے معانی تمیز میں وحدت یا تثنیہ جمع کا لحاظ کیا ہے اور منتصب عنہ کی موافقت اس کے لیے بالکل باعث نہیں۔ امثلہ: ❶ تمیز مخصوص بہ منتصب عنہ کی مثالیں جس کی وحدة تثنیة جمعیة منتصب عنہ کے باعث طاب زید نفسًا، طاب زیدان نفسان، طاب زیدون نفوسًا یہ تمیز معنی کی موافقت کے پیشِ نظر صرف واحد ہوتی ہے، تثنیہ جمع نہیں ہوتی۔ کیونکہ نفس بمعنی ذات الشی ہر شئے کے لیے ایک ہوتی ہے۔ ❷ تمیز مخصوص بالمتعلق کی مثالیں: طاب زید داراً، طاب زیدین دارین، طاب زیدون دیارًا ❸ تمیز جو منتصب عنہ اور مُتعلق دونوں کے محتمل ہوں۔ اور وحدة تثنیة جمعیة منتصب عنہ کی موافقت کی وجہ سے ہوں، جیسے: طاب زید ابًا، طاب زیدان ابوین، طاب زیدون آباءً اگر یہ منتصب عنہ سے تمیز بنادی جائے تو معنی یہ ہوگا: زید اچھا باپ ہے، دونوں زید اچھے باپ ہیں، سب زید اچھے باپ ہیں۔ اگر مُتعلق سے تمیز بنادی جائے تو معنی یہ ہوگا: زید کا باپ اچھا ہے، زید کے دونوں باپ اچھے ہیں، زید کے سب باپ اچھے ہیں۔ یہ تو وحدت وغیرہ باعث منتصب عنہ کے ہے۔ اور اگر موافقت معنی خود ہوں تو معنی یہ ہوگا: زید کا باپ اچھا ہے، زید کے دونوں باپ یعنی باپ اور دادا اچھے ہیں۔ زید کے سب باپ یعنی باپ، دادا اور نانا اچھے ہیں۔ پہلی مثال میں ابًا منتصب عنہ تمیز ہو سکتی ہے کہ منتصب عنہ پر اس کا اطلاق صحیح ہو اور مُتعلق کے بھی ہوں۔ لیکن باقی دو مثالوں میں مُتعلق کی تمیز ہونے کے لیے مُتعین ہے منتصب عنہ کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زید پر اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ تمیز زیرِ بحث کو اگر منتصب عنہ سے قرار دیں تو بموافقت معنی خود صرف واحد تثنیہ یا جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جب کبھی منتصب عنہ سے تمیز سے مراد تثنیہ جمع میں مختلف ہوں تو وہ تمیز مُتعلق کے ہوگی نہ منتصب عنہ کے بشرطیکہ تمیز جنس نہ ہو۔ اگر تمیز جنس ہو تو منتصب عنہ کی بھی ہو سکے گی۔ جیسے طاب زیدان ابوةً، طاب زیدون ابوةً۔

خلاصہ اقسامِ ثلاثہ میں دونوں تقدیر یعنی موافقت منتصب عنہ اور موافقت معنی خود اور اگر واحد مقصود ہو تو تمیز واحد اور اگر تثنیہ جمع مقصود ہو تو تمیز تثنیہ جمع، اس لیے کہ صیغہ مفرد کا تثنیہ جمع پر اطلاق صحیح نہیں۔

تشریح اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ جِنْسًا مُصنّفؒ یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تمیز جنس ہو تو مطابقت واجب نہ ہوں گی۔ یعنی تثنیہ جمع مقصود ہونے کی صورت میں یعنی تثنیہ جمع لانا لازم نہیں بلکہ مفرد لانا کافی ہے کیونکہ جنس کا اطلاق واحد پر بھی ہو سکتا ہے اور تثنیہ جمع پر بھی۔ جیسے: طاب زیدٌ ممما

کہنا صحیح ہے اگرچہ علوم کثیرہ مراد ہوں۔ طاب زیدان علماً کہنا بھی صحیح ہے اگرچہ علوم کثیرہ مراد ہوں۔ طاب زیدون علماً کہنا بھی صحیح ہے اگرچہ علوم کثیرہ مراد ہوں۔ ان یقصد الانواع اور اگر اس جنس کی انواع مقصود ہوں تو مطابقت لازم ہے۔ تثنیہ کے لیے تثنیہ جمع کے لیے جمع۔ جیسے: طَابَ زَیْدَانِ عِلْمَیْنِ جب کہ مراد یہ ہو کہ متعلق دونوں کا مختلف علمین ہے۔ مثلاً ایک علم تفسیر کا دوسرا علم حدیث کا۔ طاب زیدون علماً جب کہ مقصود یہ ہے کہ متعلق سب علوم مختلف ہوں۔ مثلاً کسی کا علم النحو کسی کا علم الصرف کسی کا حدیث وغیرہ۔

قولہ وَاِنْ کَانَ صِفَةً کَانَتْ لَهٗ وَطِبْقَهٗ وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ وَلَا یَتَقَدَّمُ التَّمِیْزُ عَلٰی عَامِلِهٖ وَ الْاَصَحُّ اَنْ لَّا یَتَقَدَّمَ عَلَى الْفِعْلِ خِلَافًا لِلْمَازِنِیِّ وَالْمُبَرِّدِ۔ اگر تمیز نسبت صفت مشتق ہو جیسے: لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا یا مؤول مشتق ہو، جیسے: کَفٰی زَیْدٌ رجلاً معنی فی زَیْدٌ کَامِلًا فِی الرَّجُوْلِیَّۃِ تو تمیز اس صورت میں منتصب عنہ کے ساتھ مختص ہوگی۔ اور اسی کے مطابق ہوگی۔ اور منتصب عنہ کے ساتھ مخصوصیت کی علت اور وجہ یہ ہے کہ صیغہ صفت موصوف کا تقاضہ کرتا ہے اور منتصب عنہ جب مذکور ہو تو یہی موصوف بن سکتا ہے بخلاف متعلق کے کہ وہ مذکور ہی نہیں تو موصوف کیسے بن سکتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ مطابقت کیوں ہوگی؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صیغہ صفت میں ضمیر راجع ہوگی اس منتصب عنہ موصوف کی طرف، اور اگر مطابق نہ ہو تو راجع مرجع میں مخالفت لازم آئے گی جو کہ جائز نہیں۔ جیسے: لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا لِلّٰهِ دَرُّهُمَا فَارِسَیْنِ لِلّٰهِ دَرُّهُمْ فَوَارِسَ لِلّٰهِ دَرُّهَا فَارِسَةً لِلّٰهِ دَرُّهُمَا فَارِسَتَیْنِ لِلّٰهِ دَرُّهُنَّ فَارِسَاتٍ یاد رکھیں یہاں طَبَقَ کا لفظ بمعنی مطابق اور جیسے جنس بمعنی مجانس کے اور مثل بمعنی مماثلت کے ہوتا ہے۔

وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ سے مصنفؒ نے یہ بتا دیا کہ اس تمیز میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ کیونکہ حال والا معنی بھی صحیح بنتا ہے۔ البتہ اس کا تمیز ہونا اولیٰ راجح ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کی صفت پر کبھی من بیانیہ زیادہ کرتے ہیں، جیسے: قَاتَلَهُ اللّٰهُ مِنْ شَاعِرٍ کہ اصل میں قَاتَلَهُ اللّٰهُ شَاعِرًا۔ اور عَزَّ مِنْ قَائِلٍ اصل میں عَزَّ قَائِلًا تھا، اور لِلّٰهِ دَرُّهٗ مِنْ فَارِسٍ اصل میں لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا تھا۔ اور یہ:

قاعدہ ہے کہ من بیانیہ کی زیادتی حال پر نہیں ہو سکتی تو اس لیے مصنفؒ نے وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ کہا ہے۔ احتمال کا لفظ بولا!

قولہ وَلَا یَتَقَدَّمُ عَلٰی عَامِلِهٖ مصنفؒ تمیز کے اقسام یعنی تمیز مفرد، تمیز نسبت محو بہ...

احکام بیان کرنے کے بعد اب تمیز مُطلق کا حکم بیان کر رہے ہیں، خواہ تمیز مفرد ہو یا تمیزِ نسبت ہو تو وہ اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، خواہ وہ عامل مفرد ہو یا فعل یا شبہ فعل ہو۔ یہی مسلک جمہور کا ہے۔ عامل کے مفرد ہونے کی صورت میں تقدیم عامل نہ ہونے میں اتفاق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مفرد کا عامل بہ سبب مشابہت بالفعل تھا، اور مشابہت ضعیف تھی تو مفرد عامل بھی ضعیف تھا، اور

فائدہ ہے کہ ضعیف عامل کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور عامل کے فعل اور شبہ فعل ہونے کی صورت میں تمیز کا تقدم مختلف فیہ ہے۔ اصل مذہب تو یہی ہے جو گزر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمیز رفع ابہام میں نعت برائے ایضاح کے ساتھ مشابہ ہے۔ جس طرح نعت مذکور رفع ابہام کرتی ہے اسی طرح تمیز بھی۔ اور یہ

فائدہ ہے کہ نعت اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، تو لہٰذا تمیز بھی مقدم نہیں ہو سکتی۔ لیکن امام مبرد اور امام مازنی فرماتے ہیں کہ جب تمیز کا عامل فعل یا اسم فاعل یا اسم مفعول ہو تو تقدم جائز ہے۔ کیونکہ تینوں عامل قوی ہیں۔ اور عامل قوی کی قوت کے پیشِ نظر معمول مقدم ہو سکتا ہے۔ فعل کا قوی ہونا تو واضح ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول اس کی مشابہت کی وجہ سے یہ بھی قوی عامل ہیں۔ کیونکہ ان کی مشابہت فعل کے ساتھ کمال درجہ کی ہے۔ بخلاف صفت مُشبّہ اسم تفضیل مصدر، وغیرہ کے۔ ان کی مشابہت ناقص ہونے کی بنا پر یہ عامل قوی نہیں۔

قولہ اَلْمُسْتَثْنٰی مُصنفؒ منصوبات کی ساتویں قسم تمیز کی بحث سے فراغت کے بعد آٹھویں قسم مستثنیٰ کی بحث بیان فرما رہے ہیں۔

سوال مُصنفؒ نے مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی۔ مستثنیٰ کی تقسیم شروع کر دی۔ حالانکہ

قاعدہ یہ ہے کہ شَے کی اولاً تعریف ہوتی ہے، بعد میں اس کی تقسیم کی جاتی ہے۔

جواب تقسیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ مقسم معلوم ہو۔ اور یہاں پر بھی مقسم بایں طور معلوم ہے کہ اَلْمُسْتَثْنٰی پر الف لام برائے عہدِ خارجی ہے۔ اور اس سے مراد وہ اسم منصوب ہے جس پر اصطلاحِ نحاۃ میں لفظ مستثنیٰ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تو یہ مستثنیٰ دو قسم پر ہے۔ ❶ مُتّصِل، ❷ منقطع۔ یاد رکھیں اتنی قدر معلومیت تقسیم کے لیے کافی ہیں۔

سوال مُصنفؒ نے مستثنیٰ کی تعریف تو نہیں کی، ان کی اقسام کی تعریف کیوں بیان کی؟۔

جواب مستثنیٰ کے اقسام دو قسم کے احکام خاصہ تھے۔ جو کہ بغیر تعریف کے ان کا اجراء نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مُصنفؒ نے ان دونوں قسموں کی تعریف کر دی۔

ف مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا اَوْتَقْدِيْرًا بِاِلَّا وَاَخَوَاتِهَا۔
مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ مستثنیٰ مُتَّصِل، ❷ مستثنیٰ منقطع۔ اول مُصنّفؒ دونوں قسموں کی تعریف
بیان کریں گے۔ پھر ہر ایک کے لیے حکم بتائیں گے۔

مُستثنیٰ مُتصل کی تعریف: مستثنیٰ مُتَّصِل وہ ہے جو اِلَّا یا اس کے اخوت کے ذریعے
مُتعدد چیزوں سے نکالا جائے، خواہ مستثنیٰ منہ لفظوں میں ہو، جیسے: ما جاءنی القوم الا زیداً یا
مستثنیٰ منہ مقدر ہو، جیسے: ما جاءنی الا زیدٌ مستثنیٰ منہ مذکور ہو، جیسے: جاءنی القوم الا زیداً اور
مستثنیٰ منہ مقدر ہو، جیسے: ما جاءنی الا زیدٌ یعنی مَا جَاءَنِیْ اَحَدٌ اِلَّا زَیْدًا۔

س مستثنیٰ منہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ تناقض کو مُستلزم ہے۔ وجہ استلزام یہ ہے کہ جاءنی
القوم الا زیدًا تو مجیئت کی نِسبت قوم کی طرف ہے۔ جس میں زید بھی داخل ہے۔ لہٰذا جس طرح
قوم کے دوسرے افراد کے لیے مجیئت ثابت ہے اسی طرح زید کے لیے بھی ثابت ہے۔ پھر اِلَّا
زَیدًا سے مجیئت کی نفی تو زید کے لیے اثبات مجیئت بھی ہو گیا۔ اور مجیئت کی نفی بھی ہو گئی۔ تو
یہ تناقض ہے۔ اور تناقض باطل ہے۔ اور

[illegible] ہے کہ مُستلزم باطل ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا مستثنیٰ مُتَّصِل باطل ہوا۔ اس کے تین جواب
دیے گئے ہیں۔

ج ۱ القوم سے مراد بعض افراد ہیں، یعنی ماسوائے زید، اور یہ از قبیل اطلاق کل ارادۃ الجزء
ہے جو کہ مجاز ہے۔ لہٰذا جاء کا اسناد ماسوائے زید کی طرف ہوا، تو زید کے لیے مجیئت کا اثبات نہ
ہوا بلکہ مجیئت کی نفی ہوئی۔

ج ۲ القوم الا زیداً مجموعہ بوضع ترکیبی موضوع ہے ماسوائے زید کے لیے، تو لہٰذا ماسوائے
زید کی طرف جاء کی نِسبت ہوئی تو لہٰذا زید سے مجیئۃ کی نفی تو ہوئی اور اثبات نہ ہوا تو تناقض بھی نہ
ہوا۔ لیکن یہ دونوں جواب درست نہیں۔ کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کا
اخراج متحقق نہ ہو، حالانکہ اس کے اخراج پر اجماع منعقد ہے۔

ج ۳ جاء کی نِسبت قوم کی جانب ہے مگر بعد اخراجِ زید، لہٰذا زید کے لیے اثباتِ مجیئۃ نہ ہوا
تو تناقض بھی نہ ہوا۔ اور یہی قول مختار ہے۔

ف وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهَا غَيْرَ مُخْرَجٍ **مُستثنیٰ مُنقطع کی تعریف:** مستثنیٰ
منقطع وہ اسم منصوب ہے جو الا اور اس کے اخوات کے ذریعے مُتعدد سے نہ نکالا گیا ہو۔ جیسے

جَاءَنِي الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا وجہ عدم اخراج یہ ہے کہ اخراج بعد الدخول ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہیں ہوتا' یا تو اس لیے کہ وہ خلافِ جنس ہوتا ہے۔ جیسے مثال مذکور میں۔ یا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے۔ لیکن اس کو مستثنیٰ منہ میں دخول کا اعتبار نہیں کرتے۔ جیسے: جاء نی القوم الا زیدا زید ہم جنس ہونے کے باوجود مستثنیٰ منقطع ہوگا۔ جس وقت القوم میں داخل نہ کیا جائے۔ یاد رکھیں مستثنیٰ منقطع کا دار و مدار عدمِ دخول پر ہے اسم جنس ہونے پر نہیں' اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہاں الا سے مراد وہ ہے جو بمعنی غیر کے نہ ہو یعنی اِلَّا استثنائیہ ہو' اِلَّا صفتیہ نہ ہو۔ اور اس کے اخوات سے مراد کلماتِ استثناء جن کے بعد استثناء منصوب ہوتا ہے۔ جیسے: عدا' خلا' حاشا بر استعمالِ اقل اور ما خلا اور ما عدا اور لیس اور لا یکون یہ وہ کلمات ہیں جن کے بعد استثناء نہ ہو۔ وہ کلماتِ استثناء جن کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ جیسے: حاشا بر استعمالِ اکثر۔ اور سویٰ اور سوا اور غیر۔ یاد رکھیں کہ مستثنیٰ منقطع کلام عرب میں صرف الا اور غیر اور سویٰ اور بعد کے واقع ہوا کرتا ہے۔

قولہ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ اِذَا كَانَ بَعْدَ اِلَّا غَيْرِ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوْجَبٍ۔ مُصنّفؒ مستثنیٰ متصل اور منقطع کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد مطلقاً مستثنیٰ کے احکام بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا هُوَ ضمیر کا مرجع مطلقاً مستثنیٰ ہوگا۔ **پہلا حکم:** مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوتا ہے۔ جس کے لیے پانچ مقامات ہیں۔

پہلا مقام: مستثنیٰ متصل الا کے بعد ہو' اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ❶ اِلَّا صفتیہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر مستثنیٰ اِلَّا صفتیہ کے بعد ہو تو پھر صفت والا اعراب پڑھا جائے گا موصوف کی مطابقت کی وجہ سے۔ ❷ مستثنیٰ کلام موجب میں واقع ہو۔ کیونکہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ ماقبل سے بدل بن جائے گا۔ پہلے مقام کے لیے گویا کہ دو شرطیں ہو گئیں۔ جیسے جَاءَنِي الْقَوْمُ اِلَّا زَيْدًا۔

سوال اس پہلے مقام کے منصوب ہونے کی کیا دلیل اور علت ہے؟۔

جواب اسم کا اعراب تین قسم پر ہے۔ رفع' نصب' جر۔ جر اس لیے نہیں پڑھی جاسکتی کہ حرف جار نہیں اور نہ مضاف ہے۔ یہاں پر رفع اس لیے جائز نہیں کہ وہ بدل بعض کی بنا پر ہوسکتا تھا۔ اور یہاں بدل بنانا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ بدل تکریرِ عامل کے حکم میں ہوتا ہے اور تکریرِ عامل سے کلام کی تقدیرِ عبارت یوں ہو جائے گی: جاء نی القوم الا جاء نی زیدٌ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ

یہ خلافِ مقصود ہے۔ کیونکہ مقصودِ انتفاءِ مجیئت ہے زید سے۔ اور اس صورت میں تو اثباتِ مجیئت لازم آتا ہے۔ لہٰذا جب جر اور رفع دونوں باطل ہوئے تو نصب ہی واجب ہوئی۔

قولہ اَوْمُقَدَّمًا عَلَی الْمُسْتَثْنیٰ مِنْہُ

دوسرا مقام: جہاں پر نصب پڑھنا واجب ہے مستثنیٰ پر، وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو۔ خواہ کلامِ موجب میں واقع ہو، جیسے: جاء نی الا زیدا القومُ یا کلام غیر موجب میں، جیسے: ما جَاءَنِیْ اِلَّا زَیْدًا اَحَدٌ۔

سوال یہاں پر وجوبِ نصب کی کیا علت اور دلیل ہے؟۔

جواب جر کا نہ ہونا تو واضح ہے۔ اس لیے کہ نہ یہاں پر حرف جار ہے اور نہ اس سے پہلے مضاف ہے۔ رفع کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ رفع بدلیت کی بنا پر تھا، اور یہاں بدل کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لازم آئے گا بدل کا مبدل منہ پر مقدم ہونا، جو کہ بالکل باطل ہے۔

قولہ اَوْمُنْقَطِعًا فِی الْاَکْثَرِ۔

تیسرا مقام: (وجوبِ نصب کا) وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو، الا کے بعد اکثر نحاۃ کے مذہب پر، خواہ مستثنیٰ منقطع کلامِ موجب میں ہو، جیسے: جاء نی القوم الا حمارا۔ یا کلام غیر موجب میں ہو، جیسے: ما جاء نی القوم الا حمارا۔

سوال اس مقام کے وجوبِ نصب کی کیا دلیل اور علت ہے؟۔

جواب جر کا بطلان تو واضح ہے، اور رفع کا بطلان اس لیے کہ یہاں پر نہ یہ بدل الکل بن سکتا ہے اور نہ بدل البعض اور نہ بدل الاشتمال (کما ھو الظاہر) البتہ بدل الغلط کا احتمال تھا۔ لیکن وہ اس لیے غلط ہے کہ بدل الغلط کا مبدل منہ اس کا صدور غفلت میں ہوتا ہے۔ جب کہ یہاں پر مستثنیٰ منقطع میں غفلت نہیں ہوتی۔ لہٰذا بدل لغلط بنانا بھی غلط ہے بدل الغلط بنانا بھی درست نہ ہوا تو رفع کا بطلان بھی ہو گیا جر کا بطلان بھی ہو گیا تو باقی رہی نصب تو نصب واجب ہو گئی، لیکن فی الاکثر کی قید سے اقل لغت بنی تمیم ہے اس سے احتراز ہو جائے گا۔ کیونکہ مستثنیٰ منقطع دو قسم پر ہے۔ اول وہ جس سے پیش تر ایسا اسم ہو جس کو حذف کر کے مستثنیٰ منقطع اس کے قائم مقام کر سکیں، خواہ وہ اسم متعدد ہو جیسے ما جاء نی القوم الا حمارا یا غیر متعدد ہو جیسے ما جاء نی زید الا عمرا اس صورت میں بنو تمیم کے نزدیک بدل قرار دینا جائز ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک بنا بر بدل الغلط یوں کہا جائے گا ما جاء نی الا حمارٌ و ما جاء نی الا عمرو الیکن یہ اس لیے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ بدل الغلط کے مبدل

منہ کا صدور غفلت میں ہوتا ہے، جب کہ صدور غفلت میں نہیں ہوتا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس سے پہلے ایسا اسم ہو جس کو حذف کر کے مستثنیٰ منہ کو اس کے قائم مقام نہ کیا جا سکے۔ تو ایسی صورت میں بنوتمیم والوں کے نزدیک بھی نصب واجب ہے۔ اہلِ حجاز کی طرح، جیسے قرآن مجید میں ہے: وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اس میں علم مستثنیٰ منہ ہے۔ اتباع مستثنیٰ منقطع ہے۔ جو جنسِ علم نہ ہونے کی بنا پر اس سے مخرج نہیں۔ اور علم جو اسم ما مُشبّہ بہ لیس کا ہے، اس کا حذف کرنا درست نہیں، ورنہ کلام کے دونوں رکن محذوف ہو جائیں گے۔ خبر تو پہلے ہی محذوف تھی، اور اسم بھی اب محذوف ہوا، اور اگر اسم کو حذف کرتے تو مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام کر کے یوں کہتے: وَمَا لَهُمْ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ تو مستثنیٰ منقطع نہ رہے گا کہ اب یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ اور مستثنیٰ مفرغ مستثنیٰ مُتّصل ہوتا ہے نہ کہ منقطع۔ کلام موجب اس کلام کو کہتے ہیں جو نفی یا نہی یا استفہام میں سے کسی پر مشتمل ہو۔

متن اَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا

چوتھا مقام: جہاں پر مستثنیٰ پر نصب واجب ہے، وہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو تو اکثر مذاہب کے مطابق مستثنیٰ پر نصب واجب ہوگی۔ جیسے جاءنی القوم خلا زیدا و عدا زیدا۔

سوال اس مقام کے لیے وجوبِ نصب کی کیا دلیل ہے؟۔

جواب خلا اور عدا دونوں فعل ہیں۔ عدا فعل مُتعدّی بمعنی جاوز کے ہے باب نصر ینصر سے آتا ہے۔ اور خلا اگرچہ لازمی باب ہے۔ لیکن بمعنی جاوز کے ہو کر مُتعدّی ہے۔ اور مستثنیٰ ان دونوں میں مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوا کرتا ہے۔

فائدہ ان کی ترکیبیں سمجھیں۔ خلا اور عدا فعل ہیں، انہیں ہو ضمیر مُستتر ہے جو جاء کے مصدر کی طرف، یا جاء سے فاعل مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف راجع ہوتی ہے، اور یہی ضمیر ان کا فاعل ہے، اور زیداً مفعول بہ ہے۔ اور یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ خبریہ بن کر حال ہے القوم سے۔

سوال جملہ فِعلیہ ماضیہ مثبتہ کے ہونے کے لیے قد کا ہونا شرط ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ حالانکہ یہاں پر قد نہیں تو یہ جملہ حالیہ کیسے بن سکتا ہے؟۔

جواب قد کا ہونا ضروری ہے، لیکن اس میں تعمیم ہے خواہ مذکور ہو یا مقدر۔

سوال کبھی اس عدا کے ساتھ قد لفظوں میں بھی آتا ہے؟۔

جواب ہرگز نہیں، اس لیے کہ اِلَّا استثنائیہ کے ساتھ اس کی مشابہت ہوتی ہے، جب کہ اس کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے گا تو یہ عَدَا حرف جار کی طرح ہو جائے گا تو اس سے الَّا کے ساتھ مزید مشابہت ہو جائے گی۔

سوال عدا اور خلا کی ضمیر کے لیے فعل مذکور کے مصدر یا اس کے اسم فاعل کو مرجع بنانے کی کیا ضرورت ہے، اس میں تو تکلفات کرنے پڑتے ہیں، مثلاً تقدیری عبارت یوں ہوگی جائنی القوم عدا مجیئھم زیداً اسی طرح جائنی القوم عدا الجارئی منھم زیداً اس میں تو تکلفات ہیں کہ مصدر کو ضمیر کی مضاف کیا جائے اور اسم فاعل کے ساتھ منھم نکالا جائے تاکہ جملہ حائیہ کا ماقبل سے رابطہ ہو جائے۔

سوال القوم مرجع قرار کیوں نہیں دیا جو صراحۃ مذکور ہے؟۔

جواب بعض نے جواب دیا ہے کہ قوم اسم جمع ہے اور اس کے لیے جمع کا حکم ہی ہوا کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جمع کی طرف ضمیر یا تو واحدہ مؤنثہ کی لوٹ سکتی ہے یا جمع کی۔ اور خلا اور عدا میں ضمیر ہے واحد مذکر، اس لیے القوم کو مرجع نہیں بنایا۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اسم جمع بعض واجب التانیث ہے۔ انکا حکم ظاہر ہے۔ اور ضمیر میں جمع تکسیر والا ہوا کرتا ہے، یعنی اسم ظاہر تو تذکیر اور تانیث دونوں جائز ہیں، جیسے قال الرجال وقالت الرجال اور اگر ظاہر نہ ہو تو کبھی ضمیر واحدہ مؤنثہ کی اور کبھی ضمیر جمع مذکر عاقل کی، جیسے الرجال قال، قالت الرجال قالوا اور اگر غیر عاقل کی جمع ہو تو واحدہ مؤنثہ کی جمع مؤنث غائب کی۔ جیسے النساء جائت یا الایام مضت اور النساء جئن اور اَلْاَیَّامُ مَضَیْنَا۔ اور اسم جمع وہ ہے جن کی تذکیر اور تانیث دونوں جائز ہوں، جیسے رکب اور قوم جیسے قرآن مجید میں وما قوم لوط منکم ببعید میں ببعید کے اندر ضمیر واحد مذکر راجع ہے قوم کی طرف۔ اور کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ اس میں صیغہ مؤنث کا استعمال ہے۔ اور قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ میں قومٌ کی طرف ضمیر جمع مذکر راجع ہے۔ لہٰذا وہ جواب صحیح نہیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ نحویوں نے مصدر یا اسم فاعل کو مرجع اس لیے قرار دیا کیونکہ یہ ہر صورت میں مرجع بن سکتا ہے، خواہ مستثنیٰ منہ قومٌ جیسا لفظ ہو، جس کی طرف ضمیر راجع کی تانیث واجب نہ ہو، یا ایسا لفظ ہو جس کی طرف ضمیر راجع کی تانیث واجب ہو۔ اور اکثر مذہب اور فی الاکثر کی قید لگا کر بتا دیا کہ یہ اکثر نحاۃ کا مذہب ہے، اور بعض نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ خلا، عدا کے بعد

مستثنیٰ مجرور ہوگا' ان کے نزدیک خلا اور عدا یہ حروف جارہ میں سے ہیں۔

پانچواں مقام: یہ ہے کہ جب مستثنیٰ ما خلا اور ما عدا اور لیس اور لا یکون کے بعد واقع ہو تو اس وقت بھی مستثنیٰ کو وجوباً منصوب پڑھا جائے گا۔ جیسے: جاء نی القوم ما خلا زیدا و ما عدا زیدا و لیس زیدا و لا یکون زیدا۔

سوال اس مقام میں وجوبِ نصب کی کیا دلیل ہے؟۔

جواب ما خلا اور ما عدا کے بعد اس لیے نصب واجب ہے کہ ان میں مَا مصدریہ ہے' جو افعال کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا خلا اور عدا کا فعل ہونا مُتعین ہوا تو حسبِ سابق یہ مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی بنا پر وجوباً منصوب ہوگا۔

سوال جیسے عدا زیدا جملہ حالیہ تھا محلِ نصب میں تھا تو اس کے لیے کیا اعراب ہوگا؟۔

جواب ما مصدریہ نے مابعد کو مصدر کی تاویل میں کردیا تو مابعد مُستثنیٰ مؤول ہو گیا۔ ایسے مَا سے پہلے تقدیر لفظ وقت شائع ہے۔ اس کو ما کی طرف مضاف قرار دیتے ہیں' اور یہ کہا جاتا ہے کہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ ٹھہرادیا گیا تو قائم مقام ہونے کے اعتبار سے یہ مجازاً بنا بر ظرفیت محلِ نصب میں ہے مجازاً۔ اس لیے کہا کہ یہ خود تو ظرف نہیں، ظرف تو وہ مضاف ہے جس کے قائم مقام اس کو کیا گیا ہے۔ چونکہ ان کا حکم ظرفیت اس کو دے دیا تو یہ ظرف مجازاً ہوا' اور بنا بر ظرفیت منصوب ہونا بطور مجاز ہوگا۔ جس وقت مضاف کو ظاہر کردے تو مضاف الیہ ہونے کی بنا پر محلِ جر میں ہوگا۔ جیسے جاء نی القوم وقت مجاوزتھم زیدا' یہ یاد رکھیں یہ اس وقت ہوگا جب کہ عدا میں ضمیر مُستتر کا مرجع القوم کو قرار دیا جائے۔ اور جاء نی القوم وقت مجاوزتھم زیدا۔ اور جب مرجع مصدر قرار دیا جائے تو پھر جاء نی القوم وقت مجاوزۃ الجاءِ منھم۔ اور اگر اسم مصدر مؤول کو اسم فاعل کی تاویل میں لیں تو بنا بر حالیت محلِ نصب میں ہوگا۔ جیسے: جاء نی القوم مجاوزا زیدا۔

سوال مُصنفؒ کو چاہیے تھا کہ یہاں فعل اکثر کی قید ذکر کرتے۔ کیونکہ اخفش سے منقول ہے کہ انھوں نے ما خلا اور ما عدا میں بھی یہ جائز قرار دیا ہے کہ ما زائدہ ہو اور خلا اور عدا حرف جار ہوں تو مابعد مجرور ہوگا نہ کہ منصوب۔

جواب مُصنفؒ کے نزدیک یہ نقل پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی' یہاں یہ تجویز ان کے نزدیک ساقط الاعتبار تھی' اس لیے مُصنفؒ نے فی الاکثر نہیں فرمایا۔ لہٰذا ان کے ذکر نہ کرنے سے تمام

استعمالات میں نصب واجب ہوگی۔ اور لیس اور لا یکون کے بعد مستثنیٰ کا منصوب ہونا اس لیے واجب ہوتا ہے کہ یہ فعل ناقص ہے۔ اور مستثنیٰ ان کی خبر ہوا کرتی ہے۔ اور خبر وجوبا منصوب ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہ مستثنیٰ بھی وجوبا منصوب ہوگا۔

فائدہ خلا، عدا، ما خلا، ما عدا اور لیس اور لا یکون جب استثناء کے لیے استعمال کیے جائیں تو ان کا فاعل ضمیر مستتر ہوا کرتا ہے اسم ظاہر نہیں۔ تاکہ ان کو الا کے ساتھ کامل درجے کی مشابہت حاصل ہو، جو استثناء میں افضل ہے کہ مستثنیٰ اور اس کے درمیان فصل نہ ہو۔ جس طرح کہ الا اور اس کے مستثنیٰ میں فصل نہیں ہوتا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فاعل ضمیر مستتر ہونے ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

ضابطہ اسی کمال درجہ کی مشابہت کی خاطر یہ استثناء میں ہمیشہ غیر متصرف رہتے ہیں، نہ علامت تانیث کی ان کو لگتی ہے اور نہ یہ تثنیہ ہوتے ہیں اور نہ جمع۔ بلکہ جوں کے توں رہتے ہیں۔ جس طرح کہ الا رہتا ہے۔

ضابطہ ان کے استثناء میں استعمال ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ❶ مستثنیٰ متصل ہو۔ مستثنیٰ منقطع میں یہ مستعمل نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ ان کا فاعل ضمیر مستتر ہوتا ہے۔ جس کا مرجع مستثنیٰ منہ صریحی ہوتا ہے۔ جیسے القوم یا تاویلی ہوتا ہے۔ جیسے الجائی منھم اور خلا، ما عدا وغیرہ میں مستثنیٰ مفعول بہ ہوتا ہے، اور لیس، لا یکون میں خبر ہوتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ خبر اور مفعول بہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوں۔ ❷ مستثنیٰ منہ مذکور ہو، خواہ صراحۃً، جیسے القوم یا ضمناً۔ جیسے مجیئھم یا لزوماً۔ جیسے الجائی منھم اس لیے کہ یہ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم نہ آئے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ مستثنیٰ مفرغ میں مستعمل نہیں ہوں گے۔

قولہ وَيَجُوْزُ فِيْهِ النَّصْبُ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ فِيْ مَا بَعْدَ اِلَّا فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ مِثْلُ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ وَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ مصنفؒ مستثنیٰ کا حکم ثانی کا بیان فرما رہے ہیں کہ مستثنیٰ پر دو اعراب پڑھنے جائز ہیں۔ ❶ نصب استثناء کی بناء پر۔ ❷ بدل البعض اور یہی بدل البعض قرار دینا مختار ہے۔ اس حکم کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ❶ مستثنیٰ اِلَّا کے بعد واقع ہو۔ احترازی مثال: جَاءَنِيْ الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا۔ ❷ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو۔ احترازی مثال: جَاءَنِيْ الْقَوْمُ اِلَّا زَيْدًا۔ ❸ مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ احترازی مثال: مَا جَاءَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ۔ اتفاقی مثال: مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ تو یہ قلیل مستثنیٰ پر دو اعراب پڑھنے جائز ہیں۔ ❶ استثناء کی بناء پر منصوب پڑھنا۔ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ❷ بدل کی بناء

پر اسے مرفوع پڑھنا۔ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ دونوں جائز ہیں۔

سوال اس حکم کے لیے یہ شرائط ثلاثہ ناکافی ہیں اس لیے کہ ان شرائط کا تحقق تو مستثنیٰ منقطع میں بھی اور مستثنیٰ جو مستثنیٰ منہ پر مقدم ہوتا ہے اس میں بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں صورتوں میں نصب واجب ہے۔ دو اعراب پڑھنا جائز ہیں۔

جواب ۱ ان دونوں کا حکم ماقبل میں چونکہ گذر چکا ہے اس لیے اسی قرینے کی بناء پر ان کے خارج کرنے کے لیے شرط نہیں لگائی۔

جواب ۲ کہ یُخْتَارُ الْبَدَلُ سے نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بدل کا تصور ہی نہیں۔ منقطع میں تو اس لیے نہیں کہ وہ بدل الغلط ہوتا ہے جو مستثنیٰ میں بالکل باطل ہے۔ اور مستثنیٰ مقدم پر اس لیے نہیں کہ بدل کا تقدم مبدل منہ پر جائز نہیں ہوتا۔

فائدہ بصریین کے نزدیک جب مستثنیٰ اِلَّا کے بعد ہو تو استثناء کی بناء پر منصوب ہو تو اس میں فعل مقدم بواسطہ اِلَّا عامل ہوتا ہے۔ جیسے: جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا یا معنی فعل بواسطہ اِلَّا جیسے: اَلْقَوْمُ اِخْوَتُكَ اِلَّا زَیْدًا۔ اس میں اگرچہ فعل نہیں معنی فعل عامل ہے وہ یہ ہے کہ جو نسبت خبر کی مبتداء کی طرف ہے اس سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی: نسبتُ الْقَوْمِ اِلٰی اِخْوَتِكَ اِلَّا زَیْدًا۔ (کما فی سوال کابلی)

ضابطہ فعل اور معنی فعل کے عمل کرنے میں اِلَّا واسطہ ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ مستثنیٰ کو فعل یا معنی فعل کے ساتھ اِلَّا ہی کے ذریعے تعلق معنوی حاصل ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ مستثنیٰ کو نسبت ہے مستثنیٰ منہ کے ساتھ دخول کی، جس طرح مستثنیٰ متصل میں یا عدم دخول کی، جس طرح مستثنیٰ منقطع میں، اور مستثنیٰ منہ کو نسبت ہے فعل یا معنی فعل کے ساتھ تو مستثنیٰ کو فعل یا معنی فعل کے ساتھ تعلق معنوی حاصل ہوا اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جس طرح مفعول بہ کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے اسی طرح مستثنیٰ بھی کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس مشابہت کی وجہ سے جس طرح مفعول بہ منصوب ہوتا ہے اسی طرح مستثنیٰ بھی منصوب ہوتا ہے۔ اب سمجھیں کہ بدل پڑھنا کیوں مختار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قَلِیْلٌ مرفوع پڑھا جائے تو بدل ہوگا۔ فَعَلُوْہُ کی واو ضمیر سے اور قَلِیْلًا منصوب پڑھا جائے تو یہ مستثنیٰ ہوگا۔ اور یہ یاد رکھیں کہ بدل کی صورت میں بغیر واسطے اِلَّا کے فعل مذکور عمل کرتا ہے۔ کیونکہ بدل کا عامل مبدل منہ کا عامل ہوتا ہے۔ اور منصوب مستثنیٰ ہونے کی صورت میں بواسطہ اِلَّا کے عمل کرتا ہے اور یہ بات ظاہر

ہے کہ اعراب واسطہ کے مختار ہوتا ہے۔ بنسبت اعراب بالواسطہ کے اس لیے مصنف نے فرمایا: وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ بدل پڑھنا مختار ہے۔

سوال بدل کا مختار ہونا تو در کنار یہاں تو سرے سے درست ہی نہیں اس لیے کہ بدل اور مبدل منہ میں نفی اور اثبات میں اتفاق ہوتا ہے۔ جب کہ یہاں پر اختلاف ہیں۔: مَا جَاءَ نِي الْقَوْمُ اِلَّا زَيْدٌ مبدل منہ مجیئت کی نفی ہے۔ جب کہ بدل میں اثبات ہے۔

جواب یہ حکم باب استثناء کے غیر میں ہے اور باب استثناء میں نَفْيًا وَاِثْبَاتًا مختلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ اِلَّا کی وجہ سے اختلاف ہوتا ہے۔ اگر اختلاف نہ ہو پھر تو اِلَّا لغو ہی ہو جائے گا۔ کیونکہ اِلَّا کا اعتبار معنی میں ہوتا ہے اعراب میں نہیں۔

قولہ وَيُعْرَبُ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ اِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ وَهُوَ فِيْ غَيْرِ الْمُوْجَبِ لِيُفِيْدَ مِثْلُ مَا ضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ۔ حکم ثالث کا بیان ہے اور لفظ حسب بمعنی مقتضی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ عوامل کے مقتضی کے ساتھ معرب ہوتا ہے اگر عامل کا مقتضی رفع ہے تو مرفوع ہوگا۔ اگر مقتضیٰ نصب ہے تو منصوب ہوگا اگر مقتضی جر ہے تو مجرور ہوگا اور یہاں پر علی بمعنی با ہے۔ اس حکم کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ❶ شرط اول کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اس لیے اگر مستثنیٰ مذکور ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں۔ ان دونوں صورتوں کا حکم ماقبل میں گذر چکا ہے کہ پہلی صورۃ میں نصب واجب اور دوسری صورت میں نصب جائز اور بدل مختار۔

سوال مستثنیٰ کا اعراب حسبِ عامل ہو اس عامل سے کیا مراد ہے مستثنیٰ منہ کا عامل ہے یا مستثنیٰ کا۔ اگر عامل مستثنیٰ مراد ہے تو یہ شرط باطل ہے کیونکہ مستثنیٰ ہمیشہ اپنے عامل کے مقتضیٰ کے ساتھ ہی معرب ہوتا ہے خواہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو یا مذکور نہ ہو اگر مراد عامل مستثنیٰ منہ ہے تو یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ مَا مَرَرْتُ اِلَّا بِزَيْدٍ میں زَيْدٍ مستثنیٰ ہے۔ اس کے باوجود مستثنیٰ منہ کے عامل کے مقتضی کے ساتھ مجرور نہیں۔ کیونکہ یہ اپنے عامل با کے ساتھ مجرور ہے۔

جواب عامل سے مراد مستثنیٰ منہ کا عامل ہے اور زَيْدٍ پر جو با داخل ہے یہ وہ با ہے جو مستثنیٰ منہ پر داخل تھی۔ اصل عبارت یہ تھی: مَا مَرَرْتُ بِاَحَدٍ اِلَّا زَيْدٌ تو مستثنی منہ محذوف کر کے با کو مستثنیٰ کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ تو زَيْدٍ عامل مستثنیٰ منہ ہی سے لفظاً مجرور ہے اور محلاً منصوب ہے۔ کیونکہ با کے واسطہ سے یہ مفعول بہ غیر صریح ہے۔ لیکن نصب کا عامل فعل ہے اور یہ بھی مستثنیٰ

منہ کا عامل ہے تو مستثنیٰ کے دو عامل ہیں۔ ایک بآ حرف جر۔ دوسرا مَرَرْتُ فعل اول کا عمل بواسطہ اِلَّا جر لفظی اور دوسرے کا عمل بواسطہ بآ نصب محلی ہے۔ یاد رکھیں اس مستثنیٰ کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ مفرغ کا معنی تو یہ ہے کہ اس کو کسی کام سے روکا ہوا۔ اور فارغ کیا ہوا۔ اور یہاں پر مفرغ اس لیے کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے اسکے عامل کو اس میں عمل کرنے سے روکا گیا ہے' تو اسی وجہ سے اس کو مستثنیٰ مفرغ لہ کہتے ہیں۔ لیکن لہ کو حذف کردیا گیا' اب اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ جیسا کہ مشترک فیہ کے اندر فیہ کو حذف کر کے مشترک کہا جاتا ہے۔ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو کہ اس کی علۃ مصنفؒ نے خود بیان فرمادی۔ لِيُفِيْدَ مِثْلَ مَاضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ یہ شرط اس لیے لگائی تا کہ کلام کا معنی صحیح ہو سکے' جیسے مَاضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ کا معنی درست ہے کہ متکلم کو بجز زید کے کسی نے نہیں مارا' لیکن اگر یہ کلام موجب ہو' جیسے: ضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ اس کا معنی بالکل غلط بنتا ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ بجز زید کے سب انسانوں نے مارا' اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ ناممکن اور محال ہے درست۔

قولہ اِلَّا اَنْ يَسْتَقِيْمَ الْمَعْنٰى مِثْلَ قَرَاْتُ اِلَّا يَوْمَ كَذَا اس دوسری شرط کی علت صحتِ معنیٰ تھی' اس لیے آگے استثناء بیان فرما رہے ہیں۔ اگر معنی صحیح ہو تو کلام موجب میں بھی واقع ہو سکتا ہے۔ صحتِ معنی کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ حکم ایسا ہو جو بعض افراد جنس کے کُل افراد کے لیے ثابت ہو' جیسے يُحَرِّكُ الْفَلَكَ الْاَسْفَلَ عِنْدَ الْمَضْغِ اِلَّا تِمْسَاحُ الخ اس میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے كُلُّ حَيَوَانٍ جس کے کُل افراد کے لیے یہ تحریک ثابت ہے' سوائے تمساح کے' جس کو اردو میں "ناکا" کہتے ہیں۔ ❷ ایسا قرینہ ہو جو اس پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ بعض معین ہیں' جن میں مستثنیٰ یقیناً داخل ہے' جیسے: قَرَاْتُ اِلَّا يَوْمَ كَذَا یہاں پر مستثنیٰ منہ محذوف معین ہے' اس لیے کہ دُنیا کے تمام ایام مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دنیا کے تمام ایام کے قائل کا وجود پایا ہی نہیں جاتا' تو پھر ان میں قراءت کیسے پائی جا سکتی ہے۔ تو لہٰذا بعض ایام مراد ہیں' تو وہی مستثنیٰ منہ مراد ہوں گے۔ مثلاً: اُسْبُوْعٌ یہ سُبْعٌ کی جمع ہے' اور سُبْعٌ ساتویں حصے کو کہتے ہیں۔

سوال جس طرح کلام موجب کی صورت میں بعض تراکیب غلط ہوتی ہیں' جیسا کہ مثال گزر چکی ہے' ایسے ہی کلام غیر موجب کی صورت میں بھی بعض تراکیب غلط ہوتی ہیں۔ معنی کے لیے مفید نہیں ہوتیں جیسے: مَامَاتَ اِلَّا زَيْدٌ لہٰذا صحتِ معنی کی شرط کلام موجب اور غیر موجب دونوں میں ہونی چاہیے تھی۔

جواب اعتبار کثرتِ استعمال کا ہوتا ہے اور کثرتِ استعمال سے کلام غیر موجب میں معنی صحیح ہوا کرتا ہے اسی لیے یہ فرق رکھا گیا ہے۔

قولہ وَمِنْ ثَمَّ لَمْ یَجُزْ مَا زَالَ زَیْدٌ اِلَّا عَالِمًا۔ اس عبارت میں ماقبل پر تفریع کا بیان ہے کہ مَا زَالَ زَیْدٌ اِلَّا عَالِمًا والی مثال جائز نہیں۔ کیونکہ مستثنیٰ مفرغ کے لیے یہ قاعدہ بتا دیا ہے کہ معنی درست ہونا چاہیے اور اس میں معنی درست نہیں۔ کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہوگی: مَا زَالَ زَیْدٌ مُتَّصِفًا بِجَمِیْعِ صِفَاتٍ اِلَّا عَالِمًا معنی یہ ہوگا کہ زید بجز علم کے تمام صفات کے ساتھ متصف رہا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل غلط ہے۔ اور یہ معنی اس لیے کر رہے ہیں کہ زَالَ اس میں نفی والا معنی ہے۔ مَا اس پر داخل ہوئی تو نفی النفی ہو گئی۔ اور قاعدہ ہے کہ نَفْیُ النَّفْیِ اِثْبَاتٌ اور یہ مَا زَالَ اپنے فاعل یعنی اسم کے لیے دائمی اور استمراری طور پر خبر کو ثابت کرتا ہے۔

قولہ وَاِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَی اللَّفْظِ فَعَلَی الْمَوْضِعِ مِثْلُ مَا جَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا زَیْدٌ وَلَا اَحَدَ فِیْهَا اِلَّا عَمْرٌو وَمَا زَیْدٌ شَیْئًا اِلَّا شَیْئٌ لَا یُعْبَأُ بِهٖ لِاَنَّ مِنْ لَا تُزَادُ بَعْدَ الْاِثْبَاتِ وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَیْنِ بَعْدَهٗ لِاَنَّهُمَا عَمِلَتَا لِلنَّفْیِ وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْیُ بِاِلَّا۔ مُصنفؒ نے ابھی تک مستثنیٰ کی باعتبار اعراب کے تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ❶ وہ مستثنیٰ جس کا اعراب نصب ہے۔ ❷ وہ مستثنیٰ جس پر نصب جائز ہے۔ اور بدل ہونا مختار ہے۔ ❸ وہ مستثنیٰ جس کا اعراب علیٰ حسبِ العامل ہوتا ہے۔ اس عبارت میں مُصنفؒ دوسری قسم کے ان تین مقامات کو بیان فرماتے ہیں جن میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے لفظ کے اعتبار سے بدل بنانا مُشکل ہے۔ بلکہ ان مواضع میں مستثنیٰ باعتبار محل کے مستثنیٰ بدل ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا مُتعذر ہو تو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل بنایا جائے گا' تاکہ مُختار پر بقدرِ امکان عمل کیا جا سکے۔ مثل ما جاءنی من احد الا زید اس مثال میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ محل سے بنایا جائے گا۔ لفظ سے اس لیے نہیں بنا سکتے کہ اگر زید کو لفظ احد پر محمول کریں تو مِنْ کو اس کے شروع میں زائد ماننا پڑے گا۔ کیونکہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں مِنْ کی زیادتی زید کے شروع میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ مِنْ استغراقیہ نفی کے بعد زائدہ ہوتا ہے۔ اثبات کے بعد زائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں پر نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے اور کلام مثبت بن چکی ہے۔ لہٰذا زیدٌ کو لفظ احد سے [illegible] نہیں بنائیں گے۔ بلکہ محل سے بنائیں گے اور احد کا محل رفع ہے۔ تو یہاں پر رفع پڑھا

جائے گا۔ وَلَا اَحَدٌ فِيْهَا اِلَّا عَمْرٌو وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا اِلَّا شَيْئٌ لَا يُعْبَأُ بِهٖ ان دونوں مثالوں میں بھی مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس لیے کہ پہلی مثال میں لفظ لا کو عمرو سے پہلے اور دوسری مثال میں ما کو شیئ سے پہلے مقدر ماننا جائے گا۔ حالانکہ یہاں پر ما اور لا کا مقدر ماننا درست نہیں۔ کیونکہ

قاعدہ ہے کہ ما اور لا عامل ہونے کی صورت میں اثبات کے بعد مقدر نہیں ہوسکتے' اس لیے کہ ان دونوں کا عمل نفی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں پر الا کی وجہ سے نفی والا معنی ٹوٹ چکا ہے۔ لہٰذا جب مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا جائز نہیں تو محل سے بدل بنایا جائے گا۔ وہ رفع ہے' تو دونوں کو مرفوع پڑھا جائے گا بخلاف لیس زید شیئًا کے

سوال شیئٌ کی صفت لَا یُعْبَأ کیوں لائی گئی ہے؟۔

جواب یہ صفت بعض نسخوں میں ہے۔ اور اس لیے لائی گئی ہے تاکہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ کے درمیان مغایرت ہوجائے اور استثناء الشیئ من نفسہ کا توہم پیدا نہ ہو۔ تو پھر سوال ہوگا کہ جن نسخوں میں نہیں ہے تو وہاں مغایرت کیسے ہوگی؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیئٌ مستثنیٰ پر تنوین تنکیر برائے تحقیر ہے' تو اس صورت میں مغایرت پیدا ہوگی کہ اول عام ہے اور دوم خاص ہے۔ بخلاف لیس زیدٌ شیئًا الا شیئًا لانہا عملت للفعلیۃ ولا اثر النقض معنی النفی لبقاء الامر العاملۃ ھی لاجلہ کہ ما اور لا وہ تو نفی کے ختم ہونے کی وجہ سے ان کا عمل ختم ہوتا ہے۔ لیکن لیس زید شیئًا الا شیئًا یہ مثال درست ہے۔ کیونکہ لیس کا عمل فعلیۃ کی وجہ سے ہے۔ نفی کی وجہ سے نہیں۔ لہٰذا نفی والا معنی ختم بھی ہوجائے تب بھی عمل ہوگا۔

سوال لیس زیدٌ شیئًا الا شیئًا میں یہ درست ہے کہ شیئًا ثانی کو شیئًا اول کے محل سے بدل قرار دے کر مرفوع پڑھا جائے۔ کیونکہ یہ باعتبار اصل کے خبر مُبتدا ہے۔

جواب ہرگز نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو افعال و حروف مُبتدا، خبر پر داخل ہوں ان کو نحاۃ نواسخ قرار دیتے ہیں۔ اور وہ افعال یہ ہیں: ❶ افعال مقاربہ ❷ افعال ناقصہ ❸ افعالِ قلوب۔ اور وہ حروف یہ ہیں۔ ❶ حروف مُشبّہ بالفعل۔ ❷ ما و لا مُشبّہ بلیس۔ ❸ لا نفی جنس۔ ان کو نواسخ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مُبتدا خبر کے عامل معنوی کو منسوخ کردیتے ہیں ان کا عمل باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ عامل لفظی ہے' جب کہ وہ عامل معنوی تھا۔ اور عامل لفظی قوی ہوتا ہے عامل معنوی سے۔ البتہ ان افعال اور حروف میں قدرے فرق ہے کہ جو افعال عامل ہیں' ان کا عمل قوی ہوتا ہے۔ اور

حروف کا عمل ضعیف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ افعال جب داخل ہوتے ہیں تو عامل معنوی کا عمل بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ نہ لفظاً باقی رہتا ہے نہ محلاً۔ اسی لیے لیس کی خبر محلِ رفع میں نہیں رہتی بخلاف حروف کے کہ ان کے داخل ہونے کے باوجود عامل معنوی کا عمل لفظاً تو باقی نہیں رہتا لیکن ان کے عمل میں ضعف کی وجہ سے معنیً ان کا اعتبار باقی رہتا ہے جن کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں جو حروف جملہ میں نفیاً تغیر نہیں کرتے ان میں عمل محلّی کا اعتبار بلا ضرورت جائز ہے۔ جیسے اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ وَ عَمْرٌو کہ عَمْرٌو کو زَیْدًا پر باعتبار محلِ معطوف قرار دے کر مرفوع پڑھا جاسکتا ہے۔ اور جو حروف نفیاً جملے میں تغیر پیدا کردیتے ہیں جیسے ما اور لا ان کی خبر یا ان میں عمل محلّی کا اعتبار بدوں ضرورت جائز نہیں۔ جیسے ما زید شیئًا الا شئ میں بضرورتِ بدل ما کی خبر میں عمل محلّی کا اعتبار کیا گیا ہے کہ یہ بدل باعتبار لفظ مُتعذر ہے اور نصب بنا بر استثنار قلیل ہونے کے علاوہ بدل من اللفظ کے لیے موہم ہے۔ اس لیے شیئًا سے باعتبار محلِ بدل قرار دے کر شئ کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

قولہ وَمِنْ ثَمَّ جَازَ لَیْسَ زَیْدٌ اِلَّا قَائِمًا۔ اسی وجہ سے یعنی لیس کا عمل نفی کی وجہ سے نہیں بلکہ فعلیت کی وجہ سے ہے۔ بلکہ ما اور لا کا عمل بوجہ نفی کے تھا' تو لہٰذا وہاں ما زید الا قائما پڑھنا جائز نہیں۔ لیکن یہاں پر لَیْسَ زَیْدٌ اِلَّا قَائِمًا پڑھنا جائز ہے۔

ضابطہ مستثنٰی مفرغ مفعول معہ واقع نہیں ہوسکتا' باقی فعل کے تمام مفعولات مستثنٰی مفرغ واقع ہوتے ہیں۔ (ان شئت فارجع الی الشروح والمطولات۔

قولہ وَ مَخْفُوْضٌ بَعْدَ غَیْرَ وَسِوٰی وَسَوَاء وَبَعْدَ حَاشَا فِی الْاَکْثَرِ. حکم رابع کا بیان ہے کہ مستثنٰی' غیر' سوٰی' سواء کے بعد مجرور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ مضاف ہوتے ہیں اور مستثنٰی مضاف الیہ کی وجہ سے مجرور ہی ہوتا ہے۔ یاد رکھیں سوٰی میں دو لغتیں ہیں۔ سِوٰی بکسر السین یا بضم السین' سُوٰی۔ لیکن دونوں صورتوں میں یہ مع القصر ہے۔ اول مشہور اور ثانی غیر مشہور ہے۔ اور سواء میں بھی دو ہیں۔ اول بفتح السین' سَوَاءَ اور دوم بکسر السین سِوَاءَ دونوں مع المد ہیں۔ لیکن اول مشہور' ثانی غیر مشہور ہے۔ اور یہ مستثنٰی حاشا کے بعد اکثر مجرور ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اس کا مدخول لفظاً مجرور ہوتا ہے اور محلا منصوب ہوتا ہے مستثنٰی کی بنا پر۔ جس طرح کہ خلا اور عدا میں۔ جب کہ حروف جارہ ہوں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حاشا کبھی کبھی بمعنی جَانَبَ کے فعل ہوتا ہے۔ جیسے رسُولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: اُسَامَۃُ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ حَاشَا فَاطِمَۃَ وَلَا

غَيْرَهَا۔ اور یہ کبھی کبھی اسم بمعنی تنزیہ کے بھی آتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا (۱۲:۳۱) یہ حاشا حرفیہ کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہت کی وجہ سے مبنی ہے۔ جس طرح حرفیہ اپنے مدخول سے ماقبل والے حکم کی نفی کرتا ہے۔ یہ بھی مدخول سے نقص کی نفی کرتا ہے۔ یاد رکھیں حَاشَا کا آخری الف کبھی تخفیفاً حذف ہو جاتا ہے۔ لکثرۃ الاستعمال۔ جیسے قرآن مجید میں حَاشَ بغیر الف کے مکتوب ہے۔

قولہ وَاِعْرَابُ غَيْرَ فِيْهِ كَاِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِاِلَّا عَلَى التَّفْصِيْلِ۔ کیونکہ غَیْر، سِوٰی، سَوَاء اسم متمکن ہیں، اس لیے ان کا اعراب بتانا چاہتے ہیں کہ لفظ غَیْرَ نے مستثنیٰ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے اپنے مضاف الیہ کو جر دے دی۔ تو لفظ غَیْرَ نے اپنے مابعد والے مستثنیٰ کا اعراب خود قبول کرلیا ہے کہ جس طرح مستثنیٰ بِاِلَّا کا اعراب تھا وہی اعراب لفظ غَیْرَ کا ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی چھ صورتیں ہیں۔ ❶ کلام موجب میں ہو، جیسے: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ۔ ❷ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، جیسے: جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ اَحَدٌ۔ ❸ مستثنیٰ منقطع غیر کے بعد ہو۔ جیسے: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ یا مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ۔ ان تینوں صورتوں میں نصب واجب ہوگی۔ ❹ جواز نصب اور اختیار بر بدل، جیسے: مَا جَاءَنِي اَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ بنا بر استثناء اور غَيْرُ زَيْدٍ برفع غَيْرُ بنا بر بدل۔ ❺ اعراب عَلٰی حَذْفِ الْعَوَامِلِ کی صورت میں مَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ وَمَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ وَمَا رَاَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ۔ ❻ تعذر بدل باعتبار لفظ۔ جیسے: مَا جَاءَنِي مِنْ اَحَدٍ غَيْرُ زَيْدٍ برفع غَيْرُ کے یہ بدل ہوگا لفظ اَحَدٌ کے محل سے۔

سوال لفظ غیر استثناء میں اِلَّا کے قائم مقام ہے تو لفظ غیر مستثنیٰ کے اعراب کے لیے واسطہ ہوا تو جس طرح اِلَّا کی موجودگی میں اعراب مستثنیٰ پر آتا ہے تو غَیْرَ کی موجودگی میں بھی اعراب مستثنیٰ پر آنا چاہیے تھا۔

جواب مستثنیٰ کی طرف غَیْرَ کی اضافت کی وجہ سے مستثنیٰ مجرور ہو چکا ہے اب وہی اعراب لفظ غَیْرَ پر جاری کر دیا۔ جس طرح عَبْدُ اللّٰهِ حالت علمیت میں جز آخیر کا اعراب جز اول پر جاری کر دیا۔ کیونکہ جز اخیر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو چکا ہے۔

سوال لفظ غَیْرَ جب اِلَّا کے معنی کو متضمن ہوا اب استثناء میں مبنی کیوں نہیں ہوا؟

جواب مبنی اس لیے نہیں ہوا کہ لازم الاضافت ہے اور اضافت مبنی ہونے سے مانع ہے۔ کیونکہ اسم متمکن کے خواص سے ہیں لہٰذا یہ مبنی نہیں ہوا۔

متن وَغَيْرُ صِفَةٌ حُمِلَتْ عَلَى اِلَّا فِي الْاِسْتِثْنَاءِ كَمَا حُمِلَتْ اِلَّا عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ اِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ لِتَعَذُّرِ الْاِسْتِثْنَاءِ مِثْلُ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

مصنفؒ لفظ غَیْرَ کا حقیقی اور مجازی معنی بیان فرماتے ہیں کہ لفظ غیر باعتبار وضع کے صفت ہے بمعنی مُغَایِرْ کے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد ماقبل موصوف کے مغایر ہوتا ہے۔ خواہ ذات میں۔ جیسے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ غَیْرِ زَیْدٍ یا وصف میں۔ جیسے: دَخَلْتُ بِوَجْهٍ غَیْرِ الْوَجْهِ الَّذِیْ خَرَجْتُ بِهٖ۔ لیکن کبھی مجازاً بمعنیٰ اِلَّا کے استعمال ہوتا ہے اور اِلَّا کا حقیقی معنی مغایرت مَا بَعْدَ لِمَا قَبْلَ فِی الْحُکْمِ اور کبھی اِلَّا مجازاً بمعنی غَیْر کے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کہ مابعد کا مستثنیٰ مُتَّصِل یا منقطع ہونا متعذر ہو۔ اور یاد رکھیں یہ تعذر اکثر و بیشتر اس وقت ہوتا ہے جب اِلَّا جمع منکور غیر محصور کے بعد واقع ہو۔ خواہ جمع لغوی ہو یعنی وہ اسم جو مافوق الواحد پر دلالت کرے خواہ جمع اصطلاحی ہو۔ جیسے: رِجَالٌ یا اسم جمع۔ جیسے: قَوْمٌ یا تثنیہ۔ جیسے: رَجُلَانِ تاکہ اِلَّا وصفیت کا حال اِلَّا استثنائیہ کے حال کے ساتھ موافق رہے یعنی جس طرح اِلَّا استثنائیہ تعدد کے بعد واقع ہوتا ہے۔ تو یہ بھی تعدد کے بعد واقع ہو۔ اور مَنْکُوْرٌ سے مراد نکرہ ہے تو اس سے تمام قسم معرفہ کی خارج ہو جائیں گی اور جمع کی قید سے عَلَمْ خارج ہو گیا۔ اور غَیْرَ مَحْصُوْرٍ ہو یاد رکھیں۔ لِتَعَذُّرُ الْاِسْتِثْنَاءِ کی لام تعلیلیہ نہیں۔ بلکہ یہ لام ظرفیت کی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اِلَّا کو بمعنی غَیْر کے استعمال کیا گیا ہے۔ جمع منکور غیر محصور کے بعد بروقت تعذر استثناء اگر لام تعلیلیہ مراد لیا جائے تو اس پر سوال ہو جائے گا کہ جَاءَنِیْ رِجَالٌ اِلَّا رَجُلًا جمع منکور غیر محصور ہے پھر بھی استثناء مُتَعَذِّر نہیں۔ کیونکہ رَجُلًا مستثنیٰ منقطع ہے۔ اس لیے کہ رِجَالٌ میں بالیقین داخل نہیں۔ کیونکہ رِجَالٌ عبارت ہے جَمَاعَةٌ سے اور رَجُلٌ میں جَمَاعَةٌ نہیں۔ اِلَّا صفتیہ کی مثال: لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اس میں اِلَّا بمعنی غَیْر کے ہے۔ اس لیے یہاں اِلَّا استثنائیہ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ استثناء متعذر ہے باقی رہی یہ بات کہ استثناء مُتَعَذِّر کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بوجہ عدم استغراق اور عدم عہد اسم جلالت کا دخول اور عدم دخول اِلٰه میں یقینی نہیں۔ یہاں تک کہ اس کو مستثنیٰ مُتَّصِل یا منقطع بنایا جائے۔ کیونکہ مُتَّصِل کے دخول کا یقین ضروری ہے اور منقطع کے لیے عدم دخول کا اور بدل ہونا بھی درست نہیں۔ کیونکہ وہ کلام غیر موجب میں ہوتا ہے اور جب کہ یہ کلام موجب ہے۔ اور لَوْ سے نفی معنوی جو مُسْتَفَاد ہوتی ہے وہ مُعْتَبَر نہیں۔

سوال عدم دخول یقینی ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ اٰلِهَةٌ جمع ہے اور اسم جلالت واحد ہے اور واحد

جمع کا فرد نہیں ہوتا لہٰذا یہ مستثنیٰ منقطع ہوا اور اِلاَّ کا بمعنی غَیرَ ہونا غیر صحیح۔ کیونکہ بمعنی غَیرَ اس وقت ہوتا ہے جب کہ مستثنیٰ متّصِل اور منقطع دونوں مُتعذر ہوں۔

جواب یہ بات درست ہے کہ بوجہ مذکور مستثنیٰ منقطع کا مُتعذر ہونا ساقط ہوا اور عدم استغراق اور عدم عہد سے صرف مستثنیٰ متّصِل کا تعذر ثابت ہوتا ہے لیکن معنوی حیثیت سے یہاں پر دونوں مُتعذر ہیں۔ وجہ تعذر یہ ہے کہ آیت کریمہ بالاجماع اثباتِ توحید کے لیے بیان کی گئی ہے اور استثناء مطلقاً کی صورۃ میں اثبات توحید نہ ہوگا۔ کیونکہ استثناء کی صورت میں صرف ان اٰلِهَةٌ کی نفی ہوگی جن سے اسمِ جلالت مستثنیٰ ہوگا اور وہ اٰلِهَةٌ جن سے یہ اسمِ جلالت مستثنیٰ نہیں ان کا احتمال باقی رہے گا۔ اور یہ احتمال توحید کے منافی ہے اور جب کہ اِلاَّ بمعنی غَیرَ ہو تو دونوں احتمال مُنتفی ہوتے ہیں۔ اور توحید ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اِلاَّ کا بمعنی غَیرَ ہونا مُتعین ہوا۔

فائدہ اِلاَّ حرف ہے یا اسم اس میں اختلاف نہیں جمہور کے نزدیک یہ حرف ہے اس لیے کہ کلمہ کا اسم فعل ہونا باعتبار معنی حقیقی کے ہوتا ہے مجازی معنی کے اعتبار سے نہیں۔ اور یہ اِلاَّ مجازاً غَیرَ کے معنی میں ہے۔ اس لیے اپنی حیثیت پر یہ قائم اور باقی ہے۔ اسی واسطے اس کے لیے محل اعراب نہیں۔ کیونکہ حرف کے لیے محل اعراب نہیں ہوا کرتا۔ اور اِلاَّ اللّٰہُ کا مجموعہ صفت ہے اٰلِهَةٌ کی نہ تو کہ فقط اِلاَّ کی حرف صفت۔ اور نہ ہی فقط اسمِ جلالت کی صفت کیونکہ حرف اور علم واقع نہیں ہوسکتے۔ اعراب اسمِ جلالت پر ہوگا۔ جیسے: جَاءَنِیْ رَجُلٌ لَا عَالِمٌ میں مجموعہ لَا عَالِمٌ صفت ہے رَجُلٌ کی نہ فقط لَا صفت ہے اور نہ فقط عالم صفت ہے کہ یہ مقصود کے خلاف ہے کیونکہ مقصود یہ تھا کہ میرے پاس غیر عالم مرد آیا' اب معنی یہ ہوگا کہ میرے پاس عالم مرد آیا۔ البتہ اعراب عَالِمٌ پر ہے۔ اور بعض نحوی یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ اِلاَّ باعتبار معنی مجازی اسم ہے۔ بعض کے نزدیک کلمہ باعتبار معنی مجازی کے بھی اسم فعل حرف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اِلاَّ بمعنی غَیرَ اسم ہے۔ اور مضاف ہے لیکن صورۃ حرف میں ہونے کی وجہ سے اس کا اعراب یعنی رفع مابعد اسمِ جلالت کی طرف منتقل ہوگیا۔ اب اسمِ جلالت اس اعراب کے ساتھ مرفوع لفظاً ہے اور مضاف الیہ ہونے کی بناء پر مجرور تقدیراً ہے۔ اور استفہام فعل پر داخل ہوتا ہے۔

قولہ وَضَعُفَ فِیْ غَیْرِہٖ

مُصنفؒ اِلاَّ بمعنی غَیرَ کی شرائط بیان کرنے کے بعد اب یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر شرائط مذکورہ نہ پائی جائیں تو اِلاَّ کا بمعنی غَیرَ کے مُستعمل ہونا ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شرائط مذکورہ کی موجودگی میں

غالب اور عدم موجودگی میں شاذ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ: اَلشَّاذُ کَالْمَعْدُوْمِ۔

فائدہ امام سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ بغیر تعذر استثناء بھی اِلَّا بمعنیٰ غَیْر کے ہوسکتا ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں: مَا جَاءَنِیْ اَحَدٌ اِلَّا زَیْدًا میں اِلَّا زَیْدًا استثناء کی بناء پر صحیح ہے اور اِلَّا زَیْدٌ حمل کی بناء پر جائز ہے اور اکثر متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس مذہب پر اس شعر کو پیش کرتے ہیں:

وَ کُلُّ اَخٍ وَفَارِقُوْہُ اَخُوْہُ
لَوْ اَمْرُ اَبِیْكَ اِلَّا الْفُرْقَدَانِ

اس میں کُلُّ اَخٍ بمعنیٰ مذکور جمع منکور ہے۔ مگر غیر محصور نہیں بلکہ محصور ہے تو اس میں تیسری شرط مفقود ہے۔ تو پھر بھی شاعر نے اِلَّا کو بمعنیٰ غَیْر کے استعمال کیا ہے۔ اِلَّا الْفُرْقَدَیْنِ کہتا اِلَّا الْفُرْقَدَانِ مرفوع ہونے کی صورت میں پیش نہ کرتا۔

قولہ وَاِعْرَابُ سِوٰی وَسَوَاءَ النَّصْبُ عَلَی الظَّرْفِ عَلَی الْاَصَحِّ

لفظ غَیْر کے اعراب کو بیان کرنے کے بعد مصنفؒ لفظ سِوٰی اور لفظ سَوَاء کا اعراب بیان فرماتے ہیں۔ کہ یہ بناء بر ظرفیت منصوب ہوتے ہیں۔ لفظ سِوٰی میں نصب تقدیری اور سَوَاء میں نصب لفظی ہوتی ہے اصح مذہب پر۔ یہ اصح مذہب سیبویہ کا ہے۔ جو نحاۃ بصریہ ممتاز ہے۔ اور یہ دونوں ان کے نزدیک لازم الظرفیۃ ہیں جب کہ کوفیین کے نزدیک مقام استثناء میں وہ غَیْر کی طرح ہے اس پر رفع، نصب، جر تینوں اعراب آسکتے ہیں۔ جیسے: غَیْر پر آتے ہیں۔

قولہ خَبَرُ کَانَ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا مِثْلُ کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا۔

مصنفؒ مستثنیٰ سے فارغ ہونے کے بعد منصوبات کا نواں قسم "باب کان" کی خبر کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تعریف: خَبَرُ کَانَ وَاَخَوَاتِهَا ایسا اسم منصوب ہے جو کَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ جیسے: کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا

سوال کتاب میں تو اَلْقِسْمُ کا ذکر نہیں ہے۔ آپ نے اس کی تقدیر میں کس قرینے کا سہارا لیا ہے؟

جواب قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ یہاں بحث اسم منصوب ہی کی ہے اور خبر کَانَ وغیرہ اس کی نوع ہے۔ اور نوع کی تعریف میں جنس معتبر ہوتی ہے۔

سوال یہ تعریف غلط ہے اس لیے کہ یہ معرف کے کسی فرد پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ قائمًا کَانَ کی خبر تو ہے لیکن اس پر صرف کَانَ داخل ہے۔ اس کے اخوات داخل نہیں، حالانکہ آپ نے کہا کہ کان اور اسکے اخوات داخل ہوں؟

جواب یہاں دخول کے بعد ضمیر ھا سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ بعد دخول احدھا اب معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسا اسم منصوب ہے جو کَان اور اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ لہذا یہ تعریف صادق آئے گی اور جامع ہو جائیگی۔

سوال مضاف کو مقدر ماننے کے باوجود پھر بھی یہ تعریف درست نہیں اس لیے کہ ھُوَ ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ یا تو کَانَ اور اس کے اخوات کی خبر ہے تو اس صورت میں مجموعہ اخبار مُعَرَّفْ ہوگا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مجموعہ اخبار پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ کیونکہ مجموعہ اخبار تو وہ ہے جو سب کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ اور اگر مرجع خبر کَان اور خبر اخوات میں سے ہر ایک کو بنایا جائے تو اس صورۃ میں کَانَ کی خبر پر تو یہ تعریف صادق آئے گی کہ وہ ان میں سے ایک یعنی کَانَ کے دخول کے بعد مسند ہوتی ہے۔ لیکن اخوات کی خبر پر صادق نہیں آتی کہ وہ تو سب اخوات کے دخول کے بعد مسند ہوگی۔ نہ ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد۔

جواب یہاں پر ھُوَ ضمیر کے دونوں مرجع نہیں بلکہ یہاں مضاف مقدر ہے۔ خَبَرُ بَابِ کَانَ وَ اَخَوَاتُهَا لہذا ھُوَ ضمیر کا مرجع یہی خبر ہوگا جو لفظ باب کی طرف مضاف ہے۔ اور یہی معرف ہوگا۔ تو اب تعریف بالکل صحیح ہو جائے گی اس تعریف میں جو آپ نے الاسم کو مقدر مانا یہ جنس ہے۔ المسند یہ قید اول، فصلِ اول ہے اس سے تمام منصوبات جو مسند الیہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اسم اِنَّ وغیرہ وہ خارج ہو جائیں گے۔ اور بَعْدَ دُخُوْلِهَا کی قید سے وہ اسمائے منصوبہ جو مسند ہوتے ہیں وہ بھی اس سے خارج ہو جائیں گے۔

سوال مُصَنِّفْ نے کَانَ کی خبر کا ذکر تو فرمایا ہے منصوبات میں لیکن افعال ناقصہ کے اسم کو مرفوعات میں ذکر نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس لیے کہ خبر تو ملحقات بالمفعول میں سے ہیں اور اسم ملحقات فاعل سے نہیں بلکہ فاعل میں داخل ہیں اسی وجہ سے خبر کو ذکر کیا اور اسم کو ذکر نہیں کیا۔

سوال فاعل میں کیسے داخل ہو سکتا ہے وہ اسم، فعل فاعل کے ساتھ مل کر کلام تام ہو جاتا ہے اور کَانَ وغیرہ کے اسم کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتی تو یہ کیسے داخل ہو سکتا ہے؟

جواب فعل کا فاعل کے ساتھ مل کر کلام کا تام ہونا ضروری نہیں اس میں جو اسناد مذکور ہوئی ہیں وہ بمعنیٰ نسبت ہے جو نسبت تام اور نسبت ناقص دونوں کو شامل ہے۔

قولہ وَاَمْرُهٗ كَاَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَاءِ مصنفؒ کَانَ کی خبر کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کَانَ کی خبر کا حکم اقسام اور احوال اور شرائط میں مبتدار کی خبر کی طرح ہے کہ جس طرح مبتدار کی خبر کی یہ اقسام ہیں مفرد جملہ، معرفہ نکرہ اسی طرح اس کی بھی یہی اقسام ہونگی، اور جس طرح مبتدار کی خبر کے یہ احوال ہیں۔ واحد ہونا متعدد ہونا مذکور ہونا محذوف ہونا اسی طرح اس کے بھی یہ احوال ہیں اور جس طرح مبتدار کی خبر جملہ کے لیے عائد کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے خبر کے لیے بھی جب کہ جملہ ہو اور جس طرح مبتدار کی خبر مشتق کے لیے عائد ہونا ضرور ہے اس طرح اس کے لیے بھی جب کہ مشتق ہو جس طرح مبتدار کی خبر کا عائد بغیر قرینہ کے حذف کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کے عائد کا حذف کرنا بھی جائز نہیں۔

قولہ وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً یہ کلام سابق سے بمنزلِ استثنار کے ہے یہ کَانَ کی خبر وغیرہ کا حکم تمام احوال میں مبتدار کی خبر کی طرح ہے لیکن ایک حالت میں نہیں وہ یہ ہے ک ہیہ خبر معرفہ ہونے کی صورة میں مقدم ہو سکتی ہے اپنے اسم پر لیکن مبتدار کی خبر مبتدار پر مقدم نہیں ہو سکتی۔

سوال معرفہ کے یہاں تخصیص لانا بے سود ہے۔ اس لیے کہ نکرہ مختصہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا تقدم جائز ہے۔ جیسے: كَانَ اَفْضَلُ مِنْكَ زَيْدٌ۔

جواب معرفہ سے مراد عام ہے حقیقتاً ہو یا حکماً۔ اور یہ نکرہ مختصہ حکماً معرفہ ہوتا ہے۔ باقی رہے یہ بات کہ جواز تقدم کی علت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی خبر اور اسم کا اعراب میں اختلاف ہوتا ہے لیکن اس کی خبر منصوب ہوتی ہے اور اسم مرفوع۔ لہذا مقدم کرنے سے خبر کا التباس اسم کے ساتھ لازم نہیں آتا بخلاف مبتدار خبر کے کہ ان کا اعراب میں اتحاد ہوتا ہے لہذا تقدم کرنے سے التباس لازم آئے گا۔

قولہ وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهٗ فِيْ نَحْوِ النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ مصنفؒ کَانَ کی خبر کا ایک اور حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں جو مبتدار کی خبر کے لیے نہیں تھا۔ وہ یہ ہے کہ اگر قرینہ موجود ہو تو کبھی کبھی اس طرح عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے: النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر ان کے اعمال اچھے ہیں تو ان کا بدلہ بھی اچھا ہے اور اگر ان لوگوں کے اعمال برے ہیں تو ان کا بدلہ

بھی برا ہوگا۔ اس مثال میں اِنْ کے بعد کَانَ فعل ناقص محذوف ہے۔ اصل میں تھا اِنْ کَانَ اَعْمَالُھُمْ خَیْرًا اس پر قرینہ یہ ہے کہ اِنْ حرف شرط جو فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور یہاں پر اسم پر داخل ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں فعل محذوف ہے یادرکھیں ان جیسی مثالوں میں چار صورتیں جائز ہیں۔ ❶ شرط اور جزا دونوں میں نصب پڑھی جائے گی۔ جیسے: اِنْ خَیْرًا فَخَیْرًا اس صورت میں شرط کے اندر کَانَ فعل محذوف ہوگا۔ اور خَیْرًا اس کی خبر ہوگی۔ اور جزاء میں بھی کَانَ فعل محذوف ہوگا۔ اور خَیْرًا اس کی خبر محذوف ہوگی۔ ❷ شرط اور جزاء دونوں میں رفع پڑھا جائے۔ جیسے: اِنْ خَیْرٌ فَخَیْرٌ اس صورت میں شرط کے اندر کَانَ فعل محذوف ہوگا اور خَیْرٌ اس کا اسم بنے گا۔ اور فِیْ اَعْمَالِھِمْ خبر مقدم ہوگی اور جزا میں خَیْرٌ خبر واقع ہوگی۔ اور مُبْتدا محذوف ہوگا۔ جَزَاءُ ھُمْ۔ ❸ شرط میں نصب پڑھی جائے اور جزاء میں رفع پڑھا جائے۔ جیسے: اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ اس صورۃ میں کَانَ فعل محذوف ہوگا اور خَیْرٌ اس کی خبر ہوگی اور جزا کے اندر جَزَاءُ ھُمْ مُبْتدا محذوف ہوگا اور خَیْرٌ اس کی خبر ہوگی۔ ❹ شرط میں رفع اور جزاء میں نصب پڑھی جائے۔ جیسے: اِنْ خَیْرٌ فَخَیْرًا اس صورت میں شرط کے اندر کَانَ فعل محذوف ہوگا اور خَیْرٌ کَانَ کا اسم مؤخر ہوگا اور فِیْ اَعْمَالِھِمْ خبر مقدم واقع ہوگی اور جزاء کے اندر کَانَ فعل محذوف ہوگا اور خَیْرًا اس کی خبر واقع ہوگی اور ان چاروں صورتوں میں سے وہی صورۃ اولی ہے جس کے الفاظ کم محذوف ہوں۔

قولہ: وَيَجِبُ الْحَذْفُ فِيْ مِثْلِ اَمَّا اَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ اَیْ لِاَنْ کُنْتَ مُنْطَلِقًا۔

کبھی خبر کَانَ کے عامل کو وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے: اَمَّا اَنْتَ الخ اس سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس کے اصل میں اَمَّا بالفتح یا اِمَّا بالکسرہ ہو اور اس کے بعد ضمیر مرفوع مُنْفصِل ہو۔ اور اس کے بعد اسم منصوب ہو۔ جیسے اس مثال میں اَمَّا اَنْتَ اصل میں تھا لِاَنْ کُنْتَ، لام کو حذف کر دیا۔ کیونکہ لام حرف جارہ کا حذف ہر مصدر سے پہلے قیاسی ہے پھر فعل ناقص کَانَ کو اَنْ یا اِنْ شرطیہ کے قرینہ سے حذف کر دیا اور اس کے ساتھ جو ضمیر مرفوع مُتصِل تھی اس کو مُنْفصِل کے ساتھ تبدیل کر دیا۔

اِنْ اَنْتَ مُنْطَلِقًا پھر اِذْ کَانَ محذوف کے عوض مَا زائدہ لے آئے پھر نون اور میم کا ادغام کر دیا تو اَمَّا اَنْتَ مُنْطَلِقًا بن گیا یہ حذف کرنا اس لیے واجب ہے تاکہ عوض اور معوض کا اجتماع لازم نہ آوے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ تمہارے چلنے ہی کی وجہ سے میں چلا تھا۔ اور اِمَّا اَنْتَ بالکسر کی اصل یہ ہے: اِنْ کُنْتَ جو حسب سابق عمل کیا گیا ہے سوائے حذف لام کے، لام کا حذف اس میں

نہیں مانا جاسکتا۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ میں چلا تھا اس لیے کہ تم چلے تھے۔

ق ۔ اِسْمُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا مِثْلُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ

مُصنفؒ منصوبات کا دسواں قسم اِنَّ اور اس کے اخوات کے اسم کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم منصوب ہے جو اِنَّ اور اس کے اخوات کے دخول کے بعد مسند الیہ ہو۔ جیسے: اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

ق ۔ اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔

اب مُصنفؒ منصوبات کا گیارواں قسم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سوال علامہ ابن حاجب نے اس مقام پر اپنے اسلوب کو کیوں بدلا ہے کہ اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ کہا ہے۔ حالانکہ ماقبل میں اِسْمُ اِنَّ اور اسی طرح خَبَرُ کَانَ وغیرہ کہا ہے۔

جواب ۱ شیخ رضی نے اس کا جواب دیا کہ مُصنفؒ کا کلام منصوبات میں چل رہا تھا اور چونکہ لا کے تمام اسم منصوب نہیں تھے بلکہ بعض مِنْ استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتے ہیں۔ جیسے: لَا رَجُلَ اور چونکہ مقصود اس مقام پر اسم منصوب کا بیان تھا تو اس لیے مُصنفؒ اپنا اسلوب بدل دیا اور اسم منصوب کو مبنی سے ممتاز کرنے کے لیے تین شرطیں بیان کیں ہیں۔ ❶ نکرہ ہو۔ ❷ مضاف یا شبہ مضاف ہو۔ ❸ لام کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو۔

جواب ۲ مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اس کو مطلقاً منصوبات سے شمار کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ اکثر منصوب ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر غیر منصوب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن حاجب نے اپنے اسلوب کو بدل دیا ہے۔

فائدہ اس مقام پر مولانا جامیؒ نے مُصنفؒ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مُصنفؒ کو اپنا اسلوب برقرار رکھتے ہوئے یوں کہنا چاہیے تھا: اِسْمُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ اپنے اسلوب کو بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے کہ لَا کا اسم جو ہوتا ہے وہ منصوب ہوتا ہے۔ خواہ لفظاً ہو یا محلاً ہو۔ اور جو مرفوع ہوتا ہے وہ لا کا اسم ہی نہیں ہوتا۔

سوال مُصنفؒ کے عبارت اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جنس کی نفی ہوتی ہے اور مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفت کی نفی ہو رہی ہے۔ فَمَاذَا تَطْبِيْقٌ۔

جواب مولانا جامیؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہاں پر مضاف مع معطوف کے محذوف ہے۔ اَیْ

لِنَفْيِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهٖ۔ یا یوں تعبیر کیا جائے یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ لِنَفْیِ حُکْمِ الْجِنْسِ اور حُکْمٌ بمعنی مَحْکُوْمٌ کے ہے اور اس کے بعد عَنِ الْجِنْسِ مقدر ہے۔ اب تقدیر عبارت یوں ہوگی: لِنَفْيِ حُكْمِ الْجِنْسِ عَنِ الْجِنْسِ اس کا معنی یہ ہے کہ جنس سے محکوم بہ کی نفی کرتا ہے اور یاد رکھیں جنس سے مراد جنس لغوی ہے جو کہ شی کی قسم کو کہتے ہیں۔ جیسے انسان یہ جنس ہے حیوان کی۔ (حاشیة الامیر علی مغنی اللبیب جلد۱ صفحہ۹) میں ہے۔ اَیْ لِنَفْيِ بَعْضِ الْاَحْكَامِ عَنْ اِفْرَادِ الْجِنْسِ اللُّغَوِيِّ بلکہ جنس سے مراد ماہیت جو جنس لغوی سے عام ہے۔ (کما فی الوافیہ شرح الکافیہ) اور "هَمْعُ الْهَوَامِعْ" میں نکرہ اختیار فرمایا۔ جو سب سے عام ہے اب حاصل یہ ہوگا کہ وہ لَا جو نکرہ سے خبر کی نفی کرتا ہے۔

متن هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافًا اَوْ مُشَبَّهًا بِهٖ مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ

منصوب بلا التی لنفی الجنس کی تعریف: وہ اسم منصوب رہے جو مسند الیہ ہو در آں حالیکہ لَا کے بعد بلا فصل واقع ہو نکرہ ہو۔ مضاف یا شبہ مضاف ہو۔

سوال لَا کے اسم مبنی کو یہ کہنا کہ وہ مشابہ مضاف نہیں ہوتا یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے کہ: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اور لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ پہلی مثال میں تَثْرِيْبَ اور دوسری مثال میں عَاصِمَ مبنی بر فتح ہیں۔ اور چونکہ ان کے ساتھ ظرف لغو بھی موجود ہے تو یہ دونوں اپنے ظرف لغو کے بغیر تام نہیں ہوتے تو یہ شبہ مضاف ہوا۔

شبہ مضاف: اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی بغیر انضمام امر آخر کے تمام نہ ہوں۔

جواب یہ آپ کا سوال تب درست ہو سکتا جب کہ یہاں پر یہ ظرف لغو ہو۔ حالانکہ یہ ظرف مستقر ہے۔ فاندفع الاشکال۔

سوال جب لَا نفی جنس کے اسم کی تعریف بعد دخولها تک پوری ہو چکی تھی تو يليها نكرةً مُضَافًا اَوْ مُشَابِهًا بِهٖ کی قیود لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مصنفؒ نے اس طوالت کو کیوں اختیار فرمایا؟

جواب یہاں پر چونکہ اسم منصوب ہی کی تعریف کرنا تھی اور اسم منصوب ان شرائط مذکورہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا تو مصنف نے ان شرائط کو ذکر کر دیا۔

متن فَاِنْ كَانَ مُفْرَدًا فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلٰى مَا يُنْصَبُ بِهٖ۔

مُصنفؒ اس عبارت سے ان شرائط اور قیود کے فوائد کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر لا کے بعد بلا فصل واقع مسند الیہ نکرہ مفرد ہو یعنی مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوگا۔ خواہ وہ علامت نصب فتح کے ساتھ ہو۔ جیسے: لَا رَجُلاً فِی الدَّارِ یا کسرہ کے ساتھ۔ جیسے: لَا مُسْلِمَاتٍ فِی الدَّارِ یا ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسے: لَا مُسْلِمَیْنِ فِی الدَّارِ یا ماقبل مکسور کے ساتھ۔ جیسے: لَا مُسْلِمِیْنَ فِی الدَّارِ۔

سوال مُصنفؒ کے کلام فَهُوَ مَبْنِیٌّ عَلٰی مَا یُنْصَبُ بِهٖ کے اندر تعارض ہے کیونکہ جب مَبْنِیٌّ کہا تو معلوم ہوا کہ معرب نہیں۔ لیکن جب کہا عَلٰی مَا یُنْصَبُ تو معلوم ہوا کہ معرب ہوگا اس لیے کہ نصب معرب کی علامتوں میں سے ہے۔ فَهَلْ هٰذَا اِلَّا تَنَاقُضٌ۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ عَلٰی مَا یُنْصَبُ، مَا کَانَ کے اعتبار سے ہے اور مَبْنِیٌّ حال کے اعتبار سے ہے۔

سوال تثنیہ جمع کی مثال دینا صحیح نہیں کیونکہ مُصنفؒ سے نے کیا فرمایا: اِنْ کَانَ مُفْرَدًا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مفرد تثنیہ جمع کے مقابل میں ہوتا ہے۔

جواب مفرد یہاں پر تثنیہ جمع کے مقابلے میں نہیں بلکہ مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلے میں ہے۔

سوال اسماء میں اصل تو معرب ہونا ہے تو یہ مبنی کیسے ہوا؟

جواب مبنی الاصل مِنْ کے معنی کو متضمن ہے یہ اس لیے مبنی بن گیا۔

سوال یہ مبنی علی السکون کیوں نہیں، مبنی علی النصب کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب اس اسم کو اسی حرکت اور حرف پر مبنی کیا گیا ہے جس کا نکرہ اپنے اصل کے اعتبار سے مستحق تھا قبل از بناء۔ تا کہ حرکت اعرابی اور حرف اعرابی کی موافقت ہو جائے حرکت بنائی اور حرف بنائی کی حتی الامکان عمل اصلی کی رعایت ہو جائے۔

سوال مضاف شبہ مضاف بھی مِنْ کے معنی کو متضمن ہوتے ہیں تو ان کو بھی مبنی ہونا چاہیے تھا یہ معرب کیوں ہوتے ہیں؟

جواب ان میں چونکہ اضافت ہے اور اضافت کی وجہ سے اسم معرب کے معنی راجح ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو اپنے اصل اعراب پر باقی رکھا گیا ہے۔

متن وَاِنْ کَانَتْ مَعْرِفَةً اَوْ مَفْصُوْلًا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ لَا وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّکْرِیْرُ۔

مُصنفؒ قید اول اور قید ثانی کے فائدہ کو بیان فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے نہ پائے جانے کے وقت اس کے مابعد کو وجوبًا مرفوع پڑھا جائے گا اور اس کے اسم کو مکرر لایا جائے گا۔

سوال یہ مُصنفؒ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ان شرطوں میں سے کسی ایک کا انتفاء ہو تو یہ حکم ہوگا اور اگر دونوں شرطیں منتفی ہوں تو پھر یہ حکم نہ ہوگا۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ یہ قضیہ مانعۃ الخلو کے قبیل سے ہے عام ازیں کہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں۔ یا کوئی ایک شرط نہ پائی جائے، تب بھی یہی حکم ہوگا۔ باقی شرطِ ثالث میں تعمیم ہے۔ عام ازیں کہ شرط ثالث کا انتفاء ہو یا نہ ہو، بہر تقدیر حکم یہی ہوگا، تو اس سے کُل چھ صورتیں ہوں گی۔

وجہ حصر: مسند الیہ دو حال سے خالی نہیں۔ معرفہ ہوگا یا نکرہ۔ اگر معرفہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مفرد ہوگا یا مضاف۔ مفرد ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مفصول ہوگا، جیسے لا فی الدار زید ولا عمرو۔ یا غیر مفصول ہوگا، جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو۔ اگر مضاف ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مفصول ہوگا لا فی الدار غلام زید ولا عمرو یا غیر مفصول ہوگا، جیسے لا غلام زید فی الدار ولا عمرو اور اگر نکرہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مفرد مفصول ہوگا یا مضاف مفصول ہوگا۔ مفرد مفصول کی مثال لا فی الدار رجل ولا امراۃ اور مضاف مفصول کی مثال لا فی الدار غلام رجل ولا امراۃ۔

قولہ وَمِثْلُ قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا مُتَاَوَّلٌ مُصنفؒ سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال آپ کا قاعدہ ہے کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو بشرطیکہ لا اور اس کے مابین فاصلہ ہو تو وجب الرفع والتکریر والا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ آپ کا قاعدہ لا ابا حسن لھا والی مثال میں ٹوٹ چکا ہے۔

جواب اس قول میں ابا حسن بتاویل نکرہ ہے اور تاویل کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ لفظ مِثْلُ مضاف محذوف مانا جائے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: لَا مِثْلُ اَبِیْ حَسَنٍ لَهَا پھر مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو اس جگہ ٹھہرا کر اس کو وہی اعراب دے دیا گیا۔ ❷ اَبَا حَسَنٍ علم سے وصف مشہور مراد لی جائے یعنی فاصل بین الحق والباطل یہی وصف مشہور ہے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی۔

قولہ وَفِیْ مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ خَمْسَةُ اَوْجُهٍ

مصنفؒ ایسی ترکیب کا حکم بیان فرمارہے ہیں جن کی بعض صورتوں میں لانفی جنس کا ہو اور بعض میں زائدہ اور بعض میں مشبہ بلیس وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اس جیسی ترکیب میں پانچ وجہ پڑھنی جائز ہیں اور اس جیسی ترکیب سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ ترکیب جس میں لا مکرر ہو اور اس کے بعد والا اسم مکرر بغیر فاصلے کے واقع ہو اسکا حکم یہ ہے کہ اسکو پانچ وجہ پڑھنا جائز ہے۔ بحسب اللفظ یعنی اس ترکیب میں مسند الیہ کی حرکت بنائی اور اعرابی کے اعتبار سے پانچ وجہ پڑھنا جائز ہے۔ ❶ دونوں نکرہ مبنی بر فتح ہو اس میں دونوں لانفی جنس کے ہوں گے اور اس میں عطف کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ عطف المفرد علی المفرد بایں طور کے قوۃ کا حول پر عطف ہو اور دونوں کی خبر ایک مَوْجُوْدَانِ محذوف ہو تقدیر عبارت یوں ہوگی: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُوْدَانِ۔

سوال دونوں کے لیے ایک خبر بنانا غلط ہے کیونکہ اس سے تو لازم آئے گا دو علۃ مستقلہ کا ایک معلول پر وُرُود اور اجتماع جو کہ ناجائز ہے اور عامل یہ مستقل علۃ ہوا کرتا ہے۔

جواب بوجہ مماثلت دونوں لا ایک عامل کے حکم میں ہونگے لہذا یہ محظور مشہور قطعًا لازم نہیں آئے گا۔ جس طرح اِنَّ زَیْدًا وَاِنَّ عَمْرًوا قَائِمَانِ ❷ میں عطف الجملہ علی الجملۃ بھی جائز ہے۔ بایں طور کہ پہلے لا کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف مانی جائے اور دوسرے کے لیے مَوْجُوْدَةٌ تقدیر عبارت یوں ہوگی: لَا حَوْلَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللهِ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُوْدَةٌ اِلَّا بِاللهِ۔ یاد رکھیں کہ بِاللهِ ظرف مُستقر کو خبر قرار دینا غلط ہے کیونکہ اِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ گئی ہے تو لَا مستثنٰی میں عامل نہیں رہا تو وہ خبر کیسے بن جائے گا؟

فائدہ امام سیبویہ کے نزدیک لَانفی جنس عامل نہیں۔ اسم و خبر دونوں میں عامل مُبتدا ہے لیکن اسم چونکہ مبنی ہے لہذا وہ مرفوع محلًا ہوگا۔ اور خبر چونکہ معرب ہے اس لیے وہ مرفوع لفظًا ہوگی۔ اور امام زجاج کے نزدیک اسم معرب منصوب لفظًا ہے اور یہی لا عامل ہے سقوط تنوین بوجہ ثقل کے کہ اسم کے ساتھ لَا مرکب ہے اور خبر مرفوع۔ ❷ کہ پہلا نکرہ مبنی بر فتح ہو اور دوسرا منصوب لفظًا ہو۔ جیسے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً اِلَّا بِاللهِ تو پہلا لَا نفی جنس کا ہوگا اور دوسرا لَا زائدہ برائے تاکید نفی ہے اور وہ معطوف ہے حَوْلَ پر باعتبار محل قریب کے کیونکہ حَوْلَ کے دو محل تھے۔ قریب اور بعید۔ باعتبار محل قریب منصوب ہے بلَا نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے اور باعتبار محل بعید مرفوع ہے مُبتدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ ثانی میں ماقبل کی طرح دونوں صورتیں جائز ہیں کہ خبر علیحدہ علیحدہ مقدر مانی جائے یا خبر واحد مقدر مانی جائے یعنی عطف الجملہ علی

قوله وفی مثل لاحول ولا قوة الا بالله ... معنی لاحول عن المعصیة ولا قوة علی الطاعة الا بتوفیق الله

خمسة اوجه

فتحهما

توجیه ۱: ہر دو لا نفی جنس و عطف مفرد بر مفرد لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ
اسم — خبر

توجیه ۲: ہر دو لا نفی جنس و عطف جملہ بر جملہ لَاحَوْلَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ
اسم — خبر — اسم — خبر

توجیه ۳: اوّل لا نفی جنس و دوم زائدہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ
اسم — زائدہ — معطوف بر اسم — خبر

رفعهما

توجیه ۱: ہر دو لا نفی جنس ملغاۃ عن العمل و عطف مفرد بر مفرد لَاحَوْلٌ وَلَاقُوَّةٌ + مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ از قبیل لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ
ملغاۃ عن العمل — مبتدا و معطوف — خبر

توجیه ۲: ہر دو لا نفی جنس ملغاۃ عن العمل و عطف جملہ بر جملہ لَاحَوْلٌ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
مبتدا — خبر — مبتدا — خبر

توجیه ۳: ہر دو لا بمعنی لیس و عطف مفرد بر مفرد لَاحَوْلٌ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدَيْنِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

توجیه ۴: ہر دو لا بمعنی لیس و عطف جملہ بر جملہ لَاحَوْلٌ مَوْجُوْدًا اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدًا اِلَّا بِاللّٰهِ

توجیه ۵: لا اوّل بمعنی لیس و دوم زائدہ و عطف مفرد بر مفرد فقط لَاحَوْلٌ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدَيْنِ اِلَّا بِاللّٰهِ
بمعنی لیس — زائدہ

توجیه ۶: لا اوّل نفی جنس ملغاۃ و لا م زائدہ و عطف مفرد بر مفرد فقط لَاحَوْلٌ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
نفی جنس ملغاۃ — زائدہ

فتح الاوّل ورفع الثانی

توجیه ۱: لا اوّل نفی جنس و دوم زائدہ عطف دوم بر محل بعید اوّل و عطف مفرد بر مفرد فقط لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

توجیه ۲: لا اوّل نفی جنس و دوم بمعنی لیس و عطف جملہ بر جملہ فقط لَاحَوْلَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدًا اِلَّا بِاللّٰهِ۔
نفی جنس — بمعنی لیس

توجیه ۳: لا اوّل نفی جنس غیر ملغاۃ و دوم نفی جنس ملغاۃ و عطف جملہ بر جملہ فقط لَاحَوْلَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةٌ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
نفی جنس — اسم — خبر — نفی جنس ملغاۃ — مبتدا — خبر

فتح الاوّل ونصب الثانی

توجیه ۱: لا اوّل نفی جنس و دوم زائدہ و عطف مفرد بر مفرد عطف بر لفظ نہ محل لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةً مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
نفی جنس — زائدہ — عطف بر لفظ حول

توجیه ۲: لا اوّل نفی جنس و دوم زائدہ و عطف جملہ بر جملہ لَاحَوْلَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةً مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
باعتبار ظاہر معطوف بر لفظ حول است
فلہذا منصوب است مگر در باطن مبتدا میتواند شدن
باعتبار محل فلہذا خبر دیگر خواہد و عطف جملہ بر جملہ میشود۔ کذا فی
حواشی جامی

رفع الاوّل وفتح الثانی

توجیه ۱: لا اوّل بمعنی لیس بر ضعف و دوم نفی جنس و عطف جملہ بر جملہ فقط۔ لَاحَوْلٌ مَوْجُوْدًا اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
بمعنی لیس — اسم — خبر — نفی جنس — اسم — خبر

توجیه ۲: لا اوّل ملغاۃ و دوم نفی جنس و عطف مفرد بر مفرد لَاحَوْلٌ وَلَاقُوَّةَ مَوْجُوْدَانِ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
نفی جنس ملغاۃ — مبتداء

توجیه ۳: اوّل لا ملغاۃ و دوم نفی جنس لیکن عطف جملہ بر جملہ لَاحَوْلٌ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاقُوَّةَ مَوْجُوْدٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔
ملغاۃ — مبتدا — خبر — نفی جنس — اسم — خبر

له سوال: اکثر اعراب میں دو دال کیوں ہے؟ جواب: لانہما الحکم المشاکلة فی حکم واحد کما فی ان زیدا وان عمروا قائمان۔

الجملہ یا عطف المفرد علی المفرد۔

❸ اول نکرہ مبنی بر فتح دوم مرفوع لفظاً جیسے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰہِ اول لائے نفی جنس کا ہوگا اور دوسرا لا زائدہ برائے تاکید ہوگا اور قُوَّةٌ کا عطف ہوگا حَوْلَ کے محل بعید مرفوع پر۔ لیکن یاد رکھیں اس صورۃ میں دو خبریں مقدر مانی جائیں گی اور عطف الجملۃ علی الجملہ ہوگا۔ خبر واحد مقدر نہیں مانی جاسکتی اس لیے خبر واحد کی صورۃ میں عامل رافع دو ہو جائیں گے لا اور عامل معنوی اور یہ بات واضح ہے کہ دو عامل ایک معمول پر عمل نہیں کر سکتے۔ البتہ امام سیبویہ کے نزدیک خبر واحد کی تقدیر جائز ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک لائے نفی جنس کا عامل ہے ہی نہیں۔ تو حَوْلَ اور قُوَّةَ کے اندر عامل معنوی ہے اسی وجہ سے مولانا جامیؒ نے خبر واحد کی تقدیر کو بھی جائز قرار دیا لیکن بر مذہب جمہور دو خبریں مقدر مانی جاسکتی ہیں نہ کہ خبر واحد۔ ❹ رَفْعُهُمَا دونوں نکروں کو مرفوع پڑھا جائے تو اس صورۃ میں دونوں لائے نفی جنس ملغیٰ عن العمل ہونگے اور دوسرا لا زائدہ برائے تاکید ہوگا۔ اور ان کا مرفوع ہونا اس لیے کہ یہ سوال کے جواب میں ہیں۔

سوال اَبِغَيْرِ اللّٰہِ حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ تو جواب دیا لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰہِ تو سوال میں جب مرفوع تھے تو جواب میں بھی مرفوع اور اس صورۃ میں بھی عطف المفرد علی المفرد بھی جائز ہے۔ اور عطف الجملہ علی الجملہ بھی جائز ہے۔

فائدہ اس وجہ رابع میں یہ بھی جائز ہے کہ اِلَّا بِاللّٰہِ کو ظرف مستقر مرفوع محلاً قرار دے کر دونوں کی خبر قرار دے دیا جائے تو ترکیب میں یہ جملہ واحدہ ہو جائے گا۔ یا حولٌ کے لیے اِلَّا بِاللّٰہِ کو یا قُوَّةٌ کے لیے الا باللہ کو خبر بنا دیا جائے اور اسی کو قرینہ بنا کر دوسرے کے لیے الا باللہ خبر کو محذوف مان لیا جائے یہ بھی جائز ہے۔

قولہ وَرَفْعُ الْاَوَّلِ عَلٰی ضُعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِي

❺ پہلے نکرہ کو مرفوع پڑھا جائے لیکن یہ ضعیف ہے اور دوسرے کو مبنی بر فتح پڑھا جائے اول کا مرفوع اس لیے کہ لا مُشَبَّہ بلیس ہو اور دوسرے کا مبنی بر فتح ہونا اس لیے کہ لائے نفی جنس کا ہو۔ پہلے کا ضعف اس لیے ہے کہ لا مُشَبَّہ بلیس کا عمل قلیل ہوا کرتا ہے۔

قولہ وَاِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ وَمَعْنَاهَا الْاِسْتِفْهَامُ وَالْعَرْضُ وَالتَّمَنِّي۔

مصنفؒ وجہ رابع سے جو توہم پیدا ہوتا تھا اس توہم کو دفعہ کرنا چاہتے ہیں وہ توہم یہ تھا کہ جس طرح لا پر حرف جار داخل ہونے سے ملغی عن العمل ہو جاتا ہے۔ جیسے: جِئْتُ بِلَا زَيْدٍ جِئْتُ بِلَا مَالٍ

اسی طرح ہمزہ استفہام کے داخل ہونے سے بھی ملغیٰ عن العمل بن جاتا ہے تو مصنفؒ نے اس توہم کو دور کر دیا کہ جب اس لا پر ہمزہ استفہام داخل ہوجائے تو عمل متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمزہ استفہام کسی عامل کے عمل کے لیے مغیر نہیں۔ جب کہ حرف جار مغیر ہے لا کا عمل باطل کر دیتا ہے۔ جس کی علت یہ ہے کہ لَا کا عمل اِنَّ کی مشابہت کی وجہ سے تھا۔ کہ جس طرح اِنَّ صدارت کلام کو چاہتا ہے اسی طرح لَا بھی اور حرف جار کے داخل ہونے سے صدارت کلام ٹوٹ جائے گی بخلاف ہمزہ کے داخل ہونے سے اس سے صدارت ختم نہیں ہوئی۔

سوال ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو واضح بات ہے کہ لَا کلام کے شروع میں نہیں رہتا بلکہ صدارت کلام تو ہمزہ استفہام کو حاصل ہوتی ہے۔

جواب صدارت کلام سے مراد یہ ہے کہ لَا ایسے مرکب تام کے شروع میں آئے جس پر سکوت صحیح ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمزہ کے دخول کے بعد بھی لَا صدارتِ کلام یعنی مرکب تام کے شروع میں آتا ہے۔ جیسے: اَلَا رَجُلَ فِی الدَّارِ۔

فائدہ کوفیین کے نزدیک بلا مالٍ اور بقی بلا سبب اس میں لَا اسم ہے بمعنی غَیْرَ کے۔ اور مابعد کی طرف مضاف ہے جس پر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس پر حرف جار داخل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ حرف جار اسم پر تو داخل ہوسکتا ہے حرف پر ہرگز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حرف اعتراض ہے کہ دو چیزوں کے درمیان معترض ہے اور اس کو زائدہ سے بھی موسوم کرتے ہیں لیکن یہ زائدہ بایں معنیٰ نہیں کہ کلام سے ساقط کر دیا جائے تو اصل معنی باقی رہے بلکہ بمعنی معترضٌ بَیْنَ الشیئین اور بعض شارحین نے اس کلام کو ایک اور وہم کا ذریعہ بنایا ہے کہ بعض نے یہ وہم کیا تھا کہ ہمزہ استفہام کے دخول سے لَا کا عمل بلا سے اعراب کی طرف بدل جاتا ہے۔ تو مصنفؒ نے اس عبارت میں اس کو رد فرمایا ہے کہ ہمزہ استفہام کے دخول سے عمل بالکل متغیر نہیں ہوتا جس طرح دخول ہمزہ سے قبل جو اسم مبنی بر فتح تھا تو وہ بعد دخول بھی مبنی بر فتح رہے گا۔ جیسے: اَلَا رَجُلَ فِی الدَّارِ اگر منصوب تھا تو بعد میں بھی منصوب رہے گا۔

سوال بنار بر فتح کو لَا کا عمل کہنا درست نہیں کہ لفظ عمل کا استعمال اصطلاح اعراب کے اندر ہوتا ہے بنار میں نہیں۔

جواب یہاں عبارت میں لفظ عمل بمعنی لغوی یعنی تاثیر اور اس بات میں شک نہیں کہ لَا بنار بر فتح میں مؤثر ہے۔

خلاصہ ہمزہ کبھی تو بمعنی استفہام کے دخول سے لَا کا عمل تو تبدیل نہیں ہوتا البتہ ہمزہ کبھی تو بمعنی استفہام رہتا ہے۔ جیسے: اَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اور کبھی بمعنی عرض ہوجاتا ہے۔ جیسے: الا تنزل عندی اے کاش میرے پاس تیرا اترنا ہوتا اور کبھی بمعنی تمنّی ہوتا ہے۔ جیسے: اَلَا مَاءَ اَشْرَبُهُ کاش میرے پاس پانی ہوتا میں اس کو پی لیتا۔ یہ اس مقام پر بولا جاتا ہے جس پر پانی ملنے کی امید نہ ہو کیونکہ تمنّی کا استعمال محال میں ہوتا ہے یا ایسے ممکن میں جس کے حصول میں توقع منقطع ہو۔

سوال لَا نفی جنس پر جب ہمزہ داخل ہو تو مصنفؒ نے اس کی تین معنی ذکر فرمائے ہیں۔ ❶ استفہام ❷ تمنّی ❸ عرض۔ ان تینوں معنوں پر اکتفاء کرنے سے حصر معلوم ہوتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کبھی کے لیے بھی آتا ہے اور اور کبھی توبیخ کے لیے بھی آتا ہے اور کبھی انکار کے لیے بھی پھر ان تین معنی پر اکتفاء کی وجہ کیا ہے۔

جواب ان تینوں معنوں میں اختلاف تھا اس لیے ان کا ذکر کردیا۔ اور یہ وجہ تخصیص ہے کیونکہ امام سیرافی کے نزدیک ہمزہ استفہام جب نفی پر داخل ہوجائے تو محض استفہام کے لیے نہیں ہوتا اور امام اندلسی کے نزدیک جب ہمزہ برائے عرض ہو تو لَا کے ساتھ مل کر حرف تحضیض ہوتا ہے (اسی بحث اس کے بعد واقع اس کا نصب واجب ہے) کیونکہ وہ اس وقت ان حروف سے ہیں جو فعل کے ساتھ مخصوص ہے اور امام سیبویہ کے نزدیک جب ہمزہ تمنّی کے لیے ہو تو لَا کا عمل بایں معنی متغیر ہوجاتا ہے کہ اس کے لیے خبر کی احتیاج نہیں رہتی اور اس کے بعد واقع اسم اَتَمَنّٰی فعل مقدر کا مفعول بہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اَلَا مَاءَ کا معنی ہے اَتَمَنّٰا مَاءً لیکن مفعول بہ ہونے کے باوجود مبنی بر فتح ہی رہے گا اور امام مازنی اور امام مبرد کے نزدیک جو بصورۃ تمنّی لَا کے عمل کو متغیر نہیں مانتے تو مصنفؒ نے انہی کا مذہب اختیار فرمایا ہے۔

قولہ وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْاَوَّلِ مُفْرَدًا يَلِيْهِ مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ رَفْعًا وَنَصْبًا مِثْلُ لَا رَجُلَ ظَرِيْفَ وَظَرِيْفٌ وَظَرِيْفًا مصنفؒ لائے نفی جنس کے اسم کے احکام کو بیان کرنے کے بعد اس کے توابع کا حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ لائے نفی جنس کے اسم مبنی کی نعت میں اگر چار شرطیں موجود ہوں تو اس کا مبنی پڑھنا بھی جائز ہے اور معرب پڑھنا بھی جائز ہے۔ ❶ وہ پہلی صفت ہو، احترازی مثال لا رجل ظریف کریم فی الدار یعنی صفت ثانی اور صفت ثالث سے احتراز ہوجائے گا۔ ❷ وہ صفت مبنی ہو تو صفت معرب سے احتراز ہوجائے گا۔ جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفًا فِي الدَّارِ ❸ وہ صفت مفرد ہو تو اس سے مضاف اور شبہ مضاف خارج ہوجائیں گے جیسے لَا رَجُلَ حَسَنَ الْوَجْهِ

❹ وہ صفت مُتّصِل ہو۔ لہٰذا وہ وصف جو غیر مُتّصِل ہے جیسے لَا غُلَامَ فِيهِمَا ظَرِيْفٌ یہ مثال خارج ہو جائے گی جب یہ چار شرطیں موجود ہوں تو اس کو مبنی پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور معرب پڑھنا بھی جائز ہے۔ مبنی پڑھیں گے تو مبنی بر فتح جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيْفَ اور معرب کی صورت میں دو اعراب جائز ہیں۔ محل کے اعتبار سے رفع پڑھنا' اور لفظ کے اعتبار سے نصب پڑھنا' جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيْفٌ اور ظَرِيْفًا پڑھنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی صفت کو تین طرح پڑھنا جائز ہے۔ ❶ مبنی بر فتح جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيْفَ ❷ معرب منصوب جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيْفًا ❸ مرفوع جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيْفٌ

سوال معرب اور مبنی پڑھنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب مبنی تو اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب نفی مقید بالقید پر داخل ہو تو اصل اور حقیقت میں وہ نفی کی قید کی طرف راجع ہوا کرتی ہے۔ تو اس بنا پر گویا کہ نفی وہ نعت پر داخل ہوئی تو لہٰذا جب نعت مفرد ہے تو مبنی بر فتح پڑھی جائے گی۔ اور معرب اس لیے کہ توابع میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے اعراب کے تابع ہو' نہ کہ بناء کے۔ کیونکہ بناء ایک امرِ عارض ہے۔ لہٰذا یہ معرب ہوگا۔ اور معرب ہو کر مرفوع اس لیے کہ لا کے اسم کا محل بعید مُبتدا ہے۔ اور منصوب اس لیے کہ لفظ کے تابع ہو کر محل قریب پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا جائز ہے۔ وَالَّا فَالْاِعْرَابُ۔ اور اگر نعت ان اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف نہ ہو تو اس میں فقط معرب پڑھنا جائز ہوگا' مرفوع اور منصوب۔ مرفوع تو محل بعید پر حمل کرتے ہوئے اور منصوب لفظ اور محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے۔ تو ان شرائط کی وجہ سے چار صورتیں خارج ہوئیں۔ ❶ معرب کی نعت۔ ❷ نعت ثانی اور ثالث۔ ❸ غیر مفرد۔ ❹ غیر مُتّصِل۔ ان کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

قوله وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ مُصنفؒ لا کے اسم مبنی کے معطوف کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس معطوف پر باعتبار لفظ اور باعتبار محل عطف جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ معطوف نکرہ ہو اور ہو بھی بغیر تکرار لا کے۔

سوال معطوف کے لیے نکرہ کی شرط کیوں لگائی؟ اور لا کے عدم تکرار کی شرط کیوں لگائی؟

جواب نکرہ کی شرط اس لیے لگائی کہ لا کا عمل مختص ہے نکرہ کے ساتھ۔ اگر معرفہ ہو تو اسکا عمل ہی نہیں ہوگا۔ تو لہٰذا ایسی صورت میں معطوف پر فقط رفع واجب ہوگا۔ اور مذکورہ قاعدہ سے نکل جائے گا' اور عدم تکرار لا کی شرط اس لیے لگائی کہ تکرار لا کی صورت میں پانچ وجوہ جائز ہیں۔ لا

حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں کے سوا کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ جیسے لا اباً ولا ابناً جب کہ اس کو باعتبار لفظ کے معطوف بنایا جائے یا باعتبار محل قریب۔ کے اور لا اباً وابناً جب اس کے محل بعید پر معطوف مانا جائے۔

سوال اس نکرہ معطوف کو مبنی کیوں نہیں بنایا گیا' حالانکہ معطوف علیہ کی طرح مفرد ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لاَ کا اسم مفرد ہو تو مبنی ہوتا ہے؟

جواب نکرہ مفردہ مبنی اس وقت ہوتا ہے جب مُتَّصِل ہو اور یہ مُتَّصِل نہیں حرف عطف کا فاصلہ آچکا ہے' اس لیے یہ معرب ہوگا مبنی نہیں ہوگا۔

سوال مُصَنِّفؒ نے باقی توابع کا حکم کیوں نہیں بیان فرمایا؟

جواب مسائل نحو کی تدوین کرنے والے نحاۃ نے باقی توابع کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی' اس لیے مُصَنِّفؒ نے ان کو ذکر نہیں کیا' البتہ امام اندلسی نے کہا ہے کہ ان کے لیے توابع منادیٰ کا حکم ہونا چاہیے' لیکن یہ مدوّنین میں سے نہیں ہیں۔

قولہ وَمِثْلُ لَا اَبَا لَہٗ وَلَا غُلَامِیْ لَہٗ یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال ماقبل میں یہ قاعدہ بیان کیا کہ لا کا اسم جب مفرد ہو تو مبنی بر فتح ہوتا ہے۔ لیکن لَا اَبَا لَہٗ اور لَا غُلَامِیْ لَہٗ یہ دونوں مفرد نکرہ ہیں۔ لیکن مبنی بر فتح نہیں ہیں۔

جواب اس جیسی ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر اضافت والے احکام جاری کر دیے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ مضاف کے ساتھ اصل معنی میں شریک ہیں۔ کیونکہ اضافت کی صورت میں دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ یا تو تعریف کا' یا تخصیص کا۔ اور اضافت کا معنی اصل تخصیص ہے۔ کیونکہ تخصیص حرفِ جر ملفوظ سے حاصل ہوتی ہے اور تعریف حرفِ جر مقدر سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تلفظ بنسبت تقدیر کے اصل ہے۔ تو یہاں ثابت ہوا کہ اصل تخصیص ہے اضافت میں۔ اور ان جیسی مثالوں میں تخصیص پائی جاتی ہے کہ لَا اَبَا لَہٗ اس میں اَبٌ مختص بالابن ہے۔ اور غلام مختص بمولیٰ ہے۔ اور اس سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لانفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہو۔

قولہ وَمِنْ ثَمَّ لَمْ یَجُزْ لَا اَبَا فِیْہَا چونکہ سابقہ دونوں ترکیبوں کا جواز اس بات پر موقوف تھا کہ غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ اصل معنی یعنی اختصاص کے اندر مشابہت ہو' اور اسی ترکیب میں معنی اختصاص کا فائدہ نہیں ہوتا' اس لیے جب اب کی اضافت کسی شئے کی طرف کی جائے تو

اس سے اختصاص بالابوۃ مفہوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورِ بالا ترکیب میں، اور یہ اختصاص اس ترکیب میں مفقود ہے کہ اس ترکیب میں فِیْھَا کی ضمیر کا مرجع ــــ ہے جس کے لیے باپ نہیں ہوتا۔ اور اِن دونوں ترکیبوں اور اُن دونوں ترکیبوں میں لَہٗ ضمیر کا مرجع زَیْدٌ ہے۔ جس کے لیے باپ ہوتا ہے۔

قولہ وَلَیْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنٰی مُصنفؒ یہاں پر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ لَا اَبَا لَہٗ وَلَا غُلَامِیْ لَہٗ اس کو حقیقی مضاف نہیں بنا سکتے کیونکہ حقیقی مضاف بنائیں تو دو قباحتیں اور دو خرابیاں لازم آئیں گی، ایک لفظی اور دوسری معنوی۔ معنوی قباحت تو یہ ہے کہ اس کا معنی بن جائے گا لَا اَبَا لَہٗ کہ فلاں آدمی ثابت النسب ہی نہیں۔ اور فلاں آدمی کے مُطلقًا غلام ہی نہیں۔ کیونکہ

قاعدہ ہے کہ جب نکرہ تحت النّفی واقع ہو تو عموم و شمول کا فائدہ ہوا کرتا ہے بخلاف اِن دونوں ترکیبوں کے کہ جن میں اضافت موجود ہے۔ لَا اَبَاہُ وَلَا غُلَامِیْہِ تو معنی یہ ہوگا کہ متکلم کے نزدیک فلاں آدمی کا باپ معلوم ہے لیکن موجود نہیں۔ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ اور قباحت لفظی اس طرح ہے کہ اگر اضافت حقیقی مانی جائے تو مضاف الیہ سے لام حذف کردیا جائے، اور یہاں پر حذف نہیں۔ نیز قباحت لفظی یہ بھی ہے کہ معرفہ کی طرف اضافت سے اسم معرفہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اضافت کی صورت میں لَا اَبَا لَہٗ وَلَا غُلَامِیْ لَہٗ معرفہ ہوجائیں گے۔ اور یہ قاعدہ گزر چکا ہے کہ لانفی جنس کا اسم جب معرفہ ہو تو رفع اور تکریر ہوتی ہے جب کہ یہاں پر نہ رفع ہے نہ تکریر خلافًا لسیبویہ سیبویہ کے نزدیک ان جیسی ترکیبوں میں اضافت حقیقی پائی جاتی ہے۔ اب سیبویہ پر بھی اعتراض وارد ہوں گے جو ہم نے اوپر قباحت کے عنوان میں ذکر کیے ہیں۔ لیکن سیبویہ سب اعتراضوں کا ایک جواب دیتا ہے کہ لَا اَبَا لَہٗ وَلَا غُلَامِیْ لَہٗ میں لام تاکید کے لیے ہے۔ اور یہ عوض ہے لام مقدر کے۔ اور یہ لام اضافت نہیں۔ اس لیے کہ نحویوں کے نزدیک یہ قاعدہ مُسلمہ ہے کہ وہ جب اس جیسے معرفہ کو نکرہ کرتے ہیں تو دوسرا لا عوض میں تاکید کے لیے لاتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ نکرہ ہے۔ لہٰذا اس وقت یہ تینوں قباحتیں مندفع ہو جائیں گی، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ لام لام اضافت نہیں۔ نیز اضافت منتفی ہونے سے تعریف بھی منتفی ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ اب اور غلام نکرہ ہیں معرفہ نہیں، جب معرفہ نہ ہوئے تو نہ رفع واجب ہوا، اور نہ تکریر، اور نہ فساد معنیٰ لازم آتا ہے۔

قولہ وَیُحْذَفُ کَثِیْرًا فِیْ مِثْلِ لَا عَلَیْكَ اَیْ لَا بَأْسَ عَلَیْكَ۔ لانفی جنس کا اسم اکثر حذف کردیا

جاتا ہے۔ جیسے: لَا عَلَيْكَ اصل میں تھا لَا بَأْسَ عَلَيْكَ اس ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جس میں خبر مذکور ہو اس اسم کے حذف کے لیے قرینہ موجود ہو، جس کو مصنف نے اگرچہ ذکر نہیں کیا لیکن وہ معتبر ہے، اس لیے کہ لائے نفی جنس کا اسم اصل میں مبتدا ہوتا ہے، جس طرح مبتدا کے حذف کے لیے قرینہ شرط ہے اسی طرح اس کے حذف کرنے کے لیے بھی قرینہ شرط ہے۔

اور اس کے اسم کے حذف ہونے کے لیے خبر کا مذکور ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر خبر بھی حذف ہو جائے تو احجاب لازم آئے گا کہ کلام کے دونوں رکن مسند الیہ اور مسند محذوف ہو گئے اور یہ درست نہیں۔

سوال لَا كَزَيْدٍ میں دونوں محذوف ہیں پھر بھی یہ ترکیب جائز ہے؟

جواب اگر قرینہ موجود ہو تو حذف جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ لَا عَلَيْكَ اس میں لَا کے حذف کا قرینہ لَا کا دخول حرف پر ہے۔ حالانکہ لا حرف پر داخل نہیں ہوتا اور چونکہ یہ کلام ازالہ حذف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اسم محذوف اور بَأْسَ بمعنی خَوْفٌ ہوگا۔

قولہ خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ مصنفؒ منصوبات کا بارہواں قسم بیان کرناں چاہتے ہیں کہ وہ لا اور ما مشبہتین بلیس کی خبر ہیں۔

تعریف ما اور لا مشبہتین بلیس کی خبر وہ اسم منصوب ہے جو ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے، اس پر وہ دو سوال افعال ناقصہ کی خبر پر گزر چکے ہیں۔ بعینہ وہ یہاں وارد ہوں گے جن کا جواب وہی ہوگا۔

قولہ وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ مصنفؒ نے بتادیا کہ ما اور لا مشبہتین بلیس کا عامل ہونا یہ اہل حجاز کا مذہب ہے جب کہ بنو تمیم کے نزدیک یہ غیر عامل ہیں، ان کے بعد والے اسم مبتدا اور خبر کی بنا پر مرفوع ہوتے ہیں۔ بنو تمیم کی دلیل یہ ہے کہ ما اور لا یہ اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوتے ہیں اور جس طرح یہ فعل میں لفظاً عمل نہیں کرتے اسی طرح یہ اسم میں بھی لفظاً عمل نہیں کریں گے۔ اور اہل حجاز کے نزدیک یہ رافع اسم ناصب خبر ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ ان کا عمل لیس کی مشابہت کی وجہ سے ہے اور لیس چونکہ اسم میں عمل کرتا ہے تو لہٰذا یہ بھی اسم پر عمل کریں گے اور ان کے مذہب کی چونکہ تائید قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہے تو یہی مذہب راجح ہے۔ قرآن مجید میں ہے: مَا هٰذَا بَشَرًا اور مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ تو ان مثالوں میں ما عامل ہے عمل کر رہا ہے۔

سوال مُصنّفؒ نے اس اختلاف کو مرفوعات میں ما اور لا مشبّہتین بلیس کے اسم کی بحث میں کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب چونکہ ما اور لا مشبّہتین بلیس کا عامل ہونا ان کے عمل کا اظہار خبر سے ہوتا ہے کہ ان کی خبر منصوب ہوتی ہے بخلاف اسم کے کہ وہ مرفوع ہوتا ہے ان کے دخول سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس لیے مُصنّفؒ نے اس اختلاف کو یہاں پر بیان کیا ہے۔

قولہ وَاِذَا زِيْدَتْ اِنْ مَعَ مَا اَوِانْتُقِضَ النَّفْيُ بِاِلَّا اَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ بَطَلَ الْعَمَلُ مُصنّفؒ ان چیزوں کو بیان فرماتے ہیں جن کی وجہ سے انکا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

اول اِنْ ہے جب کہ ما کے بعد واقع ہو۔ جیسے: مَا اِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں لفظ مع بمعنی بعد ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا تو مع بمعنی بَعْدَ کے ہے۔ یہ اِنْ بصریین کے نزدیک زائد ہے جو تاکید نفی کے لیے آتا ہے۔ اور یہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ وہ اِنْ ہے جو ما مصدریہ کے بعد زیادہ ہوا کرتا ہے۔ جیسے: اِنْ تَزِدْنِيْ مَا اِنْ جَلَسَ الْقَاضِيْ اور کبھی لَمَّا کے بعد' جیسے: لَمَّا اِنْ قَامَ زَيْدٌ یہ نافیہ ہے مگر تاکید کی نفی کے لیے ہے' ورنہ مفاد کلام کا اثبات ہو جائے گا' کیونکہ دخول النفی علی النفی اثبات کا فائدہ کرتا ہے۔ لیکن بدوں کوفیین کے فصل واقع ہو جائے اور یہ جائز نہیں بلکہ فصل ضروری ہے۔ جیسے: اِنْ زَيْدَ الْقَائِمُ میں مُصنّفؒ نے اِنْ کی زیادتی کا ذکر مَا کے بعد اس لیے فرمایا کہ لَا استعمال عرب میں نہیں پایا گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کا عمل باطل کیوں ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ما اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ ہو گیا جب کہ ما عامل ضعیف ہے تو ضعفِ عمل کی وجہ سے مفصول کے بعد عمل کرنا باطل ہو جاتا ہے۔

دوم: اِلا استثنائیہ جس سے اِنْ کی نفی ٹوٹ جائے۔ جیسے مَا زَيْدٌ اِلَّا قَائِمٌ بطلان عمل کی وجہ یہ ہے کہ انکا عمل معنی نفی میں لَيْسَ کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اور نفی اِلَّا سے ٹوٹ گئی تو عمل بھی چلا گیا۔

سوم: تقدیم خبر بر اسم۔ جیسے: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ اس میں بطلان عمل کی وجہ یہ ہے کہ عمل کے لیے ترتیب شرط ہے کہ اسم مقدم ہو اور خبر مؤخر' تا کہ فرع یعنی ما اور لَا کا مرتبہ اصل یعنی لَيْسَ کے مرتبہ سے کم رہے۔ (اذا فات الشرط فات المشروط۔)

قولہ وَاِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ بِمُوْجَبٍ فَالرَّفْعُ جب خبر مَا و لَا پر بذریعہ عاطف موجب عطف کیا

جائے تو معطوف پر رفع پڑھنا واجب ہوگا، کیونکہ وہ خبر پر باعتبار محل معطوف ہوگا اور محل خبر رفع ہے اور یہ عطف المفرد علی المفرد کے قبیل سے ہوگا۔ عاطف موجب اس کو کہتے ہیں جو بعد نفی ایجاب کا افادہ ہو اور وہ بَلْ اور لٰکِنْ جیسے :مَا زَیْدٌ قَائِمًا بَلْ قَاعِدٌ وَمَا زَیْدٌ مُقِیْمًا لٰکِنْ مُسَافِرٌ

﴿المجرورات﴾

قولہ اَلْمَجْرُوْرَاتُ: اس کی تحقیقات کو مرفوعات پر قیاس کیا جائے۔

قولہ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰی عَلَمِ الْمُضَافِ اِلَیْهِ. مُصنّفؒ مجرور کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مجرور وہ ایسا اسم ہے جو علامت مضاف الیہ پر مشتمل ہو جو کہ جر ہے اور یہ جر کبھی کسرہ کے ساتھ اور کبھی فتحہ کے ساتھ۔ جیسے: غیر منصرف میں کبھی یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسے تثنیہ میں کبھی یاء ماقبل مکسور کے ساتھ۔ جیسے جمع مذکر سالم میں۔ پھر اس علامت میں تعمیم ہے کہ لفظی ہو یا تقدیری ہو یا محلی ہو۔ جیسے: مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ یہ علامت تو حرکت کی مثالیں ہیں، اور علامت بالحرف کی مثالیں: مَرَرْتُ بِاَبِیْكَ، مَرَرْتُ بِاَبِ الرَّجُلِ اور اعراب بالحرف محلی نہیں ہوتا اور اعراب بالحرکت بھی حرف جر ہوتا ہے فتحہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ فتحہ حالت جر میں غیر منصرف پر آتا ہے اور وہ مبنی نہیں ہوتا کیونکہ غیر منصرف معرب کا قسم ہے۔

سوال رَاَیْتُ مُسْلِمَاتٍ میں اور رَاَیْتُ مُسْلِمَیْنِ میں اور رَاَیْتُ مُسْلِمِیْنَ میں مضاف الیہ کی علامت جر متحقق ہے حالانکہ یہ سب منصوب ہیں مجرور نہیں، لہٰذا آپ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں؟

جواب علامت مضاف الیہ سے مراد یہ ہے کہ وہ علامت مضاف الیہ پر مشتمل ہو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے، یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مفاعیل ہونے کی حیثیت سے ان میں نصب کو جر پر محمول کیا گیا ہے اور یہ جر علامت مفعول ہے۔

سوال یہ تعریف جامع نہیں بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اور حَسْبُ اور کَفٰی بِاللّٰهِ میں لفظ اللّٰه مجرور ہونے سے نکل جائے گا کیونکہ یہ علامت مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مشتمل نہیں اس لیے کہ یہ بواسطہ حرف جر زائد کے ہے اور جو واسطہ حرف جر زائدہ کے ہو تو وہ مضاف الیہ نہیں ہوتا۔

جواب مضاف الیہ میں تعمیم ہے مضاف الیہ حقیقۃً ہو یا مضاف الیہ صورۃً۔ مذکورہ بالا دونوں اسم مجرور صورۃً مضاف الیہ ہیں۔ اسی طرح جمہور نحاۃ کے مذہب کے مطابق جو اضافت لفظی کو

بتقدیر لام نہیں مانتے۔ مضاف الیہ باضافت لفظی مضاف الیہ صورۃً ہوتا ہے اور تعریف مجرور اس کو بھی شامل ہوتی ہے، بخلاف مصنفؒ کے مذہب کے کہ ان کے نزدیک وہ مضاف الیہ حقیقۃً ہے۔ کیونکہ اضافت لفظی بھی مصنفؒ کے نزدیک بتقدیر لام ہوتی ہے۔ لہٰذا مجرور چار قسم پر ہوا۔ ❶ مجرور بحرف جار اصلی۔ ❷ مضاف الیہ باضافت معنوی۔ ❸ مجرور بحرف جار زائد۔ ❹ مضاف الیہ باضافت لفظی۔ یہ بر مسلک مصنفؒ ہے۔ سوم مضاف الیہ صورۃً ہے باقی مضاف الیہ حقیقۃً، اور جمہور کے مسلک کے پیش نظر مضاف الیہ باضافت لفظی بھی مضاف الیہ صورۃً ہے۔

قولہ: وَالْمُضَافُ اِلَيْهِ كُلُّ اِسْمٍ نُسِبَ اِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيْرًا مُرَادًا۔ مصنفؒ مضاف الیہ کی حقیقی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی گئی ہو۔ بواسطہ حرف جر کے عام ہے کہ حرف جر لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر ہو۔

فوائد وقیود: مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے، اسم سے مراد تعمیم ہے یعنی کبھی تو مضاف الیہ حقیقۃً اسم ہوگا۔ جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ اور کبھی حکماً اسم ہوگا۔ جیسے: يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ میں يَوْمَ مضاف ہے يَنْفَعُ کی طرف۔ اور جس شئ کی طرف نسبت کی گئی ہے اس کے اندر بھی تعمیم ہے یا تو اسم کی نسبت کی جائے گی یا فعل کی نسبت کی جائے گی۔ اسم کی نسبت کی جائے، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ میں غلام اسم ہے اس کی زیدٍ کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ اور فعل کی نسبت کی گئی ہے، جیسے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اور حرف جر کے اندر بھی تعمیم ہے خواہ حرف جر لفظوں میں مذکور ہو۔ جیسے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یا حرف جر مقدر ہو۔ جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ میں لام حرف جر مقدر ہے۔ اصل میں تھا: غُلَامُ لِزَيْدٍ

سوال یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، کیونکہ صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں یوم الجمعة پر صادق آتی ہے، حالانکہ یہاں پر فِیْ حرف جر مقدر ہے؟

جواب مقدر کے ساتھ مراداً کی قید موجود ہے کہ حرف جر مقدر ہو۔ لیکن من حیث العمل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ اسکا عمل باقی ہو۔ اور یہاں یہ مسلم ہے کہ فِیْ مقدر ہے، لیکن اسکا عمل جو جر ہے وہ باقی نہیں رہا تمھاری تعریف صادق نہیں آئے گی؟

سوال یہ تعریف جامع نہیں، کیونکہ يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ میں يَوْمَ کی اضافت يَنْفَعُ کی طرف ہے۔ حالانکہ يَنْفَعُ اسم نہیں جملہ ہے۔

جواب یہ ہم بتا چکے ہیں کہ اسم میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً اور یہ حکماً اسم ہے اور بتاویل مصدر ہے۔

سوال المضاف الیہ کا ذکر ماقبل میں ہو چکا تھا' لہٰذا یہ مقام ضمیر کا تھا تو مصنفؒ اسم ظاہر کو کیوں لائے۔ نیز یہ خلافِ اختصار بھی ہے۔

جواب ضمیر اس لیے نہیں لائے اگر ضمیر لاتے تو اس کا مرجع مضاف الیہ مذکور ہوتا اور مضاف الیہ جو مذکور ہے اس سے مراد عام ہے کہ خواہ حقیقۃً ہو یا مضاف الیہ صورۃً ہو تو یہ تعریف دونوں کی بن جاتی ہے۔ حالانکہ یہ تعریف مضاف الیہ صورۃً کی نہیں فقط مضاف الیہ حقیقۃً کی ہے اس لیے مصنفؒ اسم ظاہر کی ضمیر کو نہیں لائے۔

قولہ فَالتَّقْدِيْرُ شَرْطُهُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ اِسْمًا مُجَرَّدًا تَنْوِيْنُهُ لِاَجْلِهَا. مصنفؒ حرفِ جر کے مقدر ہونے کے لیے دو شرطوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

شرطِ اوّل: مضاف اسم ہو۔ کیونکہ لوازم اضافت' تعریف اور تخصیص اور تخفیف ہے۔ یہ اسم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تو لہٰذا مضاف بھی اسم کا خاصہ ہوگا۔ یعنی اسم ہی ہوگا۔

شرطِ ثانی: مضاف سے تنوین اور قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ اور نون جمع سے خالی کر دیا گیا ہو بوجہ اضافت کے۔ اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ اضافت اور تنوین میں منافات ہیں کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کی تمامیت چاہتے ہیں اور مابعد سے انقطاع چاہتے ہیں۔ اور جب کہ اضافت مابعد سے اتصال چاہتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتصال اور انقطاع میں تضاد ہے۔ لہٰذا جب دو کلموں کو اس طرح ملایا گیا ہو کہ اول کو دوسرے سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل ہو تو کلمہ کی تمامیت کی علامت اول سے حذف کر دی جائے گی۔ اور اول کی تمامیت دوسرے کی طرف مضاف کی جاتی ہے۔ چونکہ حذفِ تنوین وغیرہ میں بوجہ اضافت معتبر ہے۔ لہٰذا الغلام زید اور الضارب زید کہنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں تنوین کا حذف بوجہ الف لام ہے نہ کہ بوجہ اضافت۔

سوال اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ بالاتفاق جائز ہے۔ حالانکہ حذفِ تنوین بوجہ الف لام ہے نہ کہ بوجہ اضافت۔ مصنفؒ کے مسلک پر تقدیر کی شرط نہیں پائی گئی۔ لہٰذا اسے ناجائز ہونا چاہیے تھا۔

جواب دوسری شرط تنوین اور قائم مقام تنوین کا حذف ہونا اس میں تعمیم ہے۔ خواہ حقیقۃً حذف ہو' جیسے نون تثنیہ اور نون جمع میں۔ یا حکماً' جیسے ضمیر میں۔ چونکہ اَلْحَسَنَ الْوَجْهِ میں قائم مقام حکماً

بوجہ اضافت محذوف ہے۔ کیونکہ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ اصل میں تھا اَلْحَسَنُ وَجْهُهٗ اور اس میں وجهه فاعل ہے۔ اور فاعل بمنزلہ جزء ہوتا ہے۔ اور اس فاعل سے ضمیر مضاف الیہ کو حذف کیا جو اس کی تنوین کے قائم مقام تھی۔ اور چونکہ فاعل بمنزلہ جزء ہے لہٰذا اس سے قائم مقام تنوین کا حذف کرنا الحسن حذف کرنا ہوا۔ لہٰذا اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ میں تقدیر کی شرط پائی گئی ہے کہ یہ بوجہ اضافت ہے، اس سے قائم مقام تنوین کو حذف کیا گیا ہے۔

سوال كَمْ رَجُلٌ میں كَمْ خبری مضاف ہے باضافت معنوی، تو حرف جر مقدر ہوا۔ حالانکہ تقدیر کی شرط حذف تنوین وغیرہ نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ تنوین موجود ہی نہیں تھی تو حذف کیسے مانا جاتا ہے۔ اسی طرح غیر منصرف میں جیسے: حَوَاجُّ بَيْتِ اللّٰهِ کے غیر منصرف پر بھی تنوین نہیں آتی۔ اس میں بھی تقدیر حرف جر نہیں مانا جاسکتا۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔

جواب حذف تنوین وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ اگر تنوین وغیرہ ہو تو بوجہ اضافت حذف کر دی جائے تو جہاں نہ ہو جیسے مبنی اور غیر منصرف میں، وہاں تقدیر کے لیے حذف تنوین وغیرہ شرط نہیں۔ یہ جواب اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔

سوال اگر یہ مراد ہے تو لازم آئے گا غُلَامُ زَيْدٍ میں باضافت معنوی بتقدیر لام صحیح ہو۔ کیونکہ یہاں پر تنوین بوجہ الف لام نہیں آسکتی۔ حالانکہ یہ ترکیب صحیح نہیں؟

جواب اس ترکیب کی عدم صحت لام کے مقدر کی جو شرط تھی اس کے مفقود ہونے کی وجہ نہیں بلکہ اس پر مبنی ہے۔ کہ اضافت معنوی میں مضاف کا تعریف سے خالی ہونا شرط ہے۔ اور یہ شرط یہاں نہیں پائی جاتی کہ غلام معرف باللام ہے۔

سوال مصنفؒ کا مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِيْنُهٗ فرمانا صحیح نہیں۔ کیونکہ مجرد اسم ہے نہ کہ تنوین۔ تنوین تو مُجَرَّدًا عَنْهُ ہے۔ اور اس عبارت میں تو تنوین کو مجرد قرار دیا گیا، کیونکہ وہ نائب فاعل ہے۔ اور مجردًا عنه کی ضمیر کا مرجع اسم ہے۔ لہٰذا مجردًا عنه تَنْوِيْنُهٗ ہی فرمانا چاہیے تھا؟

جواب اس عبارت میں مجاز کا ارتکاب ہے۔ اور جو کہ از قبیل ذکر ملزوم اور ارادہ لازم ہے کہ تجرید کو زوال لازم ہے۔ تو مجرد بمعنی زائل عنه ہے۔ اور اس بات شک نہیں کہ زائل تنوین ہوتی ہے نہ کہ اسم۔ اسم تو زائل عنه ہوتا ہے۔

قولہ وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ مصنفؒ اضافت کی تقسیم بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ اضافت کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ اضافت معنویہ۔ ❷ اضافت لفظیہ۔

وجہ تسمیہ: اضافت معنویہ معنی میں یعنی ذات مضاف الیہ کے لیے ایک صفت کا افادہ کرتی ہے جو کہ تخصیص ہے۔ جیسے: غُلَامُ رَجُلٍ اور تعریف ہے، جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ میں۔ اسی وجہ سے اس کو معنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اضافت لفظیہ صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ کرتی ہے کہ اس سے تنوین وغیرہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو لفظ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

سوال اضافت معنویہ بھی تخفیف لفظی کا افادہ کرتی ہے کہ اس سے بھی تنوین وغیرہ ساقط ہو جاتی ہے۔ تو لہٰذا اضافت معنویہ کو فقط معنی کی طرف منسوب کرنا درست نہیں؟

جواب ان میں ما بہ الامتیاز افادہ معنی ہے۔ اسی وجہ سے معنی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

سوال اضافت معنویہ کو اضافت لفظیہ پر مقدم کیوں کیا؟

جواب اضافت معنویہ دو فائدے دیتی ہے۔ تعریف اور تخصیص کا، جب کہ اضافت لفظیہ ایک فائدہ دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اضافت معنویہ کو شرافت حاصل ہوتی ہے۔ تو مقام تعریف میں بھی مقدم کر دیا۔ اسی وجہ سے اضافت معنویہ کو شرافت حاصل ہوتی ہے تو مقام تعریف میں بھی مقدم کر دیا۔ اور مقام تقسیم میں بھی مقدم کر دیا۔

قولہ فَالْمَعْنَوِیَّةُ اَنْ یَّکُوْنَ الْمُضَافُ غَیْرُ صِفَةٍ مُضَافَةٍ اِلٰی مَعْمُوْلِهَا مصنفؒ اضافت معنویہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ اضافت معنویہ وہ ہے جس میں مضاف وہ صفت نہ ہو جو کہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔ صیغہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور اسم منصوب ہے۔ اور معمول سے مراد فاعل، مفعول بہ اور نائب فاعل ہے۔ مضاف کے مغایر صفت مذکور ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ❶ مضاف سرے سے صفت ہی نہ ہو۔ جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ اور ضَرْبُ زَیْدٍ۔ ❷ مضاف صفت تو ہو لیکن صفت مضاف معمول کی طرف نہ ہو۔ جیسے: کَرِیْمُ الْبَلَدِ وغیرہ۔

سوال مصدر کو صفت میں شمار کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب صفت اس اسم کو کہتے ہیں جو ایسی ذات پر دلالت کرے جس کا بعض اوصاف کے ساتھ اتصاف ہو۔ یہ تعریف مصدر پر صادق نہیں آتی۔ لیکن اسم تفضیل پر صادق آتی ہے۔ یاد رکھیں شراح نے اس مقام پر صفت کی مثال میں اسم فاعل کی طرح اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس سے قطعًا نہ سمجھا جائے کہ اسم تفضیل اس سے خارج ہے، بلکہ تمثیلات سے حصر مقصود نہیں۔

قولہ وَهِيَ اِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ فِيْ مَا عَدَا جِنْسِ الْمُضَافِ وَظَرْفِهٖ وَ اِمَّا بِمَعْنٰى مِنْ فِيْ جِنْسِ الْمُضَافِ اَوْ بِمَعْنٰى فِيْ فِيْ ظَرْفِهٖ وَهُوَ قَلِيْلٌ مِثْلُ غُلَامُ زَيْدٍ وَ خَاتَمُ فِضَّةٍ وَضَرْبُ الْيَوْمِ

مُصنفؒ اضافت معنویہ کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اضافت معنویہ کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ اضافت بمعنی لام یہ اسوقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کے لیے نہ جنس ہو نہ ظرف ہو۔ جیسے غلام زید اور اس میں لام حرف جر مقدر ہوتا ہے۔ اصل میں تھا غلام لزید۔ ❷ اضافت بمعنی مِنْ یہ اس وقت ہوگی جس وقت مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو۔ جیسے: خَاتَمُ فِضَّةٍ تو اس میں حرف جر مقدر ہوتا ہے۔ یعنی خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ ❸ اضافت بمعنی فِيْ یہ اسوقت ہوتی ہے جس وقت مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو۔ اور اس میں فِيْ حرف مقدر ہوتا ہے۔ جیسے: ضَرْبُ الْيَوْمِ اصل میں ہے ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ۔

فائدہ اضافت معنویہ کے لیے یہ

قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان تباین ہو۔ پس اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو تو اضافت بمعنی فِيْ ہوگی ورنہ بمعنی لام کے۔ اگرچہ مترادفین ہوں۔ جیسے: لیث الاسد، ھی مضاف الیہ عام مُطلق اور مضاف اخص مُطلق ہے۔ جیسے: فِقْهُ الْعِلْمِ تو ان دونوں میں تقدیر پر اضافت ممنوع ہے۔ اور اگر مضاف الیہ اخص مُطلق اور مضاف عام مُطلق، جیسے: عِلْمُ الْفِقْهِ ہو تو اضافت بمعنی لام ہوگی۔ اور اگر مضاف الیہ اور مضاف میں عموم خصوص من وجہ ہے اور مضاف مضاف الیہ کے لیے اصل ہو یعنی مضاف کو اس سے بنایا گیا ہو، جیسے دروازہ تختوں سے، تو اضافت بمعنی مِنْ ہوگی۔ اور اگر مضاف الیہ اصل نہیں تو اضافت بمعنی لام ہوگی۔ یاد رکھیں عموم خصوص من وجہ باعتبار تحقق کے ہے نہ کہ باعتبار صدق کے۔

فائدہ اضافت بمعنی لام میں یہ ضروری نہیں کہ لام کی تصریح درست ہو، بلکہ اتنا کافی ہے کہ اضافت کا معنی لام کا افادہ کرتی ہو۔ وہ معنی اختصاص بمعنی ارتباط ہے۔ ہاں بعض مقامات پر تصریح درست ہوگی اور بعض مقامات میں تصریح درست نہیں ہوگی۔ جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ تصریح درست ہے، لیکن علم الفقہ میں لام کی تصریح درست نہیں۔ علم للفقہ اس طرح کلام میں استعمال نہیں۔ وھو قلیلٌ اضافت بمعنی فِيْ استعمال عرب میں بالکل قلیل ہے۔ اسی وجہ سے اکثر نحویوں نے اس تقلیل کے پیشِ نظر اضافت بمعنی لام قرار دیا۔ کیونکہ معنی لام ملابست ہے۔ اور اس میں بھی یہ معنی موجود ہے کہ ظرف کو مظروف کے ساتھ ملابست ہوتی ہے۔

سوال اضافت بمعنی مِنْ کو بھی اضافت بمعنی لام قرار دیا جائے۔ کیونکہ مُبین اور مُبیّن میں بھی ملابست ہوتی ہے؟

جواب یہ بات درست ہے لیکن اضافت بمعنی فِیْ کا استعمال قلیل ہے۔ جب کہ اضافت بمعنی مِنْ کا استعمال کثیر ہے۔ اس لیے اس کو اضافت بمعنی لام میں شمار نہیں کیا گیا۔

قولہ وَتُفِيْدُ تَعْرِيْفًا مَعَ الْمَعْرِفَةِ وَتَخْصِيْصًا مَعَ النَّكِرَةِ مصنفؒ اس عبارت میں اضافت معنویہ کے فوائد بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے دو فائدے ہیں۔ ❶ یہ تعرف کا فائدہ دیتی ہے۔ جس وقت کہ مضاف الیہ معرفہ ہو۔

سوال عبارت میں نہ تو مضاف کا ذکر ہے اور نہ مضاف الیہ کا۔ آپ نے کہاں سے نکال لیا؟

جواب مصنفؒ کا قول ہے: اَلَّتِيْ يَجِبُ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ عَنِ التَّعْرِيْفِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعریف کا حصول مضاف کے لیے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تعریف قبل اضافت سے اس کی تجرید واجب ہے تاکہ دونوں تعریفوں کا اجتماع لازم نہ آئے۔ ایک تعریف قبل الاضافت اور دوسری تعریف بعد الاضافت۔

سوال اضافت معنویہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے' اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کی وجہ یہ ہوگی کہ کسی شئے کا کسی امر معین کی طرف منسوب ہونے سے معرفہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ جس طرح زَيْدٌ اِنْسَانٌ میں اِنْسَانٌ کی نسبت زید معین کی طرف ہے لیکن انسان معرفہ نہیں۔ اسی طرح اس سے تو لازم آئے گا کہ اضافت لفظی بھی مفیدِ تعریف ہو' جیسے: ضَارِبُ زَيْدٍ۔

جواب اضافتِ معنویہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں جو آپ نے ذکر کی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہیئتِ ترکیبی مضاف الیہ معرفہ کے ساتھ اضافتِ معنوی میں اسی وجہ سے موضوع ہے کہ مضاف کے واحد معین و مشخص ہونے پر دلالت کرے۔

سوال جب زید کے چند غلام ہوں اور یوں کہا جائے جاءَ غلامُ زید تو اس وقت یہ اضافت معنوی تعریف کا فائدہ نہیں دے گی' ورنہ ترکیب مذکورہ کا استعمال جائز ہی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ترکیب سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہوا نہ کہ تعریف کا۔

جواب یہ استعمال بطور مجاز کے ہے۔ جس طرح معرف باللام کی وضع معین کے لیے ہے لیکن کبھی مجازاً غیر معین کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

فائدہ لفظ غیر اور لفظ مثل باوجود اضافۃ المعرفہ کے معرفہ نہیں بنتے کیونکہ یہ متوغلہ فی الابہام میں سے ہیں۔ اگر لفظ غیر کے مضاف الیہ کے لیے کوئی ضد واحد معروف مشہور ہو تو پھر معرفہ بن جاتا ہے۔ جیسے: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُوْنِ۔

سوال مضاف الیہ کے لیے ضد واحد معروف ہونے کی صورت میں لفظ غیر کا معرفہ ہونا درست نہیں ورنہ لازم آئے گا۔ نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ میں غَيْرَ معرفہ ہو اور نکرہ صَالِحًا کی صفت بن جائے یہ ناجائز ہے۔

جواب یہاں پر غَيْرَ صفت نہیں بلکہ بدل ہے۔ (فاندفع الاشکال) اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ مضاف الیہ کے لیے اگر کسی وصف میں سے کوئی مماثل مشہور ہو تو اس وقت لفظ مثل بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ مثلاً: ”زید نحوی ہے“۔ اور علمِ نحو میں اس کا مماثل مشہور عمرو ہے۔ اور کوئی یوں کہے: جاء مثل زید تو یہ مثل معرفہ ہوگا۔ اور اس سے مراد بنا بر شہرت عمرو ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھیں لفظ شبہ، شبیہ، نظیر اور سویٰ کا حکم بھی یہی ہے۔ اسی طرح اضافت معنویہ کا فائدہ مذکورہ ان الفاظ میں بھی حاصل نہیں ہوگا۔

فائدہ اضافتِ معنویہ کا مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص پیدا کرتا ہے۔ جیسے: غُلَامُ رَجُلٍ۔

سوال تخصیص کا معنی تقلیل شرکاء یہ تو قبل از اضافت بھی موجود تھا۔ غُلَامٌ لِرَجُلٍ میں جو کہ اصل ہے غُلَامُ رَجُلٍ کی، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ کی اصل غُلَامٌ لِزَيْدٍ ہے۔ پھر اس کو اضافت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ ورنہ تحصیل حاصل کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب اضافت کی طرف منسوب تخصیص مع التخفیف ہے جو قبل از اضافت حاصل نہ تھی۔ لہٰذا تحصیلِ حاصل کی خرابی لازم نہ آئے گی۔

فائدہ یاد رکھیں تخفیف اور تعریف اور تخصیص کے علاوہ اضافت معنوی کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے تذکیر حاصل کرتا ہے۔ جیسے: اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ میں رحمۃ مضاف مؤنث ہے۔ اور لفظ اللہ مضاف الیہ مذکر ہے، تو اس سے لفظ رحمۃ نے تذکیر حاصل کی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی خبر مذکر آئی ہے۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے تانیث حاصل کرتا ہے۔ جیسے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ تو لفظ

كُلَّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے تانیث کا فائدہ حاصل کررہا ہے۔ اسی وجہ سے فعل کو بھی مونث لایا گیا ہے۔

فائدہ مضاف کبھی اپنے مضاف الیہ سے ظرفیت کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے: تَأْتِي اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ تو لفظ كُلَّ نے مضاف الیہ سے ظرفیت کا فائدہ حاصل کیا۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے مصدریت کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے: سَيَعْلَمُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا [الخ] میں اَیّ نے مُنْقَلِبٌ مصدریت کا فائدہ حاصل کیا۔ اب یہ مفعول مطلق ہے۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے جمعیت کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے: فَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ لٰكِنْ حُبَّ مَنْ سَكَنَتْ دِيَارَ میں حُبَّ نے دیار سے جمعیت کا فائدہ حاصل کیا۔ اسی لیے فعل بصیغہ جمع لایا گیا۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے تقدیم کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے: غُلَامُ مَنْ عِنْدَكَ میں غلام کی تقدیم عندك پر۔ مَنْ استفہامیہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

فائدہ مضاف کبھی مضاف الیہ سے بناء کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ میں لفظ مثل اپنے مضاف الیہ ما نکرہ بمعنیٰ شئ مبنی سے بناء کا فائدہ حاصل کیا۔ اب یہ مبنی بر فتح ہے۔ اور مرفوع محلاً اِنَّ کی خبر ثانی ہے۔

فائدہ حذفِ تاء جو غیر اضافت میں حذف نہیں ہوتی، جیسے: اِقَامَ الصَّلٰوةِ میں ما مصدریہ ہے۔

قولہ وَشَرْطُهَا تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيْفِ مُصنفؒ اضافت معنوی کے لیے شرط بیان کررہے ہیں کہ مضاف کو تعریف سے خالی کیا جائے جب کہ قبل از اضافت معرفہ ہو، ورنہ تجرید کی احتیاج نہ ہوگی بلکہ ممکن ہی نہیں۔ یاد رکھیں اگر تجرید کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو پھر یہ شرط لانی پڑے گی کہ قبل از اضافت معرفہ ہو۔ اور اگر تجرید کا مجازی معنیٰ بمعنی خلو مراد ہو تو یہ اطلاق ملزوم اور ارادہ لازم کے قبیل سے ہو جائے گا اور معنی عبارت کے یوں ہوں گے کہ: اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ بر وقت اضافت مضاف تعریف سے خالی ہو۔ اب یہ عبارت دونوں صورتوں کو شامل ہوگی۔ اس کو بھی جو قبل از اضافت معرفہ ہو اور تعریف سے خالی کرایا گیا ہو، اور اس کو بھی جو قبل از اضافت معرفہ ہی نہ ہو۔ اس صورت میں جب کہ مجازی معنی لیا جائے تو تقدیرِ عبارت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن حقیقی معنی کی صورت میں تقدیر عبارت کی ضرورت ہوگی۔

سوال اضافت معنوی کے لیے مضاف کا تعریف سے خالی ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب اگر مضاف پہلے سے معرفہ ہے تو یہ اضافت معنوی ضائع اور بے کار ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ نہ مفید تعریف ہو سکتی ہے نہ مفید تخصیص۔ کیونکہ مضاف جب معرفہ ہوتے ہوئے اگر نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے تو اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی جو کہ تخصیص ہے اس کی طلب ہوگی جو ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ معرفہ میں اشتراک ہوتا ہی نہیں تو پھر تخصیص یعنی تقلیل اشتراک کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور اگر معرفہ کی طرف مضاف ہو تو تحصیل حاصل کی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ وہ تو قبل از اضافت معرفہ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے۔

فائدہ معرفہ کی اقسام میں سے معرف باللام اور عَلَم ان کی اضافت ہوتی ہے۔ باقی اقسام کی اضافت ہو ہی نہیں سکتی۔ معرف باللام کی اضافت کی صورت یہ ہوگی کہ الف لام سے اُسے خالی کر لیا جائے گا اور علم کی تجرید کی صورت یہ ہوگی کہ اس کو معنیً نکرہ قرار دیا جائے گا۔ مِثْلُ زَیْدٍ کو مسمی بزید کی تاویل میں لے کر زید کو اس کا ایک فرد قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ مسمی بزید مفہوم کلی ہے۔ پھر اس کو مضاف کیا جائے گا۔ جیسے کہہ دیا جائے: زَیْدُنَا خَیْرٌ مِنْ عَمْرٍو یہ علم کی بروقت اضافت تنکیر معنیً کا یہ طریقہ ہے۔ اسی طریقہ سے علم معنیً نکرہ ہوتا ہے، حقیقۃً نہیں۔ اور یہ معنی مجازی ہوگا۔ حقیقۃً نکرہ وہ ہوتا ہے جو غیر معین کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اور بدون اضافت کے علم کی تنکیر کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے وصف مراد لی جائے جو کہ مشہور ہو۔ جیسے: لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰی۔ فرعون سے مراد مُبطل، اور موسیٰ سے مراد محق۔ کیونکہ یہ ان کا وصفِ مشہور ہے۔

سوال النجم، الثریا، ابن عباس یہ قبل از علمیت معرفہ تھے تو بعد از علمیت، علمیت سے تعریف معرف تحصیل حاصل کی خرابی لازم آتی ہے لہذا ان کی علمیت باطل ہونی چاہیے۔ جیسے معرفہ کی اضافت بسوئے معرفہ باطل ہوا کرتی ہے۔

جواب علمیت ان الفاظ کے لیے وضع ثانی ہے جس نے وجہ اول کے مُقتضیٰ یعنی تعریف کو باطل قرار دیا لہذا ان میں تعریف فقط علمیت کی وجہ سے ہے۔ لہذا تحصیلِ حاصل کی خرابی لازم نہ آئی۔

قولہ وَمَا اَجَازَہُ الْکُوْفِیُّوْنَ مِنَ الثَّلَاثَۃِ الْاَثْوَابِ وَشِبْھِہٖ مِنَ الْعَدَدِ ضَعِیْفٌ اس عبارت میں مُصنفؒ سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال اضافت معنوی کے لیے شرط لگانا کہ مضاف تعریف سے مجرد ہو، یہ بات مُسلم نہیں۔

کیونکہ کوفیوں کے نزدیک اَلثَّلَاثَةِ الْاَثْوَابِ ان جیسی ترکیبیں جائز ہیں۔ حالانکہ مضاف تعریف سے مجرد نہیں۔ کیونکہ مضاف معرف باللام ہے۔ وَشِبْهِهٖ سے مراد اس کے مانند عدد معرف باللام جو مضاف ہو معدود کی طرف۔ جیسے: اَلْاَرْبَعَةُ الدَّرَاهِمَ۔ وغیرہ۔

جواب کوفیوں کا اس کو جائز قرار دینا ضعیف ہے' قیاساً بھی جس کی علت بتا دی ہے کہ اس سے تحصیل حاصل کی خرابی لازم آتی ہے اور استعمالاً عدد مضاف میں الف لام کا ادخال نہیں کرتے بلکہ ترک فرماتے ہیں۔

سوال عدد مضاف پر ادخال الف لام ایراد الف لام حدیث میں آیا ہے۔ اغسلوا یوم الجمعة و لو اشتریتم الکاس بالالف الدینار تو الف لام معرف باللام دینار کی طرف مضاف ہے۔

جواب یہاں پر الف لام مضاف نہیں بلکہ مبدل منہ ہے۔ اور الدینار بدل الکل ہے۔ یا عطف البیان ہے۔

سوال آپ کی اس دلیل سے تو اَلثَّلَاثَةُ الْاَثْوَابِ کا بطلان ثابت ہوتا ہے نہ کہ ضعف۔ کیونکہ یہ اضافت تحصیل حاصل کو لازم ہے۔ اور وہ باطل ہے۔ اور:

قاعدہ ہے کہ جو مستلزم باطل ہو وہ باطل ہوا کرتا ہے مصنفؒ نے اسے ضعیف کیوں قرار دیا؟

جواب اَلثَّلَاثَةِ الْاَثْوَابِ یہ مشابہ ہے صورۃً الا الف الدینار اسی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے' باطل قرار نہیں دیا۔

قولہ وَ اللَّفْظِيَّةُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ صِفَةً مُضَافَةً اِلٰى مَعْمُوْلِهَا مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَ حَسَنُ الْوَجْهِ

اضافتِ لفظیہ کی تعریف: یہاں پر بھی وہی سوال و جواب ہوں گے جو گزر چکے ہیں۔ اضافتِ لفظیہ وہ ہے کہ صیغہ صفت کا مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اس سے دو شرطیں مفہوم ہوئیں۔ ❶ صیغہ صفت کا مضاف ہو' اگر صیغہ صفت کا مضاف نہ ہوا تو اضافت لفظی نہ ہوئی۔ جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ ❷ صیغہ کا مضاف بھی اپنے معمول کی طرف ہو۔ اگر غیر کے معمول کی طرف مضاف ہوگا تو پھر بھی اضافت لفظی نہ ہوگی۔ جیسے: كَرِيْمُ الْبَلَدِ۔

اتفاقی مثال: ضَارِبُ زَيْدٍ اس میں صیغہ صفت کا اسم فاعل اپنے مفعول بہ کی طرف مضاف ہے۔

ضابطہ اسم تفضیل اگرچہ صیغہ صفت کا ہے لیکن اس کی اضافت ہمیشہ معنویہ ہوا کرتی ہے کیونکہ یہ معمول کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کا معمول یعنی فاعل بجز مسئلہ کحل ہمیشہ مُستتر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی اضافت معنویہ ہوا کرتی ہے۔

ضابطہ اسم فاعل اور اسم مفعول خواہ وہ بمعنی ماضی ہو یا بمعنی حال یا بمعنی استقبال یا بمعنی استمرار مرفوع میں اور مفعول مُطلق اور مفعول فیہ اور جار مجرور عمل کرتے ہیں۔ باقی معمولات فعل میں اس وقت جب کہ معنی حال یا استقبال ہو اور ان کی اضافت استعمال میں مرفوع کی طرف ہوتی ہے' یا مفعول بہ کی طرف' یا مفعول فیہ کی طرف' جیسے: زید صائم الیوم و زید مضروب الیوم۔ (والتفصیل فی الرضی)

قولہ وَلَا تُفِيدُ اِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ۔ مُصنّفؒ اضافت لفظی کا فائدہ بیان فرمارہے ہیں کہ اس کا فائدہ صرف تخفیف لفظی کا ہے۔ اور یہ تخفیف لفظی کبھی تو مضاف سے تنوین حذف ہو جائے گی۔ جیسے: ضَارِب زَيْدٍ اصل میں ضَارِبٌ زَيْدًا تھا۔ کبھی قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ اور جمع۔ جیسے: ضَارِبَا زَيْدٍ، ضَارِبُوا زَيْدٍ کہ اصل میں ضَارِبَانِ زَيْدًا، ضَارِبُونَ زَيْدًا تھا اور کبھی صرف مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہو جائے گی۔ پھر اس صفت میں ضمیر مُستتر ہو جاتی ہے۔ جیسے: اَلْقَائِمُ الْغُلَامِ اصل میں تھا: اَلْقَائِمُ غُلَامُهُ لیکن ضمیر حذف کرنے کے ساتھ ضمیر مُستتر ہو جائے گی تاکہ موصول صلہ میں ربط باقی رہے اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوتی ہے۔ جیسے: زَيْدٌ قَائِمُ الْغُلَامِ اصل میں تھا: زَيْدٌ قَائِمٌ غُلَامُهُ۔

سوال مثال اول میں القائم غلامہ سے ضمیر حذف کی گئی اور اس کے عوض غلام پر لام تعریف آ گیا تو مضاف الیہ میں تخفیف کیسے ہوئی؟ اسی طرح مثال ثانی میں بھی۔

جواب اب بھی تخفیف ہے' اس لیے کہ لام تعریف حرفِ ساکن ہے اور ضمیر مُتحرک' اور یہ بات ظاہر ہے کہ ساکن بنسبت مُتحرک کے خفیف ہوتا ہے۔ نیز غلام قبل از اضافت مرفوع تھا بنا بر فاعلیت اور بعد از اضافت مکسور ہو چکا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسرہ بنسبت ضمہ کے خفیف ہوتا ہے۔ نیز یہ یاد رکھیں یہاں تخفیف مجازاً بمعنی حاصل مصدر یعنی خفت کے ہے۔ کیونکہ اضافت لفظیّہ سے خفت حاصل ہوتی ہے نہ کہ تخفیف۔

سوال اضافت لفظیّہ میں تخفیف سے مراد تخفیف فی اللفظ ہی ہوتی ہے تو پھر لفظ کہنے کی ضرورت ہی نہیں؟

جواب اس تصریح سے مصنفؒ نے وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اضافت لفظی کو اضافت لفظی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تخفیف لفظ کا فائدہ دیتی ہے۔

قولہ وَمِنْ ثَمَّ جَازَ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ وَامْتَنَعَ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ وَجَازَ الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُوْا زَيْدٍ وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ۔ چار تفریعات کا ذکر ہے۔ کلام سابق سے تین باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ ❶ انتفاءِ تعریف، ❷ انتفاءِ تخصیص ❸ اثباتِ تخفیف۔ یہ چار تفریعات صرف دو باتوں پر متفرع ہیں۔ ❶ انتفاءِ تعریف ❷ اثباتِ تخفیف۔ اور تائید اور مثالیں پہلی دو تفریعیں۔ ❶ انتفاءِ تعریف پر متفرع ہیں۔ کیونکہ لا تفید میں نفی مقدم ہے۔ اس لیے انتفاءِ تعریف کی تعریفات کو مقدم کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اضافتِ لفظیہ میں تعریف کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ اضافتِ لفظیہ سے کلمہ معرفہ نہیں بنتا۔ لہٰذا حسن الوجہ یہ اضافت لفظیہ ہے۔ اس کو نکرہ کی صفت بنانا جائز ہے کہ یوں کہا جائے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ لیکن اس حسن الوجہ کو معرفہ کی صفت نہیں بنایا جاسکتا۔ یوں نہیں کہا جاسکتا: مررت بزیدٍ حسن الوجہ کیونکہ موصوف معرفہ ہے۔ اور حسن الوجہ نکرہ ہے اور اثباتِ تخفیف پر دو تفریعیں متفرع ہیں۔ ❶ اَلضَّارِبَا زَيْدٍ، اَلضَّارِبُوْا زَيْدٍ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے تخفیف کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ کیونکہ نون تثنیہ اور نون جمع کو الف لام کی وجہ سے حذف نہیں، بلکہ اضافت کی وجہ سے حذف ہیں۔ کیونکہ

قاعدہ ہے کہ نون تثنیہ اور نون جمع الف لام سے حذف نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر حذف ہوتے ہیں تو اضافت سے۔ ❷ الضارب زیدٍ یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں تنوین کا حذف ہونا ہے الف لام کی وجہ سے، اضافتِ لفظیہ کی وجہ سے نہیں۔ تو لہٰذا اضافتِ لفظیہ جب اس نے تخفیف کا فائدہ نہ دیا تو یہ اضافتِ لفظیہ پر مثال ناجائز ہے۔

قولہ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ یہ اختلاف فراء کا تفریع آخر کے متعلق ہے۔ جمہور نحاۃ نے فرمایا کہ الضارب زیدٍ کی ترکیب ممتنع ہے۔ وجہ امتناع یہ ہے کہ یہ مفید تخفیف نہیں۔ فراء نے کہا یہ ترکیب جائز ہے۔ جس پر

دلیل اول یہ ہے کہ الضارب زیدٍ اصل میں تھا ضَارِبٌ زَيْدًا تو ضَارِبٌ کی اضافت کی وجہ سے تنوین حذف ہو گئی۔ تو لہٰذا یہ اضافت مفید تخفیف ہوئی۔ بعد میں لام کا دخول ہوا۔ تو سقوط تنوین بوجہ اضافت ہے، نہ بوجہ الف لام۔ لہٰذا جب یہ مفید التخفیف ہوئی تو ترکیبِ مذکور جائز ہوئی۔

مُصنفؒ نے شرح میں یہ بیان فرمایا ہے کہ متکلم یوں نہیں کہتا ضاربُ زیدًا پھر ضاربُ زیدٍ پھر الضارب زیدٍ بلکہ اس نے ابتداءً الضاربُ زیدٍ کہا ہے۔ اس صورت میں لام کا تلفظ مقدم ہے۔ اسی وجہ سے تنوین کا حذف لام کی وجہ سے ہوگا۔ لہذا یہ اضافت مفید التخفیف نہ ہونے کی وجہ سے یہ مثال باطل اور ناجائز ہے۔ فراء کی:

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ فصیح بلیغ شاعر اعشیٰ کا قول ہے کہ الواهب المأة الهجان و عبدها کہ عبدها کا عطف ہے۔ المائته پر۔ تو عبارت یوں ہوگی: الواهب عبدها تو الضارب زیدٍ جیسی یہ ترکیب ہے، جیسے الضارب معرف باللام ہے ایسے الواہب معرف باللام ہے۔ اور جس طرح الضارب غیر معرف باللام کی طرف مضاف ہے اسی طرح الواهب عبدها غیر معرف باللام کی طرف مضاف ہے۔ تو لہذا جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ مُصنفؒ نے اس کا جواب دیا الواهب المأة سے استدلال کرنا ضعیف ہے۔ اس میں تین کمزوریاں ہیں۔ ❶ آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ الواهب عبدها والی مثال جائز ہے۔ پھر اب دلیل بھی یہی پیش کی جس طرح الواهب عبدها والی مثال جائز ہے اسی طرح الضارب زیدًا والی مثال بھی جائز ہے جو کہ آپ کا دعویٰ تھا وہی آپ کی دلیل ہے۔ اس کو مصادرت علی المطلوب کہا جاتا ہے۔ جو کہ نحویوں کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔ ❷ آپ نے واو عاطفہ بنایا ہے۔ حالانکہ یہ واو بمعنی مع کے ہے۔ کیونکہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا ممدوح ایسا ہے جو سو سفید اونٹنیوں کا ہبہ کرنے والا ہے ساتھ ان اونٹنیوں کے چرواہوں کے۔ جو واو عاطفہ کے ساتھ ہے۔ واو بمعنی مع کے استعمال ہے۔ تو آپ کا استدلال کرنا ضعیف ہوا۔ اور

قاعدہ ہے کہ: اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ. ❸ تیسرا ضعف یہ ہے کہ اگر ایک چیز عطف کے ذریعہ سے ذکر کی جائے تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ اور اگر بغیر عطف کے ذکر کی جائے تو صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے: رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا۔

قاعدہ ہے کہ رُبَّ حرف جار ہمیشہ اسم نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ اس مثال میں رُبَّ اسم نکرہ پر بغیر عطف کے داخل ہو رہا ہے۔ اور سَخْلَتِهَا معرفہ ہے۔ کیونکہ اضافتِ معنویہ ہے۔ اور معرفہ پر رُبَّ عطف کے ساتھ داخل ہو رہا ہے۔ عطف کے بغیر رُبَّ کا دخول معرفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح اَلْوَاهِبُ عَبْدِهَا والی مثال میں اَلْوَاهِبُ عطف کے ذریعہ سے عَبْدِهَا کی طرف مضاف ہے جو کہ صحیح ہے۔ لیکن اگر عطف کے بغیر اَلْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی طرف مضاف ہوتا تو یہ ناجائز

ہوتا۔ بہرکیف فراء کی یہ دلیل ضعیف ہے۔ لہٰذا الضاربُ زَیدٍ والی مثال ممتنع اور ناجائز ہے۔

قولہ: وَاِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلاً عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْحَسَنِ الْوَجْهِ۔ یہ فراء کی تیسری دلیل کا جواب ہے۔ فراء کی:

تیسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح الضارب الرجل بالاتفاق نحویوں کے نزدیک جائز ہے اسی طرح الضارب زیدٍ جائز ہونا چاہیے۔ مُصنّفؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صیغہ صفت معرف باللام کا معمول بھی جب معرف باللام ہو تو اس معمول میں تین وجہ پڑھنی جائز ہیں۔ ❶ معمول پر رفع پڑھنا' جیسے: زَیْدٌ اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ ❷ معمول پر جر پڑھنا' جیسے: زَیْدٌ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ ❸ معمول پر نصب پڑھنا' بنا بر تشبیہ بالمفعول' جیسے: زَیْدٌ اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ پہلی صورت قبیح ہے۔ کیونکہ صیغہ صفت کا ضمیر رابط سے خالی ہے۔ باقی دونوں صورتیں احسن ہیں۔ اس کے لیے ہر ایک میں ایک ضمیر رابط موجود ہے۔ لیکن ان دونوں میں قدرے فرق ہے کہ جر والی صورت مُختار ہے۔ کیونکہ جر مضاف الیہ ہونے کی بناء پر ہے اور بالاصالت ہے۔ اور تیسری صورت مُختار نہیں۔ کیونکہ صیغہ صفت کا معمول کے لیے ناصب نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نصب آ گئی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ نصب بالطبیعت ہوگی بالاصالت نہیں ہوگی۔ اور اسی مُختار صورت میں بوجہ اضافت مضاف الیہ میں تخصیص حاصل ہوگی۔ کیونکہ اصل میں تھا: اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ ضمیر مضاف الیہ محذوف ہو کر الحسن میں مُستتر ہو چکی ہے تا کہ موصوف کے ساتھ ربط باقی رہے۔ پھر لام تعریف لایا گیا ہے اور اس میں بھی تخفیف ہے۔ نیز رفع کی بجائے کسرہ آنا یہ بھی خفت ہے۔ لہٰذا الحسن الوجہ یہ مثال، جائز ہوگی۔ اور الضارب الرجل اسی کے مشابہ ہے۔ اس طور پر کہ دونوں میں صفت اور معمول معرف باللام ہے۔ اسی مشابہت کی بناء پر الضارب الرجل کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مشابہت مذکورہ الضارب زیدٍ میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس کو الضارب الرجل پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہوا۔ کیونکہ عِلّتِ جواز مشترک نہیں۔

سوال حَمْلاً عَلَی الْمُخْتَارِ میں حَمْلاً مفعول لہ ہے۔ حالانکہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لیے ضابطہ گزر چکا ہے کہ فعل مُعلّل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہو' جب کہ یہاں پر فاعل ایک نہیں۔ کیونکہ جار کا فاعل الضاربُ الرَّجُلِ ہے۔ اور حملاً کا فاعل نحوی حضرات ہیں۔

جواب یہاں حملاً مصدر مبنی للفاعل نہیں' بلکہ یہ مبنی للمفعول ہے۔ بمعنی مُنزلیت۔ اور یہ بات

ظاہر ہے کہ مجمولیت صفت ہے الضارب الرجل کی۔ تو فاعل بھی وہی ہے۔

قولہ وَالضَّارِبُكَ وَ شِبْهُهُ فِيْ مَنْ قَالَ اِنَّهُ مُضَافٌ حَمْلاً عَلٰى ضَارِبُكَ. دلیل رابع کا جواب

دلیل رابع: فراء کے نزدیک دلیل رابع ہے کہ اَلضَّارِبُكَ اور اَلضَّارِبُ زَيْدٍ دونوں عدم حصول تخفیف میں برابر ہیں۔ کیونکہ دونوں میں تنوین کا ساقط ہونا الف لام کی وجہ سے ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ تو جس طرح الضاربك بالاتفاق جائز ہے اسی طرح الضارب زید بھی جائز ہونا چاہیے۔ مُصنفؒ نے جواب دیا والضارب وشبهه اسکی تفصیل یہ ہے کہ الضاربك میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مرکب اضافی نہیں بلکہ کاف ضمیر منصوب مُتصِل مفعول بہٗ ہے۔ لہٰذا یہ فی مانحن فیہ سے خارج ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ مرکب اضافی ہے۔ اور تنوین کا ساقط ہونا بھی الف لام کی وجہ سے ہے۔ تو یہ باوجود اسکے کہ مفید تخفیف پھر بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کی مشابہت الضاربك کے ساتھ ہے۔ اسطور پر کہ دونوں میں اسم فاعل ضمیر مُتصِل کی طرف مضاف ہے۔ اور دونوں کے اندر تنوین کا ساقط ہونا اضافت کی وجہ سے نہیں، تو جس طرح الضاربك والی مثال جائز ہے تو اسی طرح الضارب زید والی مثال بھی جائز ہے۔ بلکہ اسکی تشبیہ بھی جائز ہے۔ جیسے: اَلضَّارِبِيْ، اَلضَّارِبَہٗ لیکن یہ مشابہت اَلضَّارِبُ زَيْدٍ میں نہیں ہے۔ لہٰذا الضارب زید والی مثال ممتنع اور ناجائز ہے۔

سوال ضَارِبُ زَيْدٍ بالاتفاق جائز ہے اسی طرح اَلضَّارِبُ زَيْدٍ کو بھی جائز ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ اسکے ساتھ مشابہت ہے اسکی۔ کیونکہ دونوں میں مضاف اسم فاعل ہے۔ اور مضاف الیہ عَلَم ہے اس مشابہت کی بناء پر اَلضَّارِبُ زَيْدٍ کو جائز ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ الضاربك کو بناء مشابہت جائز قرار دیا ہے۔

جواب الضاربك اور ضاربك کی مشابہت پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ دونوں کے درمیان فرق واضح ہے۔ وہ یہ کہ ان دونوں کی وجہ تسمیہ تنوین کا ساقط کرنا ہے بغیر اضافت کے۔ جو ان دونوں میں مشترک نہیں، کیونکہ اَلضَّارِبُ زَيْدٍ میں الف لام کی وجہ سے اور ضارب زید میں اضافت کی وجہ سے تنوین ساقط ہے۔ لہٰذا یہ قیاس درست نہیں۔

سوال اسپر کیا دلیل ہے کہ ضاربك تنوین کا ساقط ہونا بوجہ اتصال ضمیر ہے اضافت نہیں؟

جواب اسپر دلیل یہ ہے کہ اگر تنوین کا ساقط ہونا اضافت کی وجہ سے ہوتا جس طرح ضَارِبُ زید قبل از اضافت ضاربٌ زیداً تھا اسی طرح یہ قبل از اضافت مثل ضاربٌ کے ہونا چاہیے تھا،

حالانکہ یہ درست نہیں۔ کیونکہ کلام عرب میں اسطرح مُستعمل نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تنوین اور ضمیر مُتصِل متنافی ہوتی ہیں۔ اس لیے تنوین کلمہ کی تمامیت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ضمیر مُتصِل ماقبل کیلیے تتمہ ہوتی ہے۔

سوال اس سے تو لازم آئے گا کہ ضاربك کی اضافت بھی ضائع ہونی چاہیے، کیونکہ یہ مفید تخفیف نہیں؟

جواب افادۂ تخفیف اس وقت ضروری ہے جب کہ اتصال ضمیر نہ ہو۔

قولہ وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ اِلٰى صِفَةٍ وَلَا صِفَةٌ اِلٰى مَوْصُوْفِهَا مُصنفؒ اس عبارت میں دو قاعدے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

قاعدہ اولیٰ: موصوف کی اضافت صفت کی طرف ناجائز ہے۔

دلیل اول: صفت کی موصوف کے ساتھ اعراب میں موافقت واجب ہے۔ اگر موصوف کو مضاف کر دیا جائے تو صفت مجرور ہو جائے گی تو موافقت فی الاعراب اور متابعت جو واجب تھی مُنعدم ہو جائے گی۔ اور یہ دلیل لفظی اور وجہ لفظی تھی۔

دلیل ثانی: جو کہ عِلت معنوی ہے وہ یہ ہے کہ ترقی ترکیبی مرکب توصیفی اور مرکب اضافی کا معنی متغایر ہے۔ مرکب توصیفی کا معنی ہے: وَصْفُ الشَّئِ بِشَئٍ اور مرکب اضافی کا معنی ہے: نِسبَةُ الشَّئِ اِلٰى شَئٍ لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔

دلیل ثالث: موصوف صفت میں اتحاد ہوتا ہے اور مضاف الیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ اس لیے موصوف صفت کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا۔

قاعدہ ثانیہ: وَلَا صِفَةٌ اِلٰى مَوْصُوْفِهَا صفت کی اضافت موصوف کی طرف کرنا جائز نہیں۔

دلیل اول: صفت تابع ہوتی ہے اور موصوف متبوع۔ اگر صفت کو مقدم کیا جائے تو لازم آئے گا تابع کا متبوع پر مقدم ہونا۔ حالانکہ یہ ضابطہ مُسلمہ ہے کہ تابع کبھی بھی متبوع پر مقدم ہو سکتا ہی نہیں۔

دلیل ثانی: اسکے لیے وہی دلیل ثانی جاری کی جا سکتی ہے جو کہ گزر چکی ہے کہ مرکب توصیفی اور مرکب اضافی کے معنی میں تغایر ہے۔

قولہ وَمِثْلَ مَسْجِدُ الْجَامِعِ وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ وَصَلٰوةُ الْاُوْلٰى وَبَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ مُتَاَوَّلٌ قاعدہ اولی پر وارد ہونے والے سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں، حالانکہ ہم آپ کو چار مثالیں دکھاتے ہیں جن میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ جیسے: مسجد الجامع اس میں مسجد موصوف ہے اور جامع صفت ہے۔ اسی طرح جانب الغربی اور صلوٰۃ الاولیٰ، بقلۃ الحمقاء ان چاروں مثالوں میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے تو لہٰذا آپ کا یہ قاعدہ غلط ہوا؟

جواب ۱ جب یہ قاعدہ اولی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے تو اس جیسی تراکیب کی تاویل کرنا واجب ہوگی۔ اور ان میں تاویل یہ ہے کہ یہاں مضاف کے بعد موصوف مقدر ہے۔ لہٰذا یہ مضاف موصوف نہیں۔ جیسے: مسجد الجامع اصل میں مسجد وقت الجامع تھا، اسی طرح جانب الغربی اصل میں جانب مکان الغربی اور صلوٰۃ الاولیٰ اصل میں صلوٰۃ ساعۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحمقاء اصل میں بقلۃ حبۃ الحمقاء تھا، لہٰذا ان میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہرگز جائز نہیں۔

جواب ۲ یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ مثلاً جامع سے مراد مخصوص جامع یعنی مسجد مراد لی جائے تو اب یہ اضافت، عام الی الخاص کے قبیل سے ہو جائے گی، جیسا کہ یوم الاحد میں اور اسی طرح جانب الغربی میں غربی سے مخصوص جانب مراد لی جائے تو یہ بھی اسی قبیل سے ہوگی۔ جیسے: جانب الیمن، الاولیٰ سے مخصوص اولیٰ مراد ہو۔ یعنی ظہر، اب یہ اسی قبیل سے ہوگی۔ جیسے: صلوٰۃ الظہر اسی طرح الحمقاء سے [illegible] حمقاء یعنی بقلہ مراد ہو تو اس میں بھی یہی اضافت العام الی الخاص کے قبیل سے ہوگی۔ جیسے حبۃ الحنطۃ، صلوۃ الظہر کو اولیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلی نماز ہے جو باجماعت ادا کی گئی تھی۔ اور بقلۃ الحمقاء خرفہ کا ساگ ہے۔ اور یہ ایسے مقام پر اگتا ہے جس پر لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ اسی لیے یہ دیرپا نہیں ہوتا۔ حماقت کے ساتھ اس کا متصف کرنا اسی وجہ سے ہے کہ اگر ذرا بھر بھی سمجھدار ہوتا تو یہ دوسرے مقام پر اگتا، اور اسے دیرپا زندگی ملتی۔ اور جب اس میں کچھ ہی نہیں تو یہ احمق ہوا۔

قولہ وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَاَخْلَاقُ ثِيَابٍ یہ قاعدہ ثانیہ پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال ہم نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہو سکتی۔ ہم دو مثالیں دکھاتے ہیں جہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ جیسے: جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَاَخْلَاقُ

ثِیَابِ اصل میں تھا: قَطِیفَۃٌ جَرْدٌ، ثِیَابٌ اَخْلَاقٌ جب یہ قاعدہ ثانیہ بھی دلیل سے ثابت ہوا تو ان جیسی تراکیب میں تاویل کرنا واجب ہوگی۔ اور ان میں تاویل یہ ہوگی کہ ان دونوں مثالوں میں مضاف سے پہلے موصوف تھا، اصل عبارت یہ تھی: قَطِیفَۃٌ جَرْدٌ تو یہ مرکب توصیفی ہے۔ موصوف کو حذف کردیا، اب جَرْدٌ باقی رہ گیا۔ جس کے معنی پارچہ، ریشہ اور اس میں جنس کے اعتبار سے ابہام تھا کہ یہ چادر ہے یا عمامہ ہے یا تولیہ۔ اس ابہام کو دور کرنے کے لیے اس کی اضافت کی گئی قطیفۃ کی طرف۔ تاکہ ابہام دور ہوجائے اور تخصیص حاصل ہوجائے۔ لہٰذا یہ از قبیلِ اضافت مُبہم الی البیان ہوگی حصولِ تخصیص کے لیے۔ یا یوں کہا جائے اضافت العام الی الخاص کے قبیل سے ہے تخصیص کے حصول کے لیے۔ اور اسی طرح ثیاب اخلاق میں ثیاب موصوف کو حذف کردیا۔ اب اخلاق میں ابہام تھا کہ از قبیلِ ثیاب ہے یا کتاب وغیرہ۔ تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے ثیاب کی طرف مضاف کردیا تاکہ ابہام دور ہوجائے اور تخصیص حاصل ہوجائے۔ الخ

قولہ وَلَا یُضَافُ اِسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ اِلَیْہِ فِی الْعُمُوْمِ وَالْخُصُوْصِ کَلَیْثٍ وَاَسَدٍ وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ لِعَدَمِ الْفَائِدَۃِ۔

قاعدہ ثالثہ کا بیان کہ مضاف نہیں ہوتا، ایسا اسم جو مضاف الیہ کے ساتھ عموم و خصوص میں مشابہ ہو۔ یہاں پر عموم و خصوص سے مراد مشہور معنی نہیں جو باعتبار صدق کے ہوتا ہے، بلکہ لغوی معنی مراد ہے۔ عموم بمعنی شمولِ اطلاق اور خصوص بمعنی عدم شمول اطلاق خواہ وہ دونوں مترادف ہوں جیسے لیث اور اسد کہ ان میں مشابہت ہے شمول اطلاق سے بھی کہ جس پر لیث کا اطلاق ہوگا اس ہی پر اسد کا اطلاق ہوگا۔ اور برعکس اور عدم شمول میں بھی مشابہت ہے کہ جس چیز پر لیث کا اطلاق صحیح نہیں اس پر اسد کا اطلاق بھی صحیح نہیں اور برعکس بھی ایسے تو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عام کی عام کی طرف اور خاص کی خاص کی طرف اضافت ناجائز ہے۔ جیسے: لیث کی اسد کی طرف اضافت جائز نہیں، اسی طرح حَبْسٌ منع کی طرف اضافت جائز نہیں۔ اسی طرح انسان کی حیوان کی طرف اضافت جائز نہیں۔ کیونکہ اس اضافت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہاں البتہ عام کی خاص کی طرف اضافت ہوسکتی ہے۔ جیسے: کل الدراھم۔ کل عام ہے اور دراھم خاص ہے۔ اسی طرح عین الشئ یہاں بھی خاص کی اضافت عام کی طرف ہے کہ عین معین چیز کو کہتے ہیں جو کہ خاص ہے، اور شئ مُطلق چیز کو کہتے ہیں جو عام ہے۔

قولہ وَقَوْلُهُمْ سَعِيْدُ كُرْزٍ وَنَحْوُهُ مُتَاَوَّلٌ یہ عبارت قاعدہ ثالثہ پر وارد ہونے والے سوال کا جواب ہے۔

سوال تم نے کہا کہ خاص کی خاص کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی۔ ہم دکھاتے ہیں کہ سَعِيْدُ كُرْزٍ میں سعید کی کرز کی طرف اضافت ہے۔ حالانکہ دونوں خاص ہیں۔ کیونکہ سعید عَلَم ہے۔ کرز لقب ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نام اور لقب دونوں خاص ہوتے ہیں۔

جواب جب یہ قاعدہ ثالثہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو اس جیسی مثالوں میں تاویل کرنا واجب ہوگی۔ وہ تاویل یہ ہے کہ سعید سے مراد دال ہے۔ اور کرز سے مثال مدلول ہے۔ یعنی اس آدمی کی ذات مراد ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دال اور چیز ہوتی ہے' اور مدلول اور چیز۔ اس لیے اضافت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قولہ وَاِذَا اُضِيْفَ الْاِسْمُ الصَّحِيْحُ اَوِ الْمُلْحَقُ بِهٖ اِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كُسِرَ اٰخِرُهٗ وَالْيَاءُ مَفْتُوْحَةٌ اَوْ سَاكِنَةٌ۔ مصنفؒ اضافت لفظی کے معنوی احکام ذکر کرنے کے بعد اضافت لفظی کے لفظی احکام ذکر کرتے ہیں۔ یا یوں تعبیر کیا جائے کہ مصنفؒ وہ اسماء جن کی اضافت جائز نہیں تھی جن کے لیے قواعد ثلاثہ ذکر کیے ان سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے مصنفؒ مضاف کے آخر کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کہاں اس کو ثابت رکھا جائے گا اور کہاں حذف کیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ اور حالات کو بھی ذکر کیا جائے گا۔ جن کے لیے چند صورتیں ہیں۔ ❶ اسم صحیح یا ملحق بالصحیح مضاف ہو یاءِ متکلم کی طرف' تو اس کا حکم یہ ہے کہ یائے متکلم کی مناسبت کی وجہ سے مضاف کے آخر میں کسرہ دیں گے۔ اور یائے متکلم مضاف الیہ کو مفتوح پڑھنا بھی جائز ہے اور ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ یاد رکھیں اسم صحیح نحویوں کے نزدیک وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو' اور ملحق اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں حرفِ علت تو ہو لیکن ماقبل ساکن ہو' اس کو جاری مجریٰ صحیح بھی کہتے ہیں۔ اس الحاق کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح صحیح پر کوئی حرکت ثقیل نہیں ہوتی اسی طرح اس پر بھی حرف صحیح کی طرح کوئی حرکت ثقیل نہیں ہوتی۔ جس طرح صحیح حرکاتِ ثلاثہ کو قبول کرتا ہے' اسی طرح یہ بھی قبول کرتا ہے۔ کیونکہ ساکن کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوا کرتی۔ یہ قاعدہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یائے متکلم کے مفتوح اور ساکن ہونے میں اختلاف ہے کہ فتحہ ہے سکون۔ اصح بات یہ ہے کہ فتحہ اصل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یائے متکلم ایک حرفی ہے۔ اور ایک حرفی کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ وہ متحرک ہو' تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ

آئے۔ جب اس یاء کو متحرک کرنا ہے اور حرکت میں خفت کی وجہ سے اصل فتحہ ہے اسی وجہ سے یائے متکلم کا مفتوح ہونا اولیٰ ہے۔ اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس کو بھی مقدم کیا۔

سوال ایک حرفی کلمہ میں حرکت اصل اس وقت ہوتی ہے جب ابتداء بالسکون ہو، اور یہاں ابتداء بالسکون نہیں ہے۔ بلکہ یائے متکلم آخر میں آرہی ہے۔ تو لہٰذا جب وہ علت ہی نہ رہی تو اس کا متحرک ہونا بھی اصل نہ رہا۔ لہٰذا ساکن ہونا اصل ہوا۔

جواب ابتداء بالساکن دو قسم پر ہے۔ ❶ حقیقی، ❷ حکمی۔ حقیقۃً اس وقت جب ایک حرفی کلمہ ابتداء میں ہو۔ جیسے: کَزَیدٍ اَخُوكَ میں کاف ساکن ہے اور حکماً اس وقت جب کہ ایک حرفی کلمہ ابتداء میں واقع نہ ہو۔ لیکن کلمہ مستقلہ ہونے کی وجہ سے ابتداء کے حکم میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا ساکن ہونا بھی خلافِ اولیٰ ہے اور متحرک ہونا اولیٰ ہے۔ جیسے: ثَوْبِیْ، دَلْوِیْ، اسی طرح ثَوْبِیَ، دَلْوِیَ۔

قولہ فَاِنْ كَانَ اٰخِرُهٗ اَلِفًا تُثْبَتُ وَهُذَيْلٌ تَقْلِبُهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ يَاءً صورت ثانیہ کا بیان ہے کہ اگر مضاف ایسا اسم ہو جس کے آخر میں الف ہو تو جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوگا تو الف کو ثابت رکھا جائے گا۔ کیونکہ الف کے انقلاب اور تبدیلی کے لیے کوئی علتِ موجبہ متحقق نہیں ہے۔ اور یہی لغت فصیح ہے۔ جیسے: عَصَا میں عَصَایَ پڑھا جائے گا۔ البتہ قبیلہ ہذیل والے اس الف کو یا سے تبدیل کر کے پھر یا کو یا میں ادغام کرتے ہیں۔ جس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یا ماقبل میں کسرہ چاہتی ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں صحیح اور ملحق میں گزر چکا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ الف حرکت کو قبول ہی نہیں کرتا تو الف کو یا سے بدلا جائے گا تا کہ حتی الامکان مشابہت باقی رہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یا ماقبل میں کسرہ کیوں چاہتی ہے؟ جس کا جواب یہ کہ یا جنس ہے کسرہ سے ہے اور اسی وجہ سے اعراب میں بھی یا کسرہ کی جگہ آتی ہے، جیسے تثنیہ میں اور جمع میں، جیسے: عَصَا، الف کو یا سے بدلا، پھر یا کو یا میں ادغام کیا تو عَصِیَّ ہو گیا۔ لیکن یاد رکھیں انکے نزدیک بھی الف تثنیہ کو یاء سے ہر گز نہیں بدلا جائے گا۔ کیونکہ الف تثنیہ کو یاء سے بدلنے سے حالت رفع حالت نصب اور حالتِ جر میں التباس لازم آتا ہے۔

سوال اگر التباس مانع بنتا تو پھر جمع مذکر سالم جو مضاف یائے متکلم ہے تو اس میں بھی واو کو یا سے نہیں بدلنا چاہیے کیونکہ بدلنے سے تو حالتِ رفع اور حالتِ نصب اور حالتِ جر کا التباس لازم آتا ہے۔ جیسے: مُسْلِمِیَّ۔

جواب دونوں انقلاب اور تبدیلی میں فرق ہے، الف تثنیہ کی تبدیلی یہ کسی وجوبی قانون سے نہیں بخلاف جمع مذکر سالم کے کہ اس میں انقلاب اور تبدیلی وجوبی قانون سے ہے۔ لہٰذا التباس اس انقلابی تبدیلی کے لیے مانع ہوگا جو وجوبی قانون سے نہیں اور اس تبدیلی اور انقلاب کے لیے مانع نہ ہو جو وجوبی قانون سے ہے۔ فاندفع الاشکال۔

قولہ وَاِنْ كَانَ يَاءً اُدْغِمَتْ

چوتھی صورت اگر اسم منقوص مضاف ہو یائے متکلم کی طرف اس کا حکم یہ ہے کہ یا کو یا میں ادغام کردیا جائے گا کیونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہوگئے۔ جس کے لیے

قاعدہ ہے کہ اگر دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ان کا ادغام کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے: مُسْلِمِيَّ حالتِ نصب اور جر میں۔ اصل میں مُسْلِمِيْنَ تھا۔ جب اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی تو نون گر گیا، اور یا کو یا میں ادغام کردیا تو مُسْلِمِيَّ ہوگیا۔ اسی طرح قَاضٍ سے قَاضِيَّ۔

سوال فِيْ يَوْمٍ میں دو حرف ایک جنس کے ہیں، لیکن ادغام واجب تو درکنار جائز ہی نہیں۔

جواب یہ قاعدہ اس وقت ہے جب دو حرفوں کا اجتماع حقیقۃً ایک کلمہ میں ہو۔ جیسے: مدّۃ میں، یا حکمًا ایک کلمہ میں ہوں۔ جیسے مضاف مضاف الیہ میں مسلمی وغیرہ۔ اور فِيْ يَوْمٍ والی مثال میں علیحدہ علیحدہ کلمہ ہے نہ حقیقۃً ایک کلمہ ہے اور نہ حکمًا ایک کلمہ ہے۔

قولہ وَاِنْ كَانَ وَاوًا قُلِبَتْ يَاءً وَاُدْغِمَتْ وَفُتِحَتِ الْيَاءُ لِلسَّاكِنَيْنِ۔ اس عبارت میں پانچویں صورت کا بیان ہے۔ اگر ایسا اسم ہو جس کے آخر میں واو ہو تو اس کو مضاف کیا جائے گا یائے متکلم کی طرف تو واو کو یا سے تبدیل کرکے پھر یا کو یا میں ادغام کیا جائے گا بقانون قُوَيْلٌ۔ اور یا پر فتحہ پڑھا جائے گا۔ اور یہ فتحہ اس لیے ہوگا تاکہ ساکنین کا اجتماع لازم نہ آئے۔ اور للساکنین سے پہلے دو مضاف مقدر ہیں۔ یعنی لزوم اجتماع الساکنین اور حرکات میں سے چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اس لیے یا کو فتحہ دیا جائے گا۔

قولہ وَاَمَّا الْاَسْمَاءُ السِّتَّةُ فَاَخِيْ وَاَبِيْ وَاَجَازَ الْمُبَرِّدُ اَخِيَّ وَاَبِيَّ وَتَقُوْلُ حَمِيْ وَهَنِيْ وَيُقَالُ فِيَّ فِي الْاَكْثَرِ وَفَمِيْ وَاِذَا قُطِعَتْ قِيْلَ اَخٌ وَاَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ وَفَتْحُ الْفَاءِ اَفْصَحُ مِنْهُمَا وَجَاءَ حَمٌ مِثْلُ يَدٍ وَخَبْءٍ وَدَلْوٍ وَعَصًا مُطْلَقًا وَجَاءَ هَنٌ مِثْلُ يَدٍ مُطْلَقًا۔

مصنفؒ اسمائے ستہ مکبرہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ جب یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں

سوائے ذُوْ کے باقی اسماء یائے متکلم کی طرف مضاف ہوتے ہیں۔ اَخٌ اور اَبٌ میں اختلاف ہے۔ مبرد کے نزدیک اَخٌ، اَبٌ اصل میں اَخَوٌ، اَبَوٌ تھے، تو جب اضافت کی جائے گی یائے متکلم کی طرف تو واو کو یا سے بدل کر ادغام کر دیا جائے گا۔ اور یا کے ماقبل کو کسرہ دیا جائے گا تو اَبِيَّ و اَخِيَّ پڑھنا جائز ہوگا۔ دوسرے نحویوں کے نزدیک واو کے حذف کو نسیًا منسیًا قرار دیا جائے گا جیسا کہ یَدٌ اور دَمٌ میں قرار دیا گیا ہے۔ تو جس طرح یَدٌ اور دَمٌ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو کر یَدِیْ، دَمِیْ پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ان کو بھی اَخِیْ اور اَبِیْ پڑھا جائے گا۔ باقی اسمائے ستہ میں اتفاق ہے کہ عورت کا قول حمی اور ھنی کہ ان کو جب یائے متکلم کی طرف مضاف کیا جائے گا تو ان کی واو کو نسیًا منسیًا ہی قرار دیا جائے گا۔ اور فِيَّ جو اصل میں فَوْہٌ تھا تو ھا کو نسیًا منسیًا کے طور پر حذف کر دیا جائے گا، اور واو جو عدمِ اضافت کے وقت میم سے تبدیل ہو چکی تھی اس کو واپس لایا جائے گا۔ پھر اس واو کو یا سے تبدیل کر کے ادغام کر دیا جائے گا۔ تو اکثر استعمال میں فِيَّ پڑھا جاتا ہے اور بعض استعمال میں فمی پڑھا جاتا ہے۔ میم کو باقی رکھ کر اضافت کر دیتے ہیں لیکن عدمِ اضافت کے وقت واو کو میم سے اس لیے بدل دیا جاتا تھا کہ اعراب اور تنوین کے دخول کے وقت یہ ایک حرفی کلمہ نہ رہ جائے۔ کیونکہ جب اس پر اعراب جاری ہوگا تو فَوٌ، فَوًا، فَوٍ۔ واو متحرک ماقبل مفتوح ہو تو قـال والے قانون سے واو، الف ہو جائے گی۔ پھر التقائے ساکنین والے قانون سے واو گر جائے گی تو ایک حرفی کلمہ باقی رہ جائے گا۔ اس لیے عدمِ اضافت کی صورت میں، واو کو میم سے بدل دیا جاتا ہے۔ اور جس وقت یہ پانچوں اسم یعنی اَبٌ، اَخٌ، ھَنٌ، حَمٌ، فَمٌ، اضافت سے منقطع واقع ہوں تو ان میں اسم صریح کی طرح پڑھا جائے گا۔ اور یاد رکھیں کہ فَمٌ کو تین حالتوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ فا کے فتح کے ساتھ، ضمہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ۔ تینوں حالتیں فَم، فِم، فُم جائز ہیں۔ جب ان کی اضافت کی جائے تو ان پر تین اعراب پڑھے جاتے ہیں۔ جیسے: جَاءَنِیْ فُوْكَ، رَاَيْتُ فَاكَ، مَرَرْتُ بِفِيْكَ تو اعراب کے مطابق پڑھنا، اور حَمٌ میں تین اعراب پڑھے جائیں گے۔ اور حَمٌ کو چار الفاظ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے چار حالتوں میں پڑھنا جائز ہے۔ ❶ حَمٌ کو یَدٌ کی طرح پڑھا جائے یعنی حرف محذوف کو واپس نہ لایا جائے، جیسے: هٰذَا حَمٌ وَرَاَيْتُ حَمًا وَ مَرَرْتُ بِحَمٍ۔ اسی طرح هٰذَا حَمُكِ الخ ❷ خَبْءٌ کی طرح یعنی مہموز اللام بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسے: هٰذَا حَمْءٌ، وَهٰذَا حَمْئُكَ الخ ❸ دَلْوٌ کی طرح یعنی واو کو واپس لا کر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسے: هٰذَا حَمْوٌ الخ ❹ عَصًا کی طرح یعنی الف مقصورہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسے: هٰذَا

حمًا و هذا حماكِ الخ اور هن مطلقاً یعنی بحالتِ افراد اور بحالتِ اضافت مِثْلُ یَدٍ آیا ہے کہ واو محذوفہ کو ہرگز واپس نہیں لایا جاتا۔ جیسے: هذا هَنٌ و هذا هنُكَ الخ

قولہ وَذُوْلَا یُضَافُ اِلٰی مُضْمَرٍ وَلَا یُقْطَعُ۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ذُوْ کے لیے دو قاعدوں کا بیان ہے۔ ❶ ذُوْ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ ❷ ذُوْ بغیر اضافت کے مُستعمل نہیں ہوتا۔ دونوں قاعدوں کے لیے **دلیل** یہ ہے کہ ذُوْ کی وضع اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے اسمائے جنس کو نکرہ یا معرفہ کی صفت بنایا جاتا ہے۔ جیسے: جَاءَنِیْ رَجُلٌ ذُوْمَالٍ۔ اسی طرح جاءنی زَیْدٌ ذُوالْمَالِ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی تو ذُوْ اس کی طرف مضاف بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر ضمیر کی طرف مضاف ہوجائے تو خلافِ وضع ارتکاب لازم آئے گا' اور بغیر اضافت کے بھی استعمال نہیں ہوسکتا۔ تاکہ وضع کی مخالفت نہ ہو۔

سوال اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْہُ یہاں تو ذُوْ کی ضمیر کی طرف اضافت ہے۔

جواب یہ اشعار میں ضمیر کی طرف اضافت ہونا از قبیلِ شاذ ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (القرآن)

سِمَايَةُ النحو

اُردو شرح

هَدَايَةُ النحو

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاءُ الرحمٰن مُلتانی

صدر مدرس الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ

المکتبۃ الشرعیۃ ○ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۲

حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمن ملتانی کی تصنیفات